



# دای

غزالہ جلیل راؤ



[www.pakistanipoint.com](http://www.pakistanipoint.com)



## ✽ ملنے کے تھے ✽

662650 بلاء کالی ہاؤس لیاقت روڈ میاں جنوں  
0544-621126 میاں ندیم مین بازار جہلم  
دارالادب تلمیذ روڈ میاں جنوں ارحمت شیشتری ڈسک  
اشرف بک انجینیئرنگ چوک راولپنڈی  
شیخ بک انجینیئر فیصل آباد  
رضا لاہیری شاہ کوٹ  
ہاشمی برادرز کتب و رسائل گوردت سنگھ روڈ کوئٹہ  
الیاس بک ڈپو جلال پور جٹاں  
کارواں بک سنٹر بہاولپور  
الاخوان القادری، ہمسری کارندرون بوہڑ گیٹ ملتان  
اسلامی کتب خانہ حافظ آباد  
خان بک ڈپو حافظ آباد  
نظامی کتب خانہ پاکپتن شریف  
کلیل بک ڈپو سندھری  
خالد کتاب محل اوگرہی سیالکوٹ روڈ  
لاٹانی لاہیری ربوہ  
زمان لاہیری ربوہ  
سلیسی بک ڈپو احمد پور شرقیہ  
جالدھر بک ڈپو ڈسک  
بک ٹاؤن ایف 10 مرکز اسلام آباد 2299604  
پاکستان بک ڈپو مین بازار جلال پور جٹاں  
کارن شیشتری مارٹ مین بازار کھاریاں 510274  
کتاب گھر حسن آرکید ملتان کینٹ 061-510444  
صابر بک شال نسبت روڈ لاہور 37230780  
کارواں بک سنٹر ملتان کینٹ  
گل قریب جلی کیشنز لاہور 37320318  
علی عک ہاؤس لاہور  
عزیز شیشتری مارٹ مین بازار کھاریاں  
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور  
سلطان بک بیس گجرات پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ گجرات  
حافظ بک انجینیئر اقبال روڈ سیالکوٹ  
وارث سنز بک ڈپو صرافہ بازار پنڈ وادخان جہلم  
کارواں بک سنٹر بہاولپور  
بک بک سنٹر جلال جٹاں  
مکتبہ تنصیر لالہ سموی  
رائل بک سنٹر چوک نواب گجرات  
ارشد بک ڈپو ساہوال 0345-7438115  
مقدربک ڈپو گول چوک اوکاڑہ

37355743 مکتبہ رحمانیہ اتر سنٹر اردو بازار لاہور  
37211788 مکتبہ العلم 17 اردو بازار لاہور  
37223506 اسلامی کتب خانہ فضل الہی مارکیٹ لاہور  
37230350 مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور  
37232336 علم و عرفان جلی کیشنز اردو بازار لاہور  
منیر برادرز مین بازار جہلم  
سعید بک بینک اسلام آباد  
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ راولپنڈی  
گلش بک ڈپو اردو بازار سیالکوٹ 052-4595359  
سلیم بک سنٹر کھائی بازار سیالکوٹ 052-4592767  
اسلم بک ڈپو گوال سیالکوٹ 0347-6841995  
چوہدری بک ڈپو مین بازار دینہ  
ضیاء القرآن پبلیشرز جلیش روڈ لاہور  
اتاب گھر علامہ اقبال روڈ راولپنڈی  
نہ الیاس کتب محل پنجہری بازار جڑانوالہ  
اوریس اتاب محل مین بازار منڈی سمبولیال  
مرہم منیری بی روڈ سرائے عالمگیر 653057  
بنامالی بک ڈپو دھڑیال آزاد کشمیر  
اتفاق بک ڈپو جھول  
لوانی اسپارمنٹل شو کالج روڈ بھڑے والا 3355889  
ٹائین بک ہاؤس منڈی بہاؤ الدین  
فتار سرائے ذوالی بازار پشاور  
لال بک انجینئرات  
الفضل اتاب گھر میرپور آزاد کشمیر  
منیر بک پو مارکیٹ اسلام آباد 2278843-5  
جہانگیر بک ڈپو لاہور 37220897  
سعد جلی کیشنز مارٹ فلوئر اردو بازار لاہور 37122943  
مسلم بک لینڈ بینک روڈ مظفر آباد  
یونائیٹڈ بک ہاؤس پنجہری روڈ منڈی بہاؤ الدین  
نور ہاؤزی کتاب گھر جناح روڈ ہاؤزی 62310  
الکریم نور انجینیئر گول چوک اوکاڑہ  
شائلہ بک انجینیئر ملہ چوہدری پارک ٹوبہ ٹیک سنگھ  
ڈار برادرز تحصیل بازار جہلم  
فضلی سنز اردو بازار کراچی  
کھوکھر بک شال مسلم بازار، گجرات  
مکتبہ رشیدیہ چکوال  
بٹ بک ڈپو جہلم  
اشفاق بک ڈپو پانیال وال

# داسی

غزالہ جلیل راؤ

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور  
فون: 37211468 - 37314169

پاکستانی وقار  
دات علام



## داسی

”دو تھے شکر کے بیٹے..... بدن، جسکرن۔ بھولی بھالی شکل ان پر  
بھنڈار ہے۔ بے داس کلونتی کرن، اپر ہارن، کرن کرو پوجے، بھنڈاری، بے  
بھنڈاری، بے بھنڈاری.....!“

ہری رام جی آدھے بدن پر دھوتی باندھے گلے میں جو پہنے برابر  
کے گھر میں جھانک رہے تھے۔ وہاں سامنے رسوئی میں پر بھاکری کڑا ہی میں  
پوریاں تل رہی تھی اور مسکرا مسکرا کر پنڈت جی کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ دونوں  
میں باتیں بھی ہوتیں۔ اگر پر بھاکری کا پتی رام پر شاد گھر پر موجود نہ ہوتا۔  
پنڈت جی کی آواز ابھری۔

سو تلک چند تیواڑی نے پر بھاکری سے کہا۔

”بھاگوان.....! دان پن، سنسار کے ہر بھینکر روگ کو ٹال دیتا ہے۔

سومش کو چاہئے کہ چار پوریاں ترکاری، رکھ کر دو نے میں پلیٹ کر اوپر اُچھال  
دے۔ پیٹ کسی کا بھرے چیل، کوے ہوں یا..... رام ہرے..... رام

ہرے..... رام ہرے.....!“

ہری رام رُک گئے۔ انہوں نے پر بھاکری کے انداز میں اضطراب دیکھا۔ دو بار اس نے ہاتھ سے پیچھے کی سمت اشارہ بھی کیا تھا لیکن وہ سمجھ نہ سکے اور پھر گنگنائے۔

”دو تھے شکر کے بیٹے مدن، جسکرن.....!“

کوئی چیز زور سے پیٹھ میں چھبی تو ان کے حلق سے بطخ جیسی آواز اُبھری۔

”بھولی..... بھولی..... بھو..... بھو..... قوں.....!“

”پیچھے ہٹ جاؤ.....! بھولن بھالن، وہ ماں جادی تو ہے ہی محلے بھر ماں بدنام لوگ تم کا پنڈت جی، پنڈت جی کہتے ناہیں تھکت..... کچھ تو سرم کرو۔ اور پھر رام پرساد نے دیکھ لیا تو کانپ کھڑ توڑ کر بغل ماں رکھ دی ہے۔ ہاں.....!“

ہری رام کی بیوی کوشلیا کی طنز بھری آواز اُبھری۔

”ایں تو کہاں آگئی اتنی سردی میں اوپر.....؟“

”سردی..... ای..... سردی رہ..... دو..... اور تم کا کرت ہو سردی ماں جوانی کھولے ہوئے۔“

”ساری تپسیا بھنگ کر دی تو نے.....“

ہری رام نے دانت پیس کر کہا۔

”پڑوس میں جھانک جھکت کرت ہو۔ ای تپسیا رہت۔ رہیں تو مار۔“

کوشلیا آنکھیں نکال کر بولی۔

”پگلیا.....! نارہی ہو۔ سری.....! اری.....! ستاروں سے آنکھ لڑا

رہا ہوں۔“

”آئے ہائے ہائے.....! ستارے رام پرساد کے گھر ماں اُتر آئے ہیں کا.....؟ اور پھر منڈی اوپر کرے جرا دیکھو۔ آکاس بادلن میں ڈھکت رہن..... اور تم کا ستارے نجر آوت ہیں.....؟ ارے.....! بلاوت رہیں رام پرساد کو..... ارے.....! اور رام پرساد.....! تو یار، گھر والی تو کا پرساد ماں بانٹ رہے۔“

کوشلیا چیخی لیکن ہری رام نے جلدی سے دھرم پتی کا منہ دبایا اور اسے کھینچتی ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

ادھر رام پرشاد کی پتی پر بھاکری پوریوں کا تسلا اٹھا کر اندر گھس گئی تھی۔ مہورتی جیوتی تھی، ہری راجی، تقدیر کی باتیں بتاتے تھے۔ شادی بیاہ، کاروبار مقدے کی مہورت نکالتے تھے۔ بھاجی روٹی چل جاتی تھی۔ سولہ سال بیاہ کو ہو گئے تھے۔ اولاد کوئی نہیں ہوئی تھی۔ احساس دونوں کو تھا۔ پر بھگوان کی مرضی.....! ہاں ہری رام تاک جھانک کے عادی تھے۔ ستاروں سے آنکھ مٹکا کرتے کرتے تاک جھانک بھی کر لیا کرتے تھے۔ رام پرساد کی استری انہیں دیکھ کر مسکرائی تو پنڈت جی کو دن میں بھی تارے نظر آنے لگے۔ ویسے خطرناک بات تھی کیونکہ رام پرشاد پہلوان تھا لیکن نظر کی آسودگی کے لئے خطرہ تو مول لینا ہی پڑتا ہے۔

اس وقت بھی دھرم پتی نے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا اور پنڈت جی گھبرا گئے تھے۔ منہ پھٹ عورت تھی۔ اگر رام پرساد کو بھنک بھی پڑگی تو لینے کے دبے پڑ جائیں گے۔ نیچے آئے۔

کوشلیا کا منہ بنا ہوا تھا۔ خوشامدی لہجے میں بولے۔

”سن ری.....! منہ سیدھا کر تو ایک خوشی کی خبر ہے تیرے لئے.....!“

”تو یار ساتھ رہ کر کھوی کہاں سے مل سکتے ہری رام.....؟“  
 ”اوں ہونہ.....! سن تو سہی۔ ایک ستارہ ٹھٹھول کر رہا ہے۔ سنتان  
 دیو ہے..... وہ..... آنکھیں جھپکا رہا ہے۔ بھگوان کی سوگندھ.....!“  
 ”کا مطلب.....؟“

کوشلیا بہک گئی۔  
 ”سنتان ہونے کی خبر دیتا ہے وہ.....!“  
 ”ہائے رام.....! تو کا.....؟“  
 کوشلیا کے چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔ اور پنڈت جی چونک پڑے۔  
 ”تو..... تو آگے بول..... کیوں شرنا رہی ہے.....؟“  
 ”ہری.....!“

کوشلیا نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔  
 ”تجھے ہماری سوگندھ.....! آگے بول.....!“  
 ”ہم سمجھتے تھے..... ایسے ہی..... بس..... ہری.....!“  
 کوشلیا کو جب پیار آتا تھا تو وہ ہری رام کو ہری ہی بولتی تھی۔  
 ”ارے ہری.....! ہری.....! ہری ہی ہری.....! ابھی آیا.....!“  
 پنڈت جی دروازے کی طرف دوڑے۔  
 ”کہاں چلے.....؟“

کوشلیا ناز سے بولی۔  
 ”بانکے لعل کی دکان سے جلیبیاں لینے.....!“  
 پنڈت جی یہاں سے باہر نکل گئے۔

بہی پیدا ہوئی تھی۔

کوشلیا نے کہا۔

”جلبیاں لینے چلے گئے تھے۔ سنتان کی خبر سن کر..... لڈو لاوت

ہے تو بیٹا پیدا ہوتا۔“

”ارے تیری کی.....! بھگوان نے تجھ جیسی نکمی کو سنتان دے دی، یہ

لون سی کم بات ہے.....؟ اب بیٹا ہو یا بیٹا..... شکر بھگوان کا.....!“

”اور تم جیسے بڑے بھگت لام ہووت رہو..... ہاں.....!“

لڑتے رہنا کوشلیا کی عادت تھی۔ بہر حال سولہ سال کے بعد اولاد

ہوئی تھی۔ محلے بھر میں دھوم مچ گئی، ویسے بھی ہری رام جی اور ان کی دھرم پتی

محله والوں کو پسند تھے۔ سب اپنی اپنی ریکھائیں دکھانے جاتے تھے اور ہری

رام جی سب ہی کے من کی باتیں کرتے تھے۔ کوشلیا صرف اپنے پتی دیو سے

لڑتی تھی۔ باقی محلے میں اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔

چنانچہ جسے جیسے پتا لگا۔ وہ چند رکھ کو دیکھنے آ گیا۔ اور دیکھ کر دنگ رہ

گیا۔ کوشلیا بھی معمولی شکل و صورت کی عورت تھی اور ہری رام جی بھی لیکن

لڑکی.....!

لڑکی چاند کا مکر ا تھی، اتنے حسین اور سبک نقوش، اتنی خوب صورت

موسمی آنکھیں، چہرہ تھا کہ جاذبیت سے بھرا ہوا تھا۔ جو دیکھتا دنگ رہ جاتا اور

ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگتا، بہت سوں نے بڑے خلوص سے بدھائی

دی تھی۔

”پنڈت جی.....! آپ تو لگتا ہے آکاش سے اپرا اُتار لائے ہیں۔

اتنی سندر ہے آپ کی بیٹی.....!“

”بھگوان کی دین ہے۔ سولہ سال کے بعد جو دی ہے اس نے، تو

بھر پور دے دی ہے بس اس کے جیون کی پرا تھنا کریں۔“  
 پنڈت جی نے چند رکھ کی کنڈلی بنانے کے لئے آخر کار ستاروں سے  
 رابطہ قائم کیا۔ چند رکھ نام بھی بس اچانک ہی ذہن میں آیا تھا۔ یوں ہی لگا تھا  
 بس جیسے کسی نے کانوں میں پھونک دیا ہو۔“

نام رکھنے کی بات ہوئی تو کوشلیا بولی۔  
 ”پنڈت جی.....! کیا نام رکھیں اپنی بیٹیا کا.....؟“  
 ”میرا خیال ہے.....“

پنڈت جی کے منہ سے جملہ نکلا ہی تھا کہ کوشلیا بول پڑی۔  
 ”چندر رکھ.....!“

”ارے..... رے رے رے..... یہ کیا ہو گیا.....؟“  
 پنڈت جی حیرانی سے بولے اور کوشلیا ان کی صورت تنکے لگی۔  
 ”کا ہوئی راہین.....!“

اس نے سوال کیا۔  
 ”ارے بھگوان کی سوگندھ.....! ہم بھی یہ ہی بولنے والے تھے۔“  
 ”چندر رکھ.....؟“  
 ”تو اور کیا.....؟“

پنڈت جی بولے اور کوشلیا مسکرانے لگی پھر کہنے لگی۔  
 ”تو..... ٹھیک رہن ناں.....! تم کا بھی اوہی پسند ہے۔ سو ہم کا  
 بھی.....!“

چنانچہ نام چند رکھ رکھ لیا گیا تھا۔  
 چھٹی ہو گئی اور پنڈت جی نے پہلی بار آسمان پر چند رکھ کا ستارہ  
 تلاش کیا۔ بہت دیر تک آنکھیں پھاڑتے رہے اور پھر ایک دم چونک پڑے۔



”ہے بھگوان.....! یہ کیا چکر ہے.....؟“  
 کوشلیا بھی ان کے پاس ہی کھڑی تھی اور چند رکھ اس کی گود میں  
 لی لی تھی۔ اس نے حیرت سے کہا۔  
 ”کیا ہوی ہے.....؟“

”اریاس کا ستارہ ہی نیا ہے۔ بھگوان کی سوگندھ.....! آکاش میں  
 بھرے ہوئے ایک ایک ستارے سے ہماری جانکاری ہے۔ پر یہ ستارہ ہم  
 پہلے بار دیکھ رہے ہیں۔ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ بھگوان ہر آنے والے اور جانے  
 والے کے لئے آکاش میں ایک صورت رکھ دیتا ہے، ستارے کی شکل میں۔  
 اور وہ صورت ہمیشہ سے ہوتی ہے۔ پر ائی ستارہ نا ہی سمجھ میں آوت..... جیانا  
 ہی سمجھ میں آوت.....!“

ہری رام نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔  
 ”ایک بات ہم بھی کہیں ہری.....!“  
 کوشلیا کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور ہری رام جو سخت  
 ہیرت میں ڈوبا ہوا تھا، کوشلیا کی صورت دیکھنے لگا۔  
 ”بول ری..... بول ناں.....!“

”ڈر لگت ہے ہم کا ہری.....! بھگوان کی سوگندھ.....! کچھ عجیب سا  
 ہے۔“

”کیا عجیب سا ہے.....؟ بتائے گی نہیں.....!“  
 ”ارے.....! کا بتی ہے..... کا بتی ہے توہا..... ہم بولیں گے تو کہتی  
 کہ سری پاگل ہوی گئی ہے۔ ارے.....! بولت رہن تو کا بولت رہن.....؟  
 ایہ بات کہیں تو کا ہری رام.....! تمہیں بھگوان کی سوگندھ.....! سچ مان سی  
 ہماری بات.....!“

”بولے تب مانوں ناں.....؟“

ہری رام نے کہا۔

”ای ابی سے بولت رہے۔ بات کرت رہے..... ہم ای کی آواز

سنت رہی۔“

کوشلیا نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا اور ہری رام اس کی کہی ہوئی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر بولا۔

”تیرا مطلب ہے یہ بولتی ہے.....؟ ابھی سے.....؟“

”ہاں..... ہری رام.....! بھگوان کی سوگندھ کھا کر کہہ رہے ہیں ہم..... ہمیں ماتا جی کہہ کر پکارتی ہے۔ دو تین بار ہم نے اس کی آواز سنی ہے۔ ننھی باریک..... سندر آواز..... بھگوان کی سوندھ.....!“

”وہم ہوگا تیرا..... کوشلیا.....! چھ سات دن کی بچی کیسے بول سکتی ہے.....؟“

”اور بھی بہت سی بات رہن..... ہم تو کے کا بتی ہے.....؟“

”اے..... تو پھر اپنے ماما کو بتائے گی کیا.....؟“

ہری رام نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تو پھر.....؟“

ہری رام حیرت سے بولا۔

”تین دن ہوئی گئے۔ دودھ کا منہ نہیں گھات.....!“

”تو پھر کیا ہوا.....؟“

”ہم رسھو کی ماں کو بولت رہن تو اوکھی ہے کہ گو ماتا کا دودھ پلا

اس کو۔ تو ہم ایسا ہی کرت رہن۔ اور امی گو ماتا کا دودھ پی لئی ہے۔“

”کیسے.....؟“

”بوتل کا ڈال کر.....!“

کوشلیا نے بتایا اور ہری رام حیرت میں ڈوب گیا۔

”ہے تو یہ بڑی عجیب سی..... تیری بات میں اس لئے مانے لیتا ہوں

ا۔ میں نے اپنے جیون میں ایسا کوئی انوکھا ستارہ نہیں دیکھا، جس سے میری  
با انکاری نہ ہو۔ بھگوان جو کرے اچھا ہی کرے.....!“

اور بھگوان جو کر رہا تھا، اچھا ہی کر رہا تھا۔ غالباً سترہ یا اٹھارہ دن کی  
۱۰ چلی تھی چندر مکھ کہ ایک رات کوشلیا کی آنکھ کھل گئی۔ ہری رام آدھی رات  
تک ستاروں سے آنکھیں لڑاتا رہتا تھا۔

لیکن اب کوشلیا نے چھت پر آنا چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے اسے یہ  
بات معلوم نہیں تھی کہ رام پرشاد کی دھرم پتی بھی آدھی رات تک ستارہ بن کر  
بھت پر جگمگاتی رہتی ہے۔ اس نے بڑے دکھ بھرے انداز میں ہری رام کو  
بیٹی کی پیدائش کی بدھائی دی تھی۔ اور کہا تھا۔

”کہ ہری رام.....! ہمارے لئے بھی دُعا کر دے.....!“

”جیسا تو کہے.....! دُعا بھی کرنے کو تیار ہیں ہم..... اور دوا بھی۔“

ہری رام نے مستی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

”دوا نہ کرو تو اچھا ہی ہے ہری رام.....! کیونکہ رام پرشاد کو پتہ چل

کیا تو پھر تمہاری رتیریاں ہو جائیں گی۔“

”ہرے رام.....! ہرے رام.....! ہرے رام.....!“

ہری رام نے خوفزدہ لہجے میں کہا سو اس دن ہری رام ستارہ شناسی  
کے بعد آکر گہری نیند سو گیا تھا۔ اس کی نیند بھی گھوڑے بیچنے والی ہوتی تھی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ کوشلیا کی آنکھ کھل گئی اور اس نے  
ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ چندر مکھ اس سے اس کے پاس نہیں لیٹی ہوئی

میں بلا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر اسے ایک عجیب سی عورت نے اپنی گود میں لے لے بٹھایا ہوا تھا۔ چند رکھ اس کی گود میں ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔

”اور یہ عورت“

اس کا چہرہ دھندلا ہٹوں میں لپٹا ہوا تھا لیکن پورا بدن نظر آ رہا تھا۔ وہ سفید رنگ کی ایک دھوتی باندھے ہوئی تھی اور گداز ہاتھ پاؤں کی مالک تھی لیکن دوسری جیرانی کی بات یہ تھی کہ اس سے کچھ فاصلے پر ایک چمکدار تھال آرتی کے انداز میں گردش کر رہا تھا۔ اس تھال میں سات دیئے روشن تھے اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا جو اس آٹھی کو چند رکھ کے گرد گھما رہا ہو۔

کوشلیا نے آنکھیں مل مل کر دیکھا۔ سب گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے سو رہے تھے۔ کوشلیا جانتی تھی کہ اس وقت اگر پنڈت جی کے کانوں کے پاس ڈھول بھی بجا دیئے جائیں تو وہ نہیں اٹھیں گے۔

لیکن وہ جو کچھ دیکھ رہی تھی، ہوش و حواس کے عالم میں دیکھ رہی تھی اور وہ ہوش میں تھی۔ وہ دھندلی شکل والی عورت بدستور گھوم رہی تھی۔ کوشلیاں نے اپنی جاگتی آنکھوں سے تھالی کے چکروں کو دیکھا اور انہیں گنا۔ پورے اکیس چکر ہوئے تھے اور اس کے بعد تھالی ایک جگہ ٹک گئی، کوشلیا کا دم سینے میں اٹکا ہوا تھا۔ اس کی چیخ تک حلق سے باہر نہیں آ رہی تھی۔

پھر سفید دھوتی والی عورت اپنی جگہ سے اٹھی۔ کوشلیاں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کا چہرہ کچھ اس طرح دھندلا ہٹوں میں لپٹا ہوا تھا کہ اس کے نقوش نظر نہیں آ رہے تھے۔ البتہ کوشلیا نے اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔

وہ چند رکھ کو بڑے پریم سے گود میں لئے ہوئے آگے آ رہی تھی اور پھر اس نے اسی پریم سے چند رکھ کو کوشلیا کے برابر اس کے بازو پر لٹا دیا اور

اہاں پلٹ گئی۔

تھالی کے قریب پہنچ کر اس نے ساتوں چراغ پھونک مار کر بجھائے اور اس کے بعد دروازے کی طرف بڑھ گئی لیکن کوشلیا نے یہ بھی دیکھا کہ اس نے آرتی کی تھالی نہیں اٹھائی تھی اور تھالی اسی جگہ موجود تھی۔ بلکہ اس میں رکھے ہوئے چراغوں سے مدھم مدھم دھوئیں کی لکیریں اُڑ رہی تھیں۔ کوشلیا نے ایک بار پھر ہری رام کی طرف دیکھا اور دانت نکوس کر رہ گئی۔ اس کے منہ سے مدھم آواز نکلی۔

”ایسا پتی بھی بھاڑ میں جائے..... جسے نیند کے آگے کچھ بھائی ہی نہیں دیتا۔ ارے ہری رام.....! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ہری رام جی.....! ہری او..... ہری.....!“

وہ آوازیں دیتی رہی اور ہری رام جی عالم خواب میں پڑوسن سے بات کرتے رہے۔

اب نیند بھلا کا ہے کو آتی تھی.....؟ کئی بار اس نے سہمی ہوئی سی نگاہوں سے چند رکھ کو دیکھ۔ چند رکھ سوچوں میں مسکرا رہی تھی۔ کوشلیا کے منہ سے آواز نکلی۔

”ہے بھگوان.....! ہے بھگوان.....! کیا ہے یہ سب کچھ.....؟“

بہر حال وقت گزرتا رہا۔ پھر صبح کا اُجالا پھوٹنے لگا اور پنڈت جی کر دھیں بدلنے لگے۔ پھر ان کے منہ سے نکلا۔

”رام ہرے.....! رام ہری.....! رام ہرے.....!“

”ہری رام.....! ہری رام.....! ہری رام.....! اب اٹھت ہو کہ پانی اٹھا کے ڈالت تو ہار منہ پا.....؟“

کوشلیا نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اُٹھتے ہیں بھاگوان.....! ایسی کیا جلدی ہے.....؟“  
 ”ہاں.....! جلدی کارسیت، نہ پوجا کے نہ پاٹ کے بس، چھت پہ جا  
 کے آنکھیں سیکت رہو۔ اوہی توہار پوجا رہے۔“  
 ”شروع ہوگی۔ شروع ہوگئی صبح ہی صبح.....!“  
 ”ارے.....! ہم کہت اُٹھو.....! دیکھو کا اندھیر ہوئی رہا ہے.....؟“  
 ”اندھیر.....؟“

”تم اُٹھت ہو کہ ناہی.....؟ بھگوان کی سوگندھ.....! اب توہار منہ پر  
 کنورہ بھر کر پانی ڈالت ہی رہن ہم.....!“  
 ”لے اُٹھ گئے..... کیا ہو گیا صبح ہی صبح.....؟“  
 ”ادھر دیکھو..... ادھر.....!“

کوشلیا نے سامنے کی سمت اشارہ کیا۔ جہاں پوجا کی تھالی رکھی ہوئی  
 تھی۔

”یہ کیا ہے.....؟“  
 پنڈت جی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”منہ ہاتھ دھولو..... پھر بتات رہن.....!“  
 ”ای..... ایسے ہی بتادے..... بھاگوان یہ کیا ہے.....؟“  
 ”جرا قریب جا کے دیکھو.....!“  
 کوشلیا نے کہا۔

ہری رام کو خود حیرت ہوئی تھی۔ ایک عجیب ہی سی تھالی نظر آ رہی  
 تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور ننگے پاؤں ہی تھالی کی طرف بڑھ گئے۔ قریب  
 جا کر انہوں نے تھالی کو غور سے دیکھا۔

سنہرے رنگ کی بڑی سی تھالی تھی اور اس میں سات سنہرے چراغ



وہ دودھ تھے۔ جن میں گھی نظر آ رہا تھا۔ گھی کی خوشبو فضا میں اڑ رہی تھی اور ہڈت جی..... کیونکہ خود بھی دیسی گھی کے شوقین تھے، اس لئے اس خوشبو کو محسوس کر رہے تھے۔ ان کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ تھالی میں ایک پیالی سی چندن، ایک میں سندور، تیسری پیالی میں تھوڑی سی مٹھائی اور ایک ناریل رکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ تھوڑا سا کلاوہ بھی موجود تھا۔ یہ ساری چیزیں آرتھی اُتارے کے لئے استعمال کی جاتی تھیں لیکن یہ سامان کہاں سے آیا.....؟

دفعۃً ہی پنڈت جی کو ایک اور احساس ہوا۔ یہ سنہرا رنگ بڑا جاندار تھا۔ عام طور سے پیتل، تانبا، یا کسی بھی چیز کو پالش کر دیا جائے تو یہ رنگ نہیں بنتا تھا۔ انہوں نے لرزتے ہاتھوں سے ایک چراغ ہاتھ میں اٹھا لیا اور اسے ہتھیلی پر رکھ کر دیکھتے گئے۔ بدری ناتھ سار سے ان کی گہری یاری تھی۔ بدری ناتھ سونے کا کام تو کرتا ہی تھا لیکن اصل کام چور کی چیزیں خریدنا تھا۔ بظاہر ایک ٹوٹے پھوٹے سے گھر میں رہتا تھا لیکن اس گھر کے نیچے کلسوں میں اتنی مایہ گڑھی ہوئی تھی کہ بدری ناتھ کروڑ پتی سے کم نہیں تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ اس کی دھوتی سے جوئیں ٹپکتی تھیں اور بندھی ہمیشہ کالی چیکٹ ہوا کرتی تھی۔ بدری ناتھ کے ساتھ رہتے ہوئے پنڈت ہری رام کو سونے کی بڑی پہچان ہو گئی تھی اور اس وقت نہ جانے کیوں ان کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ چراغ جو ان کے ہاتھ میں ہے، وہ سونے کا ہے۔ اب باقی باتیں تو وہ بعد میں کوشلیا سے پوچھ لیں گے۔

ذرا یہ تو اندازہ لگائیں کہ ان کا خیال ٹھیک ہے یا غلط.....؟ چنانچہ وہ کمرے سے باہر نکل آئے اور پھر انہوں نے چراغ کو صحن میں پڑی ہوئی سیل کے بٹے پر رگڑ کر دیکھا تو بٹے پر جو لکیر ابھری وہ سو فیصدی سونے ہی کی

تھی۔

”ہرے رام.....! ہرے رام.....! ہرے رام.....!“  
 ہری رام کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چراغ کو دیکھتے رہے۔ پھر اس میں انگلی ڈال کر گھی کو چھوا۔ اسے ہاتھ پر مل کر اسے سونگھا۔ اتنی دیر میں کوشلیا باہر نکل آئی تھی۔ چند رکھ گہری نیند سو رہی تھی۔  
 ”ہم تو سمجھت رہیں کہ آپ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ارے.....! کیا کرت ہو ادھر.....؟“

”کوشلیا.....! کوشلیا.....! اندر آ.....! اندر آ.....!“  
 پنڈت جی لرزتی ہوئی آواز میں بولے اور غڑاپ سے اندر گھس گئے۔ کوشلیا ان کے پیچھے پیچھے اندر آ گئی تھی، پنڈت جی دوبارہ تھالی کے پاس پہنچ گئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے۔  
 ”کوشلیا.....! یہ کہاں سے آئی.....؟“  
 ”تم ہوش میں آؤ رہو..... تو ہم تم کا بتی ہے۔“  
 کوشلیا نے کہا۔

”تو بتانہ جلدی.....! کہاں سے آئی یہ.....؟“  
 تب کوشلیا نے رات کا پورا واقعہ پنڈت جی کو بتا دیا۔ پنڈت جی کوشلیا کو ہمیشہ کا پاگل سمجھتے تھے اور اسے سے بھی یہ ہی سب کچھ ہوتا۔ پھر تھالی، اس میں رکھے چراغ، اس میں رکھی پیالیاں، چندن سندور، گھی، ناریل ساری چیزیں کوشلیا کو سچا ثابت کر رہی تھیں۔ وہ وہیں تھالی کے پاس بیٹھ گئے اور احمقوں کی طرح کوشلیا کام نہ دیکھنے لگے۔

”بھگوان کی سونگندہ.....! میری تو جان نکل گئی ہے۔ سولہ سال کے بعد بھگوان نے سنتان دی ہے۔ پھر اس سے بھی ڈر لگنے لگا ہے۔“

”ارے.....! تو تجھے کون سا کھائے جا رہی ہے.....؟ چل ہٹ ادھر

پنڈت جی نے کہا اور تھالی ہاتھوں میں اٹھالی پھر انہوں نے کوشلیا  
ایک اور برتن منگوایا اور جب برتن آگیا تو انہوں نے سندور، چندن، گھی  
فیہرہ اس برتن میں اُنڈیل دیا اور پھر انگوچھے سے پیالیوں کی صفائی کرنے  
لگے۔ ان کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ ہر چیز سونے ہی کی معلوم ہوئی تھی اور اتنا  
ونا تو جیون ہی بدل سکتا تھا۔ لاکھوں روپے کی مالیت کا سونا تھا اور سب سے  
بڑی بات یہ تھی کہ یہ وزنی تھالی بھی سونے ہی کی لگ رہی تھی۔

کوشلیا کو شاید ابھی تک حقیقت معلوم نہیں تھی۔ ورنہ وہ تو خوشی سے  
بے ہوش ہو جاتی لیکن پنڈت جی کا بدن آہستہ آہستہ لرز رہا تھا۔ دل کی بات  
کوشلیا کے علوہ بھلا اور کسی سے کیسے کہہ سکتے تھے۔

”وہ سو رہی ہے ناں.....!“

”ہاں.....!“

”تو پھر جلدی سے آ..... بھڑئی..... بھڑئی..... میں جا کے گڑھا  
کھود یہ چیزیں اس میں گاڑھی ہیں۔“  
”کیوں.....؟“

”پاگل.....! سونا ہے کھرا سونا..... سمجھی..... یہ پیالیاں، یہ چراغ، یہ  
تھالی سب سونے کی ہے اور سونا کبھی کھرا سونا.....!“  
”دماغ چل گیا ہے تو ہار.....! کیا پنڈت جی.....؟“  
کوشلیا کی آواز میں بھی اب لرزش پیدا ہو گئی تھی۔

”ہاں.....! دماغ چل گیا ہے میرا.....! جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ  
کر.....!“

”ہائے رام.....! مگر یہ سب کیا.....؟“

”بتاؤں تجھے میں ابھی..... ارے.....! جو کہہ رہا ہوں، وہ کر.....!“

مارکھانی ہے کا ہمارا ہاتھ سے.....؟“

”کرت رہو..... کرت رہوں بابا.....! کرت رہوں۔“

کوشلیا نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد پنڈت جی نے وہ ساری چیزیں بڑی حفاظت کے ساتھ زمین میں دفن کر دیں اور اس پر گھاس پھوس ڈال دیا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔ بس ایک چراغ جو انہوں نے پہلے سے اٹھایا ہوا تھا، وہ انہوں نے اپنے پاس رہنے دیا تھا۔ ان کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔

”کا ہوئی گوا تم کا.....!“

”کوشلیا.....! یہ ساری چیزیں سونے کی ہیں اور اگر یہ سب ہماری

ہیں اور اور کوئی انہیں واپس لینے نہیں آتا تو سمجھ لو کہ ہمارے دن پھر گئے۔“

”اور ہم تم کا بتا دی ہے کہ وہ امی کا آرتھی اتارت رہن.....!“

”ہاں.....! اس کا مطلب ہے کہ ہمارے گھر میں لکشمی دیوی آئی

ہیں.....؟ ارے.....! کون سی غلط بات ہوئی ہے کوشلیا.....؟ وہ جتنی سندر

ہے۔ سمجھ لے آکاش سے اپسرا اُتری ہے اور یہ اپسرا ہی نہیں بلکہ لکشمی بھی

ہے۔“

کوشلیا بے وقوفوں کی طرح گردن ہلانے لگی تھی۔



بدری ناتھ نے بار بار چراغ کو سونا پر کھنے والی کسوٹی پر رکھا۔ وہ اپنے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے پنڈت ہری رام کو دیکھنے لگتا۔ پھر اس نے

نہ بیڑھا کر کے کہا۔

”کسی مندر سے مار کر لائے ہو.....؟ پنڈت جی.....! شاید.....“  
دیکھ بدری ناتھ.....! یہ ٹھٹھول کا سے نہیں ہے۔ جو کچھ میں تجھ سے  
پوچھ رہا ہوں وہ بتا.....!“

”سونے کا ہی ہے۔ کھرا اور چوکھا سونا.....!“

”کیا دے گا اس کا.....؟“

”بتاؤ گے نہیں پنڈت جی.....! آیا کہاں سے.....؟“

”ادھر لا..... ادھر لا.....! تجھ سے ہمارا کام نہیں بنے گا۔ سرافہ  
مارکیٹ لے جاتے ہیں۔ وہاں اس کے کھرے دام ملیں گے۔“

”وہ تو ملیں گے پنڈت جی.....! پر وہاں بھی لوگ تم سے یہ ہی  
پوچھیں گے کہ یہ سونے کا چراغ آیا کہاں سے.....؟“

”ارے.....! انہیں آم کھانے سے مطلب، پیڑ کیوں گنتے ہیں.....؟  
لا بھائی.....! لا.....! ہمارا وقت ضائع مت کر.....!“

پنڈت جی نے کہا اور چراغ بدری ناتھ کے ہاتھ سے جھپٹنے کی کوشش  
کی لیکن بدری ناتھ نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا تھا۔

”چھری تلے دم تو لو پنڈت جی.....! انوکھی چیز ہے۔ اس لئے  
حیران ہو رہا ہوں۔ کیا لو گے بتاؤ اس کا.....؟“

”وزن کرو..... وزن.....! پھر بتاؤ کیا بنا.....؟“

”ارے.....! وزن تو ہم اپنے ہاتھوں ہی سے کر لیتے ہیں، بیس ہزار  
دے دیں گے تمہیں اس کے پنڈت جی.....!“

ایک بار پھر پنڈت جی کا بدن لرز اٹھا۔ مگر وہ بڑے سیانے تھے۔ سمجھ  
گئے کہ بدری ناتھ گڑبڑ کر رہا ہے۔

”لا بھئی.....! لا..... چراغ ادھر دے..... تو پتہ نہیں کیا سمجھ رہا ہے.....؟ پچاس ہزار سے کم نہیں لوں گا۔ من چاہے لے..... من چاہے مت لے۔“

”ارے.....! تو چیل کی طرح جھپٹے کیوں مار رہے ہو.....؟ ہری رام.....! بات تو سنو.....! پچاس ہزار بہت زیادہ ہیں اور ہمیں یہ بھی پتا ہے کہ یہ تمہارے پر کھے ورثے میں نہیں چھوڑ گئے ہوں گے۔ کہیں سے ہاتھ لگا ہے تمہارے.....! کل کو پولیس آگئی ہمارے پاس تو بھگتنا تو ہمیں ہی پڑے گا۔ تم تو مکر جاؤ گے.....!“

”بدری ناتھ.....! بہت باتیں بنا رہا ہے تو.....! پچاس ہزار دینے ہیں یا نہیں دینے.....؟“

”یار.....! کچھ کم کرو.....! چالیس کر لو.....!“

”پچاس ہزار سے ایک دمڑی کم نہیں ہوگی..... سمجھ گیا تو.....!“

”سمجھ گئے بھائی.....! سمجھ گئے۔ ٹھیک ہے، دیئے دیتے ہیں پچاس ہزار، پر یہ ہی اکیلا ہے یا اور بھی کوئی ہے.....؟ میرا مطلب ہے، ایسی کوئی اور چیز.....؟“

”ہاں.....! جیسے آکاش سے برس رہا ہے یہ سونا.....؟ لا نکال پیسے

یار.....!“

پچاس ہزار کی رقم پنڈت جی نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ واپس پلٹے تو پاؤں گرز رہے تھے، کوشلیا کو بتانے کی ہمت بھی نہ پڑی سکی۔ بس رقم چھپانے کے چکر میں پڑ گئے اور پھر بات آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

دوسرا چراغ سرافہ مارکیٹ میں ڈیڑھ لاکھ میں بکا تھا اور پنڈت جی کا دل خون ہو کر رہ گیا تھا۔ بدری ناتھ پورے ایک لاکھ مار گیا۔ مگر یہ دو لاکھ



پھر اس سے بعد لاکھوں روپے یہاں تک کہ تھال تک بک گیا اور ہڈت جی کے پاس کلسوں میں دولت بھری ہوئی تھی اور ان کا دماغ لے پر نہیں تھا۔

اب تو چھت پر جانا بھی چھوڑ دیا تھا اور کئی بار پر بھاکری آچکی تھی۔  
 اظہار وہ چند رکھ کی خبر گیری یا اس سے ملنے کے لئے آئی تھی لیکن کوشلیا دیوی  
 ہائی تھیں کہ اس کی آنکھیں کسے تلاش کرتی ہیں.....؟

دولت آئی تو دماغ بھی اونچے ہونے لگے۔ ہر طرح کی آسائش  
 ام لردی گئی تھیں اور صاف نظر آتی تھیں۔ تب پنڈت جی نے کوشلیا سے  
 لہا۔

”دیکھ بھاگوان.....! بھگوان نے وہ سب کچھ دے دیا ہے جو ہم  
 نے پنوں میں بھی نہیں دیکھا اور سوچا تھا۔ اب اسے استعمال بھی تو کرنا  
 ہے.....!“

چنانچہ گھر بننا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہری رام کا اونچا سا گھر  
 بن گیا۔

ادھر چند رکھ بھی تیزی سے بڑی ہو رہی تھی۔ سال، دو سال، تین  
 سال..... یہاں کہ وہ پانچ سال کی ہو گئی اور اس کے لئے لکھائی پڑھائی کا  
 اندازت ہونے لگا۔ عجیب سی تمکنت، عجیب سا بانک پن تھا اس کے اندر۔  
 بہت لم بولتی تھی۔ حسن و جمال میں یکتا تھی۔ دیکھنے والے اسے دیکھتے کے  
 اہستے ہی رہ جاتے۔ اس کے اندر رانیوں جیسی شان و شوکت تھی۔ لگتا ہی نہیں  
 تھا کہ معمولی جیوتی یا نجوی کی بیٹی ہے۔

کچھ ایسے انوکھے انوکھے واقعات ہوا کرتے تھے جو ناقابل یقین تھے  
 ان اب کم از کم ماما پتا یہ بات جان چکے تھے کہ چند رکھ کی شکل میں ان کے

ہاں کوئی دیوی اُتری ہے۔

پانچ سال کی عمر میں اس کے گیان دھیان کا بندوبست کیا گیا اور بستی ہی کے ایک اسکول میں اس کا داخلہ کرا دیا گیا۔ وہ اسکول میں داخل ہوئی تو اس کی شان ہی الگ تھی۔ اسکول کے کرتا دھرتا پنڈت رما شکر تھے۔

رما شکر جی..... بڑے گیانی دھیانی تھے اور اس کے علاوہ وہ ایک مندر میں بھی درس دیا کرتے تھے اور ان کی بات بڑی سمجھی جاتی تھی۔ تو ایک دن پنڈت جی دین دھرم کی باتیں کر رہے تھے۔ بات راجہ بھوج کی ہو رہی تھی۔ جس کے ساتھ گنگوٹیلی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ پنڈت جی بتا رہے تھے۔ ”راجہ بھوج کا تعلق فوراً قوم سے تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بڑا سخی داتا تھا اور ہر طرح سے وکرم، اجیت کی پوری پوری تقلید کرتا تھا۔ وہ راتوں کو بھیس بدل بدل کر پھرتا تھا۔ اور ضرورت مندوں اور فقیروں وغیرہ کے حالات سے آگاہ ہوتا تھا۔ اور ان کی خبری گیری کرتا تھا۔

راجہ بھوج نے اپنے دور میں رعایا کی خوشنودی، خوشحالی اور آسودگی کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ تین مقامات، کھرکھوں، بچہ نگر اور ہنڈیا۔ اسی راجہ کے عہد میں آباد کئے گئے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے اندر کچھ خرابیاں بھی تھیں۔ وہ عورت پرست تھا اور ہر سال میں دو مرتبہ ایک بہت بڑا جشن منایا کرتا تھا۔ جس میں ہندوستان کے ہر حصے کے رقص و سرور کے ماہرین شرکت کیا کرتے تھے۔

جشن کا یہ سلسلہ چالیس روز تک جاری رہتا تھا اور اس میں سوائے ناچ گانے کے اور کوئی کام نہ ہوا کرتا تھا۔ دورانِ جشن میں ہر گروہ کو کھانا، شراب اور پان وغیرہ حکومت کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ میرا مطلب ہے، راجہ بھوج کے دورِ حکومت میں۔“

اس وقت، چند رکھ نے اٹھ کر کہا۔

”اور راجہ بھوج کے زمانے ہی میں ایک شخص جس کا نام باس دیو تھا،  
 راجہ بن بیٹھا اور بہار کو جو بنگال کی طرح قنوج سے علیحدہ ہو گیا تھا،  
 اسے قبضے میں لے آیا اور اپنا رعب اچھی طرح قائم کر لیا۔ اسی راجہ  
 کا ایک واقعہ ہے کہ بہرام، گور، ایک سوداگر کے بھیس میں ہندوستان  
 آیا۔ وہ یہاں کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔

بہرام گور کے ہندوستان آنے اور اس کے یہاں پہچان لئے جانے  
 کا واقعہ یوں ہے کہ جن دنوں وہ یہاں تھا، ایک جنگلی ہاتھی قنوج میں اتفاق  
 سے آگیا اور کوئی دن ایسا نہ گزرتا کہ یہ مدہوش ہاتھی بہت کے جیون بھیٹ  
 میں پڑھا دیتا۔ راجہ باس دیو نے کئی بار اس ہاتھی کا کام تمام کرنے کی کوشش  
 لی لیکن ہر بار ناکام رہا۔ جس روز بہرام قنوج میں داخل ہوا۔ شہر میں داخل  
 ہوا اور سارے شہر میں شور مچ گیا۔

راجہ نے شہر کے تمام دروازے بند کر دینے کا حکم دے دیا۔ مگر بہرام  
 گور نے جب یہ خبر سنی تو وہ اکیلا اس بدست ہاتھی کے سامنے آیا اور ایک ہی  
 بار ابا مارا کہ خطرناک جانور کا کام تمام ہو گیا۔ شہر کے لوگوں نے جب یہ عالم  
 دیکھا تو بہرام گور کے پیروں پر گر پڑے اور جب راجہ باس دیو کو یہ واقعہ  
 معلوم ہوا تو اس نے بہرام گور کو بلایا۔ راجہ کے مصاحب نے بہرام کو پہچان  
 لیا۔

کیونکہ ایک سال قبل جب وہ نذرانہ لے کر ایران گیا تھا تو اس نے  
 بہرام کو دیکھ لیا تھا۔ باس دیو کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بہرام کے  
 سامنے خادموں کی طرح حاضر ہوا اور اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دی۔ باس  
 دیو اب تک زندہ رہا۔ ہر سال بیش قیمت تحفے بہرام گور کو بھیجتا رہا۔ اس نے

تیر سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی اور ایک مشہور شہر کا لکی اس بادشاہ کا آباد کیا ہوا ہے۔ اس نے اپنے پیچھے بیس بیٹے چھوڑے جو سلطنت حاصل کرنے کے لئے آپس میں مسلسل دس سال تک لڑتے رہے۔

آخر کار سپہ سالاروں نے ان بھائیوں سے فائدہ اٹھایا۔ اور قنوج پر قبضہ کر کے ایک عظیم الشان بیٹھا۔“

ایک معصوم سی باریک آواز میں یہ واقعہ سنایا جا رہا تھا۔ اور سننے والے بالکوں کی طرح اس حسین لڑکی کی صورت دیکھ رہے تھے۔ پنڈت رواشنکر جی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ دیوانوں کی طرح چندر مکھ کو دیکھ رہے تھے۔

چندر مکھ خاموش ہوئی تو عجیب و غریب آوازیں فضا میں گونجنے لگیں۔ ”یہ کون ہے.....؟ یہ کیا ہے.....؟ اتنی چھوٹی سی بچی کو اتنی معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں.....؟ پنڈت رواشنکر جی.....! آپ نے تو اسے ایک انتہائی گیانی لڑکی بنا دیا۔“

”نہیں بھائیو.....! سچ بتاؤں..... اس میں میری کوئی خوبی نہیں ہے۔ ہے بھگوان.....! ہے بھگوان.....! یہ سب کیا ہے.....؟“

اور اس شام پنڈت رواشنکر جی ہری رام کے ہاں پہنچ گئے۔

”ہری رام.....! تم سے اکیلے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

پنڈت جی نے سر دلچھے میں کہا۔

”آئیے پنڈت جی.....! آئیے.....! کیا بات ہے.....؟“

ہری رام جس کا اب لہجہ ہی بدل گیا تھا، مسکراتے ہوئے بولا اور پنڈت جی کو اپنی بیٹھک میں لے گیا۔

پنڈت جی تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے۔ پھر انہوں نے

لہا۔

”ہری رام.....! میں تم سے تمہاری بیٹی کے بارے میں چند باتیں  
لرنا چاہتا ہوں۔“

”جی مہاراج.....! کہئے.....! آپ اس کے گرو ہیں۔ کیا کہنا چاہتے  
ہیں آپ.....؟“

”اگر میں تم سے یہ کہوں ہری رام.....! کہ میں اس کا گرو نہیں بلکہ  
اب وہ میری گرو ہے..... تو تمہیں یقیناً ہنسی تو آئے گی۔“  
”ہنسوں گا تو نہیں پنڈت جی.....! پر بات نہ سمجھ میں آنے والی  
ہے۔“

”ہاں.....! یہ بتاؤ..... اسے ودیا کس نے دی ہے.....؟“  
”پنڈت جی.....! دینے والے تو آپ ہی ہیں اور کون اسے ودیا  
دے گا.....؟“

”میں نہیں مانتا۔ ہری رام.....! میں نہیں مانتا۔ وہ تو بہت عجیب  
ہے، بہت ہی عجیب ہے۔ بھگوان کی سوگندھ.....! آج تو اس نے درس کے  
بجے جو ہمیں بتایا ہے، وہ میرے علم میں بھی نہیں تھا۔“  
ہری رام ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ بہت دیر تک چپ  
رہا۔ پھر بولا۔

”پنڈت جی.....! بھگوان ہی جانتا ہے کہ وہ کیا ہے.....؟ ہے تو  
میری اولاد لیکن آپ یقین کرو کہ اس کے جنم کے بعد۔۔۔ آج تک حیرانی کے  
پہاڑ ٹوٹتے رہے ہیں۔ ہم پتی پتی، پر وہ ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔“  
”تعب کی بات ہے.....! چلو خیر..... تم ٹھیک کہتے ہو۔ پر میں ایک  
بات تم سے کہوں۔ ہری رام.....! اس کے اندر جو بھی عجیب بات ہو، وہ

دوسروں کو بتانے کی نہیں ہے۔ اس کی کہانی کسی کو نہ سنانا۔ ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔“

”وہ کیسے پنڈت جی.....؟“

ہری رام نے کسی قدر تشویش سے کہا۔ لیکن رامشکر نے اس سے آگے کوئی اور بات نہیں بتائی تھی۔

اور اسی رات ہری رام نے چندر مکھ سے پوچھا۔

”چندر مکھ.....! بیٹا.....! ہم تیرے ماما پتا ہیں۔ تجھ سے جو کچھ

پوچھیں گے، بتائے گی ہمیں.....؟“

”ہاں.....! کیوں نہیں.....! پتا جی.....! آپ کی پتری ہوں میں۔“

”بیٹا.....! تیرے اندر بہت سی عجیب باتیں ہیں۔ کچھ بتائے گی اس

بارے میں کہ وہ عجیب باتیں تو نے کہاں سے سیکھیں.....؟“

چندر مکھ اس وقت بڑی سنجیدگی سے ہری رام کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

”میں..... نہیں جانتی پتا جی.....! میں بالکل نہیں جانتی۔ بھگوان کی

سوگندہ.....! جب میں آپ کے اور ماما جی کے چرنوں میں ہوتی ہوں تو مجھے

یوں لگتا ہے کہ جیسے میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔ کچھ بھی نہیں معلوم مجھے سنسار

کے بارے میں۔ بس جتنا آپ لوگ بتا دیتے ہیں۔

لیکن پھر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجھے یوں لتا ہے جیسے ادھر ادھر

اپسرا میں ناچ رہی ہوں۔ میرا من ڈولنے لگتا ہے اور اس سے میں بڑا عجیب

سامحوس کرتی ہوں اور کچھ نہیں.....!“

اس سے چندر مکھ بالکل معصوم اور سادہ انداز میں باتیں کر رہی تھی

اور پنڈت ہری رام گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔



پھر اسی رات بہت دن کے بعد وہ اپنے بلند و بالا گھر کی چھت پر پہنچا۔ اب اس گھر کی ہر شے بدل گئی تھی۔ بیچاری پر بھاکری بہت نیچے پہنچ گئی تھی۔ اسی جگہ سے اس کو دیکھ کر مسکرایا بھی نہیں جایا جاسکتا تھا۔ نہ ہی اس کی دلی یہاں سے نظر آتی تھی۔ پنڈت جی بہت اوپر چلے گئے تھے۔ مگر آج انہوں نے بہت عرصے بعد ستاروں سے رابطہ قائم کیا۔ بہت دیر تک وہ اپنی دلیا کے مطابق ستاروں میں وہ ستارہ تلاش کرتے رہے جو انہیں بہت عجیب محسوس ہوا تھا اور وہ انہوں نے اس لمحے دیکھا تھا۔ جب چندر مکھ نے جنم لیا تھا۔

نہ جانے کتنی کوشش کے بعد وہ ستارہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر انہوں نے پوٹلی نکال کر سمنے رکھی اور ستاروں سے معلومات حاصل کرنے لگے۔



بہت سی عجیب باتیں ہوئی تھیں۔ اس دوران طرح طرح کے کھیل ہوئے تھے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ پنڈت ہری رام خود بھی اس بارے میں کچھ نہیں سمجھ سکے تھے۔ سترہ سال کی ہو چکی تھی چندر مکھ..... اور ہندو مکھ ہی تھی۔

ہری رام اسی مکان میں تھے۔ پرکھوں کی زمین چھوڑنے کا من نہیں چاہا تھا۔ ورنہ دولت کے انبار تھے ان کے پاس۔ کیا نہیں تھا جو ان کے پاس نہ آ گیا ہو.....؟ وہ کیسے کیسے آ گیا ہو.....؟ چودہ سال کی تھی۔ اس لمحے چندر مکھ کہ ایک رات دونوں پتی پتی کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ باہر آنگن میں روشنی ہو رہی ہے۔ یہ روشنی کیسی ہے.....؟ اسے دیکھنے کے لئے انہوں

نے اپنی کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو انہیں ایک عجیب ہی منظر نظر آیا۔  
 باہر سے اندر تک سبھا جی ہوئی تھی اور پھر اتنی خوب صورت لڑکیاں  
 وہاں موجود تھیں کہ ان کو دیکھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔ خوب صورت  
 روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور ان کے بیچ میں چند رکھ اپنا گھاگرہ پھیلائے  
 بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ دلہن بنی ہوئی تھی اور وہ نو اپسرائیں اس کی سیوا کر رہی تھیں۔  
 پنڈت جی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چند رکھ کے ارد گرد چھوٹے  
 چھوٹے برتن رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے کوئی چیز چمک رہی تھی۔ پھر ان  
 اپسراؤں نے چند رکھ کو سجایا بنایا اور اس کے بعد وہ رقص کرنے لگیں۔  
 ایسا حسین رقص تھا ان کا کہ دیکھنے والے کی نگاہیں نہ ٹھہر سکیں۔  
 تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ انہوں نے چند رکھ کا ہاتھ پکڑ کر  
 اٹھایا اور پھر اسے ایک طرف لے گئیں۔

”ہے رام.....! ہے رام.....! ہے رام.....! ای کا ہوت  
 رہے.....؟“

کوشلیا کے منہ سے نکلا اور پنڈت جی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ  
 دیا۔ پھر وہ آہستہ سے بولے۔

”یہ اپسرائیں ہیں۔ بھگوان کی سوگندہ.....! یہ اپسرائیں ہیں۔ یہ  
 راجہ اندر کے استھان سے نیچے اُتری ہیں۔“

”ہائے.....! تو کیا وہ میری چند رکھ کو آکاش پر لے گئیں.....؟“

”بھگ..... بھگ..... بھگوان ہی جانے.....! اندر آ جا تو.....!“

”ارے.....! اسے تو دیکھوں..... آخر ہماری اولاد ہے وہ.....!“

”مت دیکھ اسے کوشلیا.....! میرا من کہتا ہے کہ اسے کچھ نہیں ہوگا۔“

”ہاں نہیں جائے گی یہاں سے۔“

اور وہ سچ تھا کہ چندر مکھ صبح کو اپنے بستر ہی پر ملی تھی۔ اس کی خواب گاہ، ان کی خواب گاہ سے ملتی تھی اور اسے بہت خوب صورت بنادیا گیا تھا۔ ہاندر مکھ اپنے چھپر کھٹ پر لیٹی ہوئی تھی لیکن اس کے آس پاس وہ برتن رکھے ہوئے تھے جن میں سے رات کی روشنی چمک رہی تھی اور ان برتنوں میں سونے کی اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دونوں پتی پتی نے اپنے سر پکڑ لئے۔

یہ ایک واقعہ نہیں تھا۔ سترہ سال کی عمر تک ایسے کوئی واقعہ ہوئے جو ناقابل یقین تھے۔ چندر مکھ کا ایک الگ ہی انداز تھا اور باپ کی تو خیر جو کیفیت تھی سو تھی لیکن کچے ذہن کی مالک کوشلیا بیٹی سے ذہنی طور پر دُور ہو گئی تھی۔

وہ اسے ایک دیوی کی طرح ماننے لگی تھی اور وہ محبت وہ انداز نہیں رہا تھا۔ اس کا جو بیٹیوں کے ساتھ ماں کا ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ وقت گزرتا رہا۔ چندر مکھ کے معاملات اسی طرح پراسرار تھے۔ بہت سی بار انہوں نے گھر کی چھت پر عجیب قسم کے ہنگامے محسوس کئے تھے۔

پہلی بار پنڈت جی چھت پر دھماکوں کی آوازیں سن کر سیڑھیوں کے ذریعے اوپر پہنچ گئے تھے لیکن اوپر پہنچ کر انہوں نے جو منظر دیکھا۔ اس نے انہیں گنگ کر دیا۔ اوپر کا تو ماحول ہی بدلا ہوا تھا۔ چندر مکھ کسی رانی کی طرح ایک زرنگار کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور بہت سے لوگ اس کے ارد گرد کھڑے ہوئے تھے جو زرق برق لباس میں ملبوس تھے۔ کچھ ایسی صورت حال تھی کہ پنڈت جی کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ نقصان بھی کوئی نہیں ہوا تھا۔ انہیں آج تک اس لئے انہوں نے کسی بھی بات شہرت ضروری نہیں سمجھی۔ البتہ پھر ایک دن ایک عجیب ہی منظر سامنے آیا اور ماما پتا بہت عجیب سی

کیفیت کا شکار ہو گئے۔ اس دن ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ آسمان ابر آلود تھا اور چاروں طرف خاموشی اور سنائے کا راج تھا۔

ایسی صورت میں باہر کچھ گھنٹیوں جیسی آوازیں ابھریں تو پنڈت جی چونک پڑے۔ یہ آوازیں کچھ اجنبی اجنبی سی تھیں۔ ان کی آنکھ کھل گئی۔ تب انہوں نے چندر مکھ کو دیکھا جو چوروں کی طرح اپنے کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ بہر طور وہ باپ تھے۔ خود بھی شوقین مزاج تھے۔ بیٹی جوان ہو گئی تھی۔ اس لئے انہیں کچھ عجیب سا احساس ہوا۔

کوشلیا اندر سو رہی تھی لیکن پنڈت جی نے اسے نہیں جگایا بلکہ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے چندر مکھ کے پیچھے پیچھے گھر سے باہر نکل آئے۔ باہر نکل کر انہوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ بادلوں کی چھاؤں میں ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔

گھوڑا گاڑی میں سفید رنگ کے گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ ایک کوچوان نیچے کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی چندر مکھ آگے بڑھی، کوچوان نے گھوڑا گاڑی میں سے ایک چوکی نما چیز نکالی۔ جو چمک رہی تھی۔ غالباً اس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بگھی کا پردہ ہٹا دیا۔ اس کے بعد چندر مکھ نے بڑے ناز و انداز کے ساتھ بگھی میں قدم رکھا تو اندر سے دو خوب صورت سی عورتیں باہر نکل آئیں۔ انہوں نے چندر مکھ کو سہارا دے کر بگھی میں سوار کر دیا اور اس کے بعد خود بھی اندر بیٹھ گئیں۔

ہری رام پر کچھ ایسی کیفیت سوار ہوئی کہ وہ جلدی سے آگے بڑھا۔ اور بگھی کے پچھلے حصے میں لگے ہوئے اسٹینڈ جیسی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے مضبوطی سے بگھی کے دونوں سرے پکڑ لئے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ چندر مکھ کہاں جا رہی ہے.....؟ کہیں اس کا کردار تو خراب نہیں ہو گیا.....؟

نہ جمال میں تو وہ بے مثال تھی ہی، ہو سکتا ہے کہیں سے لاگ ڈاگ  
 اگلی ہو۔ دل میں بہت سے سچی بات یہ کہ چند رکھ سے کوئی ذہنی رابطہ نہیں رہا  
 تھا۔ جو والدین اور اولاد کے درمیان ہوتا ہے۔ حالانکہ چند رکھی سے انہیں  
 اپنا لی ہر چیز حاصل ہو گئی تھی لیکن پھر کم از کم تھوڑی سی کشش تو تھی ہی۔

گھوڑا گاڑی سفر کرتی رہی اور اس کے بعد شہری آبادی پیچھے رہ گئی۔  
 ہری رام کے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔ بیٹی کہاں جا رہی ہے؟ چند رکھ  
 پہلی بار اس طرح کسی گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر سفر کے لئے نکلی ہے یا اس سے  
 پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ ان کے ذہن میں لاکھوں دسو سے تھے اور وہ گہرے  
 انداز میں سوچ رہے تھے۔

گھوڑا گاڑی شہری آبادی سے باہر نکل آئی۔ پھر اچانک ہری رام کو  
 ایل انوکھا احساس ہوا۔ اسے محسوس ہوا جیسے گھوڑے زمین چھوڑتے جا رہے  
 ہوں۔ اس نے نیچے نگاہ ڈالی تو واقعی زمین نیچے ہوتی جا رہی تھی۔  
 ”ارے.....! دیارے دیا..... یہ کیا ہوا.....؟“

ہری رام کے منہ سے نکلا اور اس نے مضبوطی سے گھوڑا گاڑی کے  
 دونوں سمت کے لوہے کے ہنس پکڑ لئے جو اسے گرنے سے بچا سکتے تھے۔  
 زمین نیچے سے نیچے ہوتی جا رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے گھوڑے  
 ۱۱ میں اڑ رہے ہوں۔ اڑتے ہوئے گھوڑوں کا یہ سفر بہت تیز ہوتا جا رہا تھا۔  
 پھر ہری رام نے اپنے ارد گرد بادلوں کی نمی محسوس کی۔ وہ لوگ اتنی بلندی پر  
 مانع گئے تھے اور گھوڑا گاڑی اتنی اونچی اڑ رہی تھی کہ غم بادلوں نے اسے  
 اٹھ لیا تھا۔

خوف و دہشت کے مارے ہری رام کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی  
 تھیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے.....؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے.....؟“

اس نے سوچا کہ شاید وہ کوئی سپنا دیکھ رہا ہے مگر یہ سپنا تو نہیں تھا۔ اگر بانس ذرا بھی چھوڑتا تو لاکھوں فٹ گہرائیوں میں جا گرتا، اسے چکر آ رہے تھے۔ لیکن زندگی بچانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ بنس مضبوطی سے پکڑے رہے۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ گھوڑا گاڑی اتر رہی ہو اور پھر اس نے اس زمین کو بھی محسوس کر لیا۔ جس پر گھوڑا گاڑی کے پہنچے تک گئے تھے۔ مگر فضاء میں اتنا اونچا بلند ہونے کے بعد کسی زمین کا تصور بھی بڑا حیرت ناک تھا۔ تاہم حیرت ناک تو سب کچھ ہی تھا۔ اس لمحے سے جب سے چندر مکھ اس سنسار میں آئی تھی۔

ہری رام نے سوچا کہ کہیں اب اسے دیکھ نہ لیا جائے۔

”کیا کروں.....؟ کیا نہ کروں.....؟“

لیکن عقل نے اسے سمجھایا۔ گھوڑا گاڑی سے دُور رہنا خطرناک ہی ہوگا۔ کیونکہ پھر وہ وہاں نہیں جا سکتا۔ جہاں سے یہاں تک کا سفر کیا ہے۔ پھر اس نے کچھ عجیب و غریب مناظر دیکھے۔ شور کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ قرب و جوار میں دونوں سمت بڑے بڑے خوب صورت درخت لگے ہوئے تھے۔ جن میں پھول کھلے ہوئے تھے اور ان پھولوں کی خوشبو فضاء میں بلند ہو رہی تھی۔

گھوڑا گاڑی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آخر کار ایک جگہ رُک گئی۔ وہاں بھی بڑے بڑے درختوں کے جھنڈ تھے۔ ہری رام نے سوچا کہ اسے اب کم از کم گھوڑا گاڑی سے تو اتر جانا چاہئے۔ اگر کوئی پیچھے سے آگیا۔ بلکہ یہاں لوگ موجود تھے۔ ممکن ہے اسے کسی نے پیچھے بیٹھے ہوئے بھی دیکھا ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مشکل کا شکار ہو جائے۔

درختوں کے یہ جھنڈ بڑے اچھے تھے۔ وہ جلدی سے گھوڑا گاڑی کے  
 نیچے اُترا اور درختوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔ بڑے خوشبو دار اور  
 مہلوں والے درخت تھے۔ اس نے تھوڑا سا سفر آگے کیا اور پھر اک جگہ  
 رُک کر گھوڑا گاڑی کا منظر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ گھوڑا گاڑی میں بیٹھنے  
 والی بالیاں جو زرق برق لباس میں انہیں کی طرح تھیں اور چند رکھی نیچے اُتر  
 آئی تھیں۔ پھر وہ ان عورتوں کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

ہری رام بھی اس کا پیچھا کرنے لگا۔ اس نے درختوں کے جھنڈ میں  
 اپنے آپ کو چھپا لیا تھا۔ ورنہ یقیناً اس کو دیکھ لیا جاتا۔ جدھر سے چند رکھ گزر  
 رہی تھی وہاں کھڑے ہوئے لوگ گھٹنوں کے بل بیٹھتے جا رہے تھے۔ انہوں  
 نے گردنیں جھکا رکھی تھیں۔ یہ سفر کوئی دو سو گز تک جاری رہا۔

اس کے بعد ایک خوب صورت مہکے ہوئے حسین مناظر سے لدے  
 ”عے قطعے پر بچھے ہوئے زرنگار تخت پر چند رکھ جا گئی۔ ہری رام کو چکر آ رہا  
 تھا۔ کئی بار اس نے اپنے بدن کو نونچ نونچ کر دیکھا تھا کہ کہیں وہ کوئی عجیب و  
 غریب خواب تو نہیں دیکھ رہا لیکن وہ سب خواب نہیں تھا۔ وہ پھٹی پھٹی  
 آنکھوں سے یہ تمام مناظر دیکھتا رہا۔ پھر بڑے بڑے سادھو سنت، جن کے  
 بدن کھلے ہوئے تھے، لمبی لمبی داڑھیاں سینوں پر بکھری ہوئی تھیں، آئے اور  
 آنے کے بعد چند رکھ کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ وہ کچھ اشلوک پڑھے رہے  
 تھے اور چند رکھ کے ارد گرد ہلکا دھواں اُٹھ رہا تھا۔

پھر ایک اور گوادری قسم کا سادھو آیا اور سب کے سب اس کے  
 پاؤں کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس نے ایک خوب صورت ہار جو شاید سچے  
 پتوں سے بنا ہوا تھا۔ چند رکھ کے گلے میں ڈالا اور جھک کر اس کی پیشانی  
 کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد رقص و سرود کی محفل جم گئی۔ اپسرائیں آ آ کر نماں

فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں اور چند رکھ مسکراتی نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ ہری رام کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہ لڑکی ہے جو اس کے گھر میں پیدا ہوئی ہے۔

وہ انتہائی حیران تھا اور تعجب بھری نگاہوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کچھ لمحے کے لئے وہ بالکل کھوسا گیا تھا۔ پہلے بھی چند رکھ اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اب اور الجھ گئی تھی۔ چنانچہ کافی دیر تک وہ وہیں کھڑا چند رکھ کو دیکھتا رہا۔ رقص و سرور کی محفلیں جاری رہیں۔ چند رکھ کے پیروں میں پھولوں کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے۔ اتنا احترام و اہتمام ہو رہا تھا اس کا کہ ہری رام کو چکر آ رہے تھے۔

کافی دیر تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ پھر چند رکھ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ ہری رام نے محسوس کیا کہ وہ واپس اسی گھوڑا گاڑی کی طرح آ رہی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد داسیوں نے اسے گھوڑا گاڑی میں بٹھا دیا۔

ہری رام کو خوف ہوا کہ کہیں ایک انوکھی اور عجیب جگہ نہ رہ جائے۔ چنانچہ ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر وہ جلدی سے دوڑا اور گھوڑا گاڑی کے اسی پچھلے حصے میں جا بیٹھا جس میں بیٹھ کر وہ یہاں تک آیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا گاڑی آگے بڑھ گئی۔ تھوڑا سا زمین پر چلی اور اس کے بعد ہری رام نے وہی منظر دیکھا۔ جیسے وہ بہت بلندیوں سے نیچے جا رہی ہو۔ ہری رام کا کلیجہ اُلٹا آ رہا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جیتے جاگتے اس نے یہ سارا منظر دیکھا ہے۔ گھوڑا گاڑی سفر کرتی رہی اور تھوڑی دیر بعد زمین پر بنے ہوئے مکانات کھلونوں کی مانند نظر آنے لگے۔

گھوڑا گاڑی آہستہ آہستہ نیچے اتر رہی تھی اور ہری رام کا کلیجہ اُچھل



کر حلق میں آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر بعد گھوڑا گاڑی زمین پر اُتر گئی اور چلتی ہوئی ہری رام کے گھر کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ چند لمحے نیچے اُتری اور اس کے بعد گھر کے اندر چلی گئی۔ گھوڑا گاڑی واپس چلی گئی تو ہری رام بھی گھر کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا تھا لیکن دوسری صبح اسے تیز بخار چڑھا ہوا تھا۔ کوشلیا نے اس کا ماتھا چھو کر دیکھا تو چیخ پڑی۔

”ہرے رام.....! ہرے رام.....! ای کا ہوت رہے.....؟ تم کا تو بہت تیج بکھار چڑھت رہن.....!“

”ہاں.....! میں مر رہا ہوں..... کوشلیا.....! میں مر رہا ہوں۔“  
 ”ہے بھگوان.....! اس عمر میں آ کر مر رہے ہو..... جب میرا دوسرا،  
 دواہ بھی نہیں ہو سکتا.....؟ ارے.....! اب تو جیوت رہو..... تم کا ہماری  
 سوگندھ ہری.....!“

ہری وہ بڑے پیار سے کہا کرتی تھی اور جب بھی وہ ہری کہا کرتی تھی، ہری رام کے دل میں مسرت کی لہریں دوڑنے لگتی تھیں۔ اس نے کوشلیا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”بیٹھ جا کوشلیا.....! اگر تجھے ایک کہانی سناؤں تو تو مجھے پاگل تو نہیں سمجھے گی.....؟“

”سارا جیون ہم کا کہانیاں ہی سناوت رہو..... ہم تم کو پاگل سمجھے گا.....؟“

”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ کوشلیا.....! غور سے سن.....!“

”ارے ہاں.....! سنت تو رہن..... بولو.....! کا کہت ہو.....؟“

”کوشلیا.....! میں رات کو اندر کے اکھاڑے گیا تھا۔“

ہری رام نے کہا اور کوشلیا نے ایک بار پھر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ

کر دیکھا کہ بخار کتنا تیز ہے.....؟ پھر وہ بولی۔

”تاپ اتنا ہی تیز ہے کہ تم اندر کے اکھاڑے کیا.....؟ پتہ نہیں کہاں کہاں چلے گئے ہو.....؟“

”میں نے کہا تھا ناں تجھ سے کہ مجھے پاگل مت سمجھنا.....!“

ہری رام غصے سے منہ بنا کر بولا۔

”اچھا.....! پھر کا ہیوی ہے.....؟ اندر مہاراج ملے تم کا.....؟“

کوشلیا نے کہا۔

”تجھے پتہ ہے ہوا کیا.....؟“

”ہاں ہاں.....! بولو.....!“

اور جواب میں ہری رام اسے رات کی کہانی سنانے لگا۔ کوشلیا اسے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”تم تھوڑا رکو.....! ہم کٹورا کا پانی لے آئی ہے۔ کپڑے کی پٹیاں پانی کا بھگو کے تو ہار کھوپڑیا پر رکھت رہیں تو اندر مہاراج بہت دُور چلے جائیں گے۔“

”ایک لپڑ ماروں گا تو تھوہڑا ادھر کا ادھر ہو جائے گا۔ ہم جو بتا رہے ہیں تجھے جھوٹ بول رہے ہیں.....؟“

”نہ بابا نہ..... تم تو بالکل سچ بولت رہو.....!“

اچانک ہی ہری رام کو کچھ یاد آیا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کوشلیا گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

”گاٹ کھاوت ہوگا۔“

اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”اُٹھ.....! میرے ساتھ چل.....!“

”ہائے..... دیا.....! ہائے دیا.....! کی ہوت رہی ہمارے ہریے“

کوشلیا درد بھرے لہجے میں بولی لیکن ہری رام اس کا بازو پکڑے  
 ”اے اس کمرے میں آیا۔ جہاں چندر مکھ سو رہی تھی۔ چندر مکھ گھر کے لباس  
 میں ملبوس تھی لیکن حسن تھا کہ انگ انگ سے پھوٹا پڑ رہا تھا۔ وہ مست نیند سو  
 رہی تھی۔ ہری رام اس پر جھکا اور پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر خوشی کی لہر  
 اڑ گئی۔“

”یہ دیکھ.....! یہ دیکھ.....! یہ کیا ہے.....؟“  
 اس نے چندر مکھ کے گلے میں پڑے ہوئے سچے موتیوں کے ہار کی  
 طرف اشارہ کر کے کہا اور کوشلیا اسے دیکھنے لگی۔  
 ”ہاں.....! بول..... موتیوں کا یہ ہار تیرا چاچا لے کر آیا تھا..... چندر  
 مکھ کے لئے.....؟“

”ہار تو نیا لگے ہے۔ پہلے کبھی نا ہی دیکھا۔“  
 ”ہاں.....! اب بول پاگل ہم ہیں کہ تو.....؟“  
 ”اسی ہار کو دیکھ کر پاگل ہونے یا نہ ہونے کی کابات رہے.....؟“  
 ”یہ اندر مہاراج کے اکھاڑے میں ڈالا تھا۔“  
 ”ارے تم کا..... کاہوی ہے..... اے بھگوان.....! ہماری پتی کو اچھا  
 لڑی ہے۔“

”اس ہار کو دیکھ کر بھی تو یہ بکواس کر رہی ہے.....؟“

”ہار کہاں سے آیا.....؟“

”کہا ناں..... سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوا۔“

ہری رام نے کہا اور پھر غصے سے کوشلیا کی چوٹی پکڑ کر بولا۔

”اور تو مجھے پاگل سمجھے جا رہی ہے.....؟ اور اچھا یہ بتا.....! آج تک جو کچھ ہوا ہے۔ وہ ایسا نہیں ہوا ہے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔“

”ہاں.....! ہو ہی تو رہے۔“

کوشلیا پر خیال انداز میں گردن ہلاتی ہوئی بولی۔



ہری رام کو اب نہ تو جیوش و دیا کی ضرورت تھی۔ نہ وہ ستاروں کا کھیل کھیلتے تھے۔ دولت کے انبار پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بھلا کیا ضرورت تھی.....؟ لیکن پھر بھی اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے کبھی کبھی وہ لوگوں کے کام آجاتے تھے۔ اگر کوئی ان سے شادی بیاہ کی مہورت نکلاتا اور وہ مہورت نکوانے کے لئے تیار ہو جاتے تو سمجھو اس سے بڑا شہ کام اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ پنڈت ہری رام کا بہت ہی پرانا جاننے والا کشن داس اپنے بیٹے کا مہورت نکوانے کے لئے ہری رام کے پاس آیا اور ان کے چرنوں کو چھو کر بولا۔

”ہری رام جی مہاراج.....! سچی بات تو یہ ہے کہ بڑی مشکل سے آپ کے پاس آنے کی ہمت کر سکا ہوں۔ یہ میرا بیٹا اندر راج ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اس کی دواہ کی مہورت آپ نکالیں اور جلدی نکال دیں۔ میرا آپ سے جو سنجیدہ ہے اگر آپ کو یاد ہو۔“

”ہاں ہاں.....! کیوں نہیں کشن داس.....! بڑے پرانے متر ہو تم ہمارے..... چلو ٹھیک ہے ہم مہورت نکالتے ہیں۔ کب کی مہورت چاہتے ہو.....؟“

”جتنی جلدی ممکن ہو۔ مہاراج.....!“

اندر راج نے بے صبری سے کہا اور ہری رام جی پوٹھی لے کر مہورت اٹالے بیٹھ گئے۔ وہ بہت دیر تک حساب کتاب لگاتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔

”اگلے منگل وار کو جو بھی تاریخ ہو، وہ لگن کے لئے طے کر لو۔ اچھے ان ہیں۔“

”نہیں پتا جی.....! نہیں..... ایسا نہ کریں۔ بیچارہ اندر راج آپ لے مٹر کا بیٹا ہے، اسے دُکھ کا شکار نہ کرو۔“

”دروازے سے چند رکھ کی آواز سنائی دی اور وہ مسکرائی ہوئی اندر آگئی۔ کشن داس اور اندر راج، چند رکھ کو دیکھ کر سکتے کے سے عالم میں رہ گئے تھے۔ چند رکھ کو اتنا قریب سے انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اندر راج تو پتھرا سا گیا تھا۔ ہری رام نے کہا۔

”کیوں ری.....! کیا اگلے منگل وار کی تاریخ ٹھیک نہیں ہے.....؟“

”نہیں پتا جی.....! نہیں.....! ان دونوں کی تو کنڈلیاں ہی نہیں ملتیں، لڑکی کا نام شاید کم ہے۔ کیوں کشن داس چاچو جی.....؟“

”اوں.....؟ ہاں ہاں.....!“

کشن داس جیسے سوتے سے جاگ پڑا۔ اندر راج نے بھی پھٹی پھٹی آکھوں سے چند رکھ کو دیکھا تھا۔

”بڑی تم کی بات ہے۔ مہاراج کشن داس.....! وہ جس کی بھی ہڑی ہے، ان کے لئے بھی اور آپ کے لئے بھی..... اندر راج.....! تھوڑا سے بتالے۔ ایک ترکیب بتاتی ہوں تمہیں.....! بس کہہ دینا کہ ابھی راہی اور جوتی ایک دوسرے سے دشمنی کر رہے ہیں۔ تاریخیں نہیں مل رہیں۔ اگلے ماہ کی تاریخ طے کر لی جائے۔“

”پر کیوں.....؟ میری سندر بٹیا.....!“

کشن داس نے اب اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

”اس لئے چا چا جی مہاراج.....! کہ بیجاری کسم کا جیون صرف چار

روز کا باقی رہ گیا ہے۔ پانچویں روز وہ مر جائے گی۔“

کشن داس اور اندر راج کے علاوہ خود ہی رام بھی اُچھل پڑا تھا۔

”کک..... کک..... کیا کہہ رہی ہو.....؟ بٹیا.....!“

”ہاں مہاراج.....! وہ بچھو کے کاٹے سے مر جائے گی۔ بچھو اسے

کاٹ لے گا۔“

”بب..... بب..... بچھو.....؟ بب..... بچھو کہاں سے آئے گا.....؟“

”اب یہ بھی میں ہی بتاؤں.....؟ بس دیکھ لو..... سوچ لو..... جو

تمہارا من چاہے کرو.....!“

یہ کہہ کر چندر مکھ اندر واپس چلی گئی۔ کشن داس اور اندر راج کے علاوہ  
ہری رام بھی پتھرا کر رہ گیا تھا۔

بہت دیر تک وہ خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے  
پھر کشن داس چونکا۔ اس نے آنکھیں بھیجنے بھیجنے کر کئی بار آنکھیں کھولیں اور پھر

بولا۔

”ایک بات بتاؤ ہری رام.....!“

”جی..... کشن جی مہاراج.....!“

”یہ کیا کہہ گئی ہے.....؟“

”بھگوان ہی جانے..... کیا کہا ہے اور کیا نہیں کہا ہے.....؟“

”تو تم کیا کہتے ہو.....؟“

کشن داس نے سوال کیا اور ہری رام نے آنکھیں بند کر کے گردن

ہا دی۔ اسے وہ سفر یاد تھا جو ہواؤں کے دوش پر کیا گیا تھا۔ کسی کو بتانا تو سچ  
 لگے لوگ اسے پاگل ہی سمجھتے۔ اس لئے اس نے اپنی دھرم پتی کے سوا کسی کو  
 بات نہیں بتائی تھی۔ کوشلیا بھیاں بات پر چونکی تھی کہ سچے موتیوں کا وہ ہار  
 لہاں سے چندر مکھ کے گلے میں آیا.....؟ اور پھر بات آج ہی کی نہیں تھی۔  
 اس دن سے چندر مکھ پیدا ہوئی تھی، اس دن کے بعد سے آج تک طرح  
 طرح کے انوکھے واقعات ہوتے رہے تھے۔

ظاہر بات ہے کہ کچھ نہ کچھ تو تھا۔ چنانچہ اس وقت چندر مکھ جو کچھ  
 لہ کر گئی تھی، وہ قابل غور تھا۔ ہری رام نے سمجھداری سے کام لیا اور بولا۔  
 ”سنو.....! کشن داس مہاراج.....! وواہ تو تمہیں کرنا ہی ہے اپنے  
 بیٹے کا..... اور ظاہر ہے کہ اس کی کوئی وجہ ضروری ہوگی۔“

”ارے.....! مکھی چند میرا بچپن کا متر ہے اس کی اکیلی ہی بیٹی

ہے۔“

”ہوں.....! ایک کام کر لو..... سچ کہا ہے چندر مکھ نے کوئی دھوکے  
 کی بات رتنی ہی نہیں چاہئے۔ تم مکھی چند کو بتا دو کہ ابھی صحیح مہورت نہیں نکل  
 رہا۔ اگر اس نے بھی کہیں سے مہورت نکلوا لیا ہے تو بیٹے والے تم ہو۔ جو تم  
 چاہو گے وہی ہوگا۔ مہینہ سوا مہینہ نکال لو۔ اگر چندر مکھ کی بات غلط نکلتی ہے تو  
 پھر کوئی بات نہیں۔ مہینے بعد سہی.....! اور صحیح نکلتی ہے تو معاف کرنا.....! یہ  
 ٹھیک تو نہیں ہے کہ بیٹا وواہ ہوتے ہی رنڈوا ہو جائے گا۔“

کشن داس نے اپنے نوجوان بیٹے کی طرف دیکھا۔ اسے یہ بات  
 معلوم تھی کہ اندراج کسم سے پریم کرتا ہے اور اس وواہ کے لئے بے چین  
 ہے۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اندراج کے چہرے پر کسی طرح غم کے  
 آثار نہیں تھے۔ اور اس کی نگاہیں اس دروازے سے لگی ہوئی تھیں، جس سے

چندر مکھ واپس اندر گئی تھی۔

کشن داس نے پوچھا۔

”کیوں اندر.....! کیا کہتے ہو.....؟“

”ایں..... ہاں.....! ایں..... ٹھیک ہے پتا جی.....! ٹھیک

ہے.....!“

اندر راج نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

”پنڈت جی.....! آپ سے کچھ اور بات کرنا چاہتا ہوں۔“

کشن داس بولا۔

”ہاں ہاں.....! بولو..... کشن.....! میں نے کہا ناں تم میرے بچپن

کے دوست ہو۔ بولو بولو.....! کیا کہنا چاہتے ہو.....؟“

”پنڈت جی.....! مکھی چند میرا اتنا ہی پرانا دوست ہے جتنے

آپ..... اور کم اس کی اکلوتی بیٹی ہے۔ آپ آگیا دو تو میں مکھی چند کو بتا

دوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی طرح اپنی بیٹی کا بچاؤ کرے۔“

”یہ تو بڑا اچھا کام ہے۔ مگر وہ کہیں مت سے بد دل نہ ہو جائے۔“

”متر ہے میرا.....! سمجھاؤں گا اسے۔ مان جائے تو اچھا ہے.....!“

کشن داس نے کہا۔

”ٹھیک ہے.....! ٹھیک ہے.....!“

تھوڑی دیر کے بعد دونوں باپ بیٹے ہری رام کے گھر سے رخصت

ہو گئے۔ کشن داس نے اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بیٹے سے کہا۔

”اندر راج.....! کیا کہتے ہو تم.....؟ کیا تمہیں اس لڑکی کی باتوں پر

یقین ہے.....؟“

”ایک بات کہوں پتا جی.....! ہری رام جی آپ کے بچپن کے متر



اس ناں.....؟“

”ہاں.....! تو پھر.....؟“

”پتا جی.....! آپ کو بھگوان کی سوگندھ.....! میرا یہ کام کر دیں۔“

”کیا.....؟“

کشن داس حیرت سے بولا۔

”چندر مکھ ہے ناں اس لڑکی کا نام..... ہری رام کی لڑکی کا۔“

”ہاں.....! تو پھر.....؟“

”اس سے میرا بیاہ کر دیں۔ پتا جی.....! آپ کے چرن چھو کر کہتا

اوں۔ جیون بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔“

”ارے ارے.....! کل تک تو تو کسم پر مرتا تھا۔ آج تیرا خیال ہی

ہل گیا۔“

”دو باتیں ہی پتا جی.....! اگر چندر مکھ کی بات سچ نکلی تو آپ خود

وہی لیجئے کہ میرا جیوان کیا ہوگا.....؟ اور اگر سچ نہ بھی نکلے تو کوئی چتا کی

ات نہیں ہے۔ میں چندر مکھ کے بغیر نہیں جی سکوں گا۔“

”کل کوئی اور نظر آجائے تو اس کے بغیر نہیں جئے گا تو.....“

اس.....؟“

کشن داس نے کہا۔

”پتا جی.....! میں..... میں.....“

اندر راج نے سچ مچ باپ کے پاؤں پکڑ لئے۔

”ابے سیدھا تو ہو کر بیٹھ.....! یہ ساری باتیں بعد میں کروں گا۔“

پہلے میں ذرا کبھی چند سے ملاقات کر لوں۔“

کشن داس نے اندر راج کو سیدھا کرتے ہوئے کہا۔ اسے بڑا دکھ

تھا۔ کسم کو اگر کچھ ہو گیا تو مکھی چند کی تو دنیا ہی تاریک ہو جائے گی۔  
 بہر حال ادھر اندر راج کے دل میں چند رکھ نے قبضہ جما لیا تھا۔ تو  
 ادھر کشن داس اپنے دوست مکھی چند کے لئے پریشان تھا۔ مکھی چند کے پاس جا  
 کر اس نے یہ ہی کہا کہ پنڈت جی نے کہا ہے کہ ابھی سے نہیں آیا ہے کہ ان  
 دونوں کا بیاہ کر دیا جائے ابھی مہورت نہیں نکالا جا سکتا ہے۔ کسم سے بھی  
 ملاقات ہوئی۔

”تروتازہ سی حسین سی لڑکی.....!“

کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا سے کیا ہو جائے گا.....؟ یہاں تک کہ  
 چند رکھ نے کسی بچھو کے کاٹنے کی پیش گوئی کی تھی۔ اس کے بارے میں فوری  
 طور پر کشن داس کو سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا  
 کرے.....؟ پھر بھی اس نے کہا۔

”ایک عجیب سا سہنا دیکھا ہے مکھی چند.....! تم میرے دوست ہو۔  
 اگر تم میری بات مان لو تو میں تمہارا احسان مانوں گا۔“

”ارے ارے.....! کیسی باتیں کرتے ہو کشن داس.....! تم بس حکم  
 کرو۔ مجھے کیا کرنا ہے.....؟ جو کہو گے کر لوں گا۔ میرے دوست.....! تم سے  
 زیادہ میرے لئے کون ہو سکتا ہے.....؟“  
 کشن نے کہا۔

”مکھی چند ایک سہنا دیکھا ہے میں نے..... بڑا بھینکر، بڑا ہی  
 خطرناک، اگر تم میری مان لو تو تمہیں بتاؤں.....! ورنہ مجھے خود شرم آتی ہے۔“  
 ”نہیں.....! نہیں.....! بولو.....!“

”میں نے دیکھا ہے کہ کسم کو ایک خوف ناک بچھو نے کاٹ لیا ہے  
 اور بھگوان نہ کرے اسے کچھ ہو گیا ہے.....؟“

”ارے..... ارے..... ارے.....! سنا ہے..... موت کا سپنا دیکھنے  
ان بڑھتا ہے۔“

”پھر بھی میرے دوست.....! کم میری امانت ہے، تم اس کی  
محافظت کرو.....! تمہاری مہربانی ہوگی۔“

”ٹھیک ہے.....! میں خیال رکھوں گا۔“

لیکن مکھی چند خیال نہ رکھ سکا۔ ایک رات کم آرام سے اپنے بستر پر  
ولی تھی۔ ان کا گھر بھی ایسا نہیں تھا کہ کیڑے مکوڑوں کی آمد ہو، لیکن رات  
لے نہ جانے کون سے حصے میں ایک خوف ناک کالا بچھونمو دار ہوا اور اس نے  
’م کی ران کے پاس کاٹ لیا۔

زہر تھا کہ آگ، کم کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ گلابند ہو گیا  
اور اس کے بعد اس کا بدن نیلا پڑنا شروع ہو گیا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں ماہی  
ہے آب کی طرح لوٹتی رہی اور لوٹتے لوٹتے اس نے دم دے دیا۔

دوسرے دن صبح جب نوکرانی اسے جگانے پہنچی، تب اس نے کم کا  
ہلا بدن دیکھا اور دھاڑتی ہوئی باہر بھاگی۔

کم کی موت کا اعلان ہو گیا، مکھی چند کو غشی کے دورے پڑے اور  
اسے اسپتال پہنچا دیا گیا۔ اس کی غیر موجودگی میں ہی کم کا کریا کرم کیا گیا تھا  
اور اس کریا کرم میں کشن داس بھی برابر کے شریک تھے۔ پھر دیکھنے دکھانے  
لے لئے اندر راج بھی آ گیا تھا اور اس کے بعد بے شمار المیہ مناظر رونما ہوئے  
تھے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرانی کشن داس کو تھی۔ وہ حیران سا وہاں سے  
آگے بڑھ گیا اور ہری رام کے پاس پہنچ گیا۔

”ہری رام.....! کم مر گئی.....!“

”ایں.....!“

ہری رام کا منہ خود بھی حیرت سے پھیل گیا تھا۔  
 ”ہاں.....! تمہاری بیٹی کی پیش گوئی ٹھیک ہوئی، لیکن میں تم سے  
 ایک اور بات کرنا چاہتا ہوں ہری رام.....!“  
 ”ہاں.....! کشن داس.....! بولو.....!“

”ہری رام.....! میرا بیٹا، اندر راج تمہاری بیٹی کو پسند کرنے لگا ہے،  
 وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کیا تم میری یہ خوشی پور کر سکتے ہو.....؟“  
 ہری رام سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے کہا۔

”کشن داس جی.....! چندر مکھ کو تم نے دیکھ لیا۔ وہ ایک عام انسان  
 نہیں۔ یہ بڑی دھرماتما ہے اور اس کے دھرماتما ہونے کے ہزاروں راز ہیں۔  
 کیا بتاؤں تمہیں.....؟ کہاں کہاں سے بتاؤں.....؟ کشن داس جی.....! تمہیں  
 ایک خاص بات بتاؤں.....! یہ اپسرا ہے، اندر کے اکھاڑے کی اپسرا۔“  
 ”سو تو ہے، مجھے بھی اس کا اندازہ ہے، پر تم کیا کہتے ہو.....؟“  
 ”لیکن.....“

اس سے پہلے کہ ہری رام کچھ کہے، دروازے سے چندر مکھ اندر  
 داخل ہوئی تھی۔

”کشن داس جی.....! میں نے پیش گوئی کی تھی۔ بتایا تھا آپ کو کہ  
 کسم تھوڑے دن کے بعد مر جائے گی۔ اور ایسا ہی ہوا، ایک اور پیش گوئی میں  
 آپ سے کروں.....! اگر آپ کے بیٹے نے مجھ سے شادی کر لی تو ایک مہینے  
 سے زیادہ وہ بھی جیتا نہیں رہے گا لیکن اگر اس نے میرا خیال دل سے نکال  
 دیا تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ بچ جائے گا اور آپ کو پتا ہے کشن داس.....! کہ  
 میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ ہی سچ ہے۔“

کشن داس جی اتنے خوفزدہ ہوئے کہ ایک لمحے بھی وہاں نہیں رُکے

اور وہاں سے چلے گئے لیکن دن رات کی سوچوں نے آخر کار انہیں اس فیصلے پر  
ماہر لیا۔

”اندر راج بیٹا.....! تیری خواہش تھی کہ تو انگلینڈ جائے۔ وہاں سے  
ہر لے سوئزر لینڈ جائے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ میرے ایک دوست  
لے مجھ سے بات کی تھی اور کہا تھا کہ اگر تمہارا بیٹا انگلینڈ آنا چاہتا ہے تو  
آہائے.....! میرے پاس ایسے ذریعہ موجود ہیں۔ تو میری مان اندر راج.....!  
اور تھوڑے دن کے لئے باہر چلا جا.....!“

”بھتیجی.....! ایک کام کیوں نہ کریں.....؟“  
”ہاں بول.....!“

”جیسا کہ میں نے آپ کو کہا کہ آپ میری شادی ہری رام کی بیٹی  
ہند رکھ سے کر دیں، تو ہم دونوں ہنی مون پر چلے جائیں گے۔“  
”ارے تیرے ہنی مون کی ایسی تھی.....! ابھی سے لگے گا بیٹا.....!  
تھوڑا سا وقت تو وہاں گزار..... اس کے بعد جب تو واپس آئے گا ناں تو پھر  
ہری رام سے بات کریں گے۔“  
اندر راج سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

بہت عرصے سے اس کا ملک سے باہر جانے کا دل چاہتا تھا لیکن  
حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اب یہ موقع مل رہا تھا۔ وہ ہاتھ سے  
کھانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے حامی بھری اور یہ اس کی اور کشن داس کی  
لوٹ قسمی تھی کہ وہ چند رکھ کی پیش گوئی کا شکار نہ ہوا اور باہر چلا گیا۔  
لیکن چند رکھ پر کوئی اثر نہیں تھا۔ غالباً حسن و عشق کی سرزمین سے  
ہی دور وہ کسی ایسی شخصیت کا انتظار کر رہی تھی جو حسن و جمال میں یکتا ہو اور  
اس کی خواہشوں کے عین مطابق پورا ہو۔

غرض یہ کہ اس پُر اسرار وجود کی کہانیاں چلتی رہیں۔ ہری رام تو اب بہت بڑے اوتار نما درویش بن چکے تھے۔ وہ دُور دُور کے علاقوں میں پوجے جاتے تھے۔ کسی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کے باپردہ ان کی بیٹی چندر مکھ ہے۔ بس لوگ ہری رام جی کو ہی دھرماتما سمجھنے لگے تھے اور ہمیشہ اس کی سیوا میں حاضر رہتے تھے۔ اندر ہری رام کو اس بات کا اندازہ تھا کہ چندر مکھ ایک انوکھی شخصیت ہے۔ اس انوکھے پن کے مختلف واقعات رونما ہو چکے تھے۔ ان میں ایک نئے واقعے کا اضافہ ہو گیا تھا۔

ایک صبح چندر مکھ جاگی تو نہ جانے اس کے ذہن پر کیا سوار تھا.....؟  
ہری رام سے بولی۔

”پتا جی.....! ہمیں بندراون چلنا ہے۔“

”اِس.....!“

ہری رام چونک کر بولا۔

”خیر تو ہے..... بیٹا.....!“

”خیر ہی ہے پتا جی.....! کیوں.....؟ کیا بندراون ہندوستان سے

باہر ہے.....؟“

”نہیں نہیں.....! میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ کیا کرے گی وہاں جا

کر.....؟“

”پتا جی.....! ساری بتائیں آپ کو بتانے کے لئے تو نہیں

ہوتیں.....؟ آپ جانا چاہیں تو چلیں ورنہ میں خود چلی جاؤں گی۔“

”تو چاہتی ہے بیٹا.....! کہ میں تیرے ساتھ جاؤں.....؟“

”ہاں.....!“

”ہاں تو ٹھیک ہے.....! اچھی بات ہے.....! تیری ماں کو بھی ساتھ

لے لیتے ہیں۔“

”اچھا ہے.....! وہ بھی یا ترا کر آئے گی۔“

”کیوں ماما جی.....! چلیں گی آپ.....؟“

کوشلیا اس طرح چونک پڑی جیسے کوئی بہت ہی اجنبی اور انوکھی بات کہی ہو۔ ماں بیٹی کے درمیان کبھی کوئی ایسا سمبندھ نہیں رہا تھا جو ماں بیٹی کے بیچ موجود ہوتا ہے۔ چندر مکھ نے خود بھی کبھی اس کی طرح توجہ نہیں دی تھی۔

بہر طور تیاریاں ہو گئیں۔ حالانکہ چندر مکھ عجیب و غریب شخصیت کی مالک تھی۔ اگر وہ جانا چاہتی تو بندراون تنہا بھی جاسکتی تھی لیکن سب سے اصول اس نے اپنائے ہوئے تھے۔ غرض یہ کہ ہری رام نے گاڑی کا بندوبست کیا۔ اب ان کے پاس دو تین کاریں تھیں۔ ایک ڈرائیور بھی رکھا ہوا تھا۔

چنانچہ وہ ڈرائیور کو ساتھ لے کر بندراون چل پڑے۔

بندراون بھی ایک یا ترا ہے۔ بہت سے مندروں میں پوجا ہوتی ہے اور وہاں بڑے بڑے مکھ دان موجود ہوا کرتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے ایک جگہ قیام کیا۔ چندر مکھ بولی۔

”یہاں سونا گڑھی مندر ہے۔ سونا گڑھی مندر میں ایک بڑے مہمان سادھو مہاراج کہیں سے آئے ہوئے ہیں، میں ان کے دوار جانا چاہتی ہوں۔“

”سونا گڑھی مندر..... معلوم کر لیتے ہیں۔“

یہ معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہ ہوا۔ درحقیقت یہاں ایک مہمان سادھو بھگت سنگرام کے بارے میں بڑی دھوم مچی ہوئی تھی کہ جس کی طرف رخ کر

لیتے ہیں اس کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ دُور دُور سے لوگ ان کے بارے میں سن کر آ رہے تھے۔ ہری رام کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ حیران ہوا۔ اس نے پوچھ ہی ڈالا۔

”تجھے بھگت سنگرام کے بارے میں کہاں سے معلوم ہوا چندر مکھ.....؟“

جواب میں چندر مکھ اس طرح مسکرائی۔ جیسے باپ کی معصومیت پر اسے پیار آ رہا ہو۔ اس نے کہا۔

”بس پتا جی.....! چل ہی گیا تھا۔ بڑے مہان پرش ہیں، وہ تیاری کریں وہ، ان کے دوار جانے کی۔“

تیاری کیا کرنی تھی.....؟ یہاں آنے کے بعد ایک بجھی حاصل کر لی گئی تھی اور اس بجھی میں بیٹھ کر، چندر مکھ بھگت سنگرام کے درشن کے لئے چل پڑی۔

سونا گڑھی مندر بڑا عالی شان تھا۔ اس کا کلس سونے کا بنا ہوا تھا۔ یاتری چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ پنڈت بھگت سنگرام کے بارے میں سن رکھا تھا کہ وہ شام کی پوجا سے پہلے درشن دیتے ہیں اور دو یا تین گھنٹوں تک ضرورت مندوں سے ملاقات کرتے ہیں۔

کوشلیا تو ویسے بھی دبی دبی رہا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ آگے نہ آئی۔ بے شمار لوگوں کے رش میں وہ لوگ بیٹھ گئے۔ بھگت سنگرام جی نمودار ہوئے۔ ان کے لئے ایک سنگھاسن بچھا دیا گیا تھا۔ وہ اس سنگھاسن پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کی آواز ابھری جو لاؤڈ اسپیکر کے بغیر بھی بہت تیز تھی۔ انہوں نے کہا۔

”دیویو.....! اور سجنو.....! میں سونا گڑھی مندر کے دوار تمہارا سواگت



کرتا ہوں۔ سب کو سسے نہیں دے سکوں گا لیکن ابھی یہاں بہت دن تک ہوں۔ تم جس طرح بھی چاہو، مجھ سے اپنے سوالات کر سکتے ہو۔ اگر کوئی سوال تمہارے من میں بھی ہوگا تو مجھ تک پہنچ جائے گا۔ میں اس کا نام لے کر اسے پکار دوں گا۔“

بہت بڑی بات تھی۔ لوگوں میں چہ گوئیاں ہونے لگیں۔

سب کے سب بھگت سنگرام سے بہت متاثر تھے اور چندر مکھ ایک طرف بیٹھی ہوئی گہری نگاہوں سے ان کا جائزہ لے رہی تھی۔ بھگت سنگرام کے دو آدمی ان کے خواہش کے مطابق اس کا نام لیتے، جس بھگت سنگرام سنگھ جی بلانا چاہتے۔

سب سے پہلے بنواری لعل کا نام لیا گیا تھا۔ جس کا کوئی مسئلہ تھا۔ بنواری لعل جی اپنی جگہ سے اٹھے اور بھگت سنگرام کے دوار پہنچ گئے۔

”ہاں بنواری.....! تیرے من میں جو بات ہے وہ سچی ہے۔ اپنی دھرم پتی کو سمجھا۔ عمر کا فرق بے شک ہے پر تو اس کا سچا پریمی ہے۔ اس سے کہہ کہ وہ غلط راستے پر جا رہی ہے۔ یہ غلط راستہ اسے موت کی وادیوں تک لے جائے گا۔ یہ بھوت لے اور اسے بتائے بغیر اس کی ہتھیلی پر رکھ دے۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔“

بھگت سنگرام نے اپنے کندل سے کوئی چیز نکالی اور بنواری لعل کے ہاتھ پر رکھ دی۔

بنواری لعل نے عقیدت سے مٹھی بند کر لی۔

”ٹھیک ہے جا.....! تیرا کام ہو جائے گا۔“

بنواری لعل خوشی خوشی بھگت سنگرام کے پاس سے چلا گیا۔ تین یا چار آدمیوں کو اور عورتوں کو اس طرح بھگت سنگرام نے بلایا، اور ان کے بارے

میں مختلف باتیں بتائیں۔ لوگوں کے دل عقیدت سے دھڑک رہے تھے لیکن چندرکھ مسکراتی نگاہوں سے بھگت سنگرام کو دیکھ رہی تھی۔

اچانک ہی یوں لگا جیسے بھگت سنگرام کو بچھو نے ڈس لیا ہو۔ وہ ایک دم سے اپنی جگہ سے اُٹھے اور اُٹھنے کے بعد اپنے بدن کو جھاڑنے لگے۔ ان کے خادم تیز رفتاری سے ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔

بھگت سنگرام آہستہ آہستہ انہیں کچھ کہنے لگے اور خادم گردن جھکا کر دونوں سمت ہٹ گئے۔ تب بھگت سنگرام کی نگاہیں ادھر ادھر اُٹھنے لگیں اور کچھ دیر کے بعد وہ چندرکھ پر مسکرا کر رُک گئیں۔

وہ چندرکھ کو دیکھتے رہے۔ من ہی من میں وہ چندرکھ کو اپنے پاس بلا رہے تھے لیکن انہیں ایک ہی یوں محسوس ہوا جیسے ان کی ذہنی قوتیں سلب ہوتی جا رہی ہوں۔ چندرکھ ان کے پاس نہیں آئی تھی۔ بھگت سنگرام آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور پھر آگے بڑھتے ہوئے چندرکھ کی طرف آنے لگے۔ ان کے داس ان کے لئے راستہ بنا رہے تھے اور لوگ ہٹ ہٹ کر انہیں جگہ دے رہے تھے۔

چند لمحوں کے بعد وہ چندرکھ کے پاس پہنچ گئے۔

تمام نگاہیں اسی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے چندرکھ کے قریب پہنچ کر اس سے کہا۔

”دیوی.....! آپ نے ہمیں بلایا ہے۔“

چندرکھ پر اعتماد لہجے میں بولی۔

”آپ مجھے دیوی نہ کہیں بھگت سنگرام مہاراج.....! میں تو داسی ہوں

داسی.....!“

”دیوی جی.....! آپ میرے پاس آئیں گی۔“

”ہاں ہاں.....! کیوں نہیں.....؟“

چندر مکھ نے کہا اور پھر اسی راستے سے ہوتی ہوئی وہ آگے بڑھنے لگی۔ بھگت سنگرام جی اس کے بعد وہاں نہیں رُکے تھے بلکہ سیدھے مندر کے اندرونی حصے میں پہنچ گئے تھے۔ ان کے خادموں نے لوگوں سے کہا۔

”بھائیو.....! اس سے مہاراج مصروف ہوئے ہیں۔ آپ لوگ اب کل آئیے، اب وہ کسی سے نہیں ملیں گے۔“

نہ تو چندر مکھ نے اور نہ کسی اور نے ہری رام کو شلیا کی طرف رُخ کیا تھا۔

وہ دونوں اجنبیوں کی طرح کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے۔ لوگ منتشر ہونے لگے تھے۔ ادھر بھگت سنگرام، چندر مکھ کو لئے ہوئے اپنے پاس مہرے میں پہنچ گئے تھے جہاں وہ رہتے تھے۔ چندر مکھ پر اعتماد انداز میں مسکرا رہی تھی۔

تب بھگت سنگرام نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

”بیٹھے دیوی جی.....!“

”میں نے آپ سے کہا ناں مہاراج.....! آپ مجھے دیوی نہیں، داسی کہیں.....!“

”ہاں.....! آپ داسی ہیں لیکن وہ مہانتا ہے آپ کے اندر کہ آپ داسی نہیں دیوی ہی ہیں۔ پر آپ مجھے یہ بتائیے کہ مجھے کیا کرنا ہے.....؟“

”آپ کی یہ شکتی ہمیں پسند آئی ہے مہاراج.....! کہ آپ دوسروں کے من کی بات پڑھ لیتے ہیں۔ یہ شکتی آپ ہمیں دے دیں.....! سمجھ رہے ہیں ناں آپ.....! یہ شکتی آپ ہمیں دے دیں.....!“

یہ کہہ کر چندر مکھ نے بھگت سنگرام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں

اور بھگت سنگرام ایک دم سے ساکت ہو گیا۔  
چندر مکھ اسے دیکھتی رہی۔

بھگت سنگرام جیسے پتھر کا بت بن کر رہ گیا ہو۔ وہ کوئی دس منٹ تک اسی طرح ساکت رہا اور چندر مکھ مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ کسی نے محسوس تو نہیں کیا لیکن یہ ایک بہت بڑی سچائی تھی کہ چندر مکھ کی آنکھوں سے سبز رنگ کی ہلکی ہلکی شعاعیں نکل رہی تھیں اور یہ شعاعیں براہ راست بھگت سنگرام کی آنکھوں تک پہنچ رہی تھیں۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد یوں محسوس ہوا کہ جیسے ان شعاعوں کی واپسی ہو گئی ہو۔ وہ واپس چندر مکھ کی آنکھوں میں آ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد ختم ہو گیا۔

بھگت سنگرام پہلے تو یوں ہی پتھرایا ہوا کھڑا رہا اس کے بعد اس طرح چونکا جیسے گہری نیند سے جاگا ہو۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جیسے اس کے قدم بے جان ہو گئے ہوں۔ وہ بیٹھنے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ جبکہ چندر مکھ مسکراتی ہوئی واپس چل پڑی تھی۔ گویا اس نے بھگت سنگرام کے ذہن سے وہ صلاحیت چھین لی تھی جس کی بنا پر وہ لوگوں کے من کی بات جان کر ان کے دلوں کی باتیں پوری کرتا تھا اور اب اس کی یہ قوت چندر مکھ کو حاصل ہو گئی تھی۔

بھگت سنگرام کی ذہنی قوتیں اس نے سلب کر لی تھیں اور اس کا اندازہ جب ہوا جب ایک دو دن کے بعد اچانک ہی بھگت سنگرام نے راتوں رات سونا گڑھی مندر چھوڑ دیا اور کہیں گم ہو گیا۔

ادھر چندر مکھ اپنے ماما پتا کے ساتھ واپس اپنے استھان پہنچ گئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ہری رام سے کہا۔

”جی پتا جی.....! مہاراج آپ کے من میں آج تک پر بھاکری رام  
ہشاد کی دھرم پتی موجود ہے۔ ماما جی.....! ذرا خیال رکھیں پتا جی کا.....!“  
چندر مکھ کے انداز میں شرارت تھی لیکن ہری رام کا منہ حیرت سے  
کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

”ارے.....! تجھے..... تجھے کیا معلوم پر بھاکری کے بارے  
میں.....؟“

جواب میں چندر مکھ ہنس پڑی تھی۔ اب وہ کیا بتاتی ہری رام کو کہ  
لوگوں کے ذہن اس کے سامنے کھل چکے ہیں اور اب وہ ہر ایک کے ذہن کو  
پڑھ سکتی ہے۔



کسی کو پتا نہیں تھا کہ بھگت سنگرام پر کیا گزری.....؟ لوگ ان کے گم ہو جانے پر حیران تھے اور طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ بندراون بہت بڑی یا ترا تھی۔ یہاں مندروں میں بڑے بڑے گیانی آتے رہتے تھے۔ ویسے تو بندراون میں بہت سے بڑے مندر تھے لیکن سونا گڑھی کا مندر بہت مشہور تھا۔ یہاں بہت بڑے بڑے عقیدت مند آتے رہتے تھے اور اسی طرح سادھو سنت بھی یہاں آکر استھان کرتے تھے۔

پروفیسر سیوکھ لعل، علی گڑھ یونیورسٹی کی بہت بڑی شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔ ویسے بھی صاحب حیثیت تھے۔ بڑی زمینیں تھیں، پچھلے کچھ دنوں سے وہ بہت بڑی مشکلوں کا شکار تھے۔ عجیب و غریب مشکل تھی یہ۔

ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ سندپ سیوکھ، سندپ سیوکھ اٹھارہ سال کی عمر سے غیر ملک میں تھا۔ اس کی تعلیم کا بندوبست پروفیسر سیوکھ لعل نے یورپ میں کیا تھا اور یورپ ہی میں وہ ہرے کرشنا ہرے رام تحریک سے منسلک ہو گیا

تھا اور اس بات کا پتا پروفیسر سیوکھ لعل کو نہیں تھا۔

سندیپ نے اپنے دوستوں کو بھی منع کر دیا تھا کہ کبھی اس کے پتا کو اس کے بارے میں خبر نہ کریں۔ سندیپ ہرے کرشنا ہرے راما کا بہت بڑا لال بن گیا تھا اور دین دھرم کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ گہرائی میں اترتا ہا رہا تھا۔ اس نے بڑے بڑے سادھو، سنتوں اور گیانوں سے درس لیا تھا اور خاص طور سے وہ ایک بہت بڑے گیانی دھرم راج سندھو سے متاثر تھا۔ دھرم اس سندھو اندر سے کیا تھے.....؟ یہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ لیکن وہ بہت بڑے گیانی مانے جاتے اور اور جس کے بھی گروہ ہوا کرتے تھے، اسے اپنا ناز کر لیا کرتے تھے۔

بہر طور ان دنوں سیوکھ لعل بہت پریشان تھے۔ سندیپ کے بارے میں انہیں کسی طرح سے پتا چل گیا کہ وہ یورپ میں دھرم کی سرگرمیوں میں لگ گیا اور تعلیم و تربیت اُدھوری چھوڑ دی ہے اس نے۔ چنانچہ وہ خود انگلینڈ پہنچے اور انہوں نے خفیہ طور سے سندیپ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ وہ تو گردن گردن تک س کے کرشنا ہرے راما تحریک کی سرگرمیوں میں ڈوب گیا ہے۔

بہر طور پر وہ سندیپ کو وطن واپس لے آئے۔ لیکن سندیپ کے لہسن وہ ہی کے وہ ہی رہے۔ وہ باپ کی کسی چیز میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ بس ہمیشہ دین دھرم کی باتیں کیا کرتا تھا اور اس سلسلے میں نیم دیوانگی کی سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ پروفیسر سیوکھ لعل کو کہیں سے بھگت سنگرام کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ ساون نگر سے بندراون چل پڑے۔

ساون نگر بندراون سے کوئی دو سو میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ فاصلہ طے کر کے جب وہ سونا گڑھی مندر پہنچے تو انہیں پتا چلا کہ بھگت سنگرام جی

اچانک ہی چلے گئے ہیں۔ یہ سن کر انہیں بہت ہی افسوس ہوا لیکن اس وقت وہ چونک پڑے جب ایک شخص ان کے پاس پہنچ گیا۔

”جے ہو مہاراج کی.....! میرا نام ہری رام ہے۔ آپ سے کچھ

باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

پروفیسر سیوکھ لعل نے پُر اخلاق انداز میں ہری رام کا سواگت کیا اور

بولے۔

”کہو بھائی.....! کوئی کام ہے مجھ سے.....؟“

”ہاں.....! میری بیٹی ہے چندرکھ.....! وہ ادھر بیٹھی ہوئی ہے۔ کہنے

لگی پتا جی.....! ذرا ان صاحب کو بلا کر لائیے.....! ان سے بات کرنی ہے،

سو میں ادھر آ گیا۔“

بڑی حیران کن بات تھی۔ پروفیسر سیوکھ رام نے ادھر دیکھا تو وہ

انہیں ایک اپسرا نظر آئی جو مندر سے کچھ فاصلے پر پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے

پر راج کمار یوں کی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے حیرانی سے ہری رام کو

دیکھا۔ ہری رام بھی بلبل کے کرتے اور باریک ململ کی دھوتی میں ملبوس تھا۔

لیکن چہرے سے اس حیثیت کا آدمی نظر نہیں آتا تھا کہ چندرکھ اس کی بیٹی

لگے۔ وہ لڑکی تو بس آسمان سے اُتری ہوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔

ویسے تو سیوکھ رام خود بہت بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ لیکن پڑے

لکھے آدمی تھے۔ دماغ میں غرور نہیں تھا۔ چنانچہ حیرانی سے اس طرف چل

پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد چندرکھ کے پاس پہنچ گئے۔ چندرکھ نے تمکنت

سے اسے دیکھا۔ یوں ہی لگ رہا تھا جیسے کوئی قدیم دور کی مہارانی تخت پر بیٹھی

ہو اور کسی معمولی آدمی کو دیکھ رہی ہو۔ پروفیسر سیوکھ رام نے خود ہی ہاتھ

جوڑے، تو اس نے گردن خم کر کے کہا۔



”جی پروفیسر صاحب.....! آپ کی مشکل آپ کو یہاں لے آئی ہے ایلن چٹنا نہ کریں۔ جو مشکل ہے، دُور ہو جائے گی۔ وہ تاریخ میں بھٹک گیا ہے اور تاریخ اس کے ذہن میں صاف نہیں ہو سکی ہے۔ مہاراج دھرم راج ندھو نے اس کے دماغ کو اتھل پتھل کر دیا ہے۔ اسے سکون کی ضرورت ہے.....!“

پروفیسر سیوکھ رام کا منہ حیرت سے کھلا اور بند ہو گیا۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر لرزتی آواز میں بولے۔

”تم جتنی چھوٹی ہو مجھ سے دیوی.....! اور جس طرح ہری رام نے تمہیں پتری بتایا ہے اس طرح تو مجھے تم سے تمہارے بڑے کی طرح پیش آنا چاہئے مگر تمہارے منہ سے جو شبد نکلے ہیں، انہوں نے مجھے دنگ کر دیا ہے۔ میں تمہیں تمہاری اس دریا پر تمہیں دھن واد پیش کرتا ہوں۔“

”بیٹھے سیوکھ رام جی.....!“

”ایک بات تو مجھے بتا دو.....! تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا.....؟“

سیوکھ رام نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور پھر ہنر کے ٹکڑے پر بیٹھ گئے۔ ہری رام ہاتھ جوڑے ہوئے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ کوشلیا نے اس سے پوچھا۔

”کاہوت رہن، ہریے.....!“

”چپ کر ری.....! جو ہو رہا ہے وہ تیری اور میری سمجھ سے باہر ہے۔“

”ہرے رام.....! ہرے رام.....! ہرے رام.....! ارے.....! ہم تو کوڑی کے ہوت رہیں..... ہمار عجت ای کا رہی ہے.....؟“

”میں کہتا ہوں چپ کر.....!“

ہری رام نے کوشلیا کو ڈانٹ دیا۔ ادھر پروفیسر سیوکھ رام، پھٹی پھٹی آنکھوں سے چندرکھ کو دیکھ رہے تھے۔ بہت بڑے ددوان تھے۔ پر اس سے جوان پر بیت رہی تھی، وہی جان سکتے تھے۔ چندرکھ نے کہا۔

”آپ نے ہم سے کہا کہ ہمیں آپ کا نام کیسے معلوم ہوا مہاراج.....؟ تو بہت سی باتیں گیان کی باتیں ہوتی ہیں۔ ہمارا نام چندرکھ ہے اور ہم سات ابلاؤں کی ابلاء ہیں۔ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ پر سمجھنا ضروری بھی نہیں ہے۔ تھوڑی سی باتیں آپ بتا دیتے ہیں۔ اس کے بعد باقی کام آپ کا ہے۔“

”جی دیوی جی.....!“

سیوکھ رام نے کہا۔

”بات آپ کے اکلوتے سپوت کی ہے۔ باؤلا ہو گیا ہے سرا.....! پڑھ پڑھ کر..... پر ہم تمہیں بتائیں۔ دھرم راج سندھو نے جوہرے کرشنا ہرے راما کا چکر چلایا ہے۔ وہ اس کا مستقبل خراب کر دے گا۔ دو کوڑی کا نہیں رہے گا آپ کا بیٹا.....!“

دھرم راج سندھو، دھرم کے بارے میں بے شک جانتے ہیں لیکن ان کی ودیا خراب ہے۔ وہ دولت مند لڑکوں کو ہرے کرشنا ہرے راما تحریک کے جال میں پھانس کر نشے کا عادی بنا کر دولت جمع کرنا چاہتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ اس لمحے جنوبی امریکہ کے جال میں پھانس کر نشے کا عادی بنا کر دولت جمع کرنا چاہتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ اس لمحے جنوبی امریکہ میں ان کے پاس تاج محل جیسی عمارت ہے جو ان کی اپنی ملکیت ہے۔ ان کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ امریکہ کے بڑے بڑے دولت مندوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور یہ ہی ان کا وداہو ہے۔ وہ دولت مندوں میں دُنیا میں اپنا سب سے

”انام چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔“  
 پروفیسر سیوہک نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ دیئے تھے۔ بہت دیر تک  
 خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔

”دیوی جی.....! آپ کے بارے میں مجھے کچھ کہنے کی ضرورت  
 نہیں۔ اتنا تو شاید اس کائنات کا کوئی بھی منش نہیں جانتا ہوگا۔ جتنا آپ  
 جانتی ہیں۔ پر دیوی جی.....! جب آپ نے مجھے اپنے چرنوں میں بلا ہی لیا  
 ہے تو بھگوان کے لئے میری سہائتا کیجئے..... مجھے بتائیے میں کیا  
 کروں.....؟“

”آپ کا بیٹا ٹھیک ہو جائے گا لیکن اس سے پہلے ہم دھرم راج  
 سندھو کو بھی ٹھیک کریں گے۔ ہم دیکھیں گے ان کے پاس کتنا گیان  
 ہے.....؟“

”جے.....! دیوی جے دیوی.....! جے دیوی.....! تو پھر مجھے کیا کرنا  
 چاہئے.....؟“

”آپ ساون نگر میں رہتے ہیں ناں.....! جاگیر دار ہیں وہاں کے،  
 بھگوان کی سوغندھ.....! ہمیں آپ سے پھوٹی کوڑی نہیں چاہئے۔ ہم تو بس  
 اپنا گیان سنسار کو دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں آپ کے ساتھ ساون نگر چلنا ہوگا۔  
 سونا گڑھی اب بیکارسی جگہ ہے۔“

”دیوی جی.....! اگر آپ مجھے پر یہ کریا کریں تو جیون بھر آپ کا  
 احسان مانوں گا۔“

”آپ یہاں سے ساون نگر جانے کی تیاریاں کر لیں.....!“

”ٹھیک ہے دیوی جی.....!“

”جائیے.....! ہمارے پتا جی سے بات کر لیجئے.....!“

چندر مکھ نے کہا اور پروفیسر سیوکھ رام ہری رام کے پاس پہنچ گئے۔  
وہ جھکے اور انہوں نے ہری رام کے گھٹنے چھولنے تو ہری رام جی دو قدم پیچھے  
ہٹ کر بولے۔

”ارے ارے.....! مہاراج.....! ارے مہاراج.....! کاہے ہمیں  
اپرا دھی بنا رہے ہیں.....؟“

”ایک بات آپ سے پوچھوں..... ہری رام جی.....!“  
سیوکھ لعل نے کہا۔

”ہاں ہاں.....! ضرور.....!“

”وہ چندر مکھ آپ ہی کی پتری ہیں.....؟“

ہری رام نے کوشلیا کی طرف دیکھا تو کوشلیا بولی۔

”ہاں.....! بھیا جی.....! ہماری ہے۔ پر ہمار نہیں رہے۔“

سیوکھ رام نے یہ الفاظ حیرت سے سنے۔ سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا  
لیکن اندازہ لگا لیا تھا کہ کوشلیا سیدھی سادھی دیہاتی عورت ہے جو کچھ کہہ رہی  
ہے۔ اس کا مطلب خود اسے بھی نہیں معلوم.....! کوشلیا گھبرائی گھبرائی سی تھی۔  
تب سیوکھ لعل بولے۔

”ہری رام مہاراج.....! میں ایک مشکل کا شکار ہوں۔ اس مشکل کا

شکار ہو کر میں یہاں آیا ہوں۔ مجھے پتا چلا تھا کہ یہاں بھگت سنگرام بھی آئے  
ہوئے ہیں۔ ان سے اپنے لئے کچھ چاہتا تھا۔ پردہ چلے گئے لیکن اب مجھے یہ  
احساس ہو رہا ہے کہ ان کی جگہ مجھے چندر مکھ دیوی ملی ہے۔ پتہ نہیں کیوں میرا  
من کہتا ہے کہ مجھے ان سے بہت فائدہ ہوگا۔ میری ان سے بات ہوئی ہے۔  
میں سون نگر میں رہتا ہوں اور میرا پڑھنے پڑھانے سے تعلق ہے۔ لیکن بس  
آپ یوں سمجھ لیجئے کہ مجبوری کی حالت میں میں نے آج کل اپنے آبائی گھر

میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ چندر مکھ کہتی ہیں کہ وہاں چل کر وہ میرے بیٹے سندپ سیوکھ کو دیکھیں گی اور اس کے لئے کچھ کریں گی۔“

”تت..... تت..... تت..... تو پھر؟“

ہری رام نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

”آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔“

”کیوں کوشلیا.....؟ کیوں نہ ہم اپنے گھر واپس چلیں اور چندر مکھ

ان کے ساتھ چلی جائے.....؟“

”آپ کیسی باتیں کرتے ہیں.....؟ میں بھی بال بچوں والا ہوں۔

جوان بیٹی ہے آپ کی..... سندر ہے۔ آپ کو اگر کوئی جلدی نہیں ہے تو آپ

میرے ساتھ ہی چلئے.....!“

”اگر چندر مکھ کہتی ہے تو ہمیں اعتراض نہیں۔“

”دھن داد.....! دھن داد.....!“

سیوکھ رام نے کہا اور اس کے بعد جانے کی تیاری ہو گئی۔ سیوکھ رام کے پاس ایک شاندار لینڈ کروزر تھی جس میں بٹھا کر وہ چندر مکھ کو لے چلے خود ہری رام اور کوشلیا اپنی گاڑی میں تھے۔ پندرہ دن سے ساون نگر کا فاصلہ اب اتنا کم بھی نہیں تھا کہ وہ فوراً ہی پہنچ جاتے لیکن ساون نگر جیسے خوب صورت گاؤں میں سیوکھ رام کی حویلی سے سب سے شاندار تھی۔

قدیم طرز کی بنی ہوئی یہ حویلی سیوکھ رام کے پرکھوں سے چلی آرہی تھی اور اب سیوکھ رام.....! کچھ نوکروں اور ایک دورشتے داروں کے ساتھ وہاں رہتے تھے۔ وہ ان لوگوں کو بڑے احترام کے ساتھ اس حویلی میں لے گئے۔ ایک کمرہ ہری رام اور کوشلیا دیوی کو دیا گیا اور برابر کے دوسرے کمرے میں چندر مکھ کے لئے انتظام کیا گیا۔

چندر مکھ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

”آپ کی حویلی تو بہت ہی خوب صورت ہے۔ لگتا ہے وشنو بھگوان کے دور میں آگئی ہوں میں۔ وہاں کا طرزِ تعمیر بھی ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔“

سیوکھ رام گہری نگاہوں سے چندر مکھ کو دیکھا۔ یہ بات تو بڑے بڑے نہیں جانتے تھے کہ وشنو بھگوان کے دور میں شری رات رام کی حویلی ایسی ہی تھی اور سیوکھ رام کے پرکھوں نے یہ حویلی اسی طرز پر بنوائی تھی اور آج تک وہی چلی آ رہی تھی۔ حویلی کی تاریخ بھی بہت ہی پُر اسرار تھی۔

لیکن اس چھوٹی سی عمر کی لڑکی نے کتنے آرام سے وشنو کا نام لے دیا تھا۔ بہر حال کچھ پُر اسرار باتیں تو سیوکھ رام محسوس کرنے لگے تھے۔ رات کا بھوجن بہت ہی شاندار تھا۔ چندر مکھ نے اسے بھی پسند کیا۔ ہری رام جی نے تو اتنا کھایا کہ ان کا پیٹ پھول گیا اور وہ پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

کوشلیا دیوی نے گھورتی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر مدہم سے لہجے میں کہا۔

”ہائے رام.....! بھگوان سب کچھ دیوت رہن، تم کو..... پر تمہاری ہوس نہ ہی پوری ہوت رہن..... اب مرمت جانا کھا کھا کر.....!“

وہ ناک سکڑ کر بولی۔ اور پھر مدہم لہجے میں کہنے لگی۔

”بتاؤں انہیں پر بھاکری کی باتیں.....؟“

”ارے چپ..... چپ.....! دوسری جگہ آ کر بھی میرے ساتھ یہ ہی سلوک کرے گی..... تیرا بیڑہ غرق.....!“

”ہمارا بیڑہ غرق تو اسی لمحے ہو گیا تھا جب تو ہار سنگ ہمار پھیرے ہوئے تھے۔“

کوشلیا نے کہا اور ہری رام دانت پیس کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

کھانے پر سیوکھ رام کا بیٹا، سندپ سیوکھ موجود نہیں تھا۔ ابھی تک  
چندر مکھ نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن کھانے کے بعد اس نے سوال کر ہی  
الا۔

”آپ اپنے بیٹے کے بارے میں بتا رہے تھے سیوکھ رام جی.....!“  
نظر نہیں آیا وہ.....؟“

”بہت کم نظر آتا ہے۔ بس اپنے کمرے میں گھسا رہتا ہے۔ دروازہ  
اندر سے بند ہوتا ہے۔ ہم کتنی ہی کوشش کر لیں وہ باہر نہیں آتا۔ پر اس کی اپنی  
مرضی ہوتی ہے تو آ جاتا ہے۔“  
چندر مکھ مسکرا کر چپ ہو گئی تھی۔

بہر حال شاید وہ خود بھی سندپ سیوکھ کے بارے میں دلچسپی لے  
رہی تھی۔ اس نے سیوکھ لعل سے بہت سی باتیں معلوم کیں اور بولی۔  
”سیوکھ لعل مہاراج.....! میں تھوڑا سا ناک کروں گی یہاں آپ کو  
اعتراض تو نہیں ہوگا.....؟“

”نہیں دیوی جی.....! آپ کی عمر چھوٹی سی ہے۔ پر مجھے آپ کا  
گیان بہت بڑا لگتا ہے۔ آپ جیسا من چاہیں کریں۔ مجھے اعتراض نہیں  
ہوگا۔“

چندر مکھ مسکرا کر خوش ہو گئی تھی۔



پورن ماشی کی رات تھی۔ آکاش پر چندرما، کھلا ہوا تھا اور ہر طرف  
خوب صورت چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ حویلی کے عقبی حصے میں بہت ہی خوب  
صورت باغ لگا ہوا تھا۔ اس باغ میں سنگ مرمر کے بہت سے فوارے بنے

ہوئے تھے۔ فواروں کے برابر بنچیں لگی ہوئی تھیں۔

چاندنی نے سارے ماحول کو روشن کر رکھا تھا۔ اس روشن ماحول میں چند رکھ جس انداز میں رونما ہوئی۔ بس دیکھنے والا تھا کوئی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ آکاش کی اپسرا نہیں ہے۔ بڑی ہی خوب صورت زرق برق لباس پہنا ہوا تھا اس نے، جس میں ستارے نکلے ہوئے تھے۔ چاندنی میں یہ ستارے جھلمل کر رہے تھے۔

حیرانی کی بات تھی کہ یہ لباس وہ یہاں ساتھ نہیں لائی تھی۔ لباس کہاں سے آیا.....؟ یہ تو شاید کوشلیا بھی اس سے نہ پوچھ پائی۔ اس کے سارے کام کسی نہ کسی طرح ہو ہی جاتے تھے۔ بس سفید سنگ مرمر کی ایک بنچ پر وہ بڑی ناز و ادا کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں تان پورا تھا۔ جسے وہ مدہم سروں میں بجا رہی تھی اور لگ رہا تھا کہ سچ مچ آکاش کی کوئی اپسرا اندر مہاراج کے اکھاڑے سے اتر کر دھرتی پر آ گئی ہے۔

نہ جانے یہ چند رکھ کی دریا کا کوئی کارن تھا یا پھر اتفاق کہ کہیں سے سندپ سیوکھ نے اسے دیکھ لیا۔ اب اس کے احساسات جو کچھ بھی ہوئے ہوں لیکن آہستہ قدموں سے چلتا ہوا وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں تان پورے کی مدھرتانیں ابھری رہی تھیں اور پھر اس نے چند رکھ کو دیکھا اور اس کی آنکھیں اس پر جم کر رہ گئیں۔

نہ جانے کون کون سے خوابوں میں کھو گیا تھا.....؟ وہ رفتہ رفتہ چند رکھ کے سامنے زمین پر پالٹی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں چند رکھ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسی دھرتی کی کوئی لڑکی ہے۔ آہستہ آواز میں اس کے منہ سے نکلا۔



”کہ من کا..... رادھیکا..... رستے جے گلے ماہور۔“

یہ الفاظ تین دفعہ اس کے منہ سے نکلے تو چندرکھ نے تان پورا بند کر دیا اور اسے نیچے کر کے سندپ سیوکھ کو دیکھنے لگی۔ سندپ سیوکھ نے جھرجھری لے کر اپنے آپ کو سنبالا اور مدہم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”تم..... سرسوتی ہو۔“

چندرکھ ہنس پڑی۔ اس کی نغمہ بارہنی تان پورے کے سروں سے زیادہ حسین تھی۔ سندپ سیوکھ کھو گیا۔ اس نے پھر کہا۔

”جے سرسوتی دیوی.....!“

”کہاں پاگل پن کی باتیں کر رہے ہو.....؟ میں تمہاری ہی دھرتی کی ایک ناری ہوں۔ سرسوتی تو اندر کے اکھاڑے میں ہوگی۔“

”ہماری دھرتی کی ناری..... کیا آکاش سے نہیں اُتری تم.....؟“

”ناں بابا ناں.....! میں تو سیوکھ رام کی مہمان ہوں۔ پندرہ دن سے ان کے ساتھ یہاں آئی ہوں۔“

”میں نہیں مانتا.....!“

”تو پھر.....؟ میں تمہیں کیسے منواؤں.....؟“

”دیکھو دیوی جی.....! میں تمہیں دیکھ کر عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا ہوں۔ اگر تم آکاش کی اپسرا ہو تو میں تمہاری پوجا کروں گا اور اگر سچ مچ دھرتی کی کوئی سندری ہو تو بھگوان کی سوغندہ.....! میں نے تم سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“

”چلو ٹھیک ہے.....! اب تو دیکھ لیا۔“

چندرکھ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی اور سندپ سیوکھ بھی جلدی سے کھڑا

ہو گیا۔

”آؤ.....! چندر ما پورے کا پورا چاندنی کھیت ہو رہی ہے۔ آؤ چلتے ہیں آگے.....!“

سندیپ اس کے ساتھ چل پڑا۔ چندر مکھ سے بدن سے ایک عجیب سی خوشبو پھوٹ رہی تھی جو ناقابل فہم تھی لیکن جو انسانی ذہن کو مسحور کر دینے کے لئے کافی تھی۔ وہ بولی۔

”تو تم سندپ ہو۔ سیوکھ لعل مہاراج نے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ ولایت میں رہتے ہو اور دھرم پر چار کرتے ہو۔“

”ہاں.....! کیا سچ مچ پتا جی نے تمہیں میرے بارے میں بتایا ہے.....؟“

”تو کیا..... مجھے ایسے ہی پتہ چل گیا.....؟“

”مگر تم ہو کون.....؟“

”چندر مکھ ہے میرا نام.....!“

”وہ تو ہے۔ دیکھنے ہی سے نام کا پتہ چل جاتا ہے۔ پر آئی کہاں سے ہو.....؟“

”کہاناں بندراون سے..... یا ترا کے لئے بندراون آئی تھی کہیں اور رہتی ہوں۔ وہاں سیوکھ لعل جی مہاراج مل گئے۔ مہمان بنا لیا انہوں نے مجھے۔ سو میں یہاں چلی آئی۔ تم اپنے بارے میں بتاؤ کیا کرتے ہو.....؟“

”میں اپنے گھر کا زبردستی کا پاگل ہوں۔“

سندیپ اب سنبھل گیا تھا۔

”زبردستی کا پاگل.....؟“

”ہاں.....!“

”ابھی باتیں نہ کرو..... مجھے بتاؤ.....!“

”یہ لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ اس سنسار میں نئی نسل دھرم سے بہت اور چلی گئی ہے۔ ہمیں دھرم کے بارے میں کچھ ہی نہیں معلوم۔ ہم اپنے ماضی کو نہیں جانتے، وید میں کیا لکھا ہے.....؟ کوئی نہیں جانتا۔ میں اپنے ماضی کی کھوج کر رہا ہوں اور میرے گرو جی میری سہائستہ کر رہے ہیں۔“

”تم اپنے ماضی کی تلاش کیوں کر رہے ہو.....؟“

”اپنے دھرم سے واسطہ جو ہے میرا..... دھرم واسیوں نے دھرم چھوڑ دیا ہے پر میں اس کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ میں اس کھوج میں ہوں کہ بھگوان مجھے دشمنی دے دے کہ میں اپنے ماضی کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔“

چندر مکھ مسکرا دی تھی۔

”اور اگر تمہاری یہ خوشی پوری ہو جائے تو.....“

”تو میں اپنے آپ کو سنسار کا سب سے خوش نصیب آدمی سمجھوں گا۔“

”تمہارے گرو جی کہاں ہیں.....؟“

”ان دنوں وہ انگلینڈ میں ہیں۔ وہاں انہوں نے دھرم سیوا کا آشرم بنا رکھا ہے۔ جہاں وہ دھرم سے دلچسپی رکھنے والوں کو دھرم کے بارے میں بتاتے ہیں اور انہیں بھاشن دیتے ہیں۔ آنے والے ہیں تین چار دن کے اندر۔ میرے پاس مجھ سے ملنے کے لئے۔ مجھ سے بڑا پریم کرتے ہیں وہ۔“

”آنے دو.....!“

چندر مکھ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ جسے سندپ سیوکھ محسوس نہ کر سکا کہ اس میں ایک خاص کیفیت چھپی ہوئی ہے۔ اس کا دل ڈول رہا تھا۔ ہارپ میں رہا تھا۔ بڑی بڑی حسین تتلیوں کو دیکھا تھا۔ من کا سچا تھا۔ ہر ایک

کی طرف راغب نہیں ہوتا تھا اور ویسے بھی دھرم داس تھا اور کسی طرف ٹیڑھی نگاہ نہیں ڈالتا تھا۔ لیکن آکاش کی اس اپرا نے اس کا من لوٹ لیا تھا۔

بہت دیر تک وہ چاندنی کے کھیت میں گھومتے رہے اور سندپ سیوکھ اس کے ایک ایک قدم پر مٹتا رہا۔ پھر وہ بولی۔

”رات زیادہ بیت گئی ہے۔ اب سوؤ گے نہیں سندپ.....؟“

”تم کہاں جاؤ گی دیوی جی.....؟“

”ارے.....! میرے ماما پتا یہیں پر ہیں۔ میں نے تم سے کہا ہے ناں کہ میں سیوکھ لعل مہاراج کی مہمان ہوں۔ آؤ.....! میں تمہیں اپنا کمرہ دکھاؤں.....!“

چندر مکھ اسے لے کر اپنے کمرے تک پہنچی اور سندپ سیوکھ کو اپنے کمرے کے سامنے وداع کیا اور پھر اندر چلی گئی۔

سندپ سیوکھ باقی آدھی رات اس کے دروازے سے تھوڑے فاصلے پر ایک ستون سے ٹکا کھڑا رہا تھا۔ پھر دوسری صبح ناشتے کی میز پر بھی خود ہی پہنچ گیا تھا اور اس کو سیوکھ لعل اور ان کی دھرم پتی نے بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔ انہیں خوشی بھی ہوئی تھی۔ بعد میں سیوکھ لعل نے چندر مکھ سے کہا۔

”دیوی یہ چٹکار.....! آپ ہی کا ہے.....؟“

”سیوکھ لعل جی.....! آپ نے دیوی کہہ کہہ کر میرا دماغ خراب کر

دیا ہے۔ میں نے آپ سے صاف کہہ دیا ہے کہ میں دیوی نہیں ہوں۔ آپ کے اسی سنسار کی ایک ناری ہوں۔ اگر آپ مجھے چندر کہیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔“

سیوکھ لعل نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ پھر بولے۔

”میرے من میں تمہارے لئے بہت بڑا استھان ہے۔ پر اگر تم کہتی

”تو میں تمہیں چندر ہی کہوں گا۔ مجھے بہت اچھا لگے گا۔ ویسے مجھے ایک بات  
 ”! کیا سندپ سے تمہاری کوئی بات چیت ہوئی ہے.....؟“  
 ”ہاں.....! میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ آپ چنانہ کریں  
 آپ مجھے بتائیں آپ چاہتے کیا ہیں.....؟“

”چندر بیٹا.....! وہ میرا اکلوتا بچہ ہے۔ ہرے راما ہرے کرشنا.....  
 لے جاں میں پھنس گیا ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہے دھرم راج سندھو  
 اور دان ہے پر اس کا من کھوٹا ہے۔ وہ نوجوان کو اپنے جال میں پھانس کر  
 گھر وں کے گھر کنگال کر رہا ہے اور اس نے بہت بڑا نیٹ ورک پھیلایا ہوا  
 ہے۔ میرا اکیلا ہی بیٹا ہے چندر کھ.....! سب کچھ اس پر دان کر سکتا ہے۔ پر  
 اے نہیں، وہ تو برے جال میں پھنس رہا ہے اور بھی تمہیں بتاؤں دھرم راج  
 لہو جب کسی ایسے نوجوان کو پاتا ہے جسے کسی بھی عقل آنے لگی ہو تو پھر وہ  
 انہیں مروا دیتا ہے۔ ایسی کئی موتیں ہو چکی ہیں۔ میں پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ علی  
 گڑھ یونیورسٹی میں میرا ایک بہت بڑا مقام ہے اور تم یقین کرو چندر بیٹی.....!  
 اہا مہر چکا ہوں میں..... کیا کروں.....؟ اور کیا نہ کروں.....؟ کچھ سمجھ میں  
 نہیں آتا۔“

”آپ چنانہ کریں سیوکھ مہاراج.....! سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

چندر کھ نے کہا اور سیوکھ لعل اسے دُعا میں دینے لگے۔

سندپ سیوکھ کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ بڑی  
 لعل سے اس نے یقین کیا تھا کہ چندر کھ آکاش سے اُتری نہیں ہے۔ بلکہ  
 وہ اس کے پتا جی کی مہمان ہے۔ ہری رام اور کوشلیا دیوی سے بھی اس کی  
 ملاقات ہوئی تھی۔ ویسے سیوکھ لعل بہت خوش تھے۔ سندپ کے اندر نمایاں  
 مہا لہاں دیکھ کر پہلے وہ ایک طرح سے سنیا سی بنا ہوا تھا۔ سادھوؤں کا روپ

اختیار کر لیا تھا اس نے۔ داڑھی بڑھی ہوئی ہے تو بڑھی ہوئی ہے۔ بال بکھرے ہوئے ہیں تو بکھرے ہوئے ہیں۔ لباس گندہ ہے تو گندہ ہے۔

لیکن اچانک ہی اس نے اپنا روپ بدل لیا تھا۔ بال بھی سنور گئے تھے۔ داڑھی بھی بن گئی تھی۔ کپڑے بھی باہر نکل آئے تھے۔ اس میں زندگی دوڑ گئی تھی اور سیوکھ لعل اور ان کی دھرم پتی خوشی سے پھولے نہیں سمارہے تھے۔

ان کے خیال میں انہیں صحیح معنوں میں آکاش سے اُتری دیوی مل گئی تھی۔ جس نے ان کے اکلوتے سپوت کو ان کے ہاتھ سے جانے سے بچا لیا تھا۔ چندر مکھ کی سیوا تو خیر ایک دیوی کی حیثیت سے ہی ہو رہی تھی لیکن ہری رام اور کوشلیا کو بھی بہت بڑا درجہ دیا گیا تھا اور ان کی خوب خاطر مدارت ہو رہی تھی۔ دونوں ہی بہت خوش تھے۔ اس سے بھی دونوں حویلی کے باغ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، کوشلیا نے کہا۔

”ہریے.....! بھگوان نے ہم کا..... کانا ہی دیوت..... پر ہمارا حویلی..... ای ہو۔ نا ہی راسوت تو ہمار حویلی بھی ایسا ہی بنوا دے۔“

”اری باوری.....! اپنی حویلی کون سی بری ہے.....؟ اپنا ٹھکانہ اپنا ہی ہوتا ہے۔“

”ارے.....! ہاں ہاں.....! ہم جانت رہیں تو او جگہ کا ہے چھوڑت..... جدھر پر بھاگری رہت ہے.....؟“

”ہت تیرے کی.....! آج تک تیرے من پر پر بھاگری سوار ہے.....؟“

”تو اور کا..... کیسی اچھی ہے یہ حویلی.....!“

کوشلیا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی اور ہری رام برا سا منہ بنا کر

”ہری طرف دیکھنے لگا۔ سندپ صحیح معنوں میں چندر مکھ کے روپ سروپ  
نے بڑا متاثر ہو گیا تھا اور اس کے اندر نیا جیون دوڑ گیا تھا۔

پھر دھرم رام سندھو کے آنے کا وقت آ گیا اور ان کے سواگت کے  
لئے پوری حویلی سجا دی گئی۔ کیونکہ وہ سندپ کے گرد تھے۔ اس لئے خود  
سندپ ہی ان کے سواگت کے لئے بھاگا بھاگا پھر رہا تھا اور چندر مکھ مسکراتی  
ہاں سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ پھر پنڈت دھرم راج سندھو  
آئے۔

لبے چوڑے قد و قامت کے مالک بال کمر تک لٹکے ہوئے۔ پیلی  
دھوتی باندھے ہوئے، پیلا ہی کرتا پہنے ہوئے، گلے میں مالا، ہاتھ میں کندل،  
ان کی گرجدار آواز سب نے سنی۔

”جیسے کرم کرو گے ویسے پھل دے گا بھگوان.....!“

بہت ہی اچھا سواگت کیا گیا تھا ان کا۔ اور گھر کے سارے لوگ ان  
لے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ ہری رام اور کوشلیا بھی سب کے ساتھ ہی تھے  
ایلن چندر مکھ ان کے سامنے نہیں آئی تھی۔ ویسے بھی اسے کوئی حکم نہیں دیا جاتا  
تھا۔ جو اس کا من چاہتا تھا وہ کرتی تھی، غرض یہ کہ کافی سہمے گزر گیا۔ پورا دن  
یت گیا مگر چندر مکھ گرد مہاراج کے سامنے نہیں آئی۔

سندپ سیوکھ نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”چندر جی.....! آپ ہمارے گرد سے نہیں ملیں.....؟“

”ملوں گی.....! اوشے ملوں گی.....! پر ابھی نہیں.....!“

وہ رات گزری۔ دوسرا دن بھی گزر گیا اور اس شام پنڈت دھرم راج  
ندھو کتھا کرنے والے تھے۔ باغ ہی کے ایک گوشے میں ایک جگہ منتخب کی  
گئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور پنڈت جی کے لئے ایک بڑا سنگھاسن

بنایا گیا تھا۔ باقی لوگوں کے لئے نیچے جگہ بنائی گئی تھی۔ چنانچہ پنڈت جی نے کتھا شروع کر دی۔

”ہم شروع کریں گے بات اس سے سے جب دو عودتھن مارا گیا تھا اور اس کے اس بعد کارتھ بان اور باقی آٹھ آدمی، پانڈو کے لشکر میں بچے ہوئے دیوار دھن کا سوتیلا بھائی پوچھ اور آٹھویں شری کرشن ہی تھے۔ جن کے بارے میں تفصیل تمہیں بتانا ہوں۔ شری کرن جی متھرا میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ جو کچھ بھی تھے بس بھگوان نے انہیں بڑا سامان دیا تھا۔ ان کی ولادت متھرا کے راجہ کنس کے دور میں ہوئی تھی۔ راجہ کنس کو نجومیوں نے یہ بتایا تھا کہ اس کی موت کرشن کے ہاتھوں ہوگی اور راجہ نے یہ سن کر حکم دیا تھا کہ کوئی بھی لڑکا اس شہر میں پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے لیکن شری کرشن جی بچ گئے۔

پیدائش سے لے کر گیارہ سال کی عمر تک وہ نند نامی ایک شخص کے گھر میں پرورش پاتے رہے اور آخر کار انہوں نے راجہ کنس کو قتل کر دیا اور اس کے باپ راجہ اگر سین کو تخت پر بٹھایا لیکن اگر سین کی حکومت تو برائے نام تھی۔ راج گدی خود شری کرشن کے ہاتھ میں تھی۔ شری کرشن کو بہت سے وردان حاصل تھے اور ان کے ان وردانوں سے لوگ ان کی پرستش کرنے لگے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی بتیس سال بڑے مزے میں گزارے اور ان بتیس سالوں کے بارے میں بڑے عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں۔ پھر دوسرے راجاؤں نے شری کرشن کو تباہ کرنے کی تجویز سوچی۔ بہار اور پٹنا کے راجہ جراح سنگھ نے ایک طرف سے متھرا پر حملہ کیا اور دوسری طرف سے ملیچھوں کے راجہ کاوٹن نے حملہ کر دیا۔

شری کرشن جی ان دونوں راجاؤں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور متھرا سے فرار ہو کر دوارکا کے قلعے میں کرشن جی نے استھان کیا اور اٹھتر



مال دوارکا کے آس پاس کے علاقوں میں گزارے۔ وہ اپنے دشمنوں سے بچتے پھر رہے تھے۔

آخر کار ایک سو پچیس سال کی عمر میں درپور دھن کی ماں گندھاری کی بددعا سے وہ سنسار سے کوچ کر گئے۔ پرنگر باسیوں کا خیال تھا کہ شری کرشن جی کو موت نہیں آئی بلکہ انہوں نے روپوشی اختیار کی اور وہ سدر جیوت رہیں گے۔

رانی گندھاری کی بددعا کچھ یوں تھی کہ جب اس کی زچگی کا زمانہ قریب آیا تو ایک دن اس نے سوچا کہ جب یہ لڑکا پیدا ہوگا یعنی درپور دھن..... تو اس کا پتا دھتر آشر اندھا ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ نہیں سکے گا۔ پر میں خود بھی یہ کروں گی کہ اس لڑکے کو نہ دیکھوں۔ پھر جب درپور دھن پیدا ہوا تو رانی گندھاری نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے بیٹے کے جسم پر نگاہیں نہ ڈالیں۔ یہاں تک کہ جوان ہو کر وہ تخت سلطنت پر بیٹھا اور لڑائی کا بے شمار سامان لے کر دشمنوں کے مقابلے پر آیا۔ پر رانی گندھاری نے اپنے بیٹے کی صورت آج تک نہ دیکھی تھی۔

پھر جب لڑائی کا دن مقرر ہوا اور خطرہ قریب آیا تو اس نے ایک دن پہلے اپنے بیٹے درپور دھن کو بلا کر کہا کہ میری جان.....! میرے پیارے بیٹے.....! انسان اپنی اولاد کو ہر طرح کی آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ کل جب کہ جنگ شروع ہوگی کہ کہیں تیرے نازک جسم کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ اس لئے تو بالکل بے لباس ہو کر میرے سامنے آ..... تاکہ میں تیرے سارے بدن پر نگاہ ڈالوں۔ درپور دھن نے اپنی ماں سے پوچھا کہ اسے کس طرح اس کے سامنے آئے تو اس کی ماں نے جواب دیا کہ میرے بیٹے.....! اس زمانے میں عقل، سچائی اور بزرگی میں پانڈوؤں کے برابر کوئی نہیں ہے۔

تجھ کو چاہئے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا طریقہ پوچھے۔

دریودھن نے ماں کا کہنا اور پانڈوؤں کے پاس پہنچا اور انہیں اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ پانڈوؤں نے یہ جاننے کے باوجود کہ دریودھن ان کا جانی دشمن ہے، سچائی کا ساتھ دیا اور کہا۔

”فطرت کا یہ قانون ہے کہ اولاد، ماں کے پیٹ سے بالکل برہنہ پیدا ہوتی اور والدین کی نظر اسی برہنہ حالت میں بچے پر پڑتی ہے۔ چونکہ تیری ماں نے تجھے ابھی تک نہیں دیکھا اس لئے تجھے اس کے سامنے برہنہ جانا چاہئے کیونکہ اس کے لئے تیرا وجود اب بھی وہی حیثیت رکھتا ہے۔ جو تیری ولادت کے روز تھی۔ لہذا تو اپنی ماں کا کہنا مان اور اس کے سامنے بالکل برہنہ جاتا کہ وہ تیرے جسم پر پاک نگاہیں ڈال کر تجھے آفتوں سے محفوظ کر دے۔“

دریودھن یہ نیک مشورہ حاصل کر کے اٹھا اور اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں شری کرشن سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا۔

”اس طرح تنہا دشمن کے لشکر میں کیوں آگیا تو دریودھن.....! کس لئے آیا تھا تو.....؟“

دریودھن نے اس کے جواب میں تمام واقعہ بیان کر دیا۔ یہ سن کر شری کرشن نے دل میں سوچا کہ یہ تو بڑا غضب ہو گیا۔ اگر دریودھن پانڈوؤں کے مشورے کے مطابق اپنی ماں کے سامنے بالکل برہنہ جائے گا تو ماں کی نگاہوں کی تاثیر سے اس کا جسم ہر طرح کی آفات سے محفوظ ہو جائے گا۔ اور اس کے جسم پر کسی قسم کا کوئی وار کارگر نہیں ہوگا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جنگ میں اسی کو فتح حاصل ہوگی۔ پانڈوؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے سوچا اس طرح انہیں جنگ میں شکست ہو

ہائے گی۔ انہوں نے ایک ہنسی کے ساتھ کہا کہ اے بے وقوف.....! جو انسان دشمنوں سے مشورے کی توقع رکھتا ہے۔ وہ اپنے لئے خود گڑھا کھودتا ہے۔ پانڈوؤں نے تیرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ ذرا تو خود ہی اپنے دل میں سوچ کر کہ جب تو پیدا ہوا تھا تو تو ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اب تو جوان ہو چکا ہے۔ بھلا تیری غیرت تجھے کس طرح اجازت دے گی کہ تو لباس سے محروم ہو لڑائی ماں کے سامنے جائے.....؟ در یودھن پریشان ہو گیا اور بولا۔

”تو پھر کرشن جی مہاراج.....! مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں.....؟“  
اس پر شری کرشن نے کہا۔

”پانڈوؤں نے تجھے جو مشورہ دیا ہے وہ نہایت مناسب ہے تو بس اہل احتیاط کر کہ اپنے گلے میں پھوگوں کا ایک موٹا سا اور لمبا سا ہار پہن لے تاکہ تیرا بدن ماں کی نگاہوں سے چھپ جائے اور اس طرح تو ماں کے سامنے چلے جانا۔“

در یودھن نے سری کرشن کا یہ مشورہ مانا اور اسی پر عمل کیا اور اپنی ماں کے سامنے جا کر کہنے لگا کہ میری پوجیا ماں.....! میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اپنی آنکھیں کھول اور مجھے دیکھ.....!

ماں نے یہ سوچ کر کہ پانڈوؤں سے نیک مشورہ لے کر آیا ہوگا، آنکھیں کھول دیں۔ جونہی اس کی نگاہ در یودھن کے گلے میں پڑے ہوئے ہاروں کے ہار پر پڑی تو وہ ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئی اور جب اسے ہوش آیا تو وہ زار و قطار رونے لگی اور پوچھنے لگی کہ کیا یہ ہار پہننے کا مشورہ نہیں پانڈوؤں نے دیا تھا.....؟

در یودھن نے جواب دیا کہ نہیں.....! بلکہ شری کرشن جی راستے میں ملے تھے۔ میں نے ان کے رائے پر عمل کیا ہے۔ یہ بات سن کر گندھاری نے

دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے جلے ہوئے دل سے شری کرشن کو بددعا دی اور روتے ہوئے اپنے بیٹے سے کہا۔

”دریودھن.....! تیرے جسم کی یہی جگہ جو میری نگاہوں سے اوجھل رہ گئی ہے، دشمن کے وار سے زخمی ہوگی۔ اور پھر یہ تیری ہلاکت کا سبب ہوگی۔“

چنانچہ دریودھن کی موت اسی طرح واقع ہوئی اور شری کرشن بھی اسی بددعا کے اثر سے بہت بری طرح دُنیا سے رخصت ہوئے۔

مختصر یہ کہ کوڑوں کے خاندان کی تباہی اور دریودھن کے قتل کے بعد جدھیر، ہندوستان کے تمام ملکوں کا فرمانروا ہوا اور ساری دُنیا میں اس کی سلطنت پھیل گئی۔ مہابھارت کے بعد پورے تیس سال تک جدھیر نے حکومت کی مگر اس نے خود ہی دُنیا کی ماہیت اور حقیقت پر غور کر کے دُنیا سے کنارہ کشی کر لی اور اپنے چاروں بھائیوں کو ساتھ لے کر گوشہ نشینی کی زندگی گزار دی اور اسی عالم میں دُنیا سے چلا گیا۔ کورؤوں اور پانڈوؤں نے دونوں نے مل کر چھیتر برت تک حکومت کی اور پھر اس کے بعد اکیلے دریودھن نے تیرہ سال تک حکومت کی۔ مہابھارت کے بعد جدھیر نے تیس سال تک حکومت کا کاروبار سنبھالا۔ کیا سمجھے.....؟“

ابھی کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ ہلکی سی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ اس قدر کھٹک اور اس قدر حسن تھا، اس آواز میں کہ خود دھرم راج سندھو دنگ رہ گئے اور ان کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔

تب انہوں نے دُور سے اس اپسرا کو آتے ہوئے دیکھا جسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ چند رکھ آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی اور دھرم راج کے منہ سے پوتر اشلوک نکل رہے

تھے۔ جو دیوی اور دیوتاؤں کے لئے ہوتے ہیں۔

سنسکرت کے ماہر تھے اور سنسکرت میں ہی کچھ کہہ رہے تھے۔ لیکن اس سے دوسروں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں جب چند رکھ نے بھی گاڑھی سنسکرت میں دھرم راج سندھو سے باتیں کیں اور دھرم راج مہاراج دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

”جے دیوی کی.....! جے دیوی کی.....! جے دیوی کی.....! تو کنس کیرتن ہے۔“

”نہیں مہاراج.....! میں کنس کیرتن نہیں ہوں۔ بلکہ اسی سنسار کی ایک ابلہ ہوں۔“

”ہیں.....! اس سنسار کی۔ دیویاں تو جھوٹ نہیں بولتیں۔“  
 ”ہاں.....! دیویاں جھوٹ نہیں بولتیں۔ پر کبھی کبھی منش بھی جھوٹ نہیں بولتا۔“

”کون ہے یہ.....؟“

اس بار دھرم راج نے گردن گھما کر سیوکھ لعل سے پوچھا۔  
 ”ہاں مہاراج.....! دیوی ٹھیک کہتی ہے۔ اس کا تعلق اسی دھرتی سے ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم.....؟ جو یہ بول رہی ہے اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ بڑی درزان ہے۔ آکاش سے اُتری ہوئی۔ پر یہ مانتی نہیں ہے۔“  
 ”کن باتوں میں پڑ گئے تم لوگ.....؟ میں دھرم راج جی سے سہمت نہیں ہوں۔ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں سچائی نہیں ہے۔ کرشن جی بھگوان لے ہارے میں انہوں نے جو کچھ کہا، وہ ایک لمبی کہانی ہے۔“  
 ”پر دیوی.....! تم..... تم.....“

”ہاں مہاراج.....! میں صحیح کہہ رہی ہوں.....!“  
 ”پر دیوی.....! تم..... تم..... تم ددوان ہو..... پر ہم تمہیں ایک بات  
 بتائیں، ہم نے بھی جیوان انہی باتوں میں بتایا ہے۔“  
 ”ضائع کیا ہے..... تم نے دھرم جی مہاراج.....! اچھی تحقیق کرنی  
 چاہئے۔ دھرم کے بارے میں جب کچھ کہا جائے تو کم از کم پورا اطمینان ہونا  
 چاہئے۔“

”تمہارا مطلب کیا ہے.....؟“  
 ”یہ پاتال دانی ہے اور اس میں اپنے من سے کوئی بات نہیں کی  
 جاتی۔“

”نبوتو ٹھیک ہے۔ پر پاتال تک کا سفر کون کرے.....؟“  
 ”آپ کرنا چاہتے ہیں.....!“  
 ”کک..... کیا مطلب.....؟“  
 ”آئیے.....! میں آپ کو دکھاؤں کہ پاتال میں کیا ہے.....؟ یا اصل  
 کہانی کیا ہے.....؟“

اس نے کہا اور آگے بڑھ کر دھرم راج کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دھرم راج کو  
 یوں لگا جیسے سب کچھ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہو۔ اور وہ ایک دیرانے  
 میں کھڑے تھے اور پھر ان سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک چھوٹی سی ڈھلان  
 کا رخ کرتے ہوئے چند رکھ نے ان سے کہا۔

”آئیے مہاراج.....! میں آپ کو پاتال سنگھاسن دکھاؤں.....!“  
 یہ کہہ کر وہ ڈھلوان میں نیچے اترنے لگی۔ اتنی نیچے اتری۔ اتنی نیچے  
 اتری کہ دھن راج مہاراج کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ لیکن پھر  
 اچانک یہ اندھیرا چھٹا تو انہیں یوں لگا جیسے کہ انہوں نے دھرتی میں نہ جانے

کون سے پرت کا سفر طے کر لیا ہے۔

انہوں نے ماحول کو دیکھا۔ آسمان، بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیں برس رہی تھیں اور جب ٹھنڈی ہوا کے ساتھ یہ بوندیں چہرے سے ٹکراتیں تو پورے وجود میں مست لہریں سی دوڑ جاتیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دو گھوڑے سوار شہر سے دُور دریا کے کنارے کنارے سبک روی سے سفر کر رہے ہیں اور پھر نہ جانے کتنا سفر طے کر کے وہ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ گئے۔

اب ہرم راج مہاراج کو یوں لگ رہا تھا جیسے ان کا شریر کسی جگہ رک گیا ہو اور آتما سفر کر رہی ہو۔ وہ اب چشم تصور سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ دریا کے دوسری جانب اچھوتوں کی بستی نظر آ رہی تھی۔ جہاں پر روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔

کچے پکے مکان غربت زدہ لوگوں کے گھر جو ہر طرح کی نعمتوں سے دُور تھے۔ حالانکہ بھگوان نے دُنیا کی ہر نعمت میں برابر کا حصہ ان کو بھی دیا تھا لیکن انسانوں نے ان سے ان کا یہ حق چھین کر ان کو ان کے اس حق سے محروم کر دیا تھا اور یہ بات آج کی نہیں تھی۔ ہمیشہ سے براہمن اچھوتوں پر ظلم ڈھاتے چلے آئے تھے اور ظلم کا یہ ہی دور جاری تھا۔ ان بے چاروں کو زندہ انسانوں میں شامل ہی نہیں کیا جاتا تھا اور اب تو یہ اس زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ یہ باتیں ان کے ذہن سے نکل گئی تھیں کہ خود انہیں بھی انسانوں کی طرح جیوت رہنے کا حق ہے۔

بہر حال دونوں گھوڑے سواروں نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں سے دریا پار کرنے میں انہیں کوئی وقت نہ ہو اور ان دونوں نے اپنے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ مالک کے اشارے پر زندگی کی بازی لگا دینے والے وفادار جانور پانی میں اُتر گئے اور پانی میں سفر طے کرنے لگے۔ جس

جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا وہ خطرناک نہیں تھی۔ پانی گھوڑوں کے پیٹ سے اونچا نہ ہوا اور وہ دریا کا چوڑا پاٹ طے کر گئے۔

دوسرے کنارے پر نکل کر انہوں نے اپنے بدن جھاڑے اور مالکوں کے اشارے پر چل پڑے۔ ان دونوں میں سے ایک گھوڑے پر ماجھی راج سفر کر رہا تھا۔ اس کا متر، جگمیت اس کے ساتھ تھا۔ وہ کافی لمبا چکر لگا کر بستی کے پچھلے حصے پر پہنچے اور یہاں انہیں وہ نظر نہ آیا جس کے پاس وہ آئے تھے۔

انہوں نے ایک آدمی کو بہت اوتار دیپ راج کی رہائش گاہ دیکھنے کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن وہ شخص نہیں ملا تھا۔ جو دیپ راج کی رہائش گاہ کا پتہ لگا لے۔ وہ اسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑا رہے تھے اور بستی کے پچھلے حصے پر پہنچ گئے تھے۔

ماگھی راج کے لہجے میں پریشانی پیدا ہو گئی۔ اس کے منہ سے آواز نکلی۔

”رات اندھیری ہے جگمیت.....! اور وہ ہمیں نظر نہیں آ رہا۔ وہ ہمیں کیسے تلاش کرے گا.....؟“

”جگمیت نے ہنس کر کہا۔

”بھگوان وہ اُلو کی نسل سے ہے۔ وہ اندھیرے میں بھی ہمیں دیکھ لے گا اور جب وہ ہمیں دیکھے گا تو فوراً مشعل جلائے گا۔ کیونکہ وہ مشعل اپنے ساتھ لے کر گیا ہے۔“

”ہوں.....!“

ماگھی راج نے کہا اور پھر بولا۔

”اگر تم پہلے ہی بات بتا دیتے تو ہم ایک مشعل لے آتے۔ تاکہ



اسے ہم تک پہنچنے میں آسانی ہو جاتی۔“

”میں مشعل لایا ہوں مہاراج.....!“

”ارے کہاں ہے وہ.....؟“

”یہ رکھی ہے میرے پاس.....!“

”تم تو واقعی سمجھدار ہو۔ ورنہ میں تو سمجھتا تھا کہ ہمیں بہت پریشانی

ہوگی۔“

”آپ چتنا نہ کریں۔ میں آپ کو کبھی پریشان نہیں ہونے دوں گا۔

میں ہوں ناں.....! آپ کے ساتھ.....! اس لمحے تک آپ بالکل پریشان

نہیں ہوں گے جب تک جگجیت جیتا ہے۔“

تھوڑی دُور چلنے کے بعد وہ ایک جگہ رُکا اور مشعل روشن کرنے لگا۔

ابھی اس کی مشعل روشن ہوئی ہی تھی کہ تھوڑے فاصلے پر ایک بلند ٹیلے پر ایک

اور روشنی چمکی۔ یہ بھی مشعل کی روشنی تھی۔ لیکن شاید تیز ہوا کی وجہ سے یہ روشنی

قائم نہیں رہ سکی۔ ان کی اپنی مشعل بھی چند ساعت کے بعد رُک گئی تھی۔ کیونکہ

ہوا کے ساتھ بوندیں بھی پڑ رہی تھیں اور اب وہ کافی تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

لیکن انہوں نے وہ راستہ دیکھ لیا تھا جہاں پہلی مشعل روشن ہوئی تھی۔

وہ تاریکی میں نگاہیں جمائے آگے بڑھتے رہے۔ ادھر ان کے

آدمیوں نے مشعل جلانے کی پھر کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا

تھا۔ البتہ یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اب فاصلہ کم سے کم ہوتا جا رہا ہے اور

آخر کار ان کے ساتھی نے یہ دیکھ لیا اور تیزی سے ٹیلے سے نیچے اُترنے لگا۔

”جے رام جی کی سرکار.....!“

اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”کیا خبر ہے.....؟“

جگیت نے پوچھا۔

”مہاراج میں نے دیپ راج کی کوٹھی کا پتہ لگا لیا ہے۔“

”کتنی دُور ہے وہ یہاں سے.....؟“

”زیادہ دُور نہیں ہے.....!“

”پھر ایک کام کریں تو بڑا اچھا ہوگا.....!“

”کیا.....؟“

”گھوڑوں کو یہیں باندھ دو، سرکار.....! اس ٹیلے کی آڑ میں اتنی جگہ

ہے کہ اگر بارش بہت تیز بھی ہو جائے تو یہ بھگیں گے نہیں۔“

”باندھنے کے لئے بھی کوئی چیز ہے.....؟“

”ہاں..... مہاراج.....! یہ درخت ہے۔ جس کی جڑیں اس خالی جگہ

میں نکل آئی ہیں۔ بڑی مضبوط جڑیں ہیں۔ پہلے تو میں نے انہیں ناگ سمجھا

تھا، مگر بعد میں ٹول کر دیکھنے سے پتا چلا کہ وہ ناگ نہیں درخت کی جڑیں

ہیں۔“

انہوں نے گھوڑے وہیں باندھ دیئے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے

لگے۔ بوندیں رُک گئی تھیں لیکن سرد ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ اور موسم کافی

خوشگوار ہو گیا تھا۔ گہری تاریک رات میں وہ آگے بڑھنے لگے اور تھوڑی دیر

کے بعد بستی کے اندرونی حصے میں پہنچ گئے۔

بستی کے گھروں میں ٹٹماتے ہوئے تار جل رہے تھے۔ البتہ جگہ جگہ

سے کتوں کی بھونکنے کی آوازیں آرہی تھیں لیکن وہ جہاں بھی تھے انہوں نے

موسم کی شدت سے پناہ لی ہوئی تھی۔ اگر کتے ان کے پیچھے لگ جاتے تو ان

کی آمد کا راز بہت سے لوگوں پر کھل جاتا۔

بہر حال وہ آگے بڑھتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد مطلوبہ جگہ پہنچ

گئے۔ شاید یہ دیپ راج کی رہائش گاہ تھی۔ یہاں رُک کر انہوں نے تھوڑا سا ہارنہ لیا۔ یہ چھوٹا سا کچا مکان تھا اور اس کے کسی کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔

ماگھی راج نے اپنے مترجکیت کو دیکھا اور جگیت نے گردن ہلا دی۔  
 ”ہاں.....! کیا کہتے ہیں مہاراج.....؟ آج اکیلے جائیں گے۔ یا ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ چلیں.....!“

”نہیں.....! تم میرے ساتھ چلو.....!“  
 ماگھی راج نے کہا۔

”ٹھیک ہے.....! تم یہاں رُکو.....!“

انہوں نے اپنے ساتھی سے کہا اور آگے بڑھ کر دروازے پہ پہنچ گئے۔ پھر جگیت نے دروازے پر دستک دی اور کچھ دیر کے بعد اندر سے کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”بابا واپسی آگئے کیا.....؟ کیسے ہیں.....؟ چاچا جی.....؟“

یہ آواز ماگھی راج کو نہ جانے کیوں جانی پہچانی سی لگی اور اس کا دل اترنے لگا۔

وہ اسی آواز میں بہت بڑا بھلا سن چکا تھا اور جن خوب صورت آوازوں سے یہ آواز نکل رہی تھی، وہ اس وقت بھی اس کے ذہن میں اس کی آوازوں میں محفوظ تھے۔ اس نے دوبارہ دروازے پر دستک دی۔ جس کے جواب میں دروازے کے قریب سے آواز سنائی دی۔

”بولتے کیوں نہیں بابا.....! یہ تم ہی ہو ناں دروازے پر.....؟“

”.....! میں دیا لاتی ہوں۔“

آواز دُور ہوتی ہوئی لگی اور ماگھی راج نے سرسراتی ہوئی آواز میں

لہا۔

”ایسے لگتا ہے جیسے وہ اکیلی ہے.....!“

”ہاں.....! لگتا تو ہے۔“

”کہیں ڈرنہ جائے.....!“

”وہ دیا لینے گئی ہے۔ دروازہ کھلا تو دیکھ لیں گے۔“

”یوں کرو پرکاش.....! تم پیچھے ہٹ جاؤ.....! اگر وہ مجھے بلائے گی

تو میں اندر چلا جاؤں گا۔ تم لوگ باہر انتظار کرنا۔“

جگجیت نے گردن خم کر دی اور دونوں دیوار کی ایک سمت چلے گئے۔

چراغ کی روشنی میں دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور پھر وہی آواز سنائی دی۔

”تم واپس کیسے آگئے بابا.....؟ ارے.....! تم اتنے چپ کیوں

ہو.....؟“

چراغ کی روشنی جس چہرے پر پڑ رہی تھی، وہ خود بھی چراغ ہی تھا

اور اس روشنی میں خود دھرم راج نے دیکھا کہ وہ چندر مکھ ہے۔ دھرم راج کا

سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ جن عجیب و غریب حالات سے

گزر رہا تھا، وہ ناقابل یقین تھے۔ بے شک ہرے کرشنا ہرے راما تحریک

میں اس کا مقام دیوتاؤں اور اوتاروں کا سا تھا۔

بڑا گیان دھیان حاصل کیا تھا اس نے۔ لیکن اس لمحے وہ جو کچھ

دیکھ رہا تھا، وہ اس کی عقل سے باہر تھا۔ لڑکی نے چراغ پھر اوپر اٹھایا اور

اچانک ہی اس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔ اس نے آہستہ سی

آواز میں کہا۔

”ہائے رام.....! ہائے رام.....! ہائے رام.....!“

”تم مجھے دیکھ کر ڈر رہی ہو.....؟ سنجو گئی.....!“

ماگھی راج نے کہا۔

”نن..... نن..... نہیں تو.....! بھلا میں تمہیں دیکھ کر کیوں ڈروں گی.....؟ میں تو بہادر ہوں مگر کیا تم سچ مچ راج کمار ماگھی راج ہو.....؟“

”مجھے راج کمار نہ کہو سنجوگنی.....! اپنا اپرا دھی کہو..... تو مجھے خوشی ہوگی۔“

”راج کمار اپرا دھی تو نہیں ہوتے۔“

جس لڑکی کا نام سنجوگنی لیا گیا تھا اور جواب تک دھرم راج کو چندر مکھ لگی تھی، بولی۔ اور اسی لمحے دھرم راج نے چونک کر چندر مکھ کی طرف دیکھا۔ جوان کے برابر ہی کھڑی تھی لیکن یہ دیکھ وہ دنگ رہ گئے کہ وہاں اب چندر مکھ کا کوئی وجود نہیں تھا۔

البتہ سنجوگنی کے بدن پر جو لباس تھا، وہ چندر مکھ کا لباس نہیں تھا۔ خود مہاراج ایک ایسے ہیولے کی شکل میں تھے، جو شاید ماضی کے کرداروں کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

”مجھے ایک بات بتاؤ گے ماگھی راج.....!“

”ہاں.....! پوچھو.....!“

”تم جیوت ہو یا مر گئے ہو.....؟“

لڑکی نے معصومیت سے کہا اور ماگھی راج مسکرا دیا۔

”آتما میں نظر تو نہیں آتیں..... کیا کہتی ہو.....؟“

”وہ تو ٹھیک ہے.....! پر اگر تم ماگھی راج راج کمار ہو تو اچھوتوں کی

اس بستی میں کیسے آئے.....؟ یہ تو ناپاکوں کی بستی ہے اور پھر رات کے اس

لمحے مجھے دشواش نہیں ہو رہا ہے۔ چلو بھگوان کی سوگندھ کھاؤ کہ تم ماگھی راج

ہی ہو.....؟“

لڑکی کا لہجہ اس قدر حسین تھا کہ دھرم راج پانی ہوا جا رہا تھا۔ ادھر  
ماگھی راج مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہاں ہاں..... بابا.....! بھگوان کی سوغندھ.....! میں ماگھی راج ہی  
ہوں.....!“

”ہائے رام.....! اچھوت تو بھگوان کا نام نہیں لیتے۔ سنا ہے  
اچھوت اگر بھگوان کا نام لے لیں تو جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب  
ہے کہ تم ماگھی راج ہی ہو.....!“

”مگر نام تو تم نے بھی لیا ہے بھگوان کا..... تم کہاں جل کر راکھ  
ہوئیں.....؟“

”تم..... مگر تم آئے کیسے.....؟“

”آدھی رات کو میں نے دریا پار کیا ہے۔ مجھے ایک بات بتاؤ۔

کیا دیپ راج مہاراج گھر پر نہیں ہیں.....؟“

”بابا ہی تو نہیں ہیں، اگر بابا ہوتے تو میں تو بھوت سے بھی نہیں

ڈرتی۔ مگر راج کمار جی.....! راج کمار جی.....! میں کیسے وشواس کر

لوں.....؟“

”ہے بھگوان.....! میری سہائتہ کر.....!“

”بھگوان تمہاری سہائتہ ہی کرے گا۔ مجھے اندر تو بلا لوں جو گنی.....!“

”اکیلی ہوں۔ میں اکیلی ہوں.....!“

”چلو جیسی تمہاری مرضی.....! اگر تم چاہو تو میں واپس چلا جاتا

ہوں۔“

”نہ..... نہ..... نہ..... ایسے کیسے..... آجاؤ.....! جو بھگوان کرے گا

دیکھا جائے گا۔“

اس کی آواز میں، گفتگو میں کہیں بناوٹ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔  
معصومیت ہی معصومیت تھی۔ ایسی لافانی معصومیت جس کا تصور بھی ذہن میں  
پاکیزگی پیدا کر دے۔ بھلا اس کو مل پھول کو کون مسنے کی سوچے گا.....؟ کون  
اس کو نقصان پہنچانا پسند کرے گا.....؟ صحن سے اتر کر وہ چھوٹے سے دالان  
میں پہنچے جہاں چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں۔

خنوگی نے چراغ ایک طاق میں رکھا لیکن چراغ اس کے ہاتھ سے  
نیچے گر پڑا اور چراغ کا تیل زمین پر پھیلنے لگا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئی۔ ماگھی  
راج جلدی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔  
”جلی تو نہیں تم.....؟“

”مم..... مم..... میں تو نہیں جلی..... پر اب میں کیا کروں.....؟“  
ماتاؤں میں کیا کروں.....؟ ٹھہرو.....! میں ابھی تلاش کئے لیتی ہوں۔ میں کوئی  
اندھی تھوڑی ہوں۔ ابھی چراغ میں تھوڑا سا تیل ڈال لاتی ہوں۔ جی تو ہوگی  
ہی۔ چراغ جل جائے گا۔ ابھی جلا کر لاتی ہوں۔ بس تم یہیں کھڑے رہنا۔“  
وہ ایک لمحے کے لئے زمین پر بیٹھی اور زمین پر چراغ تلاش کرنے  
لگی۔ چراغ مل گیا تو وہ کھڑی ہو گئی لیکن ماگھی راج سے بری طرح ٹکرا گئی  
تھی۔ وہ بدحواس ہو گئی۔

”مم..... مم..... مہاراج.....! شام..... شام..... بس ابھی آئی.....!“  
وہ دوڑتی ہوئی جانے لگی تو ماگھی راج نے کہا۔  
”تم بہت پریشان ہو گئی ہو خنوگی.....! بہت پریشان ہو گئی ہو  
مم.....!“

”لو..... میں کاہے کو پریشان ہوتی.....؟ میں کبھی پریشان ہوئی ہوں  
اب تک.....؟ بس میں ابھی آئی.....!“

اس کی آواز دُور ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اور ماگھی راج اپنی جگہ کھڑا مسکراتا رہا۔ ایک ایک لفظ اس کے دل میں گھاؤ ڈال رہا تھا۔

”ایسی پوتر، ایسی معصوم لڑکی اچھوت کیوں ہے.....؟ شتر کیوں ہے.....؟ اسے بچ ذات کیوں سمجھا جاتا ہے.....؟“

کچھ لمحوں بعد دُور سے روشنی نظر آئی اور پھر آہستہ آہستہ قریب آگئی۔ سنجوگنی نے اس بار چراغ ذرا اطمینان سے طاق پر رکھا تھا۔ پھر وہ پلٹ کر اندر بھاگی تو ماگھی راج چیخا۔

”ارے ارے.....! اب کیا ہو گیا.....؟“

لیکن وہ رُکی نہیں، اندر سے واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک چادر تھی۔ یہ چادر اس نے چار پائی پر بچھائی پھر بولی۔

”اب بیٹھ جاؤ.....! اب سب ٹھیک ہے.....!“

ماگھی راج کے بیٹھنے سے پہلے وہ خود بھی اُچک کر دوسری چار پائی پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بولی۔

”ہائے رام.....! مگر تم آ کیسے گئے.....؟ تم تو راج کمار ہو.....! اور راج کمار تو اچھوتوں کے یہاں کبھی نہیں آتے۔ اور پھر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ بھگوان کی سوگندہ.....! میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”سنجوگنی.....! دھیرج کرو.....! مجھے افسوس ہے کہ دیپ راج مہاراج اس وقت موجود نہیں ہیں۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا کہ میں یہاں کس لئے آیا ہوں.....؟“

”پہلے ایک بات بتا دو.....! کیا سب لوگوں کو معلوم ہے کہ تم یہاں آئے ہو.....؟“

”نہیں.....! کسی کو نہیں معلوم.....!“



ماگھی راج نے جواب دیا۔

”تو ٹھیک ہے.....!“

وہ جیسے مطمئن ہو گئی۔ اور پھر چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگی۔ اس کی ایک حرکت پر ماگھی راج کا دل لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اس کی ہر ادائیاری تھی۔ تب اس نے آہستہ سے کہا۔

”میں اسی دن سے پریشان تھا۔ سب کچھ.....! بھگوان کی سوگندھ.....!“

مہرا دل اسی دن سے اُداس تھا۔ جس دن پاپی گھوڑے سواروں نے تمہارے ہائی کو ہلاک کیا تھا۔ میرے من میں بڑی آرزو تھی کہ میں تم سے معافی مانگوں۔ میں تمہارا بھائی تو واپس نہیں کر سکتا مگر میری گردن حاضر ہے۔ بھگوان کی سوگندھ.....! میں اس لمحے کو بتا کر نہیں آیا۔ تم چاہو تو مجھ سے اپنے ہائی کا بدلہ لے لو.....!“

ماگھی راج نے گردن جھکا دی اور سب کچھ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

”میں تو تمہیں شہا کر چکی ہوں۔ دوش تمہارا تو نہیں تھا۔ سپاہیوں کو یہ ادھیکار تو مہاراج نے دیا ہے۔ ہم اچھوت جو ہیں۔ غلطی میری ہی تھی کہ میں نے اپنے بھائی کو اس طرح کیوں چھوڑ دیا تھا.....؟ بس آنکھ بچ گئی تھی۔ سو وہ اکل گیا۔ موت ہی آگئی تھی بے چارے کی۔ پر مجھے بڑا ہی دکھ ہے اس کی موت کا۔“

سب کچھ نے کہا اور اس کی سسکیاں شروع ہو گئیں اور چند لمحوں کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”مجھے بھی بہت دکھ ہے۔ وہ بے شک میرا کوئی نہیں تھا۔ لیکن بھگوان کی سوگندھ.....! مجھے لگتا ہے جیسے میرے پاپی ساتھیوں نے میرے

بھائی کو مار دیا ہو۔“

”ہاں.....! میں نے دیکھا تھا اور مجھے وشواش تھا کہ دوست تمہارا نہیں ہے۔ تم تو بہت اچھے آدمی ہو۔ میں نے اسی سے سمجھ لیا تھا۔ میں جانتی ہوں کہ تم مہاراج بدری جیسے برے آدمی نہیں ہو۔ بدری راج مہاراج تو بہت برے ہیں..... بہت ہی برے.....! انہوں نے یہ حکم ہی کیوں دیا ہے کہ کوئی اچھوت راستے میں آجائے تو اسے مار دیا جائے.....؟ کیا اچھوت انسان نہیں ہوتے.....؟ اگر وہ انسان نہیں ہوتے تو تمہارے ساتھ کیوں جیتے ہیں.....؟ تمہاری طرح کیوں مرتے ہیں.....؟ اور پھر ہمارے آنے سے کون سا بڑا فرق پڑتا ہے.....؟“

نوجوگنی کا ایک ایک لفظ دل پر تیر کی طرح لگ رہا تھا، ماگھی راج نے کہا۔

”میں تم سے معافی مانگتا ہوں نوجوگنی.....! مجھے شما کر دو.....! اگر دیپ راج جی ہوتی تو میں ان سے بھی شما مانگ لیتا۔“

”تم انوکھے راج کمار ہو.....! راج کمار ہو کر اچھوتوں سے معافی مانگ رہے ہو.....!“

”نہیں تم سے ایک وعدہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا وعدہ.....؟“

”جب میں راجہ بنوں گا تو اچھوتوں کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ انہیں انسانوں کی طرح برہمنوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے گی اور برہمنوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اچھوتوں کے ساتھ برا سلوک نہ کریں۔ لفظ اچھوت ختم کر دیا جائے گا۔ سب کے سب انسان کہلائیں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے.....!“

”خجگنی.....! اگر میں جیتا رہا تو اپنا یہ وعدہ ضرور پورا کروں گا۔“

ماگھی راج کے لہجے میں ایک عزم تھا۔

”ہائے رام.....! اتنا بڑا کام کرو گے تم.....! ہم لوگ بھی انسانوں

کی طرح رہنے لگیں گے.....؟ مگر تم راجہ کب بنو گے.....؟ تم جلدی سے راجہ

بن جاؤ.....! ورنہ بدری راج مہاراج کے دور میں تو تم ایسا نہیں کر سکتے۔“

”ہاں خجگنی.....! بھگوان کی سؤگندھ.....! اگر میں راجہ بنا تو یہ ذات

پات کا مسئلہ بالکل ختم کر دوں گا۔“

”تو پھر جلدی سے راجہ بن جاؤ ناں.....!“

”بن جاؤں گا.....! جب بھی بھگوان کی اچھا ہوئی، میں راجہ بن

جاؤں گا۔“

ماگھی راج نے کہا۔

”میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گی کہ تم جلدی راجہ بنو.....! وہ

میری بات ہمیشہ مان لیتے ہیں۔“

”ضرور کرنا.....! اچھا..... میں نے تمہارا بہت سے لے لیا۔ اب

میں جاؤں.....؟“

”ایک بات من میں آ رہی ہے راج کمار.....! پر ہمت نہیں پڑ

رہی۔“

خجگنی نے کہا۔

”بولو بولو.....! کیا بات ہے.....؟“

”من چاہ رہا ہے ماگھی راج.....! کہ تم ہمارے ساتھ کچھ کھاؤ.....!

کچھ پیو.....! پر ہم اچھوت ہیں، ہمارے برتن بھی گندے ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاتھ بھی گندے ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں جو چیزیں ہوتی ہیں، وہ

بھی گندی ہوتی ہیں۔ تو تم کیسے کھاؤ گے.....؟ تم تو بڑی ذات کے برہمن ہو ناں.....!“

”خجگنی.....! تم نے میری بات پر ابھی وشواش نہیں کیا ہے.....؟“  
میں نے ہر بات سچے من سے کہی ہے۔ کیا کھلا رہی ہو مجھے.....؟ لاؤ.....!“  
”کھاؤ گے.....؟“

وہ خوشی سے اُچھل پڑی اور اُچھلنے کے ساتھ ساتھ ہی چار پائی سے نیچے بھی اتر گئی۔

”بتاؤ.....! کیا کھلا رہی ہو.....؟“

”میں نے..... میں نے گوجے پکائے ہیں۔ صبح ہی سے بادل تھے ناں.....! بابا تو بھیا کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں۔ میں کہتی ہوں۔ ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا جاتا تو رونے لگتے ہیں۔ گوجے انہیں بہت پسند ہیں۔ اس لئے میں نے آج پکا ڈالے لیکن دو ہی کھائے بس باقی سب کے سب رکھے ہیں۔“

”تم نے نہیں کھائے.....؟“

”میں نے بھی کھائے ہیں۔ لیکن ابھی اور بہت سے رکھے ہیں۔“  
لاؤں.....؟“

”لے آؤ.....!“

ماگھی راج نے جواب دیا۔

کسی اچھوت لڑکی کے لئے یہ زندگی کا سب سے حیرت ناک واقعہ تھا۔ جسے وہ سینے میں نہیں سمو پا رہی تھی۔ وہ رسوائی میں گئی اور ایک تھالی میں گوجے رکھ کر لے آئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گلاس دودھ بھی بھر کر لائی تھی۔ یہ دونوں چیزیں اس نے ماگھی راج کے سامنے رکھیں۔ جیسے اس کے مذاق کا

اندازہ کرنا چاہتی ہو۔

اور ماگھی راج نے صدیوں پرانی وہ رسم اس کنیا میں توڑ دی جو برہمنوں کی شان تھی۔ اس نے ایک اُچھوت کے ہاتھوں میں پکڑا ہوا کھانا اُچھوت کے برتنوں میں کھا کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے عہد کا پکا ہے اور اس نے جو عہد بنوگنی سے کیا ہے، وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔ بنوگنی اس بات سے اتنی خوش ہوئی کہ اس نے نیچے بیٹھ کر راج کمار کے دونوں پیر پکڑ لئے۔

”تم نے ہمیں وہ مان دیا ہے..... تم نے ہمیں وہ عزت دی ہے جس کا ہم خیال بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ماگھی راج.....! تم اگر مانگو تو میں تمہیں اپنا بیون دینے کو تیار ہوں۔ تم نے اچھوتوں کا مان بڑھا دیا ہے۔“

بنوگنی کے لہجے میں جو خوشی فیک رہی تھی، وہ بے مثال تھی۔ ماگھی راج نے کہا۔

”میرے من میں جو کچھ تھا۔ اگر اسے بھگوان نے پورا کر دیا تو میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں.....؟“

ماگھی راج نے گوجے کھا کر دودھ پیا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

”اب میں جاؤں.....؟“

”کیوں.....؟“

وہ حیرت سے بولی۔

”ارے تو کیا اب یہیں رہ پڑوں گا.....؟“

ماگھی راج مسکرا کر بولا۔

”نہیں.....! یہاں تو نہ رہو..... مگر ابھی جلدی کیا ہے.....؟“

”تم کہتی ہو تو بیٹھ جاتا ہوں۔“

”تو اور کیا.....؟ ابھی بیٹھوں ناں.....! تھوڑی دیر کے بعد چلے

جانا۔“

”لیکن اب ایک بات کا ڈر اور بھی ہے۔“

”کس بات کا.....؟“

”اگر اس سے دیپ راج مہاراج آگئے تو مجھے تمہارے پاس بیٹھے

دیکھ کر ناراض ہوں گے۔“

”کیوں.....؟“

وہ حیران ہو کر بولی۔

”تم جوان ہوناں..... اور کسی جوان لڑکے کا کسی جوان لڑکی کے

پاس بیٹھنا اچھی بات تو نہیں ہوتی.....!“

”میں جوان ہو گئی ہوناں.....! یہ بات کہی ہے تم نے میرے من

کی۔ جب بھی میں بابا سے یہ بات کہتی ہوں، وہ مان کر ہی نہیں دیتے۔ کہتے

ہیں بچی ہوں۔ اُچھلتی کودتی ہوں۔ اب کیا آدمی جوان ہو کر اُچھلنا کودنا بھی

چھوڑ دے.....؟ ماگھی راج.....! ایک بات بتاؤ.....! کیا تم بھی اُچھلتے

ہو.....؟“

اس نے شوخ انداز میں کہا اور ماگھی راج کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”اچھا.....! اب مجھے جانے ہی دو.....! ہاں.....! اگر تم کہو تو میں تم

سے دوبارہ مل لوں.....؟“

”لو.....! اب اس میں کہنے کی کیا بات ہے.....؟ تم تو ہمارے اپنے

ہو گئے.....!“

”کیا سچ.....؟“

”تو اور کیا.....؟ دوسرے برہمنوں کی طرح تم برے آدمی نہیں ہو۔

بلکہ تم بہت اچھے ہو.....! کتنی پیاری باتیں کی ہیں۔ اگر میں بابا کو یہ باتیں

مٹاؤں گی تو وہ کبھی بھی نہیں مانیں گے۔“

”تم انہیں بتا دینا اور یہ بھی بتا دینا کہ میں ان سے معافی مانگنے آیا تھا۔“

”بتا دوں گی.....! مگر وہ بڑی مشکل سے مانیں گے۔ اچھا.....! تو اب یہ بتاؤ کہ اب کب آؤ گے.....؟“

”جب تم کہو گی.....!“

”میں تو اب تمہارا انتظار کیا ہی کروں گی۔“

”کب.....؟“

”جب تم چاہو.....!“

”مگر ایک مشکل پیش آئے گی۔“

”کیا.....؟“

”ابھی تمہاری بستی میں میرا دیکھے جانا ٹھیک نہیں ہے.....!“

”ہاں.....! یہ بات تو ہے.....! یہاں تو بڑے بڑے اپرا دھی رہتے ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو وہ چپ نہیں رہیں گے اور بدری راج مہاراج کو پتہ چل جائے گا کہ تم یہاں آتے ہو۔ وہ تمہارے آنے پر ہندی لگا دیں گے۔“

”ہاں.....! میں جانتا ہوں۔“

”تو پھر تم یوں کرو ناں.....! لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے..... رات کے آج آیا کرو۔ رات ہی میں چلے جایا کرو۔“

”لیکن رات کو آیا تو تم سے کیسے ملوں گا.....؟“

”ماگھی راج نے سوال کیا۔“

”کیوں.....؟ کیوں نہیں مل سکتے.....؟ ایسے ہی ملنا جیسے اس سے“

ملے ہو.....!“

بھوگنی بولی اور ماگھی راج مسکرانے لگا۔

”اس سے کی بات دوسری ہے۔ اتنی رات گئے ٹھیک نہیں ہوگا اور

پھر تمہاری بستی میں کتے بھی بہت ہیں۔“

”ارے ہاں.....! یہ بات تو ہے.....!“

بھوگنی نے فکر مند لہجے میں کہا۔

”تو پھر کیا کریں.....؟ بتاؤ.....!“

”اچھا سنو.....! میں خود تمہیں ایک ترکیب بتاؤں گا۔“

”ہاں ہاں.....! بتاؤ.....!“

”تم نے سون گھاٹ پر وہ چھوٹی سی بگیا دیکھی ہے.....؟“

”ارے.....! ہاں ہاں.....! میں تو کئی بار وہاں جا چکی ہوں۔“

”تو ہم لوگ وہاں ہر دوسرے تیسرے دن ملا کریں گے۔ تم وہاں

تک آ سکتی ہو.....؟“

”ہاں.....! آ سکتی ہوں.....!“

”کس سے.....؟“

”جب بھی تم کہو.....!“

اس نے جواب دیا۔

”تو پھر رات کو اسی سے تم وہاں آؤ.....!“

جب چاند نکلنا شروع ہو، میں تمہاری راہ تکوں گا۔“

ماگھی راج نے کہا۔

”ٹھیک ہے.....! چاند نکلے یا نہ نکلے..... میں اسی سے پہنچ جایا

کروں گی۔“



وہ خوشی سے بولی۔

”کل آؤ گی وہاں.....؟“

”ہاں.....!“

”میں وہاں تمہیں تلاش کروں گا۔“

”ہاں.....! کر لینا..... میں خود تمہیں دیکھ لوں گی۔“

”تو اب تم جا رہے ہو.....؟“

اس کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا۔ اور ماگھی راج نے محبت سے اسے

دیکھا۔

”تمہیں دکھ ہو رہا ہے.....؟“

”ہاں.....! دل دکھ رہا ہے۔ خیر.....! کوئی بات نہیں۔ جانا بھی تو

ہے ہی ناں.....! اس سے پہلے کہ بدری راج مہاراج کو یہ بات معلوم ہو

جائے کہ تم یہاں آئے تھے..... تم یہاں سے چلے جاؤ.....! بھگوان تمہیں سکھی

رہیں.....!“

ماگھی راج بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ رخصت ہوتے ہوئے اس کے

دل میں بھی درد سمٹ آیا تھا لیکن پھر بھی اس بات کی بہت خوشی تھی کہ بنجو گئی

نے اسے قبول کر لیا۔ دونوں کے دلوں میں محبت کے چراغ روشن ہو گئے۔

ماگھی راج دروازے سے باہر نکل آیا اور وہ دروازے پر کھڑی اس کو اس وقت

دیکھتی رہی۔ جب تک کہ ماگھی راج نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

چندر رکھ نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دھرم راج سندھو کو دیکھا اور وہ

ایک دم اچھل پڑے۔

اتنی زور سے اچھلے تھے کہ گر پڑے۔ بمشکل تمام انہوں نے ہاتھوں کا

ہارا لیا تھا۔ سارے کے سارے چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔



تھا.....؟ کیسے ان کے سامنے عریاں ہو گئے تھے اور یہ کون سی قوت تھی.....؟ جس نے انہیں ماضی کی سیر کرا دی تھی۔ سنجو گنی ان کے ذہن سے محو نہیں ہو پا رہی تھی۔ ماگھی راج جو بھی تھا لیکن دھرم راج سندھو کو یہ لگ رہا تھا ہے ماگھی راج وہ خود ہو اور سنجو گنی چندر مکھ۔

سندیپ سیو کھ چونکہ خود بھی ہرے کرشنا ہرے رام تحریک کا ایک رکن تھا اور گرو جی مہاراج کی بہت عزت کرتا تھا، اس لئے وہ مسلسل ان کی تیمارداری کر رہا تھا۔ چوتھے دن دھرم راج کو تھوڑا سا ہوش آیا اور انہوں نے سندیپ سے پوچھا۔

”سندھو.....! مجھے ایک بات بتا.....! وہ لڑکی چندر مکھ کون ہے.....؟“

”دیوی سمان ہے مہاراج.....! ہمیں بندراون میں ملی تھی۔ پتا جی ات اپنے ساتھ لے آئے۔“

”کیا تم لوگ جانتے ہو کہ وہ کیا ہے.....؟“

”ماتا پتا ہیں اس کے ساتھ، وہ تو یہ ہی بتاتے ہیں کہ چندر مکھ ان کی بیوی ہے.....!“

”نہیں سندیپ.....! نہیں.....! وہ کوئی بہت ہی ودوان ہستی ہے۔ اس کا پتہ لگانا پڑے گا۔“

”نہیں مہاراج.....! ہم پتا لگا چکے ہیں۔ آپ اس کے لئے ذرا بھی ایشان نہ ہوں۔“

لیکن دھرم راج سندھو کی پریشانیاں تو مختلف قسموں کی تھیں۔ ایک طرف وہ ماگھی راج بن کر سنجو گنی کے پیار کے خواب دیکھنے لگے تھے جو ایک لڑکی تھی اور دوسری طرف وہ موجودہ چندر مکھ کو وہ کسی بھی طرح اپنے

قریب لانا چاہتے تھے۔ جیسے ہی انہیں موقع ملا وہ چندر مکھ کے پاس پہنچ گئے۔  
 ”شما چاہتا ہوں..... دیوی جی.....! آپ کی آگیا کہ بغیر آپ کے  
 پاس آگیا۔“

”نہیں نہیں، دھرم راج مہاراج.....! آپ آئیے.....! آپ تو.....“  
 ”ناں نائن.....! نائن.....!“

دھرم راج نے ہاتھ اٹھا کر چندر مکھ کو جملہ پورا نہ کرنے دیا اور وہ  
 تعجب بھری نگاہوں کے ساتھ چندر مکھ کو دیکھنے لگی۔

”یہ مت کہنا کہ میں گرو ہوں۔ عمر رسیدہ ہوں۔ قابل احترام ہوں۔  
 ان تینوں میں سی کوئی بات مت کہنا.....!“

چندر مکھ نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھا پھر بولی۔

”آپ بیٹھیں تو سہی! آپ جو کہیں گے، میں وہ آپ کو کہوں گی۔“

”جو میں تم سے کہلوانا چاہتا ہوں دیوی.....! وہ نہیں کہلوا سکتا۔“

ہاں.....! اگر سے نے ساتھ دیا تو تم سے ایک بار فرمائش ضرور کروں گا کہ

مجھے بڑے پریم سے پکارو.....!“

”وہ تو اب بھی پکار رہی ہوں مہاراج.....! کچھ منگواؤں آپ کے

پینے کے لئے.....؟“

”ہاں.....!“

”بولیں کیا.....؟“

”امرت جل.....! اور وہ تم منگوا سکتی ہو دیوی.....!“

چندر مکھ نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ پھر بولی۔

”مردوں کے لئے تو امرت جل کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں،

مہاراج.....!“

”ہاں ہاں.....! کون سی.....؟“

”کچھ لوگ آنکھوں سے پیتے ہیں۔ کچھ ہونٹوں سے پیتے ہیں اور

نہیں کیا کیا باتیں تراش رکھی ہیں۔“

”تم یہ ساری باتیں جانتی ہو، دیوی جی.....!“

”آپ دیوی بھی کہہ رہے ہیں مجھے اور سوالات بھی ایسے پوچھ رہے

ہیں۔“

”تو پھر کیا کہوں.....؟“

”چندر رکھ ہے میرا نام.....!“

”اور اگر میں تمہیں سب کچھ کہوں تو.....؟“

دھرم راج جی نے بڑے رومانی لہجے میں کہا اور چندر رکھ ہنس پڑی۔

”من جو چاہے کہہ لیں.....!“

”تم کون ہو دیوی.....؟ بھگوان کے لئے سچ سچ بتا دو.....!“

”ارے ارے.....! ارے.....! پھر دیوی.....! جب تک آپ مجھے

دہی کہتے رہیں گے آپ کے من میں یہ ہی آتا رہے گا کہ اس سنسار کی کوئی

انتی نہیں ہوں۔“

”میں تمہیں کچھ بھی کہوں لیکن میں یہ بات تو کبھی بھی نہیں مانوں گا

کہ تمہارا ناطہ اس سنسار سے ہے۔“

”یہ تو آپ کی بھول ہے.....!“

”تو پھر تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے ماضی میں کہاں لے گئی تھیں.....؟“

”آپ ہی تو اپنی کتھا میں کہہ رہے تھے پنڈت جی.....! کہ فلاں

کام ایسے ہوا.....! فلاں کام ایسے ہوا.....! آپ کو اس بات پر یقین ہی نہیں آ

تا تھا کہ ماگھی راج نے اچھوتوں اور برہمنوں کے بیچ کھڑی ہوئی دیوا کو

گرانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔“

”ہاں.....! مگر پھر کیا ہوا.....؟“

”لمبی کہانی ہے.....! سنو گے.....؟“

”تیرے ہونٹوں سے نکلنے والے جو لفظ ہیں ناں دیوی.....! ہم.....

میرا مطلب ہے چند رکھ.....! ان کا مزہ ہی عجیب ہوتا ہے۔ ذرا بتا تو

سہی.....! پھر کیا ہوا.....؟“

دھرم راج مہاراج نے اس کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور چند رکھ کی آنکھیں خوابوں میں ڈوب گئیں۔

نہ جانے ماضی کے یہ پردے اس کی آنکھوں کے سامنے سے کیسے ہٹ جاتے تھے.....؟ اس کا پراسرار وجود کیا حیثیت رکھتا تھا.....؟ تب اس کی خواب ناک آواز ابھری۔

”بات کچھ بھی نہیں مہاراج.....! آئیں تو سہی.....! دیکھیں تو

سہی.....! گل جگ اور نست جگ میں کیا کیا ہو رہا ہے.....؟“

دھرم راج کی آنکھیں بھی نیم خوابیدہ ہوتی چلی گئیں۔



جگجیت اور رام سروپ سخت پریشان تھے۔ انہیں ڈرتھا کہ بدری راج کو اس بارے میں پتہ چل گیا تو ان کی زندگیاں بھی مشکل ہو جائیں گی لیکن وہ ماگھی راج کے بھی وفادار تھے اور اس کے لئے جان کی بازی لگانے کو تیار تھے۔ چنانچہ جب ماگھی راج نے اس کہا کہ وہ پھر یہ دریا پار کر کے اچھوتوں کے علاقے میں جانا چاہتا ہے تو وہ تیار ہو گئے۔

سفر کرتے ہوئے جگجیت سنگھ نے دبے لہجے میں ماگھی راج سے اس

ہارے میں کہا۔

”مہاراج.....! ہم اپنی جانیں آپ پر بلی کر سکتے ہیں لیکن اگر بدری راج مہاراج کو معلوم ہو گیا تو آپ یہ سوچیں کہ ان اچھوتوں کے ساتھ کیا ہوگا.....؟“

”کوئی بھی بھیدی خبر کر سکتا ہے۔“

”کون بھیدی ہو سکتا ہے ایسا.....؟“

ماگھی راج نے کہا۔

”کوئی بھی مہاراج.....! اچھوتوں کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کوئی آپ کو دیکھ کر پہچان لے اور وہ بدری راج مہاراج کو خبر کر دے۔ کسی انعام کے لالچ میں۔“

”دیکھا جائے گا جگجیت.....! دیکھا جائے گا.....! ہاں.....! میں وچن دیتا ہوں کہ تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔“

”ہمیں اپنی فکر نہیں ہے۔“

”اور میں اچھوتوں پر بھی کوئی مصیبت نہیں آنے دوں گا۔ میرا دوش ہے اور میں ہی بھگتوں گا۔ تم بے فکر رہو لیکن میں اب یہ بات نہیں مانتا کہ انہوت بچ ذات ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے برابر کے ہیں۔ کیا سمجھے.....؟“

”بس! میں تو آپ کو سمجھا رہا تھا کہ جو کچھ کریں سوچ سمجھ کر کریں۔“

”تم چننا مت کرو.....! دیکھو دریا قریب آ گیا ہے۔ آؤ.....!“

یہ کہہ کرم اگھی راج نے اپنا گھوڑا سب سے پہلے دریا میں ڈال دیا۔ اور اسے تھوڑے سے فاصلے پر وہ گھاٹ تھا جہاں بنجونی نے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچی تو بنجونی کے پیروں کی پائل چھننا رہی تھی اور اسی پائل کی آواز کے ساتھ ساتھ ماگھی راج بنجونی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر

مسکرائی۔ خوشی سے اس کا انگ انگ ٹاپنے لگا۔  
 ”ماگھی راج.....!“

وہ محبت بھرے انداز میں آگے بڑھی اور ماگھی راج نے اسے اپنے  
 سینے میں سمولیا۔ کافی دیر تک دونوں ایسے ہی کھڑے رہے۔ پھر ماگھی راج نے  
 اس کے بالوں کو چوما اور بوجھل لہجے میں بولا۔  
 ”کتنی دیر ہوئی تمہیں.....؟“

”بہت.....!“

نچوگنی نے خمور لہجے میں کہا۔

”تمہارے بابا نے تو تمہیں نہیں روکا.....؟“

”میں نے بابا کو بتایا ہی نہیں.....!“

”تو پھر بھی..... کیا وہ تمہیں تلاش نہیں کریں گے.....؟“

”کیوں.....؟“

”میں یہ کہہ کر آئی ہوں کہ میں اپنی سکھی کے پاس جا رہی ہوں۔“

”اور اگر وہ تمہاری سکھی کے پاس پہنچ گئے۔“

”واہ.....! کیسے پہنچیں گے.....؟“

”کیوں.....؟ کیا تمہاری سکھی بہت دُور رہتی ہے.....؟“

”کوئی ایک سکھی تو نہیں تھی میری..... میں نے تو بابا کو اپنی سکھی کا

نام بھی نہیں بتایا۔“

”ہوں.....! جیسے میں تمہاری سکھی ہوں۔“

”تو ہاں..... ناں.....!“

”مگر میں تو مرد ہوں.....!“

”تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے.....؟ ہو تو میرے ہی ناں.....!“



”تمہارا.....؟“

”تو اور کیا.....؟“

”تم نے مجھے اپنا بنا لیا ہے.....!“

”میں نے کہا ناں..... بھگوان نے بنایا ہے۔ ہم کیا کریں.....؟“

”ہاں.....! یہ تو ٹھیک ہے۔“

ماگھی راج نے کہا اور اسے ایک بار پھر سینے میں بھینچ لیا۔ پھر وہ انوں ایک جگہ جا بیٹھے۔

”ایک بات بتاؤ گی سنجوگی.....!“

”پوچھو.....!“

”تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو.....؟“

”بہت سی باتیں.....!“

”کیا.....؟“

”بتاؤں گی نہیں.....!“

”کیوں.....؟“

”بس میری مرضی.....!“

”یہ تو غلط بات ہے.....!“

”کیوں.....؟“

”میں تو تمہیں اپنے من کی ساری باتیں بتا دیتا ہوں۔“

”تم نے اپنے من کی ساری باتیں مجھے بتا دی ہیں۔“

سنجوگی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”ہاں.....! اور جو رہ گئی ہیں وہ پوچھ لو.....!“

”اچھا.....! تو یہ بتاؤ.....! تمہارے من میں میرے لئے کیا ہے؟“

”میں ابھی نہیں بتاؤں گا.....!“

”کیوں.....؟“

”کہہ تو رہا تھا..... مگر پہلا سوال میرا ہے۔ اگر تم اپنے من کی بات مجھے بتا دو تو میں بھی بتا دوں گا۔“

”مگر مجھے تو شرم آتی ہے۔ جب تم مجھے اپنے من کی باتیں بتا دو گے تو میری شرم بھی کھل جائے گی اور میں تمہیں اپنے من کی ساری باتیں بتا دوں گی۔“

”ہوں.....! تو یہ بات ہے.....؟“

”ہاں.....! یہ ہی ہے.....!“

”تو پھر سنو.....! لیکن ایسے نہیں.....!“

”تو پھر.....؟“

”آنکھیں بند کر لو.....!“

”کیوں.....؟ آہا.....! میں سمجھ گئی.....!“

اس نے کہا اور ہنس پڑی۔

”کیا سمجھ گئیں.....؟“

ماگھی راج نے پوچھا۔

”یہ ہی کہ تمہیں بھی شرم آرہی ہے.....!“

”اچھا چلو..... ایسا ہی سہی.....! آنکھیں بند کرو.....!“

ماگھی راج بولا اور سنجو گئی نے آنکھیں بند کر لیں۔ تب ماگھی راج نے

اس کے دونوں ہاتھ پکڑے۔ جھکا اور اس کی دونوں آنکھوں کو چوم لیا۔ سنجو گئی نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

”یہ کیا.....؟“

”جو من میں تھا.....!“

ماگھی راج مسکرا کر بولا۔

”ہوں.....! اب تم سوچو گے کہ میرے من میں بھی یہ ہی بات

.....؟ پر نہیں.....! میں نے ایسی کوئی بات سوچی ہی نہیں.....!“

اس نے کہا اور شرما گئی۔

”اچھا تو تم یہ بتاؤ.....! تم نے کیا سوچا ہے.....؟“

”بس.....! میں یہ سوچتی رہی ہوں کہ تم راج کمار ہو کر بھی کتنے

مہان ہو.....؟ اور یہ بھی سوچتی رہی کہ کتنے سندر ہو.....؟“

”میں سندر ہوں.....؟“

ماگھی راج مسکرا کر بولا۔

”بہت سندر ہو.....! بھگوان کی سوگندھ.....! اس سنسار میں تم مجھے

سب سے زیادہ مہان اور سب سے زیادہ سندر لگتے ہو۔ تمہاری من موہنی

صورت ایک لمحے کے لئے بھی میرے من سے نہیں نکل سکی۔ جانتے ہو یہ

میرے من میں کیوں پیدا ہوا.....؟“

”لو..... بھلا میں کیا جانوں.....؟“

ماگھی راج نے کہا۔

”تم اتنے اچھے ہو.....! تم نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔

میرے من میں تمہاری بڑائی کا احساس ہو گیا ہے۔ پھر تم میرے گھر میں بھی

آئے اور سب سے بڑا کام جو تم نے کیا وہ آج تک کسی نے نہیں کیا۔ اسی

نام کی سندر تا میرے شریہ میں رچ گئی ہے۔ میرا رواں رواں اسی سندر تا سے

.....! ہے۔“

”بھلا وہ کیا کام.....؟“

”تم نے میرے ہاتھ کے بنے ہوئے گوہے کھائے تھے۔“

”اچھا اچھا.....! وہ تو بہت ہی اچھے تھے۔“

”اور کھاؤ گے.....؟“

”کیا مطلب.....؟“

”تمہیں اچھے لگے تھے ناں.....!“

”بہت زیادہ.....!“

”تو میں آج بھی تمہارے لئے گوہے بنا کر لائی ہوں۔“

”آج بھی.....!“

”ہاں.....! آج بھی.....!“

”تو لاؤ نا پھر..... جلدی سے کھلاؤ.....! وہ گوہے تو بہت اچھے

تھے۔“

ماگھی راج نے کہا اور خجگنی نے تھوڑے فاصلے پر موجود ایک درخت کی شاخ سے ایک پوٹلی کھولی اور لا کر ماگھی راج کے سامنے رکھ دی۔

ماگھی راج نے پوٹلی کی گرہ کھول کر اس میں سے گوبے نکالے اور اپنے ہاتھ سے خجگنی کو کھلانے لگا۔ آدھا گوجا اسے کھلانے کے بعد اس نے باقی گوجا اپنے منہ میں رکھ لیا تھا۔ خجگنی سحر زدہ سی رہ گئی تھی۔ وہ بھٹی بھٹی آنکھوں سے ماگھی راج کو دیکھ رہی تھی، ماگھی راج نے اسے دیکھا اور بولا۔

”کیوں.....؟ کیا ہوا.....؟“

”تم نے ہمارا جھوٹا بھی کھا لیا ماگھی راج.....؟“

”ہاں.....! کیوں نہیں.....؟ اب میں تم سے الگ کب ہوں.....؟ میں تم سے پریم کرتا ہوں، سارے سنسار میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتا ہوں۔ تمہارے لئے یہ سنسار چھوڑ سکتا ہوں۔ اگر تم مجھے نہ ملیں تو بھگوان کی سوگند.....! میں آتم ہتھیا کر لوں گا۔ اب میں تمہارے بنا نہیں جی سکتا..... سمجھیں.....! اب میں تمہارے بنا نہیں جیوں گا۔“

خجگنی کی حالت بری ہو گئی۔ اس کا رنگ سرسوں کے پھول کی طرح پیلا پڑ گیا، بڑی مشکل سے اس نے کہا۔

”مم..... مہاراج.....! ماگھی.....! میں تو اچھوت ہوں.....!“

”تو..... تم اچھوت ہوں گی..... مگر سنسار کی نظروں میں میرے لئے تم میرا جیوان ہو اور پھر میں تو اچھوتوں، برہمنوں کو مانتا ہی نہیں۔ سب انسان برابر ہوتے ہیں۔ ہم سب ایک جیسے ہیں اور ہم سب کو ایک دوسرے سے پریم کرنے کا حق ہے۔ ہمیں کوئی بھی ہمارے حق سے نہیں روک سکتا۔“

ماگھی راج جذباتی لہجے میں بول رہا تھا اور خجگنی کی آنکھوں میں آنسو

آگئے تھے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس پر بے خودی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر وہ آہستہ سے جھکی اور اس نے اپنا سر ماگھی راج کے سینے پر رکھ دیا۔  
 ”سنسار ہمیں ایک ہونے دے گا.....؟“

”ہاں.....! ہم نے اس سنسار کا کچھ نہیں بگاڑا، سمجھیں.....! ہم نے اس سنسار کا کچھ نہیں بگاڑا.....!“

نخوگنی، ماگھی راج کے وجود میں تحلیل ہو گئی۔ نہ جانے کب تک وہ ایک دوسرے کے لمس سے آشنا رہے۔ سسے گزرتا رہا، چاند آہستہ آہستہ ابھرتا آ رہا تھا، جب پورا چاند نکل آیا تو ماگھی راج اس بے وقوفی سے چونکا۔  
 ”نخوگنی.....! تمہیں دیر تو نہیں ہو رہی.....؟“

”ایں.....!“

نخوگنی چونک پڑی۔ پھر اس کی نگاہیں آکاش پر نکلے چند رما پر پڑیں اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”ہائے رام.....! اتنی رات بیت گئی۔“

”کیوں.....؟ تم پریشان ہو گئیں.....؟“

”ہاں.....! میں نے پتا جی سے اتنی دیر کے لئے تھوڑا ہی کہا تھا.....؟ اگر میں کبھی اپنی سکھیوں کے پاس جاتی بھی ہوں تو تھوڑی دیر کے لئے اور پھر واپس آ جاتی ہوں۔“

”اب کیا ہوگا.....؟ نخوگنی.....!“

”تم چنتا مت کرو.....! میں سب ٹھیک کر لوں گی۔“

”چلو.....! میں تمہیں چھوڑ آؤں.....!“

”نہیں.....! میں چلی جاؤں گی۔ کوئی تمہیں دیکھ نہ لے۔ جاؤ.....!“

”بھگوان تمہاری رکشا کرے۔“

خوگنی نے کہا اور ماگھی راج اسے دیکھنے لگا۔  
 ”پہلے تم جاؤ.....! جب تم میری نگاہوں سے اوجھل ہو جاؤ گی تب  
 میں یہاں سے واپس جاؤں گا۔“  
 ”نہیں.....! تم پہلے جاؤ.....!“  
 ”نہیں خوگنی.....! پہلے تم جاؤ.....!“  
 ماگھی راج ضد کرنے لگا۔ خوگنی نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر وہاں  
 سے واپس چل پڑی۔



دیپ راج بہت پریشان تھا۔ جب خوگنی واپس پہنچی تو اس نے سخت  
 لہجے میں کہا۔  
 ”کہاں تھی تو.....؟“  
 خوگنی کو باپ کے اس لہجے پر حیران ہوئی تھی۔  
 ”کیا ہوا بابا.....؟“  
 ”میں پوچھتا ہوں کہاں تھی تو.....؟“  
 ”اپنی سکھی کے پاس گئی تھی.....!“  
 ”جھوٹ بول رہی ہے.....!“  
 ”نہیں بابا.....! میں جھوٹ نہیں بول رہی۔“  
 ”دیکھ خوگنی.....! تیرا پتا ہوں، میں تیرا سچ اور جھوٹ جانتا ہوں۔  
 مجھے صاف صاف بتا وہ کون ہے.....؟“  
 ”کون بابا.....؟“  
 خوگنی خوف زدہ لہجے میں بولی۔

”جس کے پاس تو گئی تھی.....؟“

”مم..... مگر بابا..... میں تو..... میں تو.....“

”دیکھ بنجونی.....! تیرے سوا اس سنسار میں میرا کوئی بھی نہیں ہے۔

بہت پریم کرتا ہوں میں تجھ سے۔ ہماری عزت ہی کون سی ہے.....؟ اچھوت

ہیں ہم..... بھلا اچھوتوں کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے.....؟ زمانے والوں نے

ہماری عزت کو کھلونا بنا رکھا ہے۔ پر بنجونی.....! ہمارے اپنے من میں جو ہماری

عزت ہے، اسے تو باقی رہنے دے..... تو کیوں اس بچی کچھی عزت کو بھی ہم

سے چھین لینا چاہتی ہے.....؟ بتا تو مجھے کہاں گئی تھی.....؟“

”میں کسی خراب جگہ نہیں گئی تھی بابا.....!“

”کیا یہ فیصلہ کرنا تیرا کام ہے.....؟ بڑی ہو گئی ہے، تیری عقل بھی

بڑھ گئی ہے کیا.....؟ مجھے بتا.....! میں نے سنسار دیکھا ہے۔ میں تیرے ساتھ

کوئی سختی نہیں کروں گا۔ میں تو بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جس نے تجھے باپ

سے جھوٹ بولنا سکھایا ہے، وہ کون ہے.....؟ کیا کرتا ہے.....؟ کہاں رہتا

ہے.....؟ کیا حیثیت ہے اس کی.....؟ یہ ساری باتیں تو مجھے بتا دے.....! اور

تو یہ بھی سن لے کہ اگر یہ سب کچھ نہ بتایا تو نیتو یا تو میں تجھے جان سے مار

دوں گا، یا خود آتما ہتھیا کر لوں گا۔ مجھے میری بات کا جواب دے.....!“

”بابا.....!“

بنجونی نے سر جھکا لیا۔

”کون ہے وہ.....؟ بتا دے بیٹی.....! بتا دے مجھے.....!“

دیمپ راج کی آواز ابھری۔

”آپ سن کر حیران ہوں گے بابا.....!“

”مجھے جتنا حیران ہونا تھا وہ میں نے ہو لیا۔ اب تو مجھے اس کا نام بتا



”وے۔“

”مہاراج..... ماگھی راج..... بدری راج کا بیٹا.....!“

بجوانی نے کہا اور بوڑھے کا پورا بدن لرز گیا۔

اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے

پھٹ گئیں، وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

”جھ..... جھ..... جھوٹ بول رہی ہے مجھ سے.....؟“

وہ بولا۔

”نہیں بابا.....! بھگوان کی سوگند.....! جھوٹ نہیں بول رہی۔“

”راج کمار.....؟ وہ یہاں کیسے آ گیا.....؟“

”پہلے بھی آیا تھا بابا.....!“

”کب.....؟“

”پچھلی رات.....!“

”میں کہاں تھا.....؟“

”تم گئے ہوئے تھے۔“

”تو وہ یہاں میرے گھر آیا تھا.....؟“

”ہاں بابا.....!“

”پھر کیا ہوا.....؟ کب گیا وہ.....؟“

”وہ یہاں آیا تھا، ہماری خبر لینے اور کافی دیر بیٹھا رہا۔“

”پاگل.....! تجھے کوئی دھوکہ تو نہیں ہوا.....؟ کسی نے تجھے بے

وقوف تو نہیں بنایا.....؟ راج کمار..... ماگھی راج..... اور دریا پار کر کے ہماری

اچھوتوں کی بستی میں آئیں.....؟ ناں بیٹا.....! ناں.....! برہمن اسے جیتا نہیں

چھوڑیں گے۔ وہ خود بھی برہمن کا بیٹا ہے، وہ بھلا کیوں آئے گا.....؟

ناممکن.....! ناممکن.....!“

”میں کہہ رہی ہوں ناں..... بابا.....! وہ یہاں آئے تھے۔“

”کیوں.....؟ آخر کیوں.....؟“

”انہیں اس بات کا ڈکھ تھا کہ ان کے سپاہیوں کے ذریعے ہمیں

نقصان پہنچا ہے۔ وہ تم سے معافی مانگنے آئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ میں

دیپ ناتھ سے بہت شرمندہ ہوں۔“

”میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا۔“

”تب پھر تم خود اس سے مل لینا..... کل وہ پھر یہاں آئیں گے۔“

نخوگنی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

”پھر آئے گا یہاں.....؟“

”ہاں.....!“

”یہاں اس نے تجھ سے کیا بات کی.....؟“

”بس بابا.....! وہ کہنے لگے کہ وہ آپ کے پاس آیا ہے، وہ آپ

سے اس ظلم کی معافی مانگے گا جو ہمارے اوپر ہوا ہے۔ بابا.....! اچھوت،

برہمن، چھتری سب ایک ذات ہوتے ہیں، سب انسان ہوتے ہیں۔ کوئی

انسان کسی سے کم نہیں ہوتا۔ یہ تفریق صرف برہمنوں نے پیدا کی ہوئی ہے۔“

”ارے.....! پاگل بنا دیا ہوگا تجھے.....؟ مذاق کر رہا ہوگا۔ یہ راج

کمار لوگ بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ غریبوں کو بے وقوف بناتے ہیں اور ان

سے ان کا سب کچھ چھین لیتے ہیں۔“

”بابا.....! وہ ایسا نہیں ہے.....!“

”تجھے کیا معلوم.....؟ لگی.....! تجھے کیا معلوم.....؟ میں تو سیدھی

بات سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ تیری سندرتا پر مر مٹا ہے تو اب کیا ہوگا.....؟ وہ

تھے بے عزت کرے گا اور پھر تیری لاش کسی کنوئیں میں پڑی ہوگی یا کسی دریا میں بہہ رہی ہوگی۔“

”وہ ایسا نہیں ہے بابا.....! وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا۔“

”تو کیا جانے پاگل.....؟ تجھے کیا پتا.....؟“

”سب پتا ہے مجھے بابا.....! میں سب جانتی ہوں۔“

”مجھے بتا تو نے کبھی دیکھا ہے کہ یہ راج کمار لوگ کیسے ہوتے

ہیں.....؟ کیا کرتے ہیں.....؟“

”بابا.....! اس نے ہمارے گھر میں بیٹھ کر میرے ہاتھ کے بنے

ہوئے گوجے کھائے تھے۔ صرف اس لئے کہ وہ برہمنوں اور اچھوتوں کا فرق  
مٹانا چاہتا تھا۔“

”کیا.....؟ کیا سچ مچ.....؟“

”تمہاری سوگندھ بابا.....! تمہاری سوگندھ.....! میں تم سے جھوٹ

نہیں بول رہی۔“

دیپ راج کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ بنجونی سندر تھی، اور

ماگھی راج نو جوان من ہار بیٹھا ہوگا، پگلا کہیں کا، جوان جو ٹھہری.....!

مگر اس کا انجام کیا ہوگا.....؟ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اچھوتوں

لی بستی کو پھونک دیا جائے گا۔ ان کا نام ہمیشہ کے لئے مٹا دیا جائے گا اور

ہلکے نہیں ہوگا۔ یہ تو ہو بھی نہیں سکتا کہ بدری ناتھ راج کمار کی اس حرکت کو

لہلہ کر لیں اور پھر یہ حرکت راج کمار کی سمجھی ہی نہیں جائے گی۔ سارا دوش تو

اچھوتوں کو ہی دیا جائے گا۔ یہ ہی کہا جائے گا کہ اچھوتوں نے سازش کر کے

ہمسوں کا دھرم نشٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن بنجونی کو کس طرح سمجھاتا،

اگر ماگھی راج نے اس کے ہاں بیٹھ کر اس کے ہاتھ کا یکا ہوا کھانا کھایا ہے تو

اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ اپنے کہے میں مخلص ہے لیکن اس کے خلوص سے کیا ہوتا ہے.....؟ وہ نجوگنی سے اور کوئی بات نہیں کہہ سکا۔ سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہا جائے.....؟

پھر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”نجوگنی.....! یہ آگ کا کھیل ہے بیٹا.....! تو سوچ لے..... یہ آگ

کا کھیل ہے۔“

”اری پاگل.....! اب میں تجھے کیا بتاؤں.....؟ برہمن اور اچھوت،

زمین اور آسمان کی طرح ہیں۔ یہ دھرتی اُٹھ کر آسمان سے مل سکتی ہے، پر یہ دونوں نہیں مل سکتے۔“

”لے بابا.....! یہ دھرتی اُٹھ کر آسمان سے ملی تو یہ سارے کے

سارے منش بیچ میں پس نہ جائیں گے.....؟“

”بالکل.....! یہ ہی بات ہے.....!“

”کیا بات ہے.....؟ میں تو نہیں سمجھی.....!“

”اگر دھرتی نے اُٹھا کر آسمان سے ملنے کی کوشش کی تو اس کے بیچ

میں جتنے منش ہیں۔ پس جائیں گے۔ دھرتی تو ہے اور آکاش راج کمار..... تو

نے اگر راج کمار سے ناطہ کرنے کی کوشش کی تو تو جانتی ہے تیرے اور راج

کمار کے درمیان کون پے گا.....؟“

”نہیں بابا.....!“

”اچھوت..... ہماری ساری برادری.....!“

”لو..... بابا.....! ہم دونوں کے بیچ اتنی بڑی برادری کیسے پس جائے

گی.....؟“

نجوگنی معصومیت سے بولی اور دیپ راج سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

بہت دیر کے بعد اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سوچا کہ بھوگنی سو معصوم ہے، لیکن اگر ماگھی راج کو سمجھایا جائے تو وہ ضرور اس کی بات کو مان لے گا۔ چنانچہ اس نے طے کیا کہ وہ ماگھی راج سے مل کر اس سے بات کرے گا۔ البتہ اس نے اتنا ضرور سوچا تھا کہ بھوگنی کو کچھ بتانا مناسب نہیں ہے، اس نے سوچا۔

”کب آئے گا وہ.....؟“

”کل رات کو بابا.....!“

”کہاں.....؟“

”گھاٹ پر.....!“

”ضرور آئے گا.....؟“

”ہاں بابا.....! وعدہ کر کے گیا ہے، ضرور آئے گا۔“

بھوگنی نے گردن ہلائی اور دیپ راج خاموش ہو گیا۔  
بھوگنی البتہ نڈر ہو گئی تھی۔

”بابا کو معلوم ہو گیا تو اب بھلا پریشانی کس بات کی.....؟“

اس دن اس نے ماگھی راج کے لئے کچھ چیزیں بھی پکائیں، جب رات ہو گئی تو پوٹلی باندھ کر خاموشی سے چل پڑی۔

دیپ راج آج بھی گھر میں نہیں تھے لیکن اب اسے مانتا بھی نہیں تھا۔ وہ گھاٹ کی طرف جا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ بڑا ہی اچھا ہے میرا

۱۱

آخر کار وہ گھاٹ پر پہنچ گئی۔ آج بھی اس کے پہنچنے کے فوراً ہی بعد ماگھی راج بھی آ گیا۔ اس کے دونوں ساتھی آج بھی اس کے ساتھ تھے اور وہ ہمارے مصیبت میں پھنس چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب یہ راز کھلے گا

تو ان کی گردنیں کاٹ دی جائیں گی لیکن اب جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ دوستی بھی تھی اور وفاداری بھی۔ وہ اپنی جگہ کھڑے ہو گئے اور ماگھی راج مسکراتا ہوا سبجوگنی کے پاس پہنچ گیا۔

”تم آگئے.....؟“

وہ بولی۔

”ہاں.....! تم کب سے انتظار کر رہی تھیں.....؟“

”سدا سے.....!“

سبجوگنی نے جواب دیا۔

”بڑی باتیں بنانا آگئی ہیں تمہیں تو.....!“

”تم سے باتیں جو کرنا ہوتی ہیں۔“

سبجوگنی باز بھرے انداز میں بولی۔

”آؤ بیٹھیں.....!“

”چلو.....!“

دونوں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔

”ہاں.....! تم بتاؤ.....! میرا کہاں تک ساتھ دو گی تم.....؟“

ماگھی راج نے کہا۔

”کہاں تک.....؟“

”میرا مطلب ہے کہ تم میرے ساتھ اس سنسار کے آخری کونے

تک جاسکتی ہو۔“

”اس سے بھی آگئے.....!“

”سچ.....!“

”ہاں.....!“

”مجھے اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا سنجوگنی.....! بس تمہیں یاد کرتا رہتا

”۔“

”ایسا مجھے بھی ہوتا ہے۔“

وہ اداس لہجے میں بولی۔

”سارا دن جیسے میں گزارتی ہوں، میں ہی جانتی ہوں۔ میرا من تو

ہاتا ہے کہ بس سورج نکلنا چھوڑ دے اور آکاش پر اندھیرا ہی چھایا رہے۔“

”یہ کیسے ممکن ہے سنجوگنی.....؟“

”اب مجھے چنتا نہیں ہے کسی بات کی۔ میں نے بابا سے بات کر لی

”۔“

”کیسی بات.....؟“

ماگھی راج چونک پڑا۔

”تمہارے بارے میں.....!“

”کیا.....؟“

وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔

”یہ ہی کہ میں تم سے ملنے گئی تھی۔ کل جب میں گھر پہنچی تو بابا میرا

الٹا کر رہا تھا۔ وہ میری سب سکھیوں کے ہاں مجھے تلاش کر چکا تھا۔ جب

میں نے اس سے سکھی کا بہانہ بنایا تو وہ مجھے گھورنے لگا اور بولا کہ میں اس

بھوٹ بول رہی ہوں، تب میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ میں نے کہا

کہ میں تم سے پریم کرتی ہوں۔“

”پھر بابا نے کیا کہا.....؟“

”کہنا کیا تھا.....؟ بولے کہ تو دھرتی ہے اور راج کمار آکاش.....

الم نے ملنے کی کوشش کی تو تمہارے درمیان تمام اچھوت پس جائیں گے،

کیا ایسا ہو جائے گا.....؟ ماگھی.....! ہم دونوں کے ملنے سے اتنے لوگ پس جائیں گے.....؟“

خجوتی معصومیت سے بولی اور ماگھی راج بے اختیار مسکرا پڑا۔

”نہیں.....! یہ بالکل ممکن نہیں ہے.....!“

”غلط کہتے ہو راج کمار.....! بالکل غلط کہتے ہو۔ اسے ایسے دھوکہ نہ

دو کہ وہ جیون بھر تمہارے سوگ میں مرتی رہے۔“

درخت کے پیچھے سے آواز آئی اور دونوں اُچھل پڑے۔

”یہ پوتر پریم کی امر کہانی ہے۔“

اچانک ہی دھرم راج کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ چند رکھ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ دھرم راج بے خودی میں آگے بڑھے اور چند رکھ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ چند رکھ مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دھرم راج سوتے ہوئے چل رہے ہوں۔ دھرم راج نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلانے اور بولے۔

”میں ماگھی راج ہوں اور تو میری خجوتی ہے۔“

یہ کہہ کر انہوں نے چند رکھ کے گلے میں بانہیں ڈالنے کی کوشش کی، لیکن کسی نے انہیں عقب سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔

دھرم راج جیسے خواب سے جاگ اُٹھے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑنے لگے۔ چندرم کھی بدستور مسکراتے ہوئے اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ شاید خود اسے بھی نہیں پتا چلا تھا کہ ایک درخت کی آڑ سے سندپ سیوکھ باہر نکلا تھا اور اٹل نے دھرم راج کو پکڑ لیا تھا اور پھر اس نے دھرم راج کو اس طرح دھکا دیا کہ دھرم راج آگ پر گر پڑے۔ سندپ غصے سے آگ ہو رہا تھا۔

جیسے ہی دھرم راج نیچے گرے وہ ان کے پاس پہنچ گیا اور اس نے



گریبان سے پکڑ کر انہیں اٹھایا۔

”گروہیں آپ میرے.....! ورنہ آج تم پر تھوک دیتا۔ یہ کیا کر رہے

تھے آپ.....؟“

دھرم راج پہلے تو آنکھیں سٹپتے رہے۔ پھر اس کے بعد ایک دم  
ابہیں کچھ خیال آیا، انہوں نے ایک زوردار جھٹکے سے سندپ سے اپنا گریبان  
مہرا لیا۔ اب ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

”تیری اتنی ہمت کیسے ہوئی سندپ.....؟ مجھے جانتا ہے، میں کون

ہوں.....؟“

”ارے.....! ہاں ہاں.....! جانتا ہوں۔ اب جان گیا ہوں، پہلے

ابہیں جانتا تھا، تم اتنے بچ ہو گرو جی مہاراج.....! کہ تم نے میری مہمان کی  
عزت پر ہاتھ ڈالا۔“

”سندپ.....! میں نے جو کچھ کیا ہے، میں تجھے نہیں بتاؤں گا کہ

میں نے کیوں اور کیسے کیا ہے.....؟ میں تو صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تیری  
اتنی ہمت اور جرأت کیسے ہوئی.....؟“

”مہاراج.....! جیسے بھی ہوئی، آپ اسے چھوڑ دیجئے.....! آپ یہ

بتائیے کہ یہ کیا کر رہے تھے آپ.....؟“

”وہ..... وہ..... چند رکھ نہیں ہے، وہ ماضی کی سبجی ہے۔“

”اس طرح کی کہانیاں آپ مجمع کو تو سنا سکتے ہیں..... مجھے

نہیں.....!“

”اوہو.....! تو تیرے من میں کیا ہے.....؟“

”میرے من میں جو کچھ ہے، وہ نہ پوچھیں مہاراج.....! اگر بتانے

بہل گیا تو پھر آپ کا جیون باقی نہیں رہے گا۔“

”ارے.....! جا جا.....! جا.....! پاگل ہوا ہے تو اور میں پاگلوں کے منہ نہیں لگتا۔“

لیکن واقعی سندپ پر جیسے پاگل پن کا ہی دورہ پڑا تھا۔ اس نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک چھری نکالی، آگے بڑھا اور پھر دھرم راج مہاراج کے پیٹ میں ایک بڑا شگاف پیدا ہو گیا۔

ان کی انتڑیاں باہر نکل پڑی تھیں۔ پہلے تو ان کے چہرے پر حیرت کے نقوش نمودار ہوئے، اس کے بعد وہ آنکھیں پھاڑنے لگے اور نیچے تک آنے والی انتڑیوں کو پکڑنے لگے۔

سندپ سیوکھ کی آنکھوں سے خون رس رہا تھا اور چندر مکھ کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے اس عمل سے سکون ملا ہو۔

ایک طرف دھرم راج کھوئے بیٹھے تھے تو دوسری طرف سندپ قاتل بن گیا تھا۔ قاتل کا انجام وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔ اب یہاں چندر مکھ کا کوئی کام نہیں تھا۔ چنانچہ وہ ہری رام اور کوشلیا کے ساتھ واپس چل پڑی۔

گھر پہنچ کر ہری رام نے دھرم پتی سے کہا۔

”بھاگوان.....! آخر ہماری سپوتری ہے کیا.....؟“

”ہم کا چاہت رہی، بس ای کہ ہماری سپوتری ہے۔“

”یہ تو ہے، پر ایک بات کہیں.....!“

”ہاں بولو.....!“

”وہ ہے بڑی گیانی.....!“

”تو یار ستارے کا او کے سارے ما۔“

کوشلیا نے کہا۔

”ہم تلاش کریں گے۔“

ہری رام بولا، اور ستاروں کی وہ عجیب کہانی تھی۔



درخت کے عقب سے دیپ چند باہر نکل آیا تھا۔

”ایسا نہ کہو مہاراج.....! ایسا نہ کہو مہاراج.....! ہم اچھوت ہیں، ہم دُکھیارے ہیں، میرا ایک ہی بیٹا تھا، جو تمہاری بھینٹ چڑھ گیا، اب اس گیلی لکڑی کو میرے لئے رہنے دو۔ سنجوگنی میرے جیون کا ایک ہی سہارا ہے، راج کمار.....! اگر یہ سہارا بھی تم نے چھین لیا تو بھگوان کی سونگندھ.....! ہم جیتے نہ رہ سکیں گے۔ ہمارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو، ہم تمہارے سامنے ہاتھ جوڑنے ہیں۔ ہم تمہارے پاؤں پڑتے ہیں۔“

دیپ چند آنکھوں میں آنسو بھرے راج کمار ماگھی راج کے قدموں میں جھکا، لیکن ماگھی راج نے اس کے شانے پکڑے لئے۔

”آپ..... آپ مجھے پاپی کر رہے ہیں دیپ چند جی.....! آپ مجھے پاپی کر رہے ہیں۔ چرن تو مجھے آپ کے چھونے چاہئیں.....! آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں.....؟ آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں.....؟ دیپ چند جی.....! بھگوان کے لئے مجھے بتائیں.....! آپ یہ باتیں کیوں کر رہے ہیں.....؟“

”ہم اچھوت ہیں راج کمار جی.....! ہم اچھوت ہیں..... کبھی دھرتی اور آکاش بھی مل کر ایک ہوئے ہیں.....؟ کہاں ہم.....؟ گزرے کام کرنے والے اچھوت..... اور کہاں آپ.....؟ آکاش سمان..... اگر یہ پگلی آپ کے

پریم میں مبتلا ہو گئی تو اپنا جیون ہی تباہ کر لے گی۔ اس کے علاوہ اسے اور کیا مل سکے گا.....؟“

”آپ کو ہماری باتیں معلوم ہو چکی ہیں دیپ چند جی.....! تو میں آپ کا مجرم ہوں، لیکن اگر آپ مجھے کچھ کہنے کی آگیا دیں تو میں کچھ کہوں.....!“

”ہم اتنے بڑے نہیں ہیں راج کمار جی.....! کہ آپ کو آگیا دیں۔ اچھوتوں کی عزت ہی کیا۔ یوں بھیراج کمار ہیں، آپ کے سامنے ہم کیا کہہ سکتے ہیں.....؟ ہم آپ کو کیا آگیا دے سکتے ہیں.....؟ بھلا ہماری کیا مجال.....؟ ہم تو صرف بھیک ہی مانگ سکتے ہیں، رحم کی بھیک.....!“

”آپ جو حکم دیں گے، جو آگیا دیں گے دیپ چند جی.....! اس کا پالن کرنا میرا فرض ہوگا۔ اس لئے کہ آپ میرے بزرگ ہیں۔ بھگوان کی سوگندھ.....! دیوی دیوتاؤں کی سوگندھ.....! میرے من میں آپ کا اتنا احترام ہے جتنا سنسار کے دوسرے لوگوں کا۔ میں انسانوں میں تفریق کا قائل نہیں ہوں۔“

میں نہیں مانتا کہ جب بھگوان نے سارے انسان ایک سے بنائے ہیں، تو ان میں ذات پاس کی چھوٹائی بڑائی بھی رکھی ہوگی۔ نہیں دیپ جی.....! نہیں.....! یہ سب انسانوں کے کام ہیں۔ انسانوں نے خود انسانوں میں تفریق پیدا کی ہے۔ کسی نے اپنے آپ کو بڑا بنا لیا اور کسی کو چھوٹا بنا دیا گیا۔ دراصل دیپ چند جی.....! یہ سب طاقت اور دولت کا کھیل ہے۔ جو طاقتور ہے، وہ دوسروں کے حقوق چھین لیتا ہے اور جو کمزور ہے وہ اپنا حق دوسروں کو دے دیتا ہے اور یہ ہی کچھ اچھوتوں کے ساتھ برہمنوں نے کیا ہے۔“

”پھر بھی راج کمار جی.....! آپ صدیوں پرانی ریتوں کو نہیں توڑ سکتے۔ میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ اس کھیل کا انجام سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ یہ لگی لڑکی اپنی جان دے بیٹھے گی..... یا اسے مرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ آپ بہت اچھے ہیں راج کمار جی.....! پر لوگ تو اچھے نہیں ہیں ناں..... کوئی برہمن یا شتری یہ برداشت نہیں کرے گا کہ اچھوت لوگ ان کی برابری کریں۔ یہ بہت مشکل ہے۔ راج کمار جی.....! آپ بھی اس کھیل سے باز آجائیں۔ میں بھی اس لگی کو سمجھا لوں گا۔ یہ چھوٹائی بڑائی جو انسانوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ بڑی مشکل سے ختم ہوگی اور راج کمار جی.....! بہتر یہ ہے کہ آپ بھی اس اونچ نیچ کے چکر میں نہ پڑیں۔“

دیپ چند نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”ارے نہیں.....! دیپ چند جی.....! آپ جو سمجھ رہے ہیں، غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں کسی برہمن سے نہیں ڈرتا اور دیپ چند جی.....! میں اس لئے یہ بات نہیں کر رہا ہوں کہ سنجوگنی میرے من میں بیٹھی ہے بلکہ ایک منش کی حیثیت سے ہونے والے راجہ کی حیثیت سے آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ سنجوگنی میرے جیون میں شامل ہو یا نہ ہو، پر اگر میں جیتا رہا تو انسانوں کے نیچ سے یہ فرق ضرور مٹا دوں گا۔“

”نہیں مٹا سکتے۔ صدیوں کی ریتیں پل میں نہیں ٹوٹ سکتیں۔ ان کے لئے بڑا وقت چاہئے۔ بڑے ہی لمحے چاہئیں۔“

”دیپ چند جی.....! آپ میرا عزم بھی تو دیکھئے۔ میں ان ریتوں کو ختم کر کے رہوں گا۔ یہ فرق مٹا کے رہوں گا۔“

ماگھی راج نے پر عزم لہجے میں کہا۔

”واقعی راج کمار جی.....! کیا تم یہ فرق مٹا سکو گے.....؟“

دیپ چند نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

”ہاں.....! دیپ چند جی.....! یہ میرا عزم ہے، یہ میرا فیصلہ ہے اور میں یہ فرق مٹا کے رہوں گا۔ چاہے اس کے لئے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے.....؟“

”ناممکن راج کمار جی.....! یہ ناممکن ہے۔ صدیوں سے جو ریت چلی آ رہی ہے۔ صدیوں سے جو غریب پتے آرہے ہیں، یہ ریت ایک چھوٹی سی ریاست کا راجہ کیسے توڑ سکتا ہے.....؟“

”انسان اگر یہ ہی سوچ لے دیپ چند جی.....! کہ جو کام پرکھے نہیں کر سکے، جو کام ساری دُنیا کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ ہو ہی نہیں سکتا، تو آپ سچ کہتے ہیں، وہ کام نہیں ہو سکتا لیکن اگر انفرادی طور پر ایک ہی آدمی یہ کام کرنے کا بیڑہ اٹھا لے تو کم از کم وہ تو یہ کام کر سکتا ہے۔ میں سنسار کی ریت تو نہیں بدل سکتا لیکن اس کی تحریک پیدا کر سکتا ہوں اور یہ تحریک شروع ہو کر سارے مہاراش میں پھیل جائے اور اس کا سہرا میرے سر ہی ہو۔“

”ناممکن ہے.....! برہمن یہ کبھی نہ ہونے دیں گے۔“

”ٹھیک ہے مہاراج.....! لیکن میری ریاست میں ایسا ضرور ہوگا۔

میں انسانوں پر موجود انسانوں کی ان پابندیوں کو ختم کر کے ہی دم لوں گا۔“

”تمہارے پرکاس بہت بڑے ہیں راج کمار جی.....! ہم اچھوت تو یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ بھگوان تمہیں کامیاب کرے اور اگر تم آگیا دو تو میں بنجوگنی کے بارے میں بات کروں۔“

”ہاں.....! مہاراج.....! میں بھی آپ سے اس بارے میں بات

کرنا چاہتا ہوں۔“

ماگھی راج نے کہا۔

”خجگنی کو تم کیوں پریم روگ لگا رہے ہو.....؟“  
 ”اس لئے کہ میں خود بھی اس جال میں پھنس چکا ہوں۔“  
 ”کیا اس میں خجگنی کا دوش ہے.....؟“

دیپ چند نے پوچھا۔

”نہیں..... سو فیصد میرا.....!“

ماگھی راج نے جواب دیا۔

”تو راج کمار جی.....! آپ اپنے اس دوش کو نبھا کیسے سکے.....؟“

”خجگنی سے دواہ کر کے اسے اپنی دھرم پتی بنا کر۔“

ماگھی راج نے جواب دیا۔

”یہ کیسے ممکن ہے.....؟“

”یہ ممکن ہے..... دیپ چند جی.....!“

”مگر کیسے.....؟“

”اس ناممکن کو ممکن کر کے دکھانا ہی میرا کام ہے۔ اب یہ ہی میرا

کام ہے اور یہ ہی میرا مرن ہے۔ اگر خجگنی کو نہ پاسکا تو زندہ نہیں رہوں گا۔

اس زمین پر بوجھ نہیں بنوں گا۔ بلکہ آتم ہتھیا کر لوں گا۔“

”کبھی نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا راج کمار.....! بس یہ ہی ہوگا۔

اب بات راج کمار مہاراجہ کے کانوں میں پہنچ گئی تو وہ ہمیں زندہ جلوا دیں۔“

”ایسا نہیں ہوگا۔ میں بھی راج کمار ماگھی راج ہوں۔ بتائیے دیپ

جی.....! آپ اس بات کا کیا ثبوت چاہتے ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہہ رہا ہوں.....؟“

”کیا آپ بھرے دربار میں یہ اعلان کر سکتے ہیں راج کمار جی.....!“  
 کہ اچھوتوں کو ان کا حق ملنا چاہئے.....؟“  
 دیپ چند جی نے پوچھا۔  
 ”کر سکتا نہیں.....! دیپ چند جی.....! کر چکا ہوں اور اس اعلان کو  
 کئے ہوئے بھی بہت دن ہو گئے۔“  
 ”پر کب.....؟“

”اس لمحے جب میرے سپاہیوں نے آپ کے معصوم بیٹے کو مار ڈالا  
 تھا۔ میں نے بھرے دربار میں بات کہی تھی کہ یہ ظلم ہے۔ انیائے ہے، ایہ  
 پاپ نہیں ہونا چاہئے، اچھوت بھی انسان ہیں۔ پھر ان سے زندگی کا حق کیوں  
 چھین لیا گیا ہے.....؟ میری اس بات پر کافی لے دے ہوئی۔ مگر میں نے یہ  
 اعلان کر دیا کہ جو کام بدری راج مہاراج نہیں کر سکے اگر میں راج بنا تو یہ  
 کام ضرور کروں گا۔ آپ اگر چاہیں تو اس بات کے بارے میں معلومات  
 حاصل کر سکتے ہیں۔“  
 ماگھی راج نے پڑا اعتماد لہجے میں کہا اور دیپ چند کا منہ حیرت سے  
 کھل گیا۔

”کیا آپ سچ مچ یہ بات کہہ چکے ہیں.....؟“  
 ”میں نے کہا نا دیپ چند جی.....! آپ اپنے طور پر یہ بات معلوم  
 کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں ہوگی۔ جس کا آپ کو پتا ہی نہ  
 چل سکے۔“

”بہت بڑی بات کہی ہے آپ نے راج کمار.....! بہت ہی بڑی  
 بات کہی ہے آپ نے، بھگوان آپ کی رکھشا کرے، لیکن اس کے باوجود  
 مہاراج بدری راج یہ بات کیسے مان لیں گے.....؟“



”میں نے کہا نا دیپ چند جی مہاراج کو یہ بات ماننا ہوگی اور اگر وہ یہ بات نہیں مانیں گے تو میں یہ سب کچھ اس سے کروں گا، جب میں اس ریاست کا راجہ بنوں گا اور راجہ بننے کے بعد میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرا پہلا اعلان یہ ہی ہوگا کہ راج دربار میں اچھوتوں کو ان کا مقام دیا جائے۔ ان کے جائز مسائل سنے جائیں اور راج کمار ہونے کی حیثیت سے بھی میں آپ کے لئے ہر وہ کام کر سکتا ہوں جس کی آپ کو ضرورت ہو۔“

”اگر یہ بات ہے ماکھی راج جی.....! تو ایک کام ضرور کر دیں آپ ہمارے لئے.....!“

دیپ چند نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

”اچھوتوں کے لئے کوئی عبادت گاہ نہیں ہے، کیا یہاں کوئی مندر نہیں بن سکتا.....؟ ہم یہ مندر اپنے پیسے، اپنی محنت سے بنائیں گے، بس ہمیں اس کی آگیا دے دی جائے۔ ہم دریا پار کر کے اتنی دُور عبادت کرنے جاتے ہیں اور پھر مندر کی عمارت سے بہت دُور کھڑے رہتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے بڑی دُکھ کی بات ہے۔ ہم تو کبھی وہ اشلوک نہیں سن سکے جو ہمارے دل کو روشن کرتے ہیں۔ تو اگر ہمارا ایک مندر بنوا دیا جائے تو ہم فوراً ہی اس میں سارے انتظامات کر لیں گے اور اپنی پوجا پاٹ کرنے لگیں گے۔“

دیپ چند نے کہا اور راج کمار ماکھی راج گردن ہلانے لگا۔

”مند بن جائے گا دیپ چند جی.....! لیکن ابھی ایک بات کا دعویٰ میں نہیں کر سکتا۔“

”کس بات کا مہاراج.....؟“

”یہ کہ کوئی برہمن پجاری یہاں آکر رہے گا۔“

”ہمیں اس کی چٹنا نہیں ہے ماکھی راج جی.....! ہم بھگوان کی

مورتیاں بنا کر ان کے درشن کر لیا کریں گے۔ یہ ہی ہماری پوجا ہوگی۔ یہ ہی ہماری عبادت ہوگی، کم از کم ہماری آنکھوں کو بھگوان کو دیکھنے کی آگیا تو ضرور مل جائے گی۔ ابھی تو ہم بھگوان کو بھی چھپ چھپ کر دیکھتے ہیں۔“

دیپ چند نے بے بسی کے عالم میں کہا اور ماگھی راج کا دل دہل کر رہ گیا۔

”کتنے ظالم ہیں یہ برہمن، چھتری، جنہوں نے اچھوتوں سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا ہے۔ ان لوگوں کو زندگی کی ہر آسائش سے محروم کر دیا ہے۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ کوئی ان پر ہونے والے ظلم کے خلاف احتجاج کرنے والا نہیں ہے۔“

اس نے دیپ چند کی طرف دیکھا جو بے بسی کی تصویر بنا کھڑا تھا اور

بولا۔

”ٹھیک ہے دیپ چند جی.....! منذر بن جائے گا، یہ ماگھی راج کا وچن ہے، مگر مجھے ایک بات کا یقین دلائیں۔“

”کون سی بات ماگھی راج مہاراج.....؟“

”سجوگنی میری ہو جائے گی۔“

ماگھی راج نے پوچھا۔

”سجوگنی کو اگر آپ کے چرنوں کی دھول بن جانے کا موقع مل جائے تو یہ اس کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ نہ صرف اس کی بلکہ پوری اچھوت برادری کی۔ میں سوگندھ کھاتا ہوں بھگوان کی کہ اگر آپ نے سجوگنی کو اپنی پتی بنانے کے لئے میرے پاس سندیس بھیجا تو میں اسے آپ کے پاس لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی موت اور سجوگنی کے بڑھاپے تک انتظار کرنا پڑے۔“

”آپ وچن دے رہے ہیں دیپ چند جی.....!“  
 ”جی ہاں.....! میں وچن دیتا ہوں۔ اگر اچھوت کا وچن کوئی حیثیت رکھتا ہے تو میں تمہیں وچن دیتا ہوں، ماگھی راج جی.....!“  
 ”میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ ہاں.....! ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں۔“

”ضرور ماگھی راج.....! ضرور کرو.....!“  
 ”کیا میں بنجوتی سے مل سکتا ہوں.....؟“  
 ”رات کے اندیرے میں یا دن کی روشنی میں۔“  
 ”اس کے لئے فی الحال رات کے اندیرے زیادہ مناسب ہیں۔“  
 ماگھی راج نے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے.....! مجھے اس راج کمار پر وشواش ہے، جو اپنے من میں سالن کا دکھ رکھتا ہے، مجھے یہ وشواش ہے کہ اس کو مل لڑکی کو خودکشی کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔“  
 دیپ چند نے کہا اور ماگھی راج نے جھک کر اس کے چرن چھو لئے۔

”آپ میرے بزرگ ہیں دیپ چند جی.....! بھگوان کی سگند.....! آپ کی سگند.....! میں کبھی شرافت اور انسانیت کے دائرے باہر نہیں جاؤں گا۔ اس لمحے تک جب تک بنجوتی میری دھرم پتی نہیں بن جائے۔“

”ٹھیک ہے.....! میں جا رہا ہوں۔“  
 دیپ چند نے کہا اور گردن جھکا کر واپس چلا گیا۔  
 بنجوتی درخت کے پیچھے چھپی ہوئی ان لوگوں کی تمام باتیں سن رہی تھی۔

تھی۔ لیکن ان کی باتیں سن سن کر اس کا من خوشی سے لرز رہا تھا۔ بدن کانپ رہا تھا اس کا، سارے کا سارا..... اور جب دیپ چند جی کافی دُور چلے گئے تو وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے راج کمار ماگھی راج کے چرنوں میں سر رکھ دیا۔

ماگھی راج نے تڑپ کر اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اوپر اٹھالیا تھا۔



نوجوانی کو آج گھر پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ اپنے بابا کے بارے میں جان گئی تھی۔ راج کمار ماگھی راج نے ہی اس بھیجا تھا اور جب تک وہ چلی نہ گئی وہ اسے کھڑا دیکھتا رہا تھا۔

”رام سروپ.....! میں وچن دے چکا ہوں اور یہ ایک راج کمار کا وچن ہے۔ کسی گھسیارے کا نہیں۔ مندر ضرور بنے گا۔ ایک دوست کی حیثیت سے میں اب بھی تم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر چاہو تو اس سلسلے میں میرا ساتھ مت دو..... میں تمہیں اس سلسلے میں مجبور نہیں کروں گا اور نہ ہی میں تمہارے لئے کوئی پریشانی چاہتا ہوں۔“

”ارے.....! کس پاپی کو اپنی جان کی فکر ہے مہاراج.....! پر یہ بھی تو سوچیں مندر کی بات کس طرح چھپی رہ سکے گی.....؟“

”مگر مجھے ہے۔“

رام سروپ نے جواب دیا۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رام سروپ! وہ ہر صورت میں کرنا ہے اور میں ضرور کروں گا۔ اب میں تم سے اس بارے میں کوئی بات نہیں

کہوں گا۔ ہاں.....! کل دن کی روشنی میں مزدور وہاں پہنچ جائیں گے۔ مندر  
نی جگہ کا تعین کریں گے اور پھر تعمیر کا سامان بھی وہاں پہنچ جائے گا۔“  
”جیسی آپ کی مرضی راج کمار.....!“

رام سروپ گردن ہلا کر بولا، اور پھر خاموش ہو گیا۔  
لیکن ماگھیراج کا عزم پختہ تھا۔ اس نے نہ جانے کہاں کہاں سے  
اور کن کن لوگوں کے ذریعے پچاس مزدوروں کا بندوبست کیا۔ شاہی خزانے  
سے انہیں بڑی رقم دلوائی اور دریا پر پہنچا دیا۔ اس نے مندر کی تعمیر کا حکم دے  
دیا تھا۔

اور جب مندر کی بنیاد رکھی گئی تو اچھوتوں نے ایک عظیم الشان جشن  
منایا۔ رات بھر وہ لوگ ناچتے گاتے رہے تھے اور ماگھی راج بھی ان کے  
ساتھ جشن میں شریک رہا تھا اور سب کو گنی اس کے نزدیک ہی بیٹھی ہوئی تھی۔  
ماگھی راج کی خواہش پر سب کو گنی نے محبت کا رقص پیش کیا اور ماگھی راج اس  
کی ایک ادا پر پاگل ہوتا رہا تھا۔

وہ محبت بھری نگاہوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ جو آئندہ اس کی پتی  
بننے والی تھی، یہ اس کا عزم تھا کہ اچھوتوں کو کسی طور اچھوت نہ رہنے دے گا۔  
لیکن یہ بات زیادہ دیر چھپی نہ رہ سکی۔ جب مندر کے خدو خال  
اھا گر ہونے لگے تو کسی اونچی ذات والے برہمن نے دریا پار سے اسے دیکھ  
لا اور آن کی آن میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی  
کہ اچھوتوں کی بستی میں مندر تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ دیکھنے والوں نے تصدیق  
کی اور حکومت کے اہلکاروں تک یہ اطلاع پہنچا دی گئی۔

حکومت کے اہل کاروں نے بھی دریا کے دوسرے کنارے سے  
امین پر ابھرتے ہوئے مندر کو دیکھا اور دست بستہ راجہ بدری راج کے پاس

پہنچ گئے۔

راج کمار بدری راج اس وقت راج پاٹ کے کاموں میں مصروف تھا۔ مہا پجاری سنگرام داس بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آنے والوں نے پہلے کچھ کہنے کی اجازت لی اور اجازت لینے کے بعد یہ روح فرسا خبر راج بدری راج کو سنائی گئی۔

”مہاراج.....! اچھوتوں کی بستی میں ایک بہت بڑا مندر تعمیر ہو رہا ہے۔ اچھوتوں نے ہماری روایات کی خلاف ورزی کی ہے۔ اچھوتوں نے برہمنوں کا مذاق اڑایا ہے۔ کیا مندر کی تعمیر کی آگیا مہاراج نے دی ہے.....؟ یا اچھوتوں نے باغی ہونے کا اعلان کیا ہے.....؟“

راجہ بدری راج یہ سن کر غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے آنے والوں کو گھور کر دیکھا اور کرخت لہجے میں بولا۔

”تم لوگ پاگل ہو گئے ہو کیا.....؟ تم سب کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کیا بکواس کر رہے ہو تم لوگ.....؟ کس کی مجال ہے کہ دریا پار مندر تعمیر کرے.....؟“

راجہ بدری راج نے نفرت سے کہا۔

”یہ تو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا مہاراج.....! کہ یہ مجال کس نے کی ہے.....؟ پر مندر آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ محل کی بلندیوں سے دریا پار کا نظارہ صاف نظر آ سکتا ہے۔“

آنے والوں نے کہا اور بدری راج غصے سے کھڑا ہو گیا۔

”سنگرام داس جی.....! کیا کہتے ہیں آپ اس سلسلے میں.....؟“

”دھیرج.....! بدری راج.....! دھیرج.....!“

”یہ دھیرج کی بات تو نہیں ہے، سنگرام داس جی.....!“

”دھیرج رکھنا پڑے گا، بدری راج.....! جو ہوتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی کارن بھی ہوتا ہے۔ پہلے کارن دیکھو، پھر کام کرو۔ غصہ مار کے بات پوچھو، یہ ہی منش کی کامیابی کا راز ہے۔“

”مگر سگرام داس جی.....! یہ خبر جھوٹی معلوم نہیں ہوتی۔“

راجہ بدری راج نے تیزی سے ٹہلتے ہوئے کہا۔

”تو ہم کب کہتے ہیں بالک.....! کہ یہ خبر جھوٹی ہے، کب کیا ہم نے، پر اس بات کا فیصلہ بھرے دربار میں نہیں ہو سکتا۔ میں چلتا ہوں۔ اگر تمہارا من چاہے تو میرے پاس آجانا۔ سگرام داس کا یہ ہی کہنا ہے، پہلے کارن پھر بات.....!“

سگرام داس نے کہا اور لکڑی کے کھڑاؤں کو کھٹ کھٹ کرتا ہوا دربار سے باہر نکل گیا۔

بدری راج انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ بری حالت تھی اس کی۔ لیکن سگرام داس جو کہہ کر گیا تھا اس پر عمل کرنا انتہائی ضروری تھا۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے سگرام داس سے مشورہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ گرو دیو کی بات پیچھے رہ جائے اور کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔ چنانچہ اس نے ہنڈتوں کی جانب دیکھ کر کہا۔

”خاموشی اختیار کرو.....! جیسا مشورہ گرو دیو دیں گے، ویسا ہی ہمیں کرنا پڑے گا، ان کی مرضی کے بغیر میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔“

”تو تمہارا ج.....! اچھوتوں کو اس تعمیر سے نہ روکا جائے.....؟“

آنے والوں نے پوچھا۔

”نہیں.....! ابھی جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے دو..... سگرام داس سے اہی ابھی تھوڑی دیر بعد ملاقات کروں گا۔ ان سے پوچھوں گا کہ یہ سب کیا ہو

رہا ہے.....؟ اگر انہوں نے کوئی صحیح مشورہ دیا تو ٹھیک ہے۔ ویسے اس بات کی چھتا تم بالکل مت کرو۔ اچھوت کبھی مندر تعمیر نہیں کر سکتے۔ وہ کبھی ہماری برابری نہیں کر سکتے۔“

راجہ بدری راج نے کہا اور آنے والے واپس لوٹ گئے۔

بدری راج دربار برخاست کر کے محل واپس آ گیا اور پریشانی سے ادھر ادھر ٹھلنے لگا۔ جب کوئی بات نہ بن سکی تو وہ اپنی پتی کے پاس پہنچ گیا۔  
شکری باندیوں میں گھری بیٹھی ہوئی تھی۔ بدری راج کی آمد کی اطلاع پا کر وہ جلدی سے اس کے سواگت کے لئے باہر نکل آئی۔ لیکن بدری راج کا چہرہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔

”کیا بات ہے مہاراج.....؟ پریشان ہیں.....؟ کیا ہو گیا.....؟ کیا کسی دشمن نے حملہ کر دیا.....؟“  
”نہیں نہیں.....! شکری.....! کسی دشمن نے حملہ نہیں کیا، بس پریشان ہوں، بہت پریشان ہوں۔“

”پر اس پریشانی کا کوئی کارن تو ہوگا مہاراج.....!“

”ہاں.....! کارن ہے، اچھوتوں کو ان کی موت نے پکارا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی ریاست سے ان کا ناپاک وجود ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں اور انہوں نے اس کی ابتداء کر دی ہے۔“  
”کیا کیا ہے اچھوتوں نے.....؟“

”بغاوت.....!“

”کیسی بغاوت.....؟“

رانی شکری نے تعجب سے پوچھا۔

”بس.....! ریاست ہے بغاوت..... برہمنوں سے بغاوت.....“



انہوں نے وہ کام کیا ہے جو صدیوں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔  
 ”پر کیا ہوا ہے.....؟ مہاراج.....! کچھ مجھے بھی تو بتائیں.....!“  
 رانی شکری نے پوچھا۔

”مندر تعمیر کر رہے ہیں، شودر کہیں کے..... مندر.....؟ ایسا کبھی نہیں  
 ہوگا شکری.....! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ وہ کبھی اونچی ذات والوں کی طرح مندر  
 تعمیر نہیں کر سکتے۔“

”پر انہیں سوچھی کیا ہے.....؟“  
 شکری نے پوچھا۔

”بھگوان جانے.....! میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد سنگرام داس کے  
 پاس جاؤں گا، ان سے اس بارے میں بات کروں گا۔“  
 ”ہاں ہاں.....! ضرور کریں.....! سنگرام داس ہی آپ کو صحیح بات بتا  
 سکیں گے۔“

رانی شکری نے کہا۔

”ویسے تعجب کی بات ہے، اچھوتوں کو یہ ہمت کیسے ہوئی.....؟“  
 ”سنگرام داس جی کا کہنا ہے کہ اس کا بھی کوئی کارن ہے۔“  
 راجہ بدری راج نے کہا۔

”پر کیا کارن ہو سکتا ہے.....؟“

”میرے من میں ایک ہی خوف ہے۔ شکری.....! ایک ہی

خوف.....!“

”وہ کیا.....؟“

”کہیں اس میں ماگھی راج کا کوئی ہاتھ نہ ہو.....؟“

”ماگھی راج کا.....؟ ماگھی راج کا ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے.....؟“

رانی شکری حیرت سے بولیں۔

”شاید تمہیں پتا نہیں ہے شکری.....! ماگھی راج ایک اچھوت لڑکی پر

مرمٹا ہے۔ جو بہت ہی سندر ہے۔“

”اوہ.....! یہ کیسے ہوا.....؟ ماگھی راج اس لڑکی تک کیسے پہنچ گیا

مہاراج.....؟“

رانی شکری پریشانی سے بولیں۔

”شکری.....! اس واقعہ کو کافی دن گزر گئے ہیں۔ ہوا یوں تھا کہ

ماگھی راج ایک دن سیر کرنے کے لئے رتھ میں سوار ہو۔ اچانک ایک جگہ ایک شودر لڑکا ماگھی راج کے رتھ کے سامنے آگیا۔ سپاہیوں نے اس لڑکے کو مار ڈالا۔ اسی وقت ایک خوب صورت لڑکی بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے ہمارے خلاف اور راجدھانی کے خلاف، ماگھی راج کے خلاف بہت کچھ کہا اور اسی لڑکی کے کارن ماگھی راج نے بھرے دربار میں کھڑے ہو کر ایسی ایسی باتیں کی تھیں کہ میرا سر ندامت سے جھک گیا تھا۔ وہ شودروں اور برہمنوں کے فرق کو مٹانا چاہ رہا تھا۔ اب مجھے شبہ ہے کہ کہیں اچھوتوں کی بستی میں مندر کی تعمیر ماگھی راج ہی نہ کروا رہا ہو.....؟“

”اوہ..... اوہ..... تو یہ بات ہے.....! لیکن مہاراج.....! آپ کو اس

بات کا علم کیسے ہوا کہ ماگھی راج اس لڑکی پر مرمٹا ہے.....؟“

”میں اچھوتوں کی بستی میں جا کر دیکھ چکا ہوں شکری.....! میں راجہ

ہوں، پاگل نہیں ہوں۔ راجہ اپنی ریت کا اگر خیال نہ رکھیں تو پھر اسے راج گدی پر بیٹھنے کا حق نہیں ہوتا۔“

”تو آپ..... تو آج مہاراج اچھوتوں کی بستی میں گئے تھے.....؟“

”ہاں.....! میں گیا تھا۔“

”کیوں.....؟“

”میں نے وہاں جا کر سنجوگنی کو دیکھا تھا۔“

”سنجوگنی کون.....؟“

”ارے.....! وہی لڑکی جس کے بارے میں میں کہہ چکا ہوں کہ ہائی سندر ہے۔ جب ماگھی راج نے اچھوتوں کو برابری کا درجہ دینے کا اعلان کیا اور مطالبہ کیا تو مجھے اتنا ہی غصہ آیا تھا، جتنا اس وقت، لیکن سنگرام داس نے کہا کہ میں دھیرج رکھوں۔“

یوں لگتا ہے جیسے کوئی خاص بات ہوگئی ہو اور خاص بات کے کھوج لئے اہم اچھوتوں کی بستی میں گئے تھے۔ وہاں ہم نے سنجوگنی کو دیکھا۔ وہ سن لڑکی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ماگھی راج اس کے پریم کے مال میں نہ پھنس گیا ہو۔ اگر ماگھی راج اس کے پریم میں پھنس گیا تو یوں سمجھو شہری.....! ہمیں یہ راج پا۔ پھوڑنا بڑے گا اور ہماری جو درگت ہوگی اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔“

”مم..... مر مہاراج : ماگھی راج ایسی حرکت کیسے کر سکتا ہے.....؟ میرا بیٹا اتنا بے وقوف تو نہیں ہے۔“

”بے وقوف ہی نہ ہوتا سراسر..... تو بھرے دربار میں ایسی بات ہی نہ کرتا۔ خیر.....! تم آرام کرو.....! میں سنگرام داس کے پاس جا رہا ہوں۔“

راجہ نے کہا اور شہکری سے رخصت ہو کر سنگرام داس کے مندر کی جانب چل پڑا۔



ساری ریاست میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ بڑا سوگ پھیل گیا تھا چاروں

طرف۔ راجہ درشت راج طویل عرصے سے حکومت کر رہا تھا۔ گو وہ زیادہ اچھا آدمی نہیں تھا لیکن اتنا برا بھی نہیں تھا کہ اس کی ریاست کے لوگ اس سے تالاں ہوتے۔ وہ باہر کے لوگوں کے لئے برا تھا لیکن اپنی ریاست کے لوگوں کے لئے اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جس سے اس کی ریاست کے لوگ اس کے خلاف ہو جاتے۔

راجہ درشت کے قتل ہونے کی خبر آنا فانا پوری ریاست میں پھیل گئی تھی۔ جس نے بھی سنا دانتوں میں اُننگی دبا لی۔ سارے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ راجہ درشت کو اس کی بھانجی شینی نے قتل کیا تھا۔ شینی کو خون آلود خنجر کے ساتھ جائے واردات سے پکڑا گیا تھا اور اس سازش میں شینی کی ماس یعنی راجہ درشت کی بہن شانتی بھی شریک تھی۔

قانون بنانے والے افراد نے شینی کو قاتل تسلیم کر لیا تھا اور اب اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ کیونکہ ساری بات سامنے تھی۔ دربار میں مسلسل اجلاس ہو رہے تھے۔ دھرم راج کی حالت خراب تھی۔ راجہ درشت کی موت نے اس کے اوپر بہت برا اثر ڈالا تھا اور وہ کمرے میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔

دھرم راج کی اس حالت کے پیش نظر ویدوں نے منتری جی کو یہ بات بتا دی تھی کہ راج کمار دھرم راج کو پریشان نہ کیا جائے۔ کسی کو ان سے ملنے نہ دیا جائے اور ان پر پہرہ لگا دیا جائے۔ چنانچہ منتری جی نے اس بات پر سختی سے عمل کیا۔

اجلاس اب بھی جاری تھا اور اس میں یہ طے کیا جا رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے.....؟

”سب سے بڑی بات یہ ہے منتری جی مہاراج.....! کہ راج کمار

دھرم راج کی بھی حالت خراب ہے۔ راجہ درشت مہاراج کی موت کا ان پر جو اثر پڑا ہے، وہ کہیں ان کی جان ہی نہ لے لے۔ اس لئے ابھی انہیں اس سلسلے میں پریشان نہ کیا جائے۔ راج مکھٹ ابھی ان کے سر پر نہیں رکھا جا سکتا۔ ابھی ہمیں ان کی صحت ٹھیک ہو جانے کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

سالار کرن داس نے کہا۔

”ہاں.....! کرن داس جی.....! دھرم راج مہاراج اور راجہ درشت سے بہت پریم کرتے تھے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاست بغیر راجہ کے تین روز سے زیادہ نہیں رہ سکتی۔ اس بارے میں کیا کیا جائے.....؟“

مہانتری نے کہا۔

”اس کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے مہاراج.....!“

شرمانند نے کہا۔

”وہ کیا شرمائد.....؟“

مہانتری نے پوچھا۔

”ایک عارضی راج بنا دیا جائے، جس میں آپ راج پاٹ کے نگران کی حیثیت سے سارے انتظامات سنبھال لیں اور جب حالات ٹھیک ہو جائیں۔ راج کمار، دھرم راج کی حالت بہتر ہو جائے تو پھر راج گدی ان کے سپرد کر دی جائے اور راج مکٹ ان کے سر پر رکھ دیا جائے۔“

شرمانند نے کہا اور منتری جی گردن ہلانے لگے۔ پھر چاروں طرف اٹھ کر بولے۔

”بھائیو.....! شرمائد نے جو کہا ہے وہ آپ نے سن لیا ہوگا۔ اس

سلسلے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے.....؟“

منتری نے پوچھا اور سب نے اس رائے کے حق میں فیصلہ دے

دیا۔

”ٹھیک ہے.....! ریاست کے برو، یہ راج مکھٹ راجہ درشت کے خالی تخت پر رکھا ہوا ہے۔ آج سے مہاراج راج کمار، دھرم راج کے نام پر ریاست کی حکمرانی چلے گی۔ اس سے تک جب تک کہ دھرم راج جی اس تخت پر آکر نہیں بیٹھ جاتے۔ میں اس کے برابر پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر ریاست کے کاموں کو اسی طرح چلاتا رہوں گا۔ جس طرح مہاراج درشت چلایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ میرا فرض ہے۔“

مہامنتری کے نام کی جے جے کارگوئنج اٹھی اور تاج خالی تخت پر رکھ دیا گیا۔

راجہ درشت کی ارٹھی تو بہت پہلے جلائی جا چکی تھی۔ شانتی اور شینی ایک قید خانے میں بند کر دی گئی تھی اور ان کے بارے میں اب تک کسی اجلاس میں کوئی بحث نہ ہو سکی تھی۔ کیونکہ دوسرے مسائل ہی اتنے شدید تھے۔ دوسری طرف شانتی اور شینی دونوں ہی حیران تھیں کہ ابھی تک وہ قید خانے میں کیوں ہیں.....؟ پوچھنے شانتی کو یہ ہی بتایا تھا کہ راج کمار دھرم راج کمزور دل کا آدمی تھا۔ وہ پہنچ تو گیا تھا راجہ درشت کی خواب گاہ میں۔ مگر خون دیکھ کر برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو گیا۔ شانتی البتہ کسی پریشانی اور گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انہیں قید ہوئے آج تیسرا دن تھا۔

ان تینوں دنوں میں ان کے ساتھ بہت سخت سلوک کیا گیا تھا۔ ایک دن تو ان دونوں کو کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں دیا گیا تھا۔ اور دونوں ماں بیٹیوں کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ دوسرے دن صبح سپاہیوں نے انہیں جو کچھ کھانے کے لئے دیا وہ ایسا تھا کہ ان سے کھایا ہی نہیں گیا تھا۔

شانتی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو سپاہی نفرت سے منہ سکڑ کر چلے

گئے۔

ان کی یہ کیفیت دیکھ کر شانتی کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے۔ پھر ان کے ساتھ یہ ہی سلوک جاری رہا اور چوتھی رات کی صبح شانتی کے حواس بالکل جواب دے گئے۔ وہ فرش پر لمبی لمبی لیٹ گئی تھی۔ شینی اس کی یہ حالت دیکھ کر بے قرار ہو گئی۔

”کیا بات ہے.....؟ ماما جی.....! کچھ طبیعت خراب ہے۔ بیمار ہو رہی ہو، تم اس قید خانے میں.....؟“

”نہیں تو اور کیا.....؟ امرت اُتر رہا ہے۔ میرے شریر میں پھنس گئے، شینی.....! یوں لگتا ہے جیسے ہماری چالیں اُلٹی ہو گئی ہیں۔“

شانتی نے کہا۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں ماما جی.....! میں نہیں مانتی کہ ہماری کوئی چال اُلٹی ہو گئی ہے۔“

”نہ مان شینی.....! پر میرا من یہ ہی کہہ رہا ہے، میرا من یہ ہی کہہ رہا ہے کہ ہم مصیبت میں پھنس گئے ہیں اور اب اس مصیبت سے چھٹکارا بڑا ہی مشکل ہے.....! بڑا ہی مشکل ہے۔“

”پر ماما جی.....! تمہارا دشواش کیسے ڈول رہا ہے.....؟“

”حالات ہی ایسے ہیں شینی.....! تین روز ہو گئے ہیں ہمیں اس قید خانے میں پڑے ہوئے۔ کسی نے ہماری خبر لی.....؟ آخر دھر راج کہاں مر گیا.....؟ کہاں رہ گیا وہ.....؟“

”تم..... ماما جی.....! تم دھرم راج کے لئے ایسی بات کہہ رہی ہو.....؟“

”تو تو یا گل ہے شینی.....! بالکل بے وقوف.....! دھرم راج اگر تیار

دوست ہوتا تو ہمیں اتنے روز اس قید خانے میں پڑا رہنے دیتا.....؟ لیکن یہاں تو آثار ہی اُلٹے نظر آ رہے ہیں۔“

”تو اس کا مطلب ہے ماتا جی کرو.....! سیوکھ لعل کی کوششیں ناکام ہو گئیں۔ یہ آگیا تو انہوں نے ہمیں دی تھی۔ پھر ان کو کیا ہوا.....؟ وہ ہماری سہائتا کیوں نہیں کرتے.....؟“

”مجھے کیا پتا شینی.....! بھگوان جانے نہ جانے کیا سے کیا ہو گیا.....؟ یہاں تو حالات ہی اُلٹے ہو گئے تو..... مجھے ساری باتیں بتا شینی.....! تو مجھے پھر سے ساری باتیں بتا۔ ورنہ میں تو بے موت ہی مر جاؤں گی۔“

”کون سی باتیں بتاؤں.....؟“

”کیا تجھے وشواش ہے کہ دھرم راج تیرے پریم جال میں پھنس چکا ہے۔“

”پوری طرح وشواش ہے ماتا جی.....!“

”میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ دھرم راج جی میرے بنا کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔“

شینی نے جواب دیا۔

”مگر اسے ہوا کیا.....؟ تو نے اس سے یہ بات کہہ دی تھی کہ تو درشت راج کو قتل کرنے جا رہی ہے.....؟“

”ہاں.....! ماتا جی.....! میں نے اس سے یہ بات کہہ دی تھی۔“

”پھر آخر وہ لوگ وہاں کیسے پہنچ گئے.....؟“

”یہ ہی بات تو مجھے بھی پریشان کرتی ہے ماتا جی.....! کہ کم از کم دھرم راج کو کوئی چال چلنی چاہئے تھی۔ ان لوگوں کو وہاں نہ لانا چاہئے تھا۔ مگر یوں لگتا ہے جیسے دھرم راج بھی بے وقوفی میں یہ حرکت کر گیا۔“



”بے وقوفی میں کیوں.....؟“

”اس نے سوچا ماتا جی.....! کہ میں اپنا کام کر کے واپس جا چکی ہوں گی اور اب میدان صاف ہوگا۔ وہ منتری اور سالار کو مہاراج کی موت کے بارے میں بتا دے گا۔ تھوڑی دیر تک یہ ہنگامہ چلے گا کہ درشت راج کو کس نے قتل کیا اور اس کے بعد کے حالات تھوڑی عرصے کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے۔ کوئی خاص پریشانی بھی نہیں ہوگی۔“

”نہیں شینی.....! مجھے یہ بات سچ نظر نہیں آتی۔“

”کیوں ماتا جی.....؟“

”دھرم راج اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ درشت راج کو قتل کر دیا گیا ہے اور وہ منتری اور سپہ سالار کو لے کر وہاں پہنچ جائے۔ وہاں پہنچنے کا تو ایسا ہی مقصد ہو سکتا ہے۔“

”کیا ماتا جی.....؟“

”یہ ہی کہ دھرم راج رنگے ہاتھوں تجھے پکڑوانا چاہتا تھا۔“

”نہیں ماتا جی.....! یہ غلط ہے۔“

”تو پھر مجھے شینی.....! ان دونوں کو لے کر آخر وہ وہاں کیوں پہنچا

تھا.....؟“

”میں نے بتایا ناں ماتا جی.....! وہ یہ چاہتا ہوگا کہ راجہ درشت راج کے قتل پر لوگ اس پر یا مجھ پر شبہ نہ کریں اور وہ کسی بہانے منتری اور سالار کو لے کر اسی لئے آیا ہوگا کہ انہیں یہ شک نہ ہو کہ قتل دھرم راج نے کیا ہے۔ وہ سمجھا ہوگا کہ میں راجہ درشت کو قتل کر کے جا چکی ہوں گی۔ اب یہ میری بدبختی تھی ماتا جی.....! کہ مجھے وہاں اتنی دیر لگ گئی اور میں رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔“

”نہیں شینی.....! نہیں.....! تو بالکل بے وقوف ہے۔ یہ بات تو کسی بھی طور دل کو ہی نہیں لگتی۔ اگر وہ اتنا ہی بے وقوف ہوتا تو خود ہی اپنے ہاتھوں سے راجہ درشت کو قتل کرنے پر کیوں نہ تیار ہو جاتا.....؟ تیرے ہاتھوں سے اس نے قتل کرایا اور پھر ان دونوں کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ یہ اس کی چالاکی نہیں تو اور کیا ہے.....؟ اس سے یہ ہی پتا چلتا ہے کہ وہ تجھے رنگے ہاتھوں پکڑوانا چاہتا تھا۔“

”نہیں ماما جی.....! میرا دل نہیں مانتا۔“

”اری.....! دیکھتی رہ..... دیکھتی رہ..... ابھی تو تین دن گزرے ہیں۔ آج چوتھا روز ہے۔ کچھ دن بعد یہ بات تجھے خود سمجھ آ جائے گی۔ تو خود کہے گی پگلی.....!“

شانتی نے نفرت سے کہا اور شینی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کی آنکھوں میں اب کسی خوف و ہراس کا اظہار ہونے لگا تھا۔ ماں کے تلخ جملوں نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اب وہ دل ہی دل میں دھرم راج کی شخصیت کے بارے میں کچھ سوچ رہی تھی۔ کافی دیر کے بعد اس نے کہا۔

”ماما جی.....! تمہاری باتیں دل کو لگتی ہیں مگر..... یہ سوچ کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو اب تو ہمیں جیتا نہیں چھوڑا جائے گا۔ ہم تو مارے گئے، شینی.....! ہم تو مارے گئے۔“

”اس میں میرا دوش نہیں ہے ماما جی.....! تم نے گرو سیوکھ لعل جی سے ساری باتیں کیوں نہیں کی تھیں.....؟ آخر سیوکھ لعل جی کو یہ وشواس کیسے تھا کہ دھرم راج ہمارے جل میں پھنس جائے گا۔ انہوں نے ہی تو ہمیں بتا کر یہاں بھیجا تھا کہ ہم ایسا کریں، اب وہ آکر ہماری سہائتا کیوں نہیں

کرتے.....؟“

”پتا نہیں ری.....! پتا نہیں.....!“

شانتی نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ شینی بھی اب پریشان ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے دھرم راج سے کی ہوئی ساری باتیں یاد آرہی تھیں۔ مگر کہیں بھی اسے کسی کھوٹ کی بات نہیں مل سکی تھی۔ دھرم راج نے ان سے اس طرح چھٹکارا پانے کی کوشش کیوں کی.....؟

اس کا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا لیکن کوئی بھی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ دوسری جانب ان دونوں کے خلاف پہلی بار دربار میں آواز اُٹھی تھی۔ کیونکہ وقت کے سب سے بڑی مجرم یہی دونوں تھیں۔

مہامنتری کی اجازت سے اس قتل کے مقدمے کو اٹھایا گیا تھا اور مہاراج درشت راج کے قاتلوں کے بارے گفتگو کی گئی، اس سے پہلے کے مہامنتری راج کمار، دھرم راج سے مل چکے تھے۔ جن کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی۔ وہ بات چیت کر سکتے تھے۔ مہامنتری جی سے اپنا پتا درست درج کا ذکر کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے۔

”ہاں.....! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ مہامنتری جی.....!“

اس کجنت ناگن نے میرے پتا جی کو قتل کر دیا۔“

”کیوں.....؟ آخر اس نے ایسا کیوں کیا.....؟“

مہامنتری جی نے تشویش سے پوچھا۔

”میں اس کی وجہ آپ کو بتا چکا ہوں، میں واقعی شینی سے پریم کرتا تھا

اور وہ بھی مجھے چاہتی تھی۔ میں اسے دھرم پتی بنانا چاہتا تھا۔ مگر اب میں اس عورت کو اپنی دھرم پتی کیسے بنا سکتا ہوں.....؟ جو میرے پتا جی کی قاتل

ہو.....؟“

دھرم راج نے کہا۔ آنسو اب بھی اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔  
 ”دھن واد.....! دھرم راج.....! دھن واد.....! تم چننا مت کرو۔  
 قاتلوں کو سزا ضرور دی جائے گی۔“

”منتری جی.....! دھرم راج سے یہ وعدہ کر کے آئے تھے۔“  
 اور جب وہ واپس پلٹ کر چلے گئے تو دھرم راج کے ہونٹوں پر  
 پرسکون مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

اور اس وقت منتری جی، دھرم راج کی اجازت سے اس مقدمہ کا  
 فیصلہ کرنے جا رہے تھے۔

سپاہی دونوں ماں بیٹیوں کو لینے قید خانے کی طرف جا چکے تھے۔  
 تھوڑی دیر تک انتظار ہوتا رہا پھر شینی اور شانتی کو گھسیٹ کر دربار میں لے آیا  
 گیا۔ دونوں کو اس جگہ کھڑا کر دیا گیا جہاں مجرموں کو کھڑا کیا جاتا ہے۔  
 منتری، سالار کرن داس جی اور دوسرے تمام لوگ قہر آلود نظروں  
 سے اسے گھور رہے تھے۔ تب پیش کار نے مقدمہ پیش کیا۔

”ان دونوں ناگنوں نے مہاراج، درشت راج کا سایہ ہمارے  
 سروں سے اٹھالیا ہے۔ ان دونوں عورتوں نے ہمارے ساتھ وشواش گھاٹ کیا  
 ہے۔ مہاراج درشت کا۔ انہوں نے اپنی ہوش میں مست ہو کر ایسا گھناؤنا جرم  
 کیا ہے منتری جی.....! کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے سامنے ڈال  
 دیئے جانے چاہئیں.....!“

یہ شانتی اور یہ اس کی بیٹی شینی ہے اور شانتی راجہ درشت کی بہن تھی۔  
 حالات سے ثبوت مل چکا ہے مہاراج مہا منتری.....! کہ شانتی اپنے من میں  
 ایک کالا ارادہ لے کر ریاست میں داخل ہوئی تھی، اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی  
 بیٹی شینی کو مہاراج دھرم راج کے ساتھ بیاہ دے اور اس طرح اپنی بیٹی کو اس

ریاست کی رانی بنا دے۔“

جب اس نے وواہ کرنے کا یہ اظہار مہاراج درشت سے کیا تو انہوں نے بہن ہونے کے ناطے اس سے صاف صاف بات کر لی اور کہا کہ ان کے پتر کی شادی کہیں اور ہوگی۔ کسی راج کمار سے یا کسی ایسی جگہ جہاں سے دھرم راج، مہاراج کو ریاست وسیع کرنے میں مدد مل سکے، جب مہاراج درشت نے ان ماں بیٹیوں کو نراش کر دیا تو ان کے دل میں انتقام کی آگ سلگ اٹھی۔

انہوں نے سوچا کہ دھرم راج کو راجہ بننے کا موقع دیا جائے۔ مہاراج درشت کو قتل کر دیا جائے۔ اس طرح کام بن جائے گا۔ اس سے پہلے شینی، دھرم راج، مہاراج پر اپنا پریم جال ڈالتی رہی تھی اور یہ بات بھی میں تمام درباریوں کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ دھرم راج، مہاراج بھی اس لڑکی سے پریم کرنے لگے تھے۔ وہ بھی اس سے وواہ کرنا چاہتے تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنے چند دوستوں سے کر دیا تھا لیکن شینی نے جلد بازی سے کام لیا اور اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا۔

شیننی کو سخت ترین سزا دی جائے اور شانتی کو بھی اس کے ساتھ ہی سزا ملنی چاہئے۔ کیونکہ شانتی ان ساری حرکات میں شینی کے ساتھ شریک تھی۔“

پیش کار خاموش ہو گیا۔

سارا دربار ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ شانتی کا چہرہ زرد تھا اور شینی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ پھر اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”دھرم راج مہاراج کہاں ہیں.....؟“

”اپنے ناپاک ہونٹوں سے راجہ دھرم راج کا نام نہ لے..... تو اس

قابل نہیں ہے کہ اپنے منہ سیان کا نام لے سکے۔ بدکار لڑکی.....! میں نے تجھے اپنی آنکھوں سے مہاراج درشت راج پر وار کرتے دیکھا ہے۔ تو اب کسے کسے بے وقوف بنائے گی.....؟“

”میں پوچھتی ہوں دھرم راج مہاراج کہاں ہیں.....؟“

”اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو انہیں کیوں پوچھ رہی ہے.....؟“

مہانتری نے کہا۔

”اس لئے کہ تو انہیں اپنے پریم جال میں پھانس کر پھر ایسا کوئی کام کرائے جس سے تیرا جیون بچ جائے.....! مگر یہ ناممکن ہے، قطعی ناممکن.....! دھرم راج کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ وہ اپنے پتا کی قاتل سے شادی کریں.....؟ وہ تجھ سے پریم ضرور کرتے تھے لیکن ان کے من میں کبھی یہ احساس نہیں جاگا تھا کہ تو ان کے پتا کو قتل کر دے اور اس کے بعد وہ تجھ سے دواہ رچائیں۔ یہ تیری بھول تھی شینی.....! یہ تیری بھول تھی۔“

مہانتری نے کہا۔

”پھر بھی تم میرے لئے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے مہانتری جی.....! دھرم راج جی کو بلاؤ.....! وہی میرا فیصلہ کریں گے۔“

”میں صرف تیرے لئے ایک فیصلہ کر سکتا ہوشینی.....! کہ کل صبح تجھے اور تیری ماں کو بچ میدان میں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ آج کی رات تم لوگ گزار لو، کل صبح تم دونوں کو تمہاری کرنی کا پھل مل جائے گا۔ تمہارے کالے کرتوتوں کا پھل.....!“

مہانتری جی نے فیصلہ سنا دیا اور پوچھا چیخنے لگی۔

”نہیں.....! تم ایسا نہیں کر سکتے۔ پاپی کتے.....! تم ایسا نہیں کر

سکتے۔ دھرم راج.....! دھرم راج.....! تم کہاں ہو.....؟ کہاں ہو.....؟ دھرم

راج.....! مجھے اس پاپی سے بچا لو.....! دیکھو انہوں نے تمہاری غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر سارا کھیل ہی بدل دیا ہے۔“  
 شینی چیختی رہی، لیکن فیصلہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ سپاہی اسے گھسیٹ کر لے جانے لگے۔

’مائے کتو.....! چھوڑ دو مجھے.....! چھوڑ دو.....! میں کہتی ہوں چھوڑ دو  
 مجھے.....! تم سب بے وقوف ہو..... پاگل ہو..... دھرم راج، دھرم راج نہیں  
 بلکہ جکندر راج، اس کا نام جکندر راج ہے اور مہاراج درشت کو میں نے اسی  
 کے کہنے سے قتل کیا ہے۔ سنو.....! مجھے چھوڑ دو.....! پہلے مجھے دھرم راج کے  
 پاس لے چلو.....! مجھے چھوڑ دو.....! چھوڑ دو.....! ورنہ میں تم سب کو پھانسی  
 دلاؤں گی۔ تم سب کو مار ڈالوں گی۔“

وہ بری طرح چیختی رہی لیکن سپاہیوں نے اس کی چیخ و پکار پر کوئی توجہ  
 نہیں دی تھی۔ وہ اسے گھسیٹتے رہے اور پھر ان دونوں کو قید خانے میں لے جا کر  
 لہ کر دیا گیا۔ ان کی ایک نہیں سنی گئی تھی۔ اور اب وہ دونوں زار و قطار رو رہی  
 تھیں لیکن اب رونے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ چال الٹی ہو گئی تھی۔ اس بار  
 نگرام داس کا منصوبہ ناکام رہا تھا۔ اور اس کے بعد دوسری صبح ان دونوں کو  
 ہلی پر لٹکا دیا گیا۔

سولی کی طرف جاتے ہوئے شینی ہڈیاں بک رہی تھی لیکن اسے ایک  
 آگ اور بکواس سمجھا گیا۔ جو موت کے خوف سے دیوانہ ہو گیا ہو۔ یہاں تک  
 کہ ان دونوں کی گردنیں لمبی ہو گئیں اور زبانیں باہر نکل پڑیں۔



نگرام داس کے مکروہ ہونٹوں پر وہی مکروہ اور شیطانی مسکراہٹ پھیلی

ہوئی تھی جو ان کے چہرے کا خاصا تھی۔

جسے دیکھ کر سب لوگ خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی وہ اسی شیطانی انداز میں مسکرا رہا تھا اور بدری راج اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔  
 ”آپ میری پریشانی کا اندازہ نہیں کر سکتے سنگرام داس مہاراج.....! میں سخت پریشان ہوں۔“

”جمل میں گئے تھے، بدری راج.....؟“

”ہاں مہاراج.....! گیا تھا۔“

”ماگھی راج سے ملاقات ہوئی تھی.....؟“

”نہیں مہاراج.....!“

”اس کی ماں شکری نے بھی کچھ نہیں بتایا.....؟“

”شکری اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔“

”کس بارے میں بدری راج.....؟“

”آپ..... آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟ سنگرام داس مہاراج.....!“

”کچھ نہیں.....! کچھ نہیں.....! بیٹھ جاؤ.....! جمل پلاؤں

تمہیں.....؟“

سنگرام داس نے اس سے پوچھا۔

”نہیں مہاراج.....! میرے من کو شانتی دے دو.....! میرے من کو

شانت کر دیجئے.....! میں اب سے پہلے کبھی اتنا پریشان نہیں تھا۔ بھگوان کی

سوغندہ.....! میرا من بڑا ہی بے کل ہو رہا ہے مہاراج.....!“

”ہوں.....! تو تم آتما کی شانتی چاہتے ہو.....؟“

”ہاں مہاراج.....!“

”میں تمہارے بارے میں کی گیان کر رہا تھا بدری راج.....! میں



دیکھ رہا تھا کہ یہ کشت تمہارے اوپر کیسے آیا.....؟ بہت بڑا کشت ہے، بدری راج.....! بہت ہی بڑا کشت۔ کیا تم اس بات پر یقین کر سکتے ہو کہ وہ مندر اچھوتوں کی ہمت سے نہیں بنا.....؟ بلکہ انہیں ہمت دلائی گئی ہے۔“

”کس نے ہمت دلائی ہے.....؟“

”ایک ہی ہو سکتا ہے اور کون ہو سکتا ہے.....؟ جو اس ریاست میں

اتنی بڑی ہمت کر سکے۔“

”کون.....؟“

بدری راج نے پوچھا۔

”ماگھی راج.....! تمہارا بیٹا.....! اس ریاست کا ولی عہد ہونے والا

حکمران راج کمار ماگھی راج..... جسے اپنے اوپر بڑا ہی مان ہے۔ جو خود کو بڑا

ہی مہان سمجھتا ہے اور اس نے اچھوتوں کو برہمنوں کے ساتھ لاکھڑا کرنے کا

عزم کیا ہے۔ وچن دیا ہے اچھوتوں کو کہ انہیں ان کا مقام دیا جائے گا۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ مہاراج.....؟“

”دیکھو..... بدری راج.....! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس کو غلط مت

سمجھنا۔ یہ میرے گیان کا ایمان ہوگا۔“

”نہیں مہاراج نہیں.....! بھگوان کی سوگندہ.....! میں آپ کے

گیان کا ایمان کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ مگر جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں کیا

یہ سب کچھ سچ ہے.....؟ اگر یہ سچ ہے مہاراج.....! تو پھر کیا ہوگا.....؟ ہم کیا

کریں گے.....؟ مہاراج.....! ہم کیا کر سکیں گے.....؟“

”دھیرج.....! دھیرج.....! بدری راج.....! دھیرج.....! جو کچھ کرو

پہلے سوچ لو، یہ بھی سوچ لو کہ اگر ماگھی راج نے تمہاری مخالفت کی تو کیا

ہوگا.....؟“

”کس سلسلے میں مہاراج.....؟ وہ میری مخالفت کس سلسلے میں کر سکے

گا.....؟“

”تم مجھ سے مشورہ کرنے آئے ہوناں.....!“

”جی مہاراج.....!“

”میں تمہیں جو مشورہ دوں گا اس پر عمل بھی کر سکو گے.....؟“

سنگرام داس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں مہاراج.....! آپ میرا آخری سہارا ہیں۔ آپ اس سلسلے میں

مجھے جو بھی مشورہ دیں گے وہ میرے لئے کارآمد ہوگا اور میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔“

بدری راج نے جواب دیا۔

”اور اگر تمہارے بیٹے نے تمہیں وہ سب کرنے سے روکا جو میں

کروں گا، تب تم کیا کرو گے.....؟“

”آپ..... آپ مجھے آگیا دیں..... مہاراج.....! کہ میں اس کشت

سے کیسے نکل سکتا ہوں.....؟“

”تو پھر سنو.....!“

سنگرام داس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

”سپاہیوں کو لے کر جاؤ اور دریا پار اچھوتوں کے بنائے ہوئے مندر

کو گرا دو۔ جو اس میں رکاوٹ بنے اسے موت کے گھاٹ اُتار دو۔ یہ تمہارا

پہلا کام ہے۔ اس کے بعد کا مشورہ میں تمہیں بعد میں دوں گا۔“

سنگرام داس نے کہا اور بدری راج نے گردن جھکا لی۔

”ایسا ہی کروں گا مہاراج.....! ایسا ہی کروں گا۔ لیکن اگر آپ آگیا

دیں تو اس سے پہلے یہ بات معلوم کر لوں کہ مندر کی تعمیر کے پیچھے ماگھی راج

کا ہاتھ ہے بھی یا نہیں.....؟“

”ہاں ہاں.....! ضرور معلوم کرو۔ ضرور معلوم کرو۔ لیکن کچھ کرنے سے پہلے سوچنا ضروری ہے۔ جاؤ.....! جاؤ.....! معلوم کر لو.....!“

سنگرام داس نے کہا اور بدری راج ان کے چرن چھو کر باہر نکل آیا لیکن وہ سخت ذہنی انتشار میں مبتلا تھا۔ وہ سوچ بھی نہ کر سکتا تھا کہ یہ کھٹنا اس کے اپنے ہی بیٹے، اس کے اپنے ہی خون کی لائی ہوئی ہے۔

رام سروپ نے گھرائے ہوئے انداز میں ماگھی راج کو اس خوف ناک عزم کا قصہ سنایا۔

”ہاں.....! مہاراج بدری راج نے اپنے ایک خاص آدمی کو یہ حکم دیا ہے کہ پچاس سوار لے کر دریا پار جائے اور اچھوتوں کا مندر گرا دیا جائے۔ جتنے اچھوت ہاتھ لگیں انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ جو لوگ مندر گرانے میں رکاوٹ بنیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ کل صبح سے یہ کام شروع ہو جائے گا۔“

”تمہیں یہ اطلاع کہاں سے ملی.....؟“

ماگھی راج نے سرد لہجے میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر گہرے ٹھکرات کے سائے تھے۔

”بس.....! مجھے اطلاع مل گئی ہے، اب آپ بتائیں اس سلسلے میں آپ کو کیا کرنا ہے.....؟“

”یہ کام نہیں ہو سکے گا رام سروپ.....! مندر ضرور بنے گا..... مندر ضرور بنے گا۔ میں مندر کی رکھشا کروں گا۔ مہاراج بدری راج کے پرکارے مندر کو نہیں گرا سکیں گے۔“

ماگھی راج نے کہا اور رام سروپ پریشانی سے اس کی صورت دیکھنے

”پر مجھے تو بتا دیں مہاراج.....! کہ آپ کیا کریں گے.....؟ کیا سوچ رکھا ہے آپ نے اس سلسلے میں.....؟“

”یہ بات کل صبح ہی کو پتا چل سکے گی کہ میں کیا کروں گا.....؟ ہاں.....! تمہیں میں حکم دیتا ہوں کہ کل مجھ سے دُور ہی رہنا۔ میرے قریب آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ کرنا ہوگا میں خود کروں گا۔“

ماگھی راج نے کہا۔

”جو آگیا مہاراج کی.....!“

رام سروپ نے جواب دیا اور پھر دبے دبے لہجے میں بولا۔

”لیکن مہاراج.....! آپ کیا کریں گے.....؟ مجھے تو بتا دیں.....!“

”نہیں.....! بالکل نہیں.....! رام سروپ.....! بس اب تم جاؤ.....!“

ماگھی راج نے کہا اور رام سروپ گردن جھکائے وہاں سے واپس چلا آیا۔

دوسری صبح راجندر سنگھ پچاس سپاہیوں کے ساتھ دریا میں اُتر گیا۔ آج سورج بھی سہا سہا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے اس پر چھائے ہوئے تھے۔ دھوپ کبھی نیچے جھانکتی اور پھر خوف سے آنکھیں موند لیتی۔

موسم بہت اچھا تھا۔ دریا پار مندر کی تعمیر جاری تھی۔ مزدور اینٹ پر اینٹ رکھ رہے تھے اور اچھوتوں کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ جوں جوں مندر تعمیر ہو رہا تھا ان کی آنکھیں اُمید کی کرنوں سے جگمگا رہی تھیں۔

اب وہ اپنی بستی میں پوجا کریں گے۔ اب ان کا بھی ایک مقام ہوگا۔ یہ سوچ انہیں خوشی سے پاگل کر رہی تھی۔

مندر کی تعمیر میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے دیپ چند جی تھے۔ وہ سارا سارا دن ایک جگہ کھڑے ہو کر مندر کی تعمیر دیکھتے اور دل ہی

دل میں خوش ہوتے۔ ماگھی راج کے لئے ان کے دل سے نہ جانے کتنی دُعائیں نکلی تھیں۔

سجوجنی سے میل جول میں انہوں نے ماگھی راج کو کبھی نہیں روکا تھا۔ انہیں اس کے کھرے خون پر اعتماد تھا۔ اس وقت بھی وہی سب سے پہلے مندر کی طرف آئے تھے اور اپنی نگرانی میں انہوں نے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ تب ہی بلندی پر بندھی ہوئی باڑھ پر بیٹھے ہوئے مزدور چیخ پڑے اور دیپ چند گھبرا گئے تھے۔

”دیپ چند جی.....! دیپ چند جی.....! وہ..... وہ دیکھئے.....! دریا پار دیکھئے.....!“

اور دیپ چند چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگے، پھر بولے۔

”کیا ہے.....؟ اے کیوں شور مچا رہے ہو.....؟“

”دیپ چند جی.....! دیپ چند جی.....! کوئی خطرہ ہے.....! کوئی خطرہ ضرور ہے.....! دیپ چند جی.....!“

”ارے.....! مگر کیا خطرہ ہے.....؟ کیا دکھ رہا ہے تجھے.....؟ تو اتنی اوپر سے بیٹھ کر دیکھ رہا ہے۔ پر مجھے تو کچھ نظر نہیں آ رہا۔ مجھے بتا تو سہی.....! آخر کیا بات ہے.....؟“

”وہ دیپ چند جی.....! فوج آرہی ہے۔“

”فوج.....؟“

دیپ چند حیرت سے بولا۔

”ہاں.....! دیپ چند جی.....! فوج آرہی ہے۔ فوجی گھوڑے سوار ادھر ہی دریا پار کر رہے ہیں۔ وہ دریا میں گھوڑے اُتار چکے ہیں اور اب دریا پار کر رہے ہیں۔“

”مگر کیوں.....؟ کیوں.....؟ کیا بدری راج مہاراج کو اس مندر کی تعمیر کی خبر ہوگئی.....؟“

دیپ چند نے جیسے خود سے سوال کیا۔

”ہوگئی ہوگی دیپ چند جی.....! مگر اب ہم کیا کریں.....؟“

مزدور نے کہا اور خوف سے نیچے اترنے لگا۔

”کیا تم مندر کی تعمیر جاری نہیں رکھو گے.....؟“

”سوچ لیں دیپ چند جی.....! بڑا خون خرابہ ہو جائے گا۔“

”ہو جانے دو.....! آخر ہمیں بھی تو اس کا حق ملنا چاہئے کہ ہم اپنی

عبادت گاہیں تعمیر کر سکیں۔“

دیپ چند نے کہا۔

”جیسا آپ کہیں دیپ چند جی.....! اگر جان ہی دینی ہے تو ٹھیک

ہے۔ جو بھگوان کی اچھا.....!“

”ہاں.....! جان دینی ہے، اگر مندر نہیں بنا تو موت زیادہ بہتر رہے

گی۔“

دیپ چند نے کہا۔

چند لوگوں نے ان کی باتیں مانیں اور چند نے نہیں مانیں۔ کچھ لوگ

برابر کام کرتے رہے اور کچھ خوف سے اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔

فوجیں اب دریا کے اس کنارے تک پہنچ گئی تھیں اور آہستہ آہستہ

سپاہی مندر کی جانب آ رہے تھے۔

دیپ چند جی تنہا کھڑے تھے لیکن چند ساعت کے بعد انہوں نے

گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ ایک گھوڑا کسی دوسری طرف سے اس کی

طرف آ رہا تھا اور چند ساعت کے بعد وہ دیپ چند جی کے بالکل قریب پہنچ

گیا۔

”راج کمار.....!“

دیپ چند کے منہ سے نکلا۔

”آپ واپس جائیے دیپ چند جی.....!“

راج کمار ماگھی راج نے سخت لہجے میں کہا۔

”ماگھی راج مہاراج.....! ماگھی راج مہاراج.....! فوجیں آرہی

ہیں، سپاہی اسی طرف آرہے ہیں۔“

”مم..... مگر کیوں آرہے ہیں وہ.....؟“

”مندر ڈھانے.....!“

”رام.....! رام.....! رام.....! کیا وہ یہ کام کر لیں گے.....؟“

”ہاں.....! وہ کوشش کریں گے۔ دیپ چند جی.....! میں آپ سے

کہہ رہا ہوں کہ اپنے گھر جائیے.....!“

”نہیں مہاراج.....! میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ آپ..... آپ ان

سپاہیوں سے کیا کہیں گے.....؟“

”جو کچھ چاہوں گا کہہ لوں گا۔ لیکن اگر آپ یہاں موجود رہے تو

شاید کوئی بری بات ہو جائے۔“

”میں پیچھے ہٹا جاتا ہوں۔ لیکن میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں

گا۔ ماگھی راج جی.....! میں آپ کو کسی بھی طور اکیلا نہیں چھوڑ سکتا، آخر میرا

بھی آپ سے کوئی سمبندھ ہے۔“

”اچھا.....! آپ پیچھے چلے جائیے.....! جائیے.....! جلدی

کیجئے.....!“

ماگھی راج نے راستے سے آتے سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے گھوڑے سے اتر کر تلوار سونت لی تھی اور پھر اس نے تلوار کی نوک زین میں دبائی اور خود سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے گھوڑے کی باگ پکڑ ہوئی تھی۔

راجہ کا بھیجا ہوا کارندہ ماگھی راج کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ تمام سپاہی احتراماً گھوڑے سے نیچے اتر آئے تھے۔ کارندہ حیرت سے ماگھی راج کو دیکھتا رہا جو مندر کے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا۔ سب اس نے پرنام کیا اور اپنی تلوار نکال کر نیچے رکھ دی۔

”ماگھی راج کی جے.....! آپ یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں  
مہاراج.....؟“

کارندے نے دست بستہ عرض کیا۔

”تم یہاں کیوں آئے ہو.....؟“

ماگھی راج نے سنگین لہجے میں اس سے پوچھا۔

☆☆☆



”مجھے مہاراج بدری راج نے بھیجا ہے۔“

کارندہ نے جواب دیا۔

”کس لئے بھیجا ہے.....؟“

”انہوں نے کہا ہے کہ مندر ڈھا دیا جائے اور اچھوتوں کو ان کی اس

جرات کی سزا دی جائے۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔ واپس لوٹ جاؤ.....! مندر نہیں ڈھایا جائے گا۔“

ماگھی اس کا محافظ ہے اور یہ ماگھی ہی کی مرضی سے تعمیر کا جا رہا ہے۔ مہاراج

بدری راج کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے ڈھانے کا حکم دیں۔“

”مم..... مہاراج ماگھی راج.....! آپ کی مرضی سے.....؟“

کارندہ چونک کر بولا۔

”ہاں.....! میری مرضی سے اور اگر مہاراج بدری راج کو یہ مندر اتنا

ہی ناگوار گزر رہا ہے تو پھر انہیں یہاں بھیج دو۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے ماگھی

راج کو قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد مندر کی کوئی اینٹ اپنی جگہ سے اُکھاڑی جائے گی۔“

”یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ماگھی راج جی.....؟“

”جو میں کہہ رہا ہوں جا کر وہی جواب دو.....! اور اگر اس پر عمل کرنا نہیں چاہتے تو آؤ مندر کی جانب بڑھو.....! میں صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ مندر کی جانب اُٹھنے والا کسی بھی سپاہی کا کوئی قدم میرے خلاف ہوگا اور میں اسے قتل کر دوں گا۔ ورنہ جاؤ واپس لوٹ جاؤ اور بدری راج مہاراج سے کہہ دو کہ ماگھی راج مندر کا محافظ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے مندر کو ڈھایا نہیں جاسکتا۔ ورنہ وہ بغاوت کر دے گا۔“

اور کارندہ واپس پلٹ پڑا۔

چند ساعت کے بعد گھوڑے واپس دریا پار کر رہے تھے اور اس کے چند ہی لمحات کے بعد اچھوتوں کا ایک ریلہ ماگھی راج جے جے کار کے نعرے لگاتا ہوا مندر کے پاس پہنچ گیا۔ تمام مزدور اپنے اپنے کاموں میں جت گئے اور ماگھی راج خاموشی سے دریا پار جاتے ہوئے گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔

تبھی دیپ چند اس کے پاس پہنچ گیا اور ماگھی راج چونک کر اس کو دیکھنے لگا۔ دیپ چند کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

”ماگھی راج کی جے.....!“

وہ آہستہ سے بولا۔

”مندر کا کام جاری رہے گا دیپ چند.....!“

ماگھی راج نے کہا۔

”جاری ہے مہاراج.....! لیکن کب تک.....؟“

”کیا مطلب.....؟“

”بات مہاراج کے کانوں تک پہنچ گئی ہے۔“

”ہاں.....! اور میرے خیال میں یہ بہت اچھا ہوا ہے۔“

”نہیں مہاراج.....! اچھا تو نہیں ہوا۔ مگر ہونا ہی تھا۔ ایسی باتیں

مجھ ہی تو نہیں رہ سکتیں۔“

”اب فیصلہ ہو جائے گا دیپ چند.....!“

”کیسا فیصلہ.....؟“

”بدری راج کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ انہیں ماگھی راج پیارا ہے یا

راج پاٹ.....؟“

”بالک کی ہٹ ہے ماگھی راج.....! اگر کچھ زیادہ بول جاؤں تو

معاف کرنا۔ اس ہٹ پر مجھے بہت پیارا آ رہا ہے۔“

’آپ میرے بزرگ ہیں دیپ چند جی.....! جو دل چاہے کہیں.....

کیا بات کرنا چاہتے ہیں.....؟“

ماگھی راج نے کہا۔

”آپ نے اگر بدری راج کو منا بھی لیا ماگھی راج مہاراج.....! تو

بھی راجہ بدری راج، سنگرام داس کو نہیں مناسکیں گے۔“

”سنگرام داس بڑے پجاری ضرور ہیں لیکن راج پاٹ کے کاموں

میں دخل دینے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے۔“

ماگھی راج نے کہا اور دیپ چند جی مسکرانے لگے۔ پھر بولے۔

”نہیں راج کمار.....! آپ ابھی چھوٹے ہیں۔ یہ سب کچھ تو یگ،

یگ سے ہو رہا ہے۔ برہمن راج تو ہمیشہ سے ہے۔ چھتری راجہ بنے ہیں۔ پر

اصل راج تو برہمنوں کے ہاتھ میں ہی ہے۔ آخری بات وہ ہوتی ہے

جو برہمن چاہتے ہیں۔ آپ دیکھ لیں سگرام داس جی وہ سب کچھ نہ ہونے دیں گے جو آپ اور ہم چاہتے ہیں۔ اچھوتوں کو بھی اگر برہمنوں کے برابر کا درجہ مل گیا تو صدیوں کی سازش ناکام ہو جائے گی۔ برہمنوں کا مان تھوڑا ہو جائے گا۔“

”لیکن اس سے برہمنوں پر کیا فرض پڑتا ہے.....؟“

”ہوگی..... مجھے اس کی چنتا نہیں ہے۔ مندر بن رہا ہے۔ رہنے دو۔

میں دیکھوں گا کہ لوگ اس کے خلاف کیا کرتے ہیں.....؟“

”ٹھیک ہے.....! ویسے میں ایک بات کہوں ماگھی راج جی.....!“

”ہاں ہاں.....! کہئے دیپ چند جی.....!“

”آپ نے اپنے آپ کو سچا کر دکھا ہے۔ اگر آپ کے من میں خجگنی

کا حصول ہے تو مندر بننے یا نہ بنے، اچھوتوں کو انسانوں کا حق ملے یا نہ ملے۔ میں خجگنی کو آپ کے چرنوں میں رہنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر آپ کے من میں اس کا خیال ہے تو وہ آپ کی ہے۔“

”آپ اس سے میرا دواہ کریں گے دیپ چند جی.....؟“

”ہاں.....! میرے من میں یہ ہی بات تھی ماگھی راج جی.....! کہ

آپ راج کمار ہیں۔ دوسرے راج کماروں کی طرح سندرناریوں سے کھیلنا پسند کرتے ہیں۔ اس لئے آپ خجگنی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پر آپ ایسے نہیں ہیں، دیپ چند کو اب آپ پر پورا دوشواش ہو گیا ہے۔“

”شکریہ دیپ چند جی.....! لیکن میں خجگنی کا اپمان نہیں کروں گا۔

میں اس سے پریم کرتا ہوں۔“

”اپمان.....؟“

دیپ چند نے کہا۔

”ہاں.....! وہ ماگھی راج کی رانی ہوگی۔ وہ اچھوتوں کا مان بڑھائے گی۔ میں اسے لوٹ کا مال نہیں سمجھوں گا۔ بلکہ ایک راجہ کی حیثیت سے اسے رانی بنا کر رکھوں گا۔“

”بھگوان آپ کو سکھی رکھے.....! آپ نے ہمیں بہت بڑی جگہ اے دی ہے۔“

دیپ چند نے ممنونیت سے کہا اور پھر ماگھی راج بولا۔

”میں اب چلتا ہوں دیپ چند جی.....! یہ پوری خبر پتا جی کو مل گئی ہوگی۔ اب ذرا ان سے بات ہو جائے۔“

”بھگوان آپ کی رکھشا کرے.....!“

دیپ چند نے کہا اور ماگھی راج اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کی طرف چل پڑا۔

سنگرام داس کون سی بات جھوٹی ہوتی تھی.....؟ جو کچھ انہوں نے کہا تھا، آج تک ٹھیک نکلا تھا۔ ان کے بھیجے ہوئے سوار جب واپس پہنچے تو دربار لہا ہوا تھا اور وہاں سنگرام داس بھی موجود تھا۔

”کیا مندر گرا دیا گیا.....؟“

”نہیں مہاراج.....!“

”کیوں.....؟“

بدری راج کے تیور چڑھ گئے۔

”جان کی امان پائیں تو کہیں.....؟“

”ہاں ہاں.....! کہو.....! کیا اچھوت مقابلے پر آ گئے تھے.....؟“

”اچھوت مقابلے پر آئے ہوتے تو انہیں ٹھیک کہا جاسکتا تھا۔ ہماری نگاہیں اتنی کند بھی نہیں ہیں کہ راجہ بدری راج کے حکم کے آگے سر اٹھانے

والوں کے سر نہ کاٹ سکیں۔ مگر مہاراج.....!“  
 ”مگر کیا.....؟“

”مگر ہمارے آگے راجہ آکھڑا ہو تو.....؟“  
 ”راجہ.....؟ کون راجہ.....؟“

”اس راج کا آئندہ ہونے والا راجہ.....!“  
 ”ماگھی راج.....؟“

”ہاں.....! راج کمار ماگھی راج.....!“  
 ”کیا وہ وہاں موجود تھا.....؟“

”ہاں.....! مہاراج.....! جب ہم مندر کے سامنے پہنچے تو راج کمار  
 ماگھی راج تلوار نکالے کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مندر تک پہنچنے سے پہلے  
 سپاہیوں کو ماگھی راج کی لاش سے گزرتا پڑے گا۔“  
 ”ماگھی راج.....؟ ماگھی راج.....؟ یہ ماگھی راج نے کہا.....؟“

”ہاں مہاراج.....!“  
 ”پھر کیا ہوا.....؟“

بدری راج پریشانی سے بولا۔

”اس کے بعد کس کی مجال تھی مہاراج.....! کہ کوئی مندر کی طرف  
 بڑھتا۔ ہم اُلٹے پیروں واپس چلے آئے۔“

بدری راج کی گردن جھک گئی اور وہ پریشانی سے سوچ میں ڈوب گئی  
 تھا اور سنگرام داس نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”کس چنتا میں ڈوب گئے بدری راج.....؟“

سنگرام داس کی آواز سن کر بدری راج نے گردن اٹھائی تھی۔

”دربار برخاست کیا جاتا ہے۔“

بدری راج نے کہا اور درباری اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد دربار میں صرف دو افراد رہ گئے۔ سنگرام داس اور بدری راج۔

”میں بھی جاؤں مہاراج.....؟“

سنگرام داس نے پوچھا۔

”آپ.....؟ آپ نہ جائیں۔ مہاراج.....! میں بہت پریشان

ہوں۔ کیا اس پریشانی میں آپ میرا ساتھ چھوڑ جائیں گے.....؟“

”سنگرام داس حاضر ہے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو.....؟“

”اب کیا کیا جائے.....؟ مہاراج.....! مانگھی راج بچہ ہے۔ ضد پراڑ

لگا ہے۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں.....؟“

”دھرم سنسار میں سب سے بڑی چیز ہے۔ بدری راج.....! دھرم

پانے کے لئے بہت کچھ بلیدان کرنا پڑتا ہے۔ مانگھی راج کی ضد دھرم کے

لے آ رہی ہے تو تمہیں سختی سے اس کے خلاف کام کرنا چاہئے.....!“

”مم..... مم..... مگر..... میں کیا کروں اب.....؟“

”ناپو اپنے من میں، دھرم اور سنتان کا پریم، ناپو، تولو اسے جو پلڑا

ماری پڑے، اس کے مطابق کام کرو۔ کبھی کبھی ایسے امتحان آتے ہی ہیں۔

ہاؤں کے لئے کبھی کبھی ایسی ہی پریشانیاں جنم لیتی ہیں اور چھتری ایسے ہی

میں پر صحیح فیصلے کرتے ہیں۔ ورنہ انہیں راج پاٹ کے لئے چنا کیسے

.....؟“

”آپ میری سہائتا کیسے کریں گے مہاراج.....؟“

”کروں گا اوش کروں گا پر ابھی نہیں۔ جب تم تھک جاؤ گے اس

جب تم کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکو گے۔“

سنگرام داس چلے گئے اور بدری راج دیر تک وہاں کھڑا سوچتا رہا۔

پھر وہ محل میں واپس آ گیا۔ اندر شکری موجود تھی۔ شکری پر نگاہ پڑتے ہی وہ چونکا اور پھر اس کے پاس پہنچ گیا۔

”شکری.....! تم بھی اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کرو گی.....؟“

”میں حاضر ہوں ناتھ.....! حکم دو.....! کیا کروں میں.....؟“

”تمہیں مندر کی کہانی معلوم ہے.....؟“

”نہیں.....!“

”اوہ..... اوہ شکری.....! تم رانی ہو۔ راج پاٹ کے معاملات سے

اتنی بے خبر بھی نہ رہا کرو.....!“

”ہم بھی تو انسان ہیں شکری.....! بعض اوقات پریشان ہو جاتے

ہیں۔“

”پر بات کیا ہے ناتھ.....!“

”وہی..... ماگھی راج کا معاملہ.....!“

”اوہ.....! اب کیا بات ہوئی.....؟“

”وہ ضد پر اڑ گیا۔“

”کیسی ضد پر.....؟“

”ایک ایسی انہونی کرنا چاہتا ہے جو سنسار میں کبھی نہیں ہوئی۔ تمہیں

معلوم ہے کہ وہ اچھوتوں کو برہمنوں اور دوسری اونچی ذاتوں کے برابر لانے

کی کوشش میں لگا ہوا ہے.....؟“

”ابھی تک اس کے من سے یہ بھوت نہیں اُترا.....؟“

”ہاں.....! ابھی تک نہیں اُترا.....! یہ بھوت بلکہ اور..... اور چڑھتا

ہی چلا جا رہا ہے۔“

”کوئی اور بات ہوئی ہے.....؟“



”ہاں شکری.....! بہت بڑی بات.....! اتنی بڑی کہ مجھے بھرے دربار میں ذلیل ہونا پڑا ہے۔“

”بھگوان نہ کرے.....! کیا ہوا.....؟ مجھے تفصیل تو بتائیں.....!“

شکری نے پریشان لہجے میں کہا۔

”ماگھی راج نے اچھوتوں کو برابری کا درجہ دینے کا جو بیڑہ اٹھایا ہے، اس سلسلے کی کارروائی شروع کر دی ہے۔ وہ دریا پار اچھوتوں کے لئے ایک مندر بنوا رہا ہے اور اس کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔“

”اچھوتوں کے لئے الگ مندر.....؟“

”ہاں شکری.....!“

راجہ بدری راج نے شکری کو پوری کہانی سنا دی اور شکری بھی سوچ میں پڑ گئی۔

”برہمن کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیں گے راج میں کھنڈت پڑ جائے۔ اگر ماگھی راج نہ مانا تو۔“

”یہ تو ہے.....! پر کیا کیا جائے.....؟“

”تم ہی اسے سمجھاؤ.....! شکری.....! تم ماں ہو۔ ممکن ہے تمہاری بات مان جائے۔ یہ بھی پوچھو اس سے کہ کیا وہ بنجوگنی سے پریم کرنے لگا ہے.....؟ اگر ایسی بات ہے تب بھی اس کا اپائے کیا جائے۔“

”میں بات کروں گی اس سے۔“

”کروں گی نہیں کرو.....! فوراً کرو.....! کھیل بگڑ گیا تو خود ہمیں بھی اس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔“

”ٹھیک ہے.....! میں اسے بلواتی ہوں۔ اس کے بعد آپ اس سے بات کریں۔ پہلے میں کوشش کر لوں۔“

شکری نے کہا اور بدری راج نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ تو باہر نکل گیا اور شکری نے ماگھی راج کی تلاش شروع کر دی۔

اتفاق کی بات کہ ماگھی راج بھی اس وقت محل میں داخل ہوا تھا۔ شکری کا سندیس ملا تو وہ اس کے پاس پہنچ گیا۔

”آؤ.....! ماگھی راج.....! کہاں سے آرہے ہو.....؟“

شکری نے پیار سے کہا۔

”دریا پار سے آرہا ہوں ماتا جی.....!“

”دریا پار سے.....؟ اچھوتوں کی بستی سے.....؟“

”ہاں ماتا جی.....!“

”وہاں کیوں گئے تھے.....؟“

”آپ کو سب معلوم ہوگا ماتا جی.....! پھر ایسی باتیں کیوں کر رہی

ہیں.....؟“

”کیونکہ مجھے تم سے ساری باتیں کرنے کا حق ہے۔ میں تمہاری ماں

ہوں۔“

”اس بات سے کسے انکار ہے.....؟“

”بیٹھ جاؤ.....! میں تم سے بات کروں گی۔“

رانی شکری نے کہا اور ماگھی راج بیٹھ گیا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے ماں

کو دیکھ رہا تھا۔

”تمہارے سر سے اچھوتوں کا بھوت نہیں اُترا ابھی.....؟“

”کبھی نہیں اُترے گا۔ ماتا جی.....! میں نے ایک نیک کام کے لئے

قدم اٹھایا ہے۔ بھگوان نے سارے انسان ایک جیسے بنائے ہیں تو پھر انسان کو

یہ ادھیکار کس نے دیا کہ وہ اپنے ہی جیون کو جانوروں سے بدتر بنا

”اے.....؟“

”یہ صدیوں کی ریت ہے۔ ماگھی راج.....!“

”جو کام صدیوں سے غلط ہو رہا ہے۔ ہم اسے ریت کیوں

ہائیں.....؟ اس کام کو ٹھیک کیوں نہ کریں.....؟“

”وہ کام غلط نہیں ہے۔ ماگھی راج.....! بھگوان نے چار ذاتیں بنائی

ہیں۔ انہیں جوں کا توں رہنا چاہئے.....!“

”ہر کام انسان کا ہے۔ ماتا جی.....! اس نے گدھے گھوڑے اور

دوسرے جانور بھی بنائے ہیں۔ ان کی شکلیں الگ الگ بنائی ہیں۔ کیونکہ اس

میں فرق رکھنا تھا۔ اگر انسانوں میں بھی اس سے فرق رکھنا ہوتا تو وہ ہر ذات

کے انسان کی شکل ہی الگ بناتا۔ اس بات کا دوش بھگوان کو نہ دو.....!“

”ماگھی راج.....! کیوں پاگل ہو رہا ہے.....؟ تو کیوں اپنے پتا کے

لئے مشکلات پیدا کر رہا ہے.....؟“

”پتا جی میرے لئے کیوں مشکلات پیدا کر رہے ہیں.....؟ ماتا

جی.....! ان سے کہو آگے بڑھ کر اچھوتوں کو انسانوں کا درجہ دیں۔ رہتے

مسار تک ان کا نام رہے گا۔ لوگ پوچھیں گے انہیں.....!“

”میں نے ایک اور بات سنی ہے ماگھی راج.....!“

”یہ بھی بتا دیں ماتا جی.....!“

”تو کسی اچھوت لڑکی سنجوگنی سے پریم کرنے لگا ہے.....؟“

”ہاں ماتا جی.....! یہ درست ہے۔ اس بات سے انکار کر کے میں

مہمانی کا اہمان نہیں کروں گا۔“

”کیا وہ تجھے ان باتوں پر اُکساتی ہے.....؟“

”وہ تو اتنی پوتر ہے، اتنی معصوم ہے کہ سنسار کی باتوں میں اس کا

کوئی دخل نہیں ہے۔ اسے کوئی الزام نہ دینا ماتا جی.....!“

”الزام نہیں دے رہی ماگھی راج.....! بلکہ ایک اور ترکیب

میرے من میں.....!“

”کیا.....؟“

”اگر تو چاہے تو میں خاموشی سے اسے تیرے لئے اٹھوا لوں.....

راج کمار ہے۔ اسے پوتر کر کے اپنے پاس رکھ اور جب اس سے من  
جائے تو خاموشی سے ہم اسے قتل کرا کے دریا میں پھینکوا دیں گے۔“

”ماتا جی.....!“

ماگھی راج کا چہرہ غصے سے لال بھسوکا ہو گیا۔

”ایک ماں اپنے بیٹے سے یہ بات کہہ رہی ہے.....؟ نہیں ما

جی.....! آپ ایسی باتیں نہیں کہہ سکتیں۔ آپ ایسی بات کہہ کر ماں پر

بیٹے کا یقین نہیں اٹھا سکتیں۔ ماتا جی.....! آپ یہ بات کبھی نہیں کہ

سکتیں.....!“

ماگھی راج پر جنون کی کیفیت طاری ہو گئی۔

”ماں ہوں اس لئے یہ بات پوچھ رہی ہوں۔ تیرا جیون مجھے

سارے سنار سے زیادہ پیارا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تو کسی کشٹ میں

پڑے۔“

”نہیں ماتا جی.....! بھگوان کے لئے آئندہ ایسی بات نہ کہنا.....!

ورنہ میں تمہیں ماں سمجھنا چھوڑ دوں گا۔ ماں ایسی بات نہیں کر سکتی۔ وہ تمہاری

بہو ہے۔ اسے احترام سے بیاہ کر لانا ماتا جی.....! جیسے راج محل کی رانیاں

آئی ہیں۔ اس کے بارے میں اگر ایسے برے الفاظ پھر کہے ماتا جی.....! تو

میں جیون بھر تمہارے سامنے نہیں آؤں گا۔“

”تو بتا میں کیا کروں.....؟“

”کچھ نہیں.....! خاموش رہو.....! میرا مان سچا ہے۔ جو کچھ میں کر

رہا ہوں مجھے کرنے دو.....!“

ماگھی راج نے کہا اور شکری پریشانی سے گردن ہلانے لگی۔ ماگھی راج

وہاں سے اٹھ گیا تھا۔



شکری نے ماگھی راج کا جواب بدری راج کو دے دیا تھا اور بدری راج غصے سے آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

”اگر ماگھی راج اسی طرح ضد پر اڑا رہا تو حالات بہت خراب ہو جائیں گے۔ شکری.....! ہمیں ماگھی راج کو قید کرنا پڑے گا۔“

”جو کچھ کریں..... سوچ سمجھ کر کریں مہاراج.....! ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔“

شکری نے روتے ہوئے کہا۔

”بدری راج مہاراج.....! دربار میں داخل ہوا تو سنگرام داس موجود

نہ تھا۔ اسے پتہ چلا کہ سنگرام داس نے مندر چھوڑ دیا ہے۔“

”مندر چھوڑ دیا ہے.....؟ کہاں چلے گئے ہیں.....؟“

”شام نگر میں مہاراج.....!“

”مگر کیوں.....؟“

”ان کا کہنا ہے کہ محل میں ایک ملیچہ آیا ہے اور وہ ماگھی راج ہے۔“

”سنگرام داس کو ماگھی راج کو ملیچہ نہیں جانا چاہئے۔ وہ راج کمار

ہے، راستے سے بھٹک گیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے مگر جوانی ایسی ہی چیز ہوتی

ہے۔ وہ راستے پر بھی آ سکتا ہے۔“

”جی مہاراج.....!“

”سنگرام داس کو میرا سندیس دو۔ ان سے کہو کہ راجہ بدری راج نے انہیں بھی طلب کیا ہے۔“

ہرکارے دوڑ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پنڈتوں اور پجاریوں کی پوری فوج کے ساتھ گرو سنگرام داس جی دربار میں داخل ہو گئے۔ تمام درباری حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

”میں نے صرف آپ کو بلایا تھا سنگرام داس مہاراج.....!“

”نہیں بدری راج.....! مجھے معلوم ہے کہ تم بیٹے کہ ہاتھوں میں کھلونا بن گئے ہو لیکن ہم لوگ دھرم رکھشا کریں گے۔“

”میں بھی دھرم رکھشا کرنا چاہتا ہوں مہاراج.....!“

”تم نے کیا کیا ہے اس کے لئے.....؟“

”میں سوچ رہا ہوں مہاراج.....!“

”تم سوچ رہے ہو اور ادھر مندر پورا ہوا جا رہا ہے.....؟“

”میں اس پر فوراً عمل کروں گا۔ گرو جی.....! میری مجال ہے کہ میں

آپ کے حکم کے خلاف کوئی کام کروں.....؟“

”تم نہ کر سکو گے بدری راج.....! میرا گیا کہتا ہے تم کچھ نہ کرو

گے.....! سنو بدری راج.....! میں نے ابھی تک تمہارے خلاف کوئی کام نہیں کیا لیکن یہ ہمارا فرض ہے۔ میں اونچی ذات کے لوگوں کو جمع کروں گا اور ان سے بات کروں گا۔ میں ان سے پوچھوں گا کہ دھرم رکھشا کے لئے وہ کیا کر سکتے ہیں.....؟“

”اوش کروں گا۔ بدری راج.....! اوش کروں گا۔ دیس پر جب

آفت آتی ہے تو چھتریوں کا فرض ہے کہ وہ سینہ تان کر کھڑے ہو جائیں اور دیش کی رکھشا کریں اور جب دھرم پر آفت آتی ہے تو اس سے برہمنوں کو آگے بڑھ کر اس آفت کو روکنا پڑتا ہے۔

بدری راج اور میں دیکھ رہاں ہوں کہ دھرم خطرے میں پڑ گیا ہے۔ وہ بات اٹھائی گئی ہے جو یگ، یگ سے کبھی نہیں اٹھی تھی۔ تم اس بات کو معمولی سمجھتے ہو گے بدری راج.....! پر میرے لئے یہ معمولی بات نہیں ہے۔ جاؤ تم اپنے بیٹے کی چنتا کرو اور میں اپنے دھرم کی۔“

سنگرام داس نے کہا اور بدری راج کی گردن جھک گئی۔ پھر کافی دیر کے بعد وہ بولا۔

”نہیں مہاراج.....! دھرم کی رکھشا کرنے میں بھی میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں دھرم کا ایمان نہیں کروں گا۔“

”ہر راجہ کا یہ ہی فرض ہوتا ہے بدری راج.....! مگر بات تمہارے بیٹے کی ہے۔ اگر کہیں اور سے یہ فتنہ اٹھتا تو مجھے یقین ہے کہ یہ اب تک دبایا جا چکا ہوتا مگر راج کمار.....! بدری راج کے خلاف تمہاری تلوار کبھی نہ اٹھے گی۔“

”تلوار.....؟“

بدری راج چونک پڑا۔

”ہاں تلوار.....!“

”مم..... مگر مہاراج.....! اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

بھگوان ہماری رکھشا کرے.....! اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“

”میری آنکھیں بہت دُور دیکھ رہی ہیں، بدری راج.....! کس کی

ضرورت پیش آئے گی.....؟ اور کسی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی.....؟ یہ

میں اُپھی طرح جانتا ہوں۔“

”تو آپ میری سہائتا کیوں نہیں کرتے، سنگرام داس مہاراج.....؟“  
 ”میں تمہاری ہر سہائتا کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن تمہیں مجھے اس بات کا وشواش دلانا ہوگا۔ تم دھرم کی سیوا کرنے کے لئے سارے رشتے ناطے بھول جاؤ گے اور وہ کام کرو گے جو دھرم کے حق میں بہتر ہوگا۔“

”میں آپ کو وشواش دلاتا ہوں مہاراج.....!“

”ٹھیک ہے بدری راج.....! میں بھی تمہارے خلاف کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا لیکن یہ جان لو.....! دھرم کی سیوا کے لئے ہم لوگوں کا جیون ہوتا ہے۔“

”مجھے احساس ہے.....!“

”تو پھر میں اس لمحے تک تمہارا انتظار کروں گا۔ جب تک اس سلسلے میں تم مجھے یہ نہیں بتا دیتے کہ تم کامیاب رہے ہو یا ناکام.....؟“

”ٹھیک ہے مہاراج.....!“

”مند رکب تک گر جائے گا.....؟“

سنگرام داس نے پوچھا۔

”اوش بہت جلد.....!“

بدری راج نے کہا اور سنگرام داس نے گردن ہلا دی۔

”اور کچھ پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے.....؟“

”نہیں مہاراج.....! میں بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں اس وقت تک جب تک میں اپنی ناکامی کا اعلان نہ کر دوں۔“

”مجھے منظور ہے بدری راج.....!“



سنگرام داس نے کہا اور مڑ کر واپس چل پڑا۔ بدری ناتھ کے چہرے پر پریشانی ہی پریشانی تھی۔ پھر اس نے اپنے منتری کو بلایا اور بولا۔  
 ”ماگھی راج کو دربار میں پیش کیا جائے۔“

”جو آگیا مہاراج.....!“

منتری جی نے کہا اور سپاہی ماگھی راج کی تلاش میں دوڑا دیئے۔  
 ماگھی راج محل ہی میں گیا تھا۔ سپاہیوں نے جب اسے بدری راج کا سندیس دیا تو وہ فوراً ان کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد دربار میں پہنچ گیا۔

سوامی سنگرام داس واپس جا چکے تھے لیکن اہل دربار میں ابھی تک چہ میگوئیاں جاری تھیں، ماگھی راج کو دیکھ کر راجہ بدری راج نے کہا۔  
 ”ماگھی راج.....! اس وقت ہم نے تمہیں ایک بیٹے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کی حیثیت سے بلایا ہے جو ریتوں اور رواجوں کے خلاف ہمارا دھرم بھرٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”مہاراج نے مجھے جس طرح بھی بلایا ہے میں حاضر ہوں۔“

ماگھی راج نے جواب دیا۔

”ہمیں جواب دو ماگھی راج.....! کیا دریا پار مندر کی تعمیر کا حکم تم

نے دیا ہے۔“

”نہ صرف حکم مہاراج.....! بلکہ میں نے اس کے لئے سرمایہ بھی

فراہم کیا اور مزدور بھی۔“

ماگھی راج نے بے خونی سے جواب دیا۔

”تم نے ایسا کیوں کیا ماگھی راج.....؟“

”اس لئے مہاراج.....! کہ میں اپنے جیون میں کچھ اصولوں کا

انتخاب کر لیا ہے۔“

”چاہے وہ غلط ہوں.....!“

بدری راج نے پوچھا۔

”نہیں مہاراج.....! آپ کا دھرم کہتا ہے۔ اچھوت انسان نہیں ہیں۔ انہیں انسانوں کا درجہ نہ دیا جائے۔ ان کے ساتھ جانوروں کا سلوک کیا جائے۔ میرے خیالات اس سے مختلف ہیں۔ میں پھر وہی مثال پیش کرتا ہوں۔ اگر بھگوان انسانوں میں فرق رکھنا چاہتا تو ان کی شکلیں بھی جانوروں کے سے انداز میں مختلف بناتا لیکن بھگوان نے تمام انسانوں کی شکلیں ایک سی بنائی ہیں اور تمام انسانوں کی شکلیں ایک جیسی بنانے کا مقصد یہ ہے کہ بھگوان انسانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھنا چاہتا۔ میں اس پر کاش کو لے کر آگے بڑھا ہوں اور اگر مجھے راجہ بننے کا موقع ملا تو میں کم سے کم اپنی ریاست سے اچھوتوں کا فرق ختم کر دوں گا۔ مندر کی تعمیر اس کی ابتداء ہے۔“

”لیکن شودروں کے مقدر بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔“

”کیوں نہیں دی جاسکتی.....؟ جب بھگوان ایک ہے اور اسی بھگوان کو برہمن مانتے ہیں اور اسی کو شودر، اسی بھگوان کی پوجا برہمن کرتے ہیں اور اسی کی نیچ ذات تو پھر بھگوان کی پوجا کے لئے وہ اپنے لئے کوئی جگہ کیوں نہیں بنا سکتے.....؟ مندر ضرور بنے گا، ضرور بنے گا۔“

ماگھی راج نے کہا۔

درباریوں کی آنکھوں میں خوف کے آثار ابھر آئے تھے۔ ماگھی راج نے جس طرح یہ الفاظ کہے تھے۔ اس سے اس کے عزم کی پختگی جھلکتی تھی۔

چند ساعت کے لئے تو بدری راج بھی دنگ رہ گیا تھا۔ پھر اس نے تھوڑی دیر قبل ہونے والی گفتگو کا خیال کیا اور چونک پڑا۔ اس کی گدی

خطرے میں تھی۔ اگر برہمنوں نے اس کے خلاف تحریک چلا دی تو کیا ہوگا.....؟

”ایک بار پھر سوچ لو ماگھی راج.....!“

”میں نے سوچ سمجھ کر ہی یہ قدم اٹھایا ہے۔“

”تو پھر تمہیں راج کے اصولوں کے خلاف عمل کرنے کے الزام میں

گرفتار کیا جاتا ہے۔ سپاہیو.....! ماگھی راج کو گرفتار کر لو.....!“

بدری راج نے کہا۔

سپاہی ماگھی راج کے چاروں طرف آکھڑے ہوئے تھے۔

”میں آپ کے حکم سے گرفتار ہونے کو تیار ہوں لیکن درباریوں کے

سامنے ایک بات ضرور سن لیں۔ اگر مندر گرا دیا گیا۔ اگر ایک بھی اچھوت کو

مندر کی تعمیر کے سلسلے میں قتل یا گرفتار کیا گیا تو مجھے اس ریاست کا باغی سمجھا

جائے۔“

”لے جاؤ..... اور قید خانے میں ڈال دو.....!“

بدری راج نے کہا اور سپاہی ماگھی راج کو دربار سے لے گئے۔



شیکھر، دیپ چند کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں سے پریشانی

جھلک رہی تھی۔ دیپ چند جی.....! مندر کے پاس کھڑی بدستور تعمیر کرا رہے

تھے۔

”کیا بات ہے شیکھر.....!“

دیپ چند نے پوچھا۔

”غضب ہو گیا۔ دیپ چند جی.....!“

”ماہی راج مہاراج گرفتار کر لئے گئے۔“

”اوہ.....! کیوں.....؟“

”شودروں کی حمایت کرنے پر۔“

”راجہ نے ہی انہیں گرفتار کیا ہوگا۔“

”ہاں..... مہاراج.....!“

”میں جانتا تھا۔ ایسا ہی ہوگا۔ برہمن کبھی ہمیں مندر بنانے نہ دیں

گئے۔“

”ٹھیک ہے.....! بھائیو.....! کام روک دو.....!“

انہوں نے اعلان کیا اور مزدور رُک گئے وہ سب نیچے اُتر آئے

تھے۔

”کیا ہو گیا مہاراج.....؟“

انہوں نے پوچھا۔

”ماگھی راج گرفتار ہو گیا ہے اور ہم پر قیامت نازل ہونے والی

ہے۔ تیار رہو.....! ہمیں راجہ کے عتاب کا شکار ہونا پڑے گا۔“

بستی میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا اور دوپہر کو خود راجہ بدری راج

کی سرکردگی میں سینکڑوں مسلح فوجی دریا پار کرنے لگے۔ اچھوت اپنے گھروں

میں چھپے ہوئے تھے۔

دریا پار کر کے بدری راج مندر کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں اسے صرف

ایک آدمی نظر آیا تھا اور یہ دیپ چند تھا۔ راجہ نے اسے اپنے سامنے طلب کیا

اور دیپ چند بے خونی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔

”تم دیپ چند ہونا.....؟“

”جی مہاراج.....!“

”سجو گئی کے پتا.....!“

”آپ کا خیال ٹھیک ہے.....!“

”تم ہم سے اپنے بیٹے کی موت کا بدلہ لے رہے ہو نا دیپ  
چند.....! تمہارا بیٹا ہمارے سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ تم نے بڑی  
چالاکی سے ہمارے بیٹے کے خلاف کام شروع کر دیا۔ یہی تمہاری کوشش تھی  
دیپ چند.....!“

”یہ مندر کیوں تعمیر ہو رہا ہے.....؟“

”پوچا کے لئے.....!“

”کیا یہ ریت کے خلاف نہیں ہے.....؟“

”یہ ریت غلط ہے مہاراج.....! بات بھگوان کی ہے اور برہمن ہمیں  
اس بات کا حق کبھی نہیں دیں گے کہ ہم کسی دوسرے بھگوان کو پوجیں،  
ہاں.....! اگر وہ یہ کہہ دیں کہ اچھوتوں کے بھگوان دوسرے ہیں تو ہم کبھی یہ  
مندرنہ بنائیں گے۔“

”تمہیں وہی کرنا چاہئے جو کرتے چلے آئے ہو۔“

”اس میں ہمارا دوش نہیں ہے مہاراج.....! مانگھی راج کمار یہ مندر  
اپنے نام سے بنوا رہے ہیں۔ ہم انہیں کیسے منع کرتے.....؟“  
”اگر میں یہ مندر گرا دوں تو تم مداخلت کرو گے۔“  
”نہیں مہاراج.....! ہم راج کے وفادار ہیں۔“

”یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ سپاہیو.....! مندر گرا دو.....!“

بدری راج نے حکم دیا اور سپاہی ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد  
وہاں ملبہ نظر آ رہا تھا اور گھروں میں گھسے ہوئے اچھوتوں کی آنکھوں سے آنسو  
رواں تھے۔

یہی غنیمت تھا کہ اچھوتوں کو اس سلسلے میں کوئی سزا نہیں دی گئی تھی اور اس کے پس منظر میں ماگھی کی دھمکی کام کر رہی تھی۔ دیپ چند خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ راجہ کا کام ختم ہو گیا۔

بدری راج واپس کے لئے پلٹا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد دریا پار کر گیا۔ اچھوتوں کی بستی پر گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ جب سارے فوجی دریا پار کر گئے۔ تو وہ سب گھروں سے نکل آئے۔ ان کے چہرے فریاد بنے ہوئے تھے۔

تب دیپ چند نے کہا۔

”کسی راجہ کے لئے یہ شگون اچھا نہیں ہوتا بھائیو.....! بدری راج نے مندر گرایا ہے۔ اس نے بھگوان کا گھر توڑا ہے۔ بھگوان اس کا گھر نہیں چھوڑے گا۔ پر تم ایک پراتھنا ضرور کرو۔“

”وہ کیا..... دیپ چند جی.....!“

لوگوں نے پوچھا۔

”بھگوان اس ٹوٹے گھر سے ماگھی راج کو نقصان نہ پہنچائے۔ بہت بڑا وقت آنے والا ہے۔ بہت بڑا جاؤ اپنے گھروں کو جاؤ.....!“

دیپ چند خود بھی آہستہ آہستہ اپنے گھر کی طرف واپس پلٹ پڑے۔



دریا پار اچھوتوں کی بستی میں مایوسی اور ویرانی پھیل گئی تھی۔ اچھوت جو مندر بننے کی خوشی میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا کوئی تہوار ہو اور اس تہوار کے خیال سے وہ خوش نظر آتے تھے۔ اب ان کے چہرے پر مایوسی دوڑ گئی تھی۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ بدری راج مہاراج کبھی مندر بننے نہیں

اے گے۔

بہر صورت اچھوت صدیوں سے برہمنوں کے ظلم سہہ رہے تھے اور صدیاں ہی بیت گئی تھیں۔ انہیں یوں ہی گزارتے ہوئے اور اسی طرح زندگی گزارنا ان کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔ بھلا انہیں برہمنوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ پوجا کرنے کی اجازت کیسے مل سکتی تھی.....؟ وہ تو تھے ہی بیچ ذات۔ ہاں ان بیچ ذات والوں نے کبھی سرکشی کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ کبھی کسی کی عزت اور حمیت پر ایسی ہی شدید ضرب پڑتی تو وہ تڑپ اٹھتا تھا اور یہ تڑپ بعض اوقات باغیانہ سرگرمیاں بھی اختیار کر لیتی تھی اور ان دنوں ہدری راج کی ایک پڑوسی ریاست کا اچھوت باغی تیواڑی لعل بہت ہی مشہور تھا۔

راجہ تلک راج نے تیواڑی کا سرکاٹ کر لانے والے کے لئے بہت بڑا انعام رکھا تھا لیکن ابھی تک وہ تیواڑی لعل کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہیں کر سکا تھا۔

تیواڑی اچھوتوں کے ایک گروہ کے ساتھ پہاڑوں میں چھپا رہتا تھا اور ریاست کے قافلوں کو وہ لوٹا تھا۔ اپنی اس حیثیت سے وہ بہت مشہور تھا اور اس کا یہ خوف ریاست کے چپے چپے میں پھیلا ہوا تھا۔

بات صرف یہ ہی تھی، وہ بھی اچھوت تھا اور برہمنوں کی کسی ایسی انتہائی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا جس نے اس کی حمیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ سب سے اس نے برہمنوں کے خلاف بغاوت کا علم اٹھا لیا اور ابھی تک لہایت کامیابی کے ساتھ وہ ان پر ضربیں لگا رہا تھا۔

باغی اچھوتوں کے گروہ اس سے جا ملتے تھے اور اس طرح ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

لیکن راجہ تلک راج ابھی تک ان لوگوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکا تھا۔ گویا اس کی فوجیں پہاڑوں اور جنگلوں میں بھٹکتی رہا کرتی تھیں۔ لیکن اسے نقصان کی خبریں ہی ملتی رہا کرتی تھیں۔ یوں ابھی تک تیواڑی کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہیں ہو سکی تھی اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ تیواڑی کے مخبر راجہ تلک راج کی نقل و حرکت اور قرب و جوار کے علاقوں کا گہری نگاہوں سے جائزہ لیتے رہتے تھے اور تیواڑی کو اس سے باخبر رکھتے تھے۔ یوں تیواڑی ابھی تک اپنے دشمنوں کے خلاف صف آراء تھا۔

تیواڑی لعل کی کمین گاہ پہاڑی غاروں میں تھی۔ اس شام جبکہ باہر ننھی بوندیں برس رہی تھیں اور غاروں کے اندر جلتی مشعلوں کی روشنی میں اچھوت ڈاکو اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے کہ سنگھ بجنے کی آواز سنائی دی اور تیواڑی چونک پڑا۔ اس نے اس آواز کو بغور سنا اور پھر اس کے چہرے پر اطمینان کی لہریں پھیل گئیں۔

سنگھ کی آواز میں جو اشارے تھے۔ ان کی بھی مختلف قسمیں تھیں۔ کسی خطرے کا اشارہ کیا جاتا تو سنگھ رُک رُک کر بار بار بجتا۔ کسی انوکھی بات کا اشارہ ہوتا تو پھر سنگھ تھوڑی دیر تک بجتا۔ پھر رُک جاتا۔ پھر بجتا اور پھر رُک جاتا تھا اور اس وقت یہی کیفیت تھی۔ غالباً کوئی مخبر ان پہاڑوں کی طرف آ رہا تھا۔

آنے والا گھوڑے پر سوار تھا اور تیز رفتاری سے اسی جانب آ رہا تھا۔ غار کے دہانے پر کھڑے ہوئے لوگوں نے اس کا استقبال کیا اور اسے ارجمند کے سامنے پہنچا دیا۔ چوڑے شانے اور مضبوط ہاتھ پاؤں کے تیواڑی آ آنے والے کو دیکھا اور پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

”تم تو شاید سرحد پار گئے ہوئے تھے۔“



”ہاں مہاراج.....! میں بدری راج کی حکومت میں گیا تھا۔“

”اچھا اچھا.....! کوئی خبر لائے ہو کیا.....؟“

”ہاں..... مہاراج.....!“

”کیا خبر ہے.....؟“

تیواڑی نے دلچسپی سے پوچھا۔

”بڑی دلچسپ خبریں۔ مہاراج.....!“

”اوہ.....! تو جلدی بناؤ.....!“

تیواڑی اشتیاق سے بولا۔

”اچھوتوں کے ساتھ تو سارے بھارت ورش میں ایک ہی سلوک

ہوتا ہے۔ لیکن اس بار ایک ایک انوکھی مثال سامنے آئی ہے جس نے مجھے

حیران کر دیا ہے۔“

”بتاؤ..... بتاؤ..... کیا بات ہے.....؟ جلدی بتاؤ میں سننے کے لئے

بے چین ہوں۔“

تیواڑی نے کہا۔

”بدری راج مہاراج کو آپ جانتے ہیں۔“

”ہمارے پڑوسی ملک کا بادشاہ ہے۔“

”جی ہاں وہی.....!“

”ہاں.....! اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

تیواڑی نے کہا۔

”اور ماگھی راج کو بھی.....!“

”ظاہر ہے.....! بدری راج کا بیٹا ماگھی راج بھی کسی تعارف کا محتاج

نہیں ہے۔“

”لیکن ماگھی راج کی اصلیت بڑی انوکھی ہے مہاراج.....!“  
 ”تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ جو بات ہے۔ مجھے صاف صاف

بتاؤ.....!“

تیواڑی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”وہی بتانے جا رہی ہوں۔ مہاراج.....! یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ بدری راج کی راجدھانی کے اور..... اور اچھوتوں کی بستی کے بیچ ایک دریا بہتا ہے۔ سارے اچھو دریا پار رہتے ہیں اور جب بدری راج کا رتھ نکلتا ہے تو اچھوتوں کو اجازت نہیں ہوتی کہ اس کے سامنے آئیں۔“

آنے والے منجر نے کہا اور تیواڑی بیزاری سے اسے دیکھنے لگا۔

”یہ حال تو پورے بھارت ورش کا ہے، پورن داس.....! یہ کون سی

نئی بات ہے.....؟ تم وہ بات بتاؤ..... جو ہم نے تعلق رکھتی ہے۔“

”دھیرج رکھیں مہاراج.....! دھیرج رکھیں.....! بات جب تک

پوری طرح نہیں کھلے گی اس وقت تک آپ کچھ نہ سمجھ سکیں گے۔ ہوا یوں تھا کہ دیپ چند نامی ایک اچھوت کا بیٹا راجہ بدری راج کے بیٹے ماگھی راج کا رتھ دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اس کی پاداش میں ماگھی راج کے سپاہیوں نے اس اچھوت بچے کو کچل کر مار ڈالا۔“

تیواڑی لعل کا چہرہ بگڑ گیا۔

”یہ ظلم تو ہم پر ہمیشہ ہی سے ہوتا رہا ہے۔“

”ہمیشہ تو ہوتا رہا ہے۔ پر اس سے ایک انوکھی بات ہوئی۔“

”وہ کیا.....؟“

”مہاراج.....! ماگھی راج نے اپنے رتھ سے اُترا اور اس سپاہی کو

ہنٹر مار مار کر ادھر ادھر کر دیا جس نے اس بچے کو کچلا تھا۔ راج کمار ماگھی راج

اس واقعہ سے اتنا دلبرداشتہ ہوا کہ اس نے بھرے دربار میں اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ بدری راج کے بعد اس ریاست کا راجہ بنے گا تو اچھوتوں کو برابر کا درجہ دے گا۔“

”کیا..... کیا بک رہے ہو، پورن داس.....؟“

”ہاں مہاراج.....! میں سچ کہہ رہا ہوں۔“

”کیا یہ ممکن ہے پورن داس.....؟ کیا یہ ممکن ہے.....؟“

تیواڑی لعل نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”ہاں مہاراج.....! یہ بات اس نے بھرے دربار میں کہی تھی۔“

”درباریوں پر کیا اثر ہوا.....؟“

تیواڑی نے پوچھا۔

”ہنگامہ ہو گیا، مہاراج.....! زبردست ہنگامہ.....! سب حیران

ہو گئے تھے۔ وہاں کے بڑے سنگرام داس نے راجہ بدری راج کو پریشان کر کے رکھ دیا لیکن ماگھی راج یہ بات صرف غصے اور جوش میں نہیں کہہ گیا تھا۔ بلکہ اس نے اس کا مکمل ثبوت بھی دیا۔“

”وہ کس طرح.....؟“

”ماگھی راج اچھوتوں کی بستی میں آیا اور اس نے اچھوتوں سے کہا

کہ وہ مندر بنائیں۔ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ چنانچہ اچھوتوں نے مندر بنانا شروع کر دیا لیکن ظاہر ہے برہمن یہ مندر تعمیر ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مندر کافی تعمیر ہو چکا تھا۔ تب کسی برہمن نے دریا پار سے مندر بننا ہوا دیکھ لیا۔ اس برہمن نے یہ خبر سارے دربار میں پھیلا دی اور سنگرام داس سخت لمبے میں آ گیا۔ سنگرام داس نے بدری راج کو حکم دیا کہ وہ جائے اور مندر کو گرا دے۔ بدری راج نے سنگرام کے حکم کے مطابق یہی کیا اور دریا پار آ کر مندر

گرا دیا لیکن ماگھی راج کو گرفتار کرنے کے بعد۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ہاں.....! باپ نے بیٹے کو گرفتار کر لیا۔“

”وہ کیوں.....؟“

”اس لئے کہ ماگھی راج نے مندر گرانے کی مخالفت کی تھی۔“

”پھر.....؟“

”بس پھر کچھ نہیں مہاراج.....! ماگھی راج کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ وہ

اس وقت قید میں ہے۔ کیا یہ اطلاع انوکھی نہیں۔“

”بے شک.....! بے شک.....! یہ تو بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔

میرا خیال ہے اس سنسار میں ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔ ابھی تک کسی برہمن یا چھتری نے اچھوتوں کے لئے ایسی مثال پیش نہیں کی جیسی ماگھی راج نے کی ہے۔“

”ہاں مہاراج.....! یہ سچ ہے۔ اچھوتوں نے اپنے حقوق کے لئے

آواز تو ضرور اٹھائی ہے لیکن کسی برہمن یا چھتری نے کبھی اچھوتوں کے حقوق کے لئے آواز نہیں اٹھائی۔ یہ پہلی آواز ہے جسے پھروں میں قید کر دیا گیا ہے۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔“

تیواڑی لعل نے کہا۔ پھر بولا۔

”دریا پار کے اچھوتوں پر تو بڑے مظالم توڑے گئے ہوں گے۔“

”نہیں مہاراج.....! یہ بھی انوکھی بات ہے.....!“

”کیا مطلب.....؟“

”راجہ بدری راج نے دریا پار جا کر سوائے مندر گرانے کے اور کچھ

”نہیں کہا۔“

”تو کیا اچھوتوں کو انہوں نے معاف کر دیا.....؟“

تیواڑی لعل چونک کر بولا۔

”نہیں مہاراج.....! صاف تو نہیں کیا۔ البتہ راج کمار ماگھی راج

نے راجہ بدری راج سے کہہ دیا تھا کہ اگر ایک بھی اچھوت کا خون بہایا گیا تو ماگھی راج کو ریاست کا باغی سمجھا جائے۔ میرا خیال ہے کہ راجہ بدری راج نے اسے دھمکی سے متاثر ہو کر اچھوتوں کو کچھ نہیں کہا۔ بس مندر گرانے پر اکتفا کیا۔“

”اوہ..... ماگھی راج نے یہاں تک کہہ دیا ہے.....؟“

”ہاں مہاراج.....!“

”یہ تو بہت بڑی بات ہے.....! بہت ہی بڑی بات ہے.....!“

تیواڑی لعل نے متاثر لہجے میں کہا اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلائی اور منجر سے بولا۔

”جاؤ پورن داس.....! تم آرام کرو.....!“

پورن داس نے نمستے کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ تیواڑی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل رہے تھے۔ وہ ماگھی راج کی اس بات پر غور کر رہا تھا اور جب وہ اس بات پر غور کرتا اتنے ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

”اگر ایک چھتری یا برہمن ہمارے لئے قید ہو سکتا ہے تو ہم بھی

اتنے بچ نہیں ہیں کہ اس کی سہائتا نہ کریں۔ سنو سب سے پہلے ہمیں بدری راج کی سرحدوں کو پار کر کے اس جانب جانا ہوگا اور دریا پار اچھوتوں سے ملنا

ہوگا۔“

”ٹھیک ہے مہاراج! راج کمار ماگھی راج کی سہائتا کرنی چاہئے! ممکن ہے راج بننے کے بعد وہ اچھوتوں کے لئے کوئی کام کر ہی ڈالے۔“  
ایک دوسرے شخص نے کہا۔

”ٹھیک ہے.....! تیاریاں کرو.....!“

تیواڑی لعل نے حکم دیا اور اس کے ساتھیوں نے گردن ہلا دی۔



شکری نے راج کمار ماگھی راج کی قید کی خبر سنی تو تڑپ کر رہ گئی۔ اس کی ایک ایک باندی نے اسے ماگھی راج کی گرفتاری کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ پریشان ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کہاں قید کیا ہے میرے ماگھی راج کو؟ کہاں بند کیا ہے اسے؟“

اس نے وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ تو معلوم نہیں ہو سکا رانی جی.....! لیکن یہ خبر عام ہو گئی ہے کہ راج کمار ماگھی راج کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔“

”اچھا نہیں کیا یہ بدری مہاراج نے..... اچھا نہیں کیا۔ ایک ہی تو بیٹا ہے ہمارا..... اسے پریم سے سمجھایا جاسکتا تھا۔ اسے بتایا جاسکتا تھا کہ وہ غلطی پر ہے لیکن..... لیکن یہ گرفتار کیا معنی رکھتی ہے۔ میں..... میں ماگھی راج مہاراج کے پاس جاتی ہوں۔“

”اس لمحے نہیں رانی جی.....! وہ راج دربار میں ہیں۔“

”مم..... مم..... مگر..... جاؤ..... تم جاؤ سالار جے سنگھ کو بلا کر لے آؤ۔ میں اس سے بات کروں گی۔“

”جو آگیا مہارانی جی.....! اگر ابے سنگھ بھی دربار میں ہوئے تو انہیں یہ سندیس دے دوں۔“

باندی نے پوچھا اور رانی سوچ میں ڈوب گئی۔

بدری راج سے بات کئے بغیر سالار ابے سنگھ سے بات کرنے کا مطلب غلط بھی نکل سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے باندی کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

”مہاراج نے یہ اچھا نہیں کیا..... اچھا نہیں کیا مہاراج نے..... یہ بہت ہی برا کیا ہے..... بدری راج مہاراج نے میرے بیٹے کو..... میرے بچے کو انہیں کسی طور قید نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ٹھیک ہے..... تم آرام کرو.....! میں مہاراج کی واپسی کا انتظار کروں گی۔“

باندی گردن ہلا کر چلی گئی۔

رانی شکری اس کے جانے کے بعد سکون سے نہیں بیٹھی تھی اور جب سارے کاموں سے فارغ ہو کر بدری راج محل واپس آئے اور رانی شکری کے پاس پہنچے تو ان کے چہرے پر لاکھوں شکایتیں چسپاں تھیں۔ بدری راج نے اس کے چہرے کو دیکھا اور ان کی گردن جھک گئی۔

”مجھے یقین ہے تمہیں حالات معلوم ہو گئے ہوں گے.....؟“

”ہاں.....! مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ راجہ بدری راج نے اپنا سر اونچا کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو قید میں ڈال دیا ہے۔“

”شکری.....! سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ بدری راج کے سر اونچا ہونے کی بات نہیں ہے۔“

”پھر کس کا سر اونچا ہوا ہے.....؟“

”دھرم کا رانی شکری.....! دھرم کا۔“

بدری راج نے جواب دیا۔

”ہوں.....! دھرم کو صرف میرے ماگھی راج سے خطرہ تھا.....؟“

”ہاں شکری.....! ہم مجبور ہو گئے تھے۔“

”کیا مجبوری تھی آپ کو.....؟“

”جاننا چاہتی ہو.....؟“

”ہاں.....! جاننا چاہتی ہوں۔ اس لئے کہ میں ماگھی راج کی ماں

ہوں۔ اس لئے اپنی اولاد کی تڑپ نہیں دیکھ سکتی۔“

”رانی شکری.....! رانی شکری.....! تم..... تم کچھ بھول رہی ہو۔“

بدری راج تلخ لہجے میں بولا۔

”کیا کہنا چاہتے ہیں، بدری راج مہاراج.....؟“

رانی شکری نے نیکی نظروں سے بدری راج کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ..... یہ کہ تم راجہ بدری راج کی پتی بھی ہو۔ تم..... تم میری دھرم

پتی بھی ہو شکری.....!“

بدری راج نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”جانتی ہوں مہاراج.....! آپ کا مان سر آنکھوں پر لیکن بیٹے کی

ماں کو یہ تو معلوم ہی ہونا چاہئے کہ آخر اس کے بیٹے کا دوش کیا ہے.....؟ یادہ

کس طرح اپنا دھرم بھٹ کر رہا ہے.....؟“

”تم جانتی ہو شکری.....! میں تم سے پہلے ہی بات کر چکا ہوں۔

ماگھی راج دریا پار کے اچھوتوں کی ایک لڑکی کے پریم میں تباہ ہو کر اپنا دھرم

بھٹ کر رہا ہے۔ وہ سب جو گئی کے پریم میں اتنا ڈوب چکا ہے کہ اس سلسلے میں

اس نے اپنا دھرم چھوڑنے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔“

”میرا ماگھی راج ایسا نہیں کر سکتا۔“



”ہے شکری.....! ہے..... میں دریا پار اچھوتوں کا مندر گرانے کے لئے گیا تھا۔ وہاں ماگھی راج کے بہت سے حامی موجود تھے اور اس نے مجھ سے جو کچھ کہا تم سنو تو حیران رہ جاؤ گی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر ایک بھی اچھوت کو نقصان پہنچایا گیا تو وہ ریاست کا باغی بن جائے گا۔ تم سوچو شکری.....! یہ بات اس نے سینکڑوں آدمیوں کے سامنے کہی تھی۔ اگر اکیلے میں مجھ سے کہتا تو میں معاف بھی کر دیتا لیکن یہ بات اس نے بھرے دربار میں کہی اور اچھوتوں کا مندر بھی اس کے نام سے منسوب تھا۔

ان ساری حاصل کردہ اطلاعات کے بعد اسے کیسے نہ گرفتار کیا جاتا.....؟ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایک شخص جو سرعام دربار میں اپنے آپ کو ریاست کا باغی ثابت کر رہا ہے، اسے ہم کیسے چھوڑ سکتے تھے.....؟ بالآخر راج پاٹ کے بھی کچھ اصول کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔“

”ٹھیک ہے.....! لیکن وہ بچہ ہے۔ راج کمار ہے۔ اس میں اور عام لوگوں میں کچھ تو فرق ہوتا ہے نا.....!“

”ہاں.....! ضرور ہوتا ہے.....! لیکن بہر صورت اتنا ہی کافی نہیں کہ ہم اسے باغی بن جانے دیتے۔“

”نہیں مہاراج.....! آپ غلط کہہ رہے ہیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اچھوت بچ ذات ہیں اور برہمن چھتری اونچی ذات تو کیا، اگر کوئی برہمن یا چھتری کوئی دوش کر دے تو اسے معاف نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اچھوتوں اور برہمنوں میں کیا فرق ہے.....؟“

رانی شکری نے کہا اور مہاراج بدری راج کسی گہری سوچ میں پڑ

گیا۔

بیٹے کو گرفتار کر کے وہ خود بھی خوش نہیں تھا لیکن جو حالات ریاست میں پیدا ہو گئے تھے، ان سے یہ خطرہ بھی سامنے آ گیا تھا کہ کہیں راج گدی ہی نہ چھن جائے۔ برہمن اگر چاہتے تو اس کے خلاف سازشیں کر کے عوام کو اُکسا سکتے تھے اور پھر یہ بات یہیں تک محدود نہ رہتی۔ پورے بھارت ورش میں اس کا چرچا پھیل جاتا اور بے شمار راجہ بھی اس کے خلاف ہو جاتے۔

بہر صورت برہمنوں کی یہ بڑی بات تھی۔ جہاں جہاں برہمن موجود تھے۔ وہاں حکومت ایک کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتی تھی۔ کیونکہ حکومتوں پر اصل راج تو برہمنوں کا ہی ہوتا ہے۔ کیا دوسرے راجاؤں کو برہمن اُکسا نہیں سکتے تھے کہ وہ بدری راج کی حکومت پر قبضہ کر لیں۔

کیونکہ وہاں کے راجہ کا بیٹا اچھوتوں کو اپنے برابر کی حیثیت دینے والا ہے۔ ان حالات کے پیش نگاہ راجہ بدری راج نے اس سارے معاملے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ گوشکری کی جذباتی باتیں اسے متاثر ضرور کر رہی تھیں۔ وہ خود بھی باپ تھا اور ماگھی راج اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس لئے وہ گوشکری کی باتوں سے پریشان ضرور تھا۔ لیکن یہ سوچ کبھی اس کے ذہن میں تھی کہ راج پاٹ کی باتیں عورتیں کیا جانیں.....؟ یہ تو مرد ہی جان سکتے ہیں۔

”تو پھر اسے پھانسی کب دے رہے ہیں مہاراج.....؟“

”کیسی باتیں کر رہی ہو گوشکری.....؟“

بدری راج نے کسی قدر چڑتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔ برہمنوں کی عزت کا قاتل زندہ رہنے کے قابل تو نہیں ہے۔ آپ جلد ہی ماگھی راج کو پھانسی دیں۔“

”گوشکری.....! سوچنے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میرا یہ مقصد نہیں ہے، کیا وہ میرا بیٹا نہیں ہے.....؟ کیا تم یہ پسند کرو گی کہ راج پاٹ ہم سے چھن

جائے.....؟ اور ہم بھکاریوں کی سی زندگی بسر کریں.....؟ یا پھر ہمارا جیون موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے.....؟ اگر راج چھن گیا تو ہمیں اس الزام میں سزا بھی دی جاسکتی ہے کہ ہم نے اچھوتوں کی حمایت کی تھی۔“

”راج کون چھینے گا.....؟“

”برہمن..... برہمن..... برہمن.....! تم نہیں سمجھتیں.....!“

راجہ بدری راج نے سخت لہجے میں کہا اور رانی شکری روتی دھوتی رہی۔ راجہ بدری راج دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بھی ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میں کوئی نہ کوئی کوشش کروں گا شکری.....! میں کوئی نہ کوئی کوشش کروں گا۔ اس وقت مجھے سہائتا کی ضرورت ہے۔ شکری.....! مجھے وشواش ہے کہ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے تم میری سہائتا سے منہ نہیں موڑو گی۔“

راجہ بدری راج نے کہا اور شکری اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

”میں آپ کی کیا سہائتا کر سکتی ہوں مہاراج؟ ماں ہوں، یہ تو کبھی نہیں کر سکتی کہ اپنے بیٹے ماگھی راج کو اپنے ہاتھوں سے پھانسی دے دوں۔“

رانی شکری ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے بولی۔

”پھانسی.....! پھانسی.....! پھانسی.....! کون کہتا ہے کہ تم اس پھانسی دے دو.....؟ مگر شکری.....! تم اسے سمجھا تو سکتی ہو۔“

”میں کیا سمجھاؤں اسے.....؟ کہاں ہے وہ.....؟ مجھے ملے تو میں اسے سمجھاؤں بھی.....!“

شکری نے کہا۔

”قید خانے میں ہے اور میں نے اس کے لئے ہدایات جاری کر دی ہیں کہ اسے کوئی تکلیف نہ دی جائے۔“

راجہ بدری راج نے کہا اور رانی شکری گردن ہلانے لگی پھر بولی۔

”تو پھر مجھے قید خانے سے لے چلو.....!“

”ابھی نہیں شکری.....! کہ اگر ماگھی راج کی یہ بچگانہ ضد محل کی چہار

دیواری کے اندر ہوتی تو ہم کسی سے اس کا تذکرہ بھی نہ کرتے۔ اس نے تو

کھلے عام یہ کیا ہے۔ جس سے ہماری عزت دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی ہے۔ تم

نہیں جانتی ہو ہمارے خلاف کیسی کیسی باتیں ہو رہی ہیں.....؟ لوگ سامنے

کچھ نہیں کہتے لیکن پیچھے جا کر بہت کچھ کہتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا تھا۔ اگر

میں ماگھی راج کو گرفتار نہ کرتا تو لوگ میرے خلاف ہو جاتے۔“

”کون کر رہا ہے یہ حرکتیں.....؟ اور کون آپ کے خلاف باتیں کر

رہا ہے.....؟“

”وہی جنہیں ماگھی راج کے اس اقدام سے زبردست دھچکا پہنچا

ہے۔ جنہوں نے ماگھی راج کی اس حرکت سے اپنی توہین محسوس کی ہے۔“

”سنگرام داس مہاراج نے.....؟“

شکری نے پوچھا۔

”ظاہر ہے.....! دھرم سیوک ہیں۔ دھرم کی رکھشا وہ نہ کریں گے تو

اور کون کرے گا.....؟ دھرم کی رکھشا کے لئے انہوں نے یہ آواز اٹھائی ہے۔

ورنہ ظاہر ہے، وہ ہمارے خلاف تھوڑی ہیں۔“

”سنگرام جی.....! خود تو برہمچاری ہیں۔ نہ شادی کی، نہ بچے پیدا

کئے، پھر وہ سنتان کا ڈکھ کیا جانیں.....؟ انہوں نے تو جوان کا من چاہا، کہہ

لیا۔ مگر ہم تو بچے والے ہیں۔ مہاراج.....! کیا اس سنسار میں لوگوں نے راج

پاٹ نہیں چھوڑ دیا۔ کیا ایسے لوگ نہیں ہیں جو اولاد کے لئے سب کچھ قربان

کر دیتے ہیں۔“

”میں بھی تیار ہوں اس کے لئے.....! مگر وہ کچھ سمجھے تو سہی۔ وہ تو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے۔“

”سمجھ جائے گا۔ سمجھ جائے گا۔ اسے بڑا تو ہو جانے دو۔ راج گدی پر بیٹھے گا تو ساری باتیں خود بخود سمجھ جائے گا۔ جان جائے گا کہ راج بسنتی کیا چیز ہوتی ہے.....؟ اور پرکھوں کی ریتیں کیا ہوتی ہیں.....؟ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بدری راج مہاراج.....!“

”بھگوان کرے ایسا ہی ہو شکری.....! میرے من میں تو عجیب عجیب خیالات آتے ہیں۔ نہ جانے ہمیں یہ کشت کیوں بھگتا پڑ رہا ہے۔ تم خود سوچو شکری.....! اگر راجہ بننے کے بعد وہ کوئی ایسا کام کرے تو کیا یہ سنسار اسے اس کی اجازت دے گا۔ وہ تو مصیبت میں پھنس جائے گا۔ ایسی مصیبت میں جس سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ سنسار میں کبھی یہ نہیں ہوا۔ پرکھوں سے کبھی یہ بات سننے میں نہیں آئی کہ کبھی اونچی ذاتیں اور نیچی ذاتیں آپس میں یکجا ہوئی ہیں۔ میں ساری باتیں جانتا ہوں۔ یہ سب پریم کا کھیل ہے۔“

”پریم کا.....؟“

رانی شکری نے تعجب سے پوچھا۔

”ہاں.....! پریم کا.....! میں تمہیں بتا چکا ہوں ناں..... وہ اچھوت لڑکی بنو گئی کے پریم کا شکار ہو گیا ہے اور یہ اور بھی بری بات ہے شکری.....! یہ ہو بھی نہیں سکتا کہ وہ بنو گئی کو اپنے من کی رانی بنا لے۔ نہ جانے بھگوان کی کیا اچھا ہے.....؟ نہ جانے کیا ہوگا.....؟“

راجہ بدری راج نے ست لہجے میں کہا۔

”ہاں.....! نہ جانے بھگوان کی کیا اچھا ہے.....؟ مہاراج.....! نہ

جانے..... نہ جانے کیا ہونے والا ہے.....؟“

رانی شکری نے متفکر لہجے میں کہا۔

مزید دو دن گزر گئے۔ تیسرے دن، راجہ بدری راج، شکری کو لے کر قید خانے پہنچا۔ وہ خود تو باہر ہی کھڑا رہا اور رانی شکری کو اندر بھیج دیا۔

پتھر پیلی دیواروں کے درمیان راج کمار ماگھی راج قیدیوں کی حیثیت سے قید تھا۔ ماں کو دیکھ کر مسکرایا اور شکری اس کے پاس پہنچ گئی۔

”کیسا ہے میرے بیٹے تو.....؟ تجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی یہاں.....؟ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی تجھے.....؟“

”نہیں ماما جی.....! کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔“

”تو..... تو..... تو اب تو نے کیا سوچا ہے.....؟“

”کس بارے میں ماما جی.....؟“

”میرا مطلب ہے جو بات تیرے من کو چڑھ گئی تھی، اب اس کا کیا ہوگا.....؟“

”بھگوان جانے ماما جی کیا ہوگا.....؟ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں.....؟“

ماگھی راج نے کہا۔

”ماگھی راج.....! کیوں مجھے پریشان کرنے پر تل گیا ہے.....؟ ماں ہوں میں تیری.....! اگر تجھ سے کوئی بات کہوں تو..... تو میری اتنی سی بات نہیں مان سکتا.....؟“

”سنسار میں تیرا بڑا مان ہے، ماں.....! بول کیا کہتی ہے مجھ سے؟“

”یہ کیا تو نے بچوں کی طرح رٹ لگا رکھی ہے.....؟ کبھی نیچی ذاتیں

اونچی ذاتوں کے برابر آ کر بٹھ سکتی ہیں بھلا.....؟ ایسا بھی کبھی ہوا ہے پگلے؟“

رانی شکری نے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہاں ماما جی.....! ہوا تو نہیں ہے۔“

”تو پھر تو کیوں ایک ایسی انہونی کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ جو کبھی

نہیں ہوئی کیا ہمارے پرکھوں کی رو میں ہمیں معاف کر دیں گی۔ پگلے.....!  
باز آجا.....! کیوں اپنی اور میری جان کے پیچھے پڑا ہے.....؟“

”پرکھوں نے جو کام غلط کیا ہے..... ماما جی.....! ضروری ہے کہ ہم

بھی وہی غلط کام کرتے رہیں.....؟“

”یہ غلط کام نہیں ہے۔ ماگھی راج.....! نالی کی اینٹ اٹھا کر سر پر

نہیں رکھی جاسکتی ہے۔ وہ لوگ جس مقام پر ہیں، اسی مقام پر رہیں گے۔ وہ  
کبھی اونچی ذات والوں کے برابر نہیں آسکتے۔“

”ہوں.....! تو ماما جی.....! تم کیا چاہتی ہو.....؟“

”میں چاہتی ہوں تو بھرے میدان میں آکر یہ بات کہہ دے کہ تجھ

سے بھول ہوئی تھی۔ تو وہ سب کچھ نہیں کرے گا، جس کا تو نے اعلان کیا تھا۔  
وہ صرف اور صرف تیرا بچپن تھا۔“

”ماما جی.....! اگر میں یہ بات دربار میں کہہ دوں تو اس سے کیا

فائدہ ہوگا.....؟“

”بس رے.....! تو آزاد ہو جائے گا۔“

اس قید خانے سے باہر نکل آئے گا۔ تو کیا سمجھ رہا ہے یہ پتھریلی

دیواریں میری ممتا کو اچھی لگ رہی ہیں.....؟“

”اور اس کے بعد کیا ہوگا..... ماما جی.....؟“

”اس کے بعد کوئی چٹا نہیں رہے گی۔“

”ہوں.....!“

ماگھی راج کچھ سوچنے لگا۔ اس کے ذہن میں بہت سی باتیں تھیں۔

پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔  
 ”ماتا جی.....! ایک بات تو تمہیں معلوم ہوگی ہی.....! کیا دریا پار کا  
 مندر گرا دیا ہے.....؟“

”ہاں.....! اس سے گرا دیا گیا تھا۔“  
 ”کیا اچھوتوں کو قتل کر دیا گیا ہے.....؟“

”نہیں.....! تیرے پتا جی نے تیری اس بات کا مان رکھا ہے۔  
 انہوں نے ایک بھی اچھوت کو نقصان نہیں پہنچایا۔ سارے اچھوت ٹھیک ہیں۔  
 بس صرف مندر کو گرایا گیا ہے۔“

”اچھا.....! ماتا جی.....! ٹھیک ہے۔ میں دربار میں جاؤں گا اور اس  
 کے بعد تم چننا مت کرو ماتا جی.....! بالکل چننا مت کرو.....! ماتا جی.....!  
 بالکل چننا مت کرو.....!“  
 ”سچ.....؟“

شکری خوشی سے سرشار ہو گئی۔  
 ”تو نے میری بات مان لی.....! میں تیری شکر گزار ہوں  
 ماگھی راج.....! میں تیرا شکریہ ادا کرتی ہوں۔“

شکری نے مسرت بھری مسکراہٹ سے کہا اور پھر ماگھی راج کو سینے  
 سے لگا لیا۔ ماگھی راج بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس نے  
 شکری کی بات مان لی ہے یا اپنے عزم سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے لیکن  
 اس وقت اس نے خاموشی ہی اختیار کی اور تھوڑی دیر کے بعد شکری وہاں سے  
 چلی گئی۔ اس نے راجہ بدری راج کو بھی خوشخبری سنائی اور راجہ بدری راج بھی  
 خوشی سے اُچھل پڑا۔

”تو سچ کہہ رہی ہے شکری.....!“



”ہاں مہاراج.....! میرے بیٹے نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ وہ سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھے اس کے وعدے پر پورا پورا دشواش ہے۔“  
شکری نے کہا۔ راجہ بدری راج مسکرانے لگا تھا۔

”اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہوتی تو میں پہلے ہی تجھے یہاں لے آتا، خواہ مخواہ اتنا وقت میں نے پریشانی میں گزارا۔“

تیواڑی لعل سرحد پار کر کے بڑی چالاکی کے ساتھ بدری راج کی ریاست میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے کچھ ساتھی اس کے ساتھ تھے۔ سرحد پار کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ سرحد کے محافظوں کو جل دینا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ڈاکوؤں کی زندگی گزار رہا تھا اور اب تک راجہ تلک راج کے خلاف بڑے کامیاب دھاوے مارتا رہا تھا۔

چنانچہ تھوڑے تھوڑے آدمیوں کو سرحد پار کرا کے اس نے مختلف علاقوں میں چھپا دیا اور خود دریا پار کر کے اس بستی کی طرف چل پڑا جو اچھوتوں کی بستی کہلاتی تھی۔

وہ ایک دیہاتی کے بھیس میں تھا اور لاٹھی میں گٹھڑی لٹکائے پیدل سفر کر رہا تھا۔ اس کے پیروں میں مٹی جمی ہوئی تھی۔ اسی حالت میں وہ اچھوتوں کی بستی میں داخل ہوا۔ تفصیلات اس کے آدمی بتا چکے تھے۔

بستی میں داخل ہو کر اس نے مختلف لوگوں سے دیپ چند کا پتہ پوچھا اور لوگوں نے اسے دیپ چند کے دروازے پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ دستک دینے پر دیپ چند باہر نکلے۔ تیواڑی لعل نے جھک کر ان کے چرن چھو لئے۔ دیپ چند، ہڑبڑا گئے تھے۔

”ارے ارے.....! کون ہو بیٹا تم.....؟ اور کہاں سے آئے ہو؟“  
”میں مہاراج.....! مسافر ہوں۔ آپ کے ہاں گٹھڑی دو گٹھڑی ٹھہرنا

چاہتا ہوں۔“

”آؤ آؤ.....! اندر آؤ.....! کیا تم اچھوت ہو.....؟“

دیپ چند نے پوچھا۔

”ہاں مہاراج.....! اچھوت ہوں۔“

”بس ٹھیک ہے..... آؤ.....! میرے سنگ سنگ آجاؤ.....!“

دیپ چند نے کہا اور تیواڑی لعل کو لئے لئے صحن میں پہنچ گئے۔ صحن میں پہنچ کر انہوں نے احترام سے اسے ایک جگہ بٹھا دیا جو قدرے صاف ستھری تھی، پھر بولے۔

”کہاں سے آرہے ہو.....؟“

”بڑا ہی لمبا سفر طے کر کے آیا ہوں۔ دیپ چند جی.....! آپ مجھے

منہ ہاتھ دھونے کی آگیا دیں۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔“

تیواڑی لعل نے کہا۔

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے.....! تم منہ ہاتھ دھولو.....!“

دیپ چند نے کہا اور تیواڑی لعل کو مزید ہاتھ دھونے کی جگہ بتا دی۔

کنویں سے پانی نکال کر تیواڑی لعل نے منہ ہاتھ دھویا اور پھر واپس

آکر چوکے میں بیٹھ گیا جہاں سنجوگنی نے تھال پر دیا۔ جو کچھ موجود تھا،

اسے کھایا پیا اور پانی کی گڑوی سے پانی پینے کے بعد لمبی لمبی ڈکاریں لینے

لگا۔

اس دوران دیپ چند جی اپنے دوسرے کام کرتے رہے۔ پھر جب

تیواڑی لعل بھوجن سے فارغ ہو گیا تو خود ہی دیپ چند سے بولا۔

”ہاں دیپ چند جی.....! میں آپ کو اپنا نام تو بتا ہی چکا ہوں۔ میرا

نام تیواڑی لعل ہے۔“

”تیواڑی لعل.....؟ پتہ نہیں کیوں یہ نام کانوں کو سنا ہوا سا لگ رہا

ہے۔“

”ہاں مہاراج.....! ضرور سنا ہوا لگ رہا ہوگا۔ شاید آپ نے راجہ  
تلک راج کی ریاست کے قرب و جوار میں اچھوتوں کی نگرانی کرنے والے  
تیواڑی لعل کا نام سنا ہو.....؟“

”ڈاکو..... تیواڑی لعل.....؟“

دیپ چند کی آنکھیں تعجب سے پھٹ گئیں۔

”نہیں مہاراج.....! ڈاکو نہیں..... کوئی اچھوت مجھے ڈاکو نہیں کہتا۔“

”تو تم..... تو تم تیواڑی لعل ہو.....؟“

”ہاں.....! میں آپ کا داس ہوں۔“

تیواڑی نے کہا۔

”بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ بھگوان کی سوگندہ.....! بڑی ہی خوشی

ہوئی پرنت یہاں کیسے آئے.....؟“

”ایک بہت ضروری کام ہے مہاراج.....!“

”مجھ سے کوئی کام ہے.....؟“

دیپ چند نے پوچھا۔

”ہاں مہاراج.....! آپ ہی سے کام ہے۔ آپ ہی سے ہے۔“

تیواڑی لعل نے کہا۔

”کیا کام ہے.....؟“

”میں یہاں سے ملنے والی مختلف خبروں کی تصدیق یا تردید چاہتا

ہوں۔“

”کیسی خبریں.....؟“

”راجہ بدری راج کے بیٹے ماگھی راج کے بارے میں جو داستانیں مشہور ہوئی ہیں، کیا ان میں کچھ سچ بھی ہے.....؟“

”ہاں.....! میں نہیں جانتا تم نے کون سی داستانیں سنی ہیں لیکن ان ساری باتوں میں ایک بات سچ ہے۔ وہ یہ کہ بدری راج کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوا ہے۔ وہ کسی اچھوت کی ہی اولاد معلوم ہوتا ہے۔“

دیپ چند نے کہا اور تیواڑی لعل نہس پڑا۔ پھر بولا۔

”اچھوت کی اولاد.....؟“

”ہاں.....! اگر وہ اچھوت کا بیٹا نہیں ہے تو پھر وہ یقیناً کسی بہت بڑے پر ماتما کا بیٹا ہے۔ کیونکہ اس نے وہ آسمانی بات کہی ہے جو آسمان کے رہنے والے ہی کہہ سکتے ہیں۔ زمین پر رہنے والوں میں تو اتنی ہمت ہے نہ اتنا مان اور نہ ہی اتنا بھاؤ ہے۔“

”کیا بات کہی ہے اس نے.....؟“

”وہ کہتا ہے سب انسان برابر ہیں۔ خواہ وہ اچھوت ہوں یا برہمن، شہر ہوں یا چھتری۔ انسانوں میں تخصیص کیسی، وہ کسی اونچی ذات یا نیچی ذات کو نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے سب انسان بھگوان نے ایک ہی شکل کے زمین پر اتارے ہیں۔ سب کی دو آنکھیں، ایک ناک، دو پاؤں، دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ اگر بھگوان کو ان میں تفریق رکھنا ہوتی تو وہ ان کی شکلیں بھی جانوروں کی طرح مختلف بناتا۔ سارے جانور اپنی اپنی شکلوں سے پہچانے جاتے ہیں لیکن منش سب ایک طرح کے ہیں۔ ایک یہ انداز کے ہاتھ، پاؤں، ناک اور منہ رکھتے ہیں۔ پھر ان میں کسی بھی طرح کی چھوٹائی بڑائی کیونکر ہو سکتی ہے.....؟ اس نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ راجہ بننے کے بعد وہ اچھوتوں کو برابر کا درجہ دے گا۔“

”ماگھی راج کہیں لوگوں سے جھوٹ تو نہیں بول رہا.....؟“

تیواڑی نے پوچھا۔

”نہیں تیواڑی.....! وہ انسان نہیں ہے۔ وہ مہمان ہے۔ اس نے

اچھوتوں کے لئے ایک مندر تعمیر کرانے کی بات کی تھی اور اس کی تعمیر کراتے ہوئے وہ گرفتار ہو گیا۔“

”کیا مندر تعمیر ہو گیا.....؟“

تیواڑی نے پوچھا۔

”نہیں.....! یہ ہی تو رونا ہے۔ ہم بڑی قسمت والے اس قابل

کہاں.....؟ مندر راجہ بدری راج نے گرا دیا۔“

”ماگھی راج نے اس سلسلے میں کوئی کوشش نہیں کی.....؟“

”کوشش کیا کرتا.....؟ بیچارہ وہ تو پکڑا گیا۔ آج کل وہ اپنے پتا راجہ

بدری راج کی قید میں ہے۔ نہ جانے کس حال میں ہوگا بیچارہ.....؟“

دیپ چند نے کہا۔

”ہوں.....! اس کا مطلب ہے، بات کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے۔

ماگھی راج اپنے قول و فعل کا سچا معلوم ہوتا ہے۔“

”یہی نہیں تیواڑی لعل.....! بلکہ اس نے میرے ہاں بھوجن کر کے

برہمن اور اچھوتوں کے درمیان کی وہ دیوار بھی گرا دی جو صدیوں سے قائم تھی۔“

دیپ چند نے کہا اور تیواڑی منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

”تمہارے ہاں بھوجن کیا اس نے.....؟“

”ہاں! ہمارے ہاں کپے ہوئے بھوجن کو اس نے بخوشی کھا لیا تھا۔“

”اچھا.....! تعجب کی بات ہے.....؟“

تیواڑی لعل سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس کی آنکھوں سے عزم چکنے

لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر ماگھی راج کو راجہ بدری راج کے عقاب کا

شکار نہیں ہونا چاہئے۔ یوں سمجھا جائے کہ وہ ہم میں سے ایک ہے۔“

”ہاں.....! وہ ہم میں سے ایک ہے.....!“

”دیپ چند.....! میں اسے راجہ کی قید سے چھڑانے آیا ہوں۔“

”تم..... تم تیواڑی لعل.....؟“

”ہاں دیپ چند.....! میں.....!“

”پھر اس کے بعد کیا ہوگا.....؟“

”یہ ماگھی راج ہی بتا سکے گا۔“

تیواڑی لعل نے جواب دیا۔ دیپ چند گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

تب تیواڑی لعل نے ان سے کہا۔

”مہاراج.....! اگر آپ آگیا دیں تو میں کچھ دیر آپ کے ہاں قیام

کر لوں.....؟ یا جہاں بھی آپ میرا بندوبست کرنا چاہیں کر دیں..... تاکہ میں

کچھ وقت یہاں گزار سکوں۔“

”تم میرے ہاں بڑے آرام سے قیام کر سکتے ہو۔ کوئی ایسی بات

نہیں ہے۔ یہ باہر کی بیٹھک موجود ہے۔ تم اس میں اپنا استھان کر لو.....!“

دیپ چند نے کہا۔

”میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رُکوں گا، مہاراج.....! بس تھوڑی دیر

ٹھہروں گا۔ اس کے بعد دریا پار کر کے شہر میں داخل ہو جاؤں گا لیکن یہ بات

آپ سے اس لئے کہی ہے میں نے کہ اگر بعد میں مجھے دریا پار کرنے کے

بعد آپ کے ہاں رُکنا پڑے تو میں رُک جاؤں.....! اس کے لئے آپ مجھے

آگیا دے دیں.....!“

تیواڑی لعل نے کہا۔

”سر آنکھوں پر..... سر آنکھوں پر.....!“

دیپ چند نے جواب دیا اور تیواڑی لعل نے گردن ہلادی۔

رات کی تاریکی میں تیواڑی لعل نے اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ دریا پار کر لیا۔ اس نے اپنے چاروں ساتھیوں کو ہدایات دے کر مختلف جگہوں پر پھیلا دیا تھا اور خود ایک سرائے میں قیام کیا اور دوسری صبح اسی بدلے ہوئے بھیس کے ساتھ راج محل چل پڑا۔ راج محل پہنچ کر وہ دربار سننا چاہتا تھا۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ دربار میں کیا کیفیت پیش آنے والی تھی.....؟ لیکن جب وہ دربار پہنچا تو خلاف معمول دربار عام بے شمار لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ سینکڑوں افراد دربار میں موجود تھے۔ ان میں زیادہ تر مقامی تھے اور کچھ دور دراز کے علاقوں سے آئے ہوئے تھے، دیہاتی تھے۔ وہ سب راجہ بدری راج کے پاس اپنے اپنے کام لے کر آئے تھے لیکن اس وقت انہیں روک دیا گیا تھا اور کوئی خاص ہی بات راجہ بدری راج کے زیر نگاہ تھی۔

تیواڑی لعل بھی لوگوں کے ہجوم میں شامل ہوتا ہوا کافی آگے پہنچ گیا۔ دریا میں راجہ اور دوسرے تمام لوگ موجود تھے اور بڑی گھمبیرتا چھائی ہوئی تھی۔

اسی اثناء میں ایک نوجوان کو لایا گیا جس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کوئی بہت بڑی شخصیت ہے۔ تیواڑی لعل نے ایک آدمی کے کان کے قریب منہ لے جا کر پوچھا۔

”یہ لڑکا کون ہے.....؟“

اور وہ آدمی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر تعجب سے بولا۔

”تم نہیں جانتے.....؟“

”ہاں بھائی.....! میں نہیں جانتا۔ کسی اور بستی سے آیا ہوں۔“

تیواڑی لعل نے نرم لہجے میں کہا۔

”یہ راج کمار ماگھی راج ہیں۔ آج اس کا فیصلہ ہونے والا ہے۔“

اسی آدمی نے بتایا اور تیواڑی تعجب سے ماگھی راج کو دیکھنے لگا۔ پھر

بولاً۔

”اس ریاست کا راج کمار ہے یہ.....؟“

اس نے پوچھا۔

”ہاں.....! اسی ریاست کا راج کمار ہے۔“

”اچھا.....! اس پر کیا جرم ہے.....؟“

”بس.....! پگلا ہو گیا ہے بیچارہ.....!“

”ارے.....! پھر ہوا کیا.....؟“

تیواڑی لعل نے تعجب سے کہا۔

”بس.....! کہتا ہے اچھوت اور برہمن ایک ہی ذات ہیں۔

انسانوں کی ایک ہی قسم ہے۔ بھلا تم ہی بتاؤ.....! یہ کیسے ممکن ہے بھائی.....؟

اچھوت..... اچھوت ہے۔ برہمن..... برہمن ہے۔ نہ جانے ہمارے راج

کمار کو کیا ہو گیا ہے۔ آئندہ نسل کا بننے والا راجہ اور ایسی باتیں کہے۔ ایک ہی

بیٹا ہے راجہ بدری راج کا۔ ورنہ اچھا تو یہ تھا کہ اسے پھانسی دے دی جاتی۔

بات ہی اسی نے ایسی کہی تھی جو پھانسی کے قابل تھی۔“

اس نے بتایا اور تیواڑی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”پھر آج کس بات کا فیصلہ ہونے والا ہے.....؟“

”بھگوان جانے جو کچھ بھی ہوگا سامنے آجائے گا۔“



اس آدمی نے بیزاری سے کہا اور تیواڑی خاموش ہو کر دربار کی کارروائی کی جانب متوجہ ہو گیا۔

دربار میں سنگرام داس مہاراج، بدری راج، مہامنتری اور دوسرے تمام بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ بدری راج کے چہرے پر آج کسی قدر اطمینان کے سائے تھے۔ وہ پریشانی کی کیفیت اس کے انداز میں نہیں تھی۔ جس کا وہ کئی دن سے شکار تھا۔ کیونکہ رانی شکری نے اسے دشواش دلایا تھا کہ ماگھی راج اس کی بات مان گیا ہے۔ اس لئے ربیعہ بدری راج نے آج ماگھی راج کو دربار میں پیش کر کے اس کی پوزیشن صاف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مہامنتری نے راجہ بدری راج کے ایماء پر درباریوں کو مخاطب کر کے کہا۔

”بھائیو.....! راجہ کا انصاف ہر شخص کے لئے یکساں ہوتا ہے۔ چاہے وہ راج کمار ہو یا عام آدمی، ہمارے راج کمار ماگھی راج، چند روز پہلے بہک گئے تھے اور ایسی انہونی بات کہنے لگے تھے۔ جسے کوئی برہمن برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم سب پریشان تھے کہ راج کمار ماگھی راج جی کو کیا ہو گیا ہے؟ لیکن آپ سب جانتے ہیں کہ ان اچھوتوں کے پاس بڑے انوکھے جادو ہوتے ہیں۔ راج کمار ماگھی راج بھی اسی جادو کے زیرِ تحت تھے اور اسی جادو کے زیرِ اثر بول ہو چکے ہیں۔ یعنی اپنے مقصد پر قائم ہیں یا سنبھل گئے ہیں۔ اگر ماگھی راج جی اسی جادو کے زیرِ اثر ان تمام باتوں میں دلچسپی لے رہے تھے تو میرے خیال میں یہ ان کا دوش نہیں تھا۔ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟“

سارے دربار میں مختلف آوازیں ابھرنے لگیں۔

”بالکل ٹھیک ہے.....! بالکل ٹھیک ہے.....! ماگھی راج کا کوئی قصور نہیں تھا۔“

”شکریہ بھائیو.....! اب میں مہاراج بدری راج کے دربار میں ان کی سیوا میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ مہاراج ماگھی راج سے سوالات کریں اور ان کی حیثیت صاف کر دیں۔“

”ماگھی راج کو سامنے لایا جائے.....!“

راجہ بدری راج نے راجاؤں کی سی شان کے ساتھ کہا اور ماگھی راج ان کے سامنے آ گیا۔

”ہاں ماگھی راج مہاراج.....! اب آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں.....؟ کیا اچھوت اور برہمن کے برابر کے حقوق ہیں.....؟ کیا وہ چھتریوں کے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر کھڑے ہو سکتے ہیں.....؟“

منتری نے پوچھا اور ماگھی راج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔  
 ”دیکھو.....! میں نے کل جو کچھ کہا تھا۔ وہ بالکل سچ تھا اور آج بھی جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بھی بالکل سچ ہے۔ ایک بار پھر میں اپنی یہ دلیل دہراؤں گا کہ انسانوں اور جانوروں میں جو فرق ہوتا ہے، وہ ہمارے تمہارے سب کے سامنے ہے۔ گدھے، گھوڑے، اونٹ، ہاتھی سب مختلف شکلوں کے بنائے گئے ہیں۔ کیونکہ بھگوان ان میں تمیز رکھنا چاہتا تھا۔ انہیں الگ الگ کرنا چاہتا تھا لیکن منش سب ایک جیسے ہیں۔ دو ہاتھ، دو پاؤں، ایک چہرہ اور ایک ہی سوچ..... یہ صرف ان لوگوں کی چال تھی جو انسانوں پر حکمرانی کرتے کے خواہش مند تھے کہ انہوں نے نسلیں ترتیب دیں۔

برہمن، اچھوت، چھتری، ویش..... یہ سارے کے سارے اپنے اپنے مقصد کے لئے اپنے اپنے گروہ الگ الگ بنا کر بیٹھ گئے ہیں لیکن انسان کا اپکار ایک ہی ہے۔ شورو اور برہمنوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ فرق بھگوان نے نہیں رکھا۔ اگر برہمنوں کو حکومت کرنے کا حق ہے تو شوروں کو

بھی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس تخت پر کسی شودر کو بٹھا دیا جائے۔ ہاں اگر کوئی اچھوت خود کو حکومت کا اہل ثابت کر دے تو راجہ بدری راج کو یہ تخت چھوڑ کر نیچے اتر جانا چاہئے۔

میں تم سب کے سامنے بھگوان کی سوگندھ کھا کر یہ بات کہتا ہوں کہ میں یہ بات اپنے من سے کبھی نہیں اُتاروں گا۔ مجھے بھگوان کی طرف سے روشنی ملی ہے اور مجھے یہ روشنی سنسار میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔

اگر راجہ بدری راج نے مجھے معاف کر دیا اور میں راجہ بن گیا تو میرا سب سے پہلا کام یہی ہوگا کہ اپنی حکومت میں اچھوتوں کو شامل کروں۔ ممکن ہے کل چھتری مہمانتری کی جگہ کوئی اچھوت مہمانتری ہو، میں ایک ایسی مخلوط حکومت بناؤں گا۔ جس میں انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ سب انسان برابر ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارے بھارت ورش میں میری اس کارروائی کی تقلید ہوگی۔ لیکن میری ریاست میں یہی ہوگا۔

دربار یو.....! اگر تم میری اس بات کو پسند کرتے ہو۔ اگر آنے والے وقت میں تم اچھوتوں کو اپنے برابر کا درجہ دینا چاہتے ہو تو اپنے راجہ سے کہو کہ ماگھی راج کو زندہ رکھے اور اگر یہ بات تم سے بھی برداشت نہیں ہوتی تو پھر ماگھی راج کی گردن کاٹ دی جائے تو یہی بہتر ہوگا۔ ماگھی راج کا ایک ہی نعرہ ہے۔ اچھوت، برہمن، چھتری، ویش، کچھ بھی نہیں ہے۔ سب انسان ہیں سب برابر ہیں۔“

ماگھی راج کی آواز پر راجہ بدری راج کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ منتری جی منہ پھاڑ کر رہ گئے اور اہل دربار کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ماگھی راج نے انہیں دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تم لوگ..... تم لوگ صدیوں سے ایک بھول کا شکار اور صدیوں تک ہی ایک بھول کا شکار رہنا چاہتے ہو۔ لیکن ایک بات یاد رکھو.....! ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب انسانوں میں احساس پیدا ہوگا کہ کوئی انسان ایک دوسرے سے الگ نہیں ہے۔ یہ میری آخری بات ہے۔“

دربار پر گہرا سناٹا چھا گیا۔ تمام لوگ حیرت سے منہ کھولے بیٹھے ہوئے تھے۔ بدری راج پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گیا تھا۔ مہاراج کمار کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ ان کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ پھر انہوں نے اٹھ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

”سن لیا تم لوگوں نے.....؟ سن لیا.....؟ سن لیا.....؟ اس ریاست کی تقدیر کا حال اور یہ بھی جان لیا کہ گندے اور ناپاک اچھوت کل تمہاری بیٹیوں کے پتی ہوں گے۔ کل وہ تمہاری گود میں بیٹھے ہوں گے اور جس طرح آج تک وہ تمہاری خدمت کرتے آئے ہیں، اب تم ان کی جوتیاں اٹھاؤ

گے۔ سمجھ لیا تم سب نے.....؟ سن لیا تم نے ماگھی راج کا اپکار.....؟ اب  
بہلہ خود تمہارے ہاتھ میں ہے۔“

”یہ نہیں ہو سکتا..... ایسا نہیں ہو سکتا.....!“

”ایسا نہیں ہوگا.....!“

”ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے.....!“

اور بغاوت ہو گئی۔ زبردست بغاوت..... اور اس بغاوت میں ماگھی  
راج بھی مارا گیا اور جلادوں نے سجوگنی کی آخری چیخ فضاء میں ابھری اور وہ  
ساکت ہو گئی۔ لیکن یہ آخری چیخ سجوگنی کی نہیں تھی۔ یہ دلدوز اور دردناک چیخ  
چندرکھ کی تھی۔ جو اپنے گھر میں اپنے چھپر کھٹ پر آرام کی نیند سوتے ہوئے  
کوئی خوف ناک سپنا دیکھ رہی تھی۔

اس کی دلدوز چیخ پر ہری رام اور کوشلیا، دونوں جاگ اُٹھے۔ بیٹی  
سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ اس لئے کہ اکلوتی اولاد تھی۔ پر اس کے جو روپ  
سامنے آئے تھے وہ ایسے تھے کہ ان لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا اور ان  
کے اس سے بڑے فاصلے ہو گئے تھے۔

وہ جلدی سے اُٹھ کر اس کمرے کی طرف بھاگے جہاں چندرکھ سوتی  
تھی۔ چندرکھ اپنے چھپر کھٹ پر بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی۔ ماں باپ کی  
آنکھوں میں بیٹی کا پیار اُٹھ آیا۔ کوشلیا جو چندرکھ سے باقاعدہ ڈرتی تھی، مامتا  
سے تڑپ اُٹھی اور بیٹی کے پاس پہنچ گئی۔

”ارے..... کا ہوئی رہے..... تمہارے.....؟ ارے.....! ہمار بیٹیا کا ہوئی

رہے.....؟“

پہلی بار..... پہلی بار چندرکھ ہلکتی ہوئی کوشلیا سے لپٹ گئی۔

”انہوں نے مار دیا ماما جی.....! انہوں نے مجھے مار دیا..... میں

مرگئی، نشٹ ہوگئی میں، میرا کریا کرم کرو.....! مار دیا مجھے..... مار دیا انہوں نے مجھے.....!“

”ارے ناں بیٹا.....! ناں.....! کون مارے گا تجھے.....؟ میں ہوں ناں.....! تیرا پتا..... کیا ہوا میری لعل کو.....؟“

اس وقت چندر مکھ کسی سہمی ہوئی چڑیا کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس کے وہ پر نہیں تھے جو آج تک وہ دیکھتے چلے آئے تھے۔ وہ بدستور دُور ہو کر کہے جا رہی تھی۔

”مار دیا..... بدری راج نے مجھے مار دیا.....! میرے ماگھی رام کو..... ارے.....! میرے ماگھی رام کو مار دیا.....!“

”کوئی سنا دیکھا ہے اس نے..... بیٹا.....! ہوش میں آ..... جاری جا، کوشلیا میری بیٹا کے لئے پانی لے کر آ.....!“

پانی کا پورا گلاس پینے کے بعد چندر مکھ کو تھوڑا سکون آیا اور وہ اجنبی نگاہوں سے ماں، باپ کو دیکھنے لگی۔

”آپ..... آپ لوگ کون ہیں.....؟“

”ہیں..... تو ہمیں نہیں پہچان رہی چندر مکھ.....!“

”چندر مکھ.....! کون چندر مکھ.....؟“

”ہے بھگوان اسے کیا ہو گیا.....؟“

ہری رام گہری گہری سانس لے کر کہا۔ ادھر چندر مکھ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

”میں کون ہوں.....؟ کون ہوں میں.....؟“

”ارے.....! بیٹا آ چل کھلی ہوا میں آ..... ٹھیک ہو جائے گا سب

کچھ.....! آ..... آ جا.....! میری لعل.....!“

ہری رام نے کہا اور بمشکل تمام دونوں میاں بیوی چندرکھ کو کمرے سے نکال کر کھلے صحن میں لائے، تب چندرکھ کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ آہستہ آہستہ وہ نارمل ہونے لگی اور اس کے بعد اس نے وسیع و عریض صحن کے تین چار چکر لگائے اور پھر صحن کے بیچوں بیچ بیٹھ گئی۔

”آؤ آؤ.....! نیچے آؤ.....! مجھے بتاؤ.....! مجھے بتاؤ.....! میں بھول گئی ہوں اپنے آپ کو، دیکھو.....! اوپر دیکھو، وہ سات ستارے ہیں اور ان کے بیچ میں ہوں، میں کون ہوں.....؟ یہ تو وہی بتائیں گے، میں تو سب کچھ بھول گئی ہوں۔ آؤ ناں نیچے آؤ.....!“

اور تب دُنیا کا حیرت انگیز منظر ان دونوں میاں بیوی نے دیکھا، آسمان پر ستارے نکلے ہوئے تھے۔ چاند موجود نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ انہوں نے دیکھا کہ ستاروں کی لکیریں زمین تک آرہی ہیں اور پھر ایک دائرے کی شکل میں زمین سے آگئیں اور اس کے بعد اس میں سے سات انسان نمودار ہو گئے۔ وہ عجیب و غریب لباس پہنے ہوئے تھے۔ چندرکھ ان کے بیچ تھی۔ ہری رام اور کوشلیا ایک طرف سہمے کھڑے تھے اور اس حیران کن منظر کو دیکھ رہے تھے۔ چندرکھ اب مطمئن نظر آرہی تھی۔

وہ دائرہ جو ان سات ستاروں نے جو انسانوں کا روپ دھار رہے تھے، اب مدہم روشنی میں گھر گیا تھا اور چندرکھ ان کے بیچ بیٹھی مسکرا رہی تھی، لہذا اس کی آواز ابھری۔

”میں کون ہوں.....؟“

”میں بتاتا ہوں..... سندری میرا نام چندر سانا ہے۔“

”اور تم.....؟“

چندرکھ نے دوسرے ستارے سے پوچھا۔

”میں راگھوری ہوں.....! اور میں رام چندر ہوں اور میں.....“  
 آہستہ آہستہ وہ اپنے نام بتاتے رہے اور چندر مکھ انہیں دیکھتی رہی  
 اور پھر بولی۔

”مگر میں کون ہوں.....؟“

”تو.....؟“

چندر ساگانے کہا۔

”تو کلیانی ہے.....! کلیانی ہے ری تو.....! ایمن کی پریمیکا.....! ایمن کی پریمیکا.....! ایمن کو بھول گئی ری تو.....؟ یاد نہیں جب تیری ماما نے ایک اچھوت سے پریم کیا تھا، وہ اچھوت اس کا پریمی تھا اور کلیانی ایک راجہ کی بیٹی، جب پریم دیوتا نے دونوں کے من پر پریم بان چلائے تو دونوں ایک دور سے کے پریم میں کھو گئے۔ تیرے پتا نے اپنی پریمیکا کو گھوڑے پر بٹھا دیا اور اسے لے دوڑا۔“

انہوں نے دور دراز ایک مندر میں اپنا استھان بنایا اور وہاں جیون بتانے لگے تو پھر جب تیرے سنسار میں آنے کا لمحہ آیا تو راجہ کے سپاہیوں نے تم دونوں کو پالیا۔ اچھوت تجھے لے کر گھوڑے پر بیٹھ بھاگا تو پیچھے سے تیرے چلے اور وہ ہائے کی آواز کے ساتھ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

جبکہ گھوڑا ر کے بغیر بھاگتا چلا گیا اور پھر وہ سرنگر میں پہنچ گیا۔ سرنگر کے سرمنڈل میں کوئی نہیں تھا۔ وہ ویران پڑا ہوا تھا۔ کیونکہ ان دنوں میں کہیں گیا ہوا تھا اور جب میں سرمنڈل میں ہوتا تو سنگیت پریمی مجھ سے سنگیت سننے آتے تھے اور جب میں وہاں نہ ہوتا تو دُور کا یہ مندر جو درگا نگر کا سرمنڈل تو ایمن کے دم سے ہی آباد تھا۔

ایمن دیوتا کی کہانی میں تجھے سناتا ہوں، پر ہوا یوں کہ وہ عورت جو



تیری ماں تھی اور پورے دنوں سے تھی۔ ایمن دیوتا کے چرنوں میں تجھے جنم دے کر وہاں سے چلی گئی اور کہیں دُور جا کے مر گئی۔ تیرا جنم ایمن دیوتا کے چرنوں میں ہوا اور ایمن جو کب سے تیری راہ تک رہے تھے، خوشی سے کھل اُٹھے۔ ان کے منہ سے چاندی کے پھول جھڑنے لگے۔ جو تیرے چاروں طرف بکھر گئے۔ تب میں وہاں پہنچا۔

مجھے پتا تھا کہ ایمن کو کلیانی کا انتظار ہے۔ ایمن کلیان کو سنسار میں پورا ہونا تھا اور ایسا اس سے تک نہیں ہو سکتا تھا جب تک کلیانی نیا جیون لے کر سنسار میں نہ آجائے۔ تو کلیانی ایمن کے چرنوں میں پہنچ گئی اور میں نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ تب میں نے ایمن کو اپنی چھاتی سے لگا کر پالا اور سرمنڈل میں سر سنسار بس گیا۔ دُور دُور سے سر پر کی اس سنسار میں آتے تھے اور ایمن کلیان شگیت سے آند لیتے تھے۔ کلیانی ایمن کے چرنوں میں جیون پا گئی۔

ایمن دیوتا..... جنہیں اتر مہاراج کے دوارا نکال دیا گیا تھا، کچھ سے یہاں رہے اور اس کے بعد آکاش پر چلے گئے۔ کلیانی اکیلی رہ گئی۔ مگر سنسار میں کوئی اکیلا نہیں رہتا۔ مہاراج پر بھا کرن آئے۔ وہ بہت بڑے آدمی تھے۔ ان کی دھرم پتی نے کلیانی کو پسند کیا اور اسے اپنی بیٹی بنا کر اپنے ساتھ لے گئیں۔

کلیانی کا حسن بڑھتا جا رہا تھا۔ ایمن دیوتا کے ساتھ اس نے جو جیون بتایا تھا، وہ پریم کا جیون نہیں تھا۔ بلکہ ایک عجیب سا سمبندھ تھا ان دونوں کا۔ شاید راگ، انیم کلیان کی شردھا یہی تھی، سو کلیانی پر بھا کرن، مہاراج کے گھر میں پروان چڑھنے لگی۔

وہ ایک دولت مند آدمی تھے اور بڑے آرام و آسائش کی زندگی بسر

لرتے تھے۔ اس لئے کلیانی کو بھی دُنیا بھر کی آرام و آسائش مہیا کر دی گئی تھیں۔ پر بھا کرن مہاراج اسے اپنی بیٹی کی طرح مانتے تھے اور اب ان کے من میں یہ اچھا تھی کہ کوئی ان کی بیٹی کا ہاتھ تھام لے۔ اس سلسلے میں کئی بار کچھ کوششیں بھی ہوئی تھیں، لیکن کوئی کارآمد بات نہیں نکلی تھی۔

ادھر کلیانی کے حسن کا نکھار بڑھنے لگا تھا۔ ویسے ہی کم سندر نہیں تھی، لیکن اب تو اس کا چہرہ آتش ہوتا جا رہا تھا۔ جوانی کی سرخی اس طرح چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔ مانو آگ لگ جائے گی۔ یہی کیفیت اس کے بدن کی بھی تھی۔ جسمانی موزونیت تو اس پر ختم تھی۔ ایک ایک عضو سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ دیکھنے والے اسے دیکھتے اور دل تھام کر رہ جاتے۔ ماما پتا کو اب اس کی یہ جوانی بڑی خوفزدہ کرنے لگی تھی۔ والدین، بیٹی کی جوانی سے ہمیشہ خوفزدہ ہوا کرتے ہیں۔

تب پر بھا کرن نے فیصلہ کیا کہ اسے سوئمبر رچانا چاہئے۔

مگر سوامی.....! خود کلیانی سے تو پوچھ لیا جائے.....!“

اور یہ سوال کرشنا دیوی نے کلیانی سے کر دیا۔

”تیرے پتا جی تیرا سوئمبر رچانا چاہتے ہیں۔“

”کیوں.....؟“

”تیرے لئے پتی تلاش کرنا چاہتے ہیں.....!“

”ماما جی.....! میرا پتی چندر ما سے اُتر کر آئے گا، آپ میرے لئے

سوئمبر نہ کریں، میں برملا کسی کے گلے میں نہیں ڈالوں گی۔“

”پر کیوں بیٹی.....؟ تیرے من میں ہے کوئی.....؟“

”میرے من میں کیا ہے.....؟ یہ تو بھگوان ہی جانتا ہے۔ پر آپ کا

سوئمبر بے کار جائے گا۔“

ماں باپ اسی خیال میں گھلتے چلے گئے۔ وقت گزرتا رہا، جوانی کلیانی پر ٹھہر گئی تھی۔ درحقیقت وہ چندلہ بدن تھی۔ یعنی چندرما جیسا حسن اور چندرما جیسا بدن، بدن کا حسن، لطافتیں، اس قدر بے پناہ ہو چکی تھیں، لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے حسن کو کوئی زوال نہیں تھا۔

پھر اسے ایک سہیلی کی شادی میں بستی سے باہر جانا پڑا اور پہلی بار اس نے دوسری بستی دیکھی۔ پر بھا کرن کا دیا ہوا بہت کچھ تھا اس کے پاس، لیکن اس کی پرواہ نہیں تھی، اس کی شادی تو ختم ہو گئی۔ اس کی سہیلیاں اکثر اس سے کہا کرتیں تھیں۔

”کیانی.....! تیرے من کا میت کہاں ہے.....؟“

”میں محلوں کی رانی ہوں، تم دیکھنا محلوں میں راج کروں گی۔“

”ہاں.....! تیری سندرتا تو ایسی ہی ہے کلیانی.....! کہ تو محلوں میں

راج کرے۔ پر یہ راج تو کب شروع کرے گی.....؟ جوانی بہت جلد جانے والی چیز ہے۔“

”تم دیکھ لو..... مجھ پر سے تو جوانی نہیں ہتی۔“

اور حقیقت یہ ہی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ دُنیا میں تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ لیکن کلیانی کو خود بھی احساس نہیں تھا کہ دُنیا کس تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر کلیانی کے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ نوجوانوں کی سلگتی ہوئی نگاہوں کا اسے بھرپور احساس ہوتا تھا اور ان نگاہوں کو دیکھ کر اس کے اندر ایک میٹھی میٹھی سی کسک پیدا ہو جاتی تھی۔ لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں گھڑتے تھے۔ اکثر اس کی بستی میں اس طرح کی باتیں ہوتی تھیں۔

”نہیں.....! تم نہیں جانتے۔ وہ دیوی سروپ ہے۔ تم نہیں

جانتے.....! وہ کب سے جی رہی ہے.....؟ اصل میں وہ کلیانی ہے جو ایمن کے ساتھ آکاش پر چلی جائے، جانے کب تک چنے.....؟ ہم بوڑھے ہو کر مر جائیں گے، مگر وہ جیتی رہے گی، کیونکہ دیویاں مرتی نہیں ہیں۔“

کلیانی کو یہ کہانیاں پسند نہیں تھیں۔ وہ تو یہی چاہتی تھی کہ نوجوان اسے دیکھیں۔ سرد آہیں بھریں، راتوں کو جاگتے رہی۔ اسے دیوی بننا پسند نہیں تھا اور جب اسے یہ احساس ہوا کہ بستی کے لوگ اسے صرف احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اس کے لئے سامنے سے گزرتے ہیں تو نظریں جھکا لیتے ہیں۔ تو اسے یہ بستی بری لگنے لگی اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ یہ بستی چھوڑ دے گی۔ وہ جانتی تھی کہ سنسار میں اس کے لئے سب کچھ موجود ہے۔

پھر ایک رات اس نے بستی چھوڑ دی۔ کہہ سن کر باہر نکلنا اچھی بات نہیں تھی۔ وہ ایک پگڈنڈی پر چل پڑی۔ پگڈنڈی کہاں جاتی تھی، یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ لیکن وہ چلی جا رہی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی یہ بستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے گی۔

رات کے سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔ قرب و جوار میں جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ جہاں سے گیدڑوں کے بولنے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ لیکن اسے کسی چیز کا خوف نہیں تھا۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز چلی جا رہی تھی۔ بہت ہی خوب صورت لباس پہن رکھا تھا اس نے۔ بہت سے زیورات اس کے بدن پر جگمگا رہے تھے۔ یہ زیورات وہ عام طور سے پہنے رہا کرتی تھی اور اسے اس بات کا بالکل احساس نہیں تھا کہ یہ زیورات کتنی قیمتی چیز ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے اسے کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ خوش نصیب تھی کہ کافی فاصلے طے کرنے کے باوجود ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو اس کے لئے پریشانی کا باعث ہوتا۔

لیکن واقعات ہی تو زندگی کی کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ وہ خاصا

فاصلہ طے کر چکی تھی۔ چندرمانکل آیا تھا اور اس کی روشنی دھرتی کو منور کرتی جا رہی تھی۔ اس روشنی میں ایک حسین اپسراتن تنہا سفر کر رہی ہو تو دیکھنے والے نہ جانے کیا کیا سوچ بیٹھیں گے.....؟ مہندر اور جیون داس بھی دُور سے آگے جاتے ہوئے سائے کو دیکھ کر چونک پڑے تھے۔

دونوں نے اپنے گھوڑوں کی لگا میں کھینچ لیں۔ مہندر نے جیون داس سے کہا۔

”جیون.....! وہ دیکھ..... وہ کیا ہے.....؟“

”کوئی لڑکی لگتی ہے.....!“

”جیون اس کے آس پاس کوئی بھی نہیں ہے۔“

”تو پھر.....؟“

”یار.....! تو پاگل ہو گیا ہے کیا.....؟ ایک لڑکی اس پگڈنڈی پر اکیلی

جا رہی ہے اور تیرے کان پر جوں بھی نہیں رینگ رہی۔“

”پاگل ہے یار تو.....! بالکل پاگل.....! کوئی خطرے کی بات بھی ہو

سکتی ہے۔“

”اچھا.....! وہ لڑکی یقیناً کوئی ڈاکو ہوگی، اور ہم آگے بڑھیں گے تو

ہمیں لوٹ لے گی۔“

”ارے.....! باپ رے باپ.....! ہم تو صرف دو ہیں اور وہ پوری

کی پوری ایک.....!“

جیون داس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا اور مہندر غصیلے

انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

”چل آئے چل.....! دیکھ کیا ہوتا ہے.....؟“

”یار.....! تیرے ذہن میں کیا آ رہا ہے.....؟ مجھے بتا تو سہی.....!“

جیون داس نے اپنے بھائی سے کہا۔

جیون داس ایک سال بڑا تھا۔ مہندر ایک سال چھوٹا تھا۔ دونوں بستی نارنگ پور کے بڑے زمیندار کے بیٹے تھے۔ زمیندار جی اس سنسار سے سدھار چکے تھے۔ البتہ ان کی دھرم پتی موجود تھیں۔ دونوں بیٹوں پر جان دیتی تھیں۔ ان کے علاوہ سنسار میں دیویکا دیوی کا اور کوئی نہیں تھا۔ دونوں بیٹے پڑوس کی ایک آبادی سے آرہے تھے اور ان کے پاس اچھی خاصی رقم تھی۔ جس کے لئے تھوڑی سی احتیاط کرنا بہت ضروری تھا۔

حالانکہ چلتے وقت ماں نے کہہ دیا تھا کہ سفر دن کی روشنی میں ہی کیا جائے لیکن جوانی ایسی باتوں پر کہاں وشواش کرتی ہے.....؟ دوسرے دن نارنگ پور میں صبح ہی صبح کشتیاں ہونی تھیں اور دونوں کو کشتیوں کا بڑا شوق تھا۔ لیکن صرف دیکھنے کی حد تک، وہ دور دور تک یہ کشتیاں دیکھنے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ راتوں رات چل پڑے۔ حالانکہ چلتے ہوئے جیون نے مہندر سے کہا تھا کہ مہندر.....! ماتا جی ناراض ہوں گی۔

”پھر یار.....! کشتی بھی تو نہیں چھوڑی جاسکتی..... بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان لڑ رہے ہیں۔“

”ہاں ہاں.....! وہ تو دیکھتی ہی ہے۔ چلو ماتا جی کی تھوڑی سی ڈانٹ کھالیں گے۔ آدھی رات تک تو پہنچ جائیں گے گھر اور اس کے بعد سو جائیں گے۔ صبح ہی صبح کشتیاں دیکھنے نکل جائیں گے۔ یہ رقم چھپا دیں گے۔ دن میں جب کشتیاں ختم ہو جائیں گی تو رقم لے کر گھر پہنچ جائیں گے۔“

”اور گھوڑوں کا کیا کرو گے.....؟“

جیون داس نے پوچھا۔

”گھوڑے..... گھوڑے تو رگھیر کا کا کے گھریر باندھ دیں گے۔“

”جرم..... یہ جرم.....“  
 ”مگر کشتی بھی تو دیکھنا ضروری ہے۔“

اور پھر راتوں رات ہی چل پڑے تھے اور اب انہیں پگڈنڈی پر یہ لڑکی چلتی ہوئی نظر آئی۔ جیون کے ذہن میں وہ بات نہیں آئی جو میندر سوچ رہا تھا۔ جیون نے آخر اپنا گھوڑا اس کے قریب کیا۔ پھر بولا۔

”میندر.....! تو ڈر رہا ہے.....؟“

”ہاں.....! میں ڈر رہا ہوں کیونکہ میں نے چڑیلوں کے بہت سے قصے سن رکھے ہیں۔“

”چچ..... چچ..... چڑیل.....!“

پہلی بار جیون کو یہ احساس ہوا کہ میندر کا اس عورت کی طرف اشارہ کرنے کا کیا مقصد تھا.....؟ اس کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر میندر بولا۔

”پھر بھی ہمیں دیکھنا تو چاہئے.....! ہو سکتا ہے وہ کوئی مصیبت زدہ ہی ہو.....؟“

”اگر چڑیل ہوئی تو.....؟“

”تو بھاگ جائیں گے یہاں سے.....!“

”مگر میں تجھے ایک بات بتاؤں جیون داس.....! وہ چڑیل لگتی تھیں

ہے۔“

میندر نے کہا وہ اپنے بڑے بھائی سے زیادہ چالاک تھا۔ جیون داس خوفزدہ نگاہوں سے آگے چلتی ہوئی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک اس کا چہرہ ان کے سامنے نہیں آیا تھا۔ جیون داس نے کہا۔

”تجھے کیسے اندازہ ہوا کہ وہ چڑیل نہیں ہے.....؟“

”دیکھ جو جانور ہوتے ہیں ناں..... وہ انسانوں سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں۔ بھوت پریت، چڑیل وغیرہ کو دیکھ کر وہ پہلے سے بدک جاتے ہیں۔ ہمارے گھوڑے تو آرام سے چل رہے ہیں۔“

”ہاں.....! یہ تو میں نے بھی سنا ہے۔ مگر پھر وہ کون ہو سکتی ہے.....؟“

”پتہ نہیں.....! تجھے یہ بات تو معلوم ہے کہ چڑیلوں کے پاؤں اُلٹے ہوتے ہیں۔“

”ہاں.....! منجے پیچھے اور ایڑیاں آگے.....!“

”تو دیکھ لیتے ہیں۔ ایسی کوئی بات ہوئی تو گھوڑے بھگا لیں گے۔“

”آؤ.....!“

جیون بھی تیار ہو گیا اور دونوں اپنے گھوڑے آگے بڑھانے لگے۔ ادھر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر کلیانی بھی رُک گئی۔ اس نے ان دونوں گھوڑے سواروں کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ اس کی عمر اتنی پختہ ہو چکی تھی۔ وہ دُنیا کو اتنا جان چکی تھی کہ اب اسے کسی دُنیاوی چیز سے خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اپنے حسن بے مثال سے دُنیا کو رام کیسے کیا جاسکتا ہے.....؟ انہیں کیسے بے وقوف بنایا جاسکا ہے۔ چاہے وہ کتنے ہی خوانخوار کیوں نہ ہوں.....؟ اگر یہ ڈاکو بھی ہوئے تو سرے اپنے جیون کے سبب سے بڑے نقصان سے دوچار ہوں گے۔

گھوڑے سوار آہستہ آہستہ قریب آگئے تو کلیانی نے دونوں خوب صورت نوجوانوں کو دیکھا۔ جو چہروں سے سیدھے سادھے نظر آتے تھے لیکن اچھے اور دلکش نقوش کے مالک تھے۔ ان دونوں کی نگاہیں اس کے پیروں پر



جی ہوئی تھیں۔ چنانچہ کلیانی ہنس پڑی۔

”کیا دیکھ رہے ہو..... تم لوگ.....؟“

انہوں نے پہلی بار کلیانی کا چہرہ دیکھا اس کے بعد وہ سب کچھ بھول گئے۔ ان کے گھوڑے بھی ساکت تھے اور وہ خود بھی کلیانی نے ناز بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولی۔

”ارے.....! ایسے کیا ٹکڑ ٹکڑ دیکھے جا رہے ہو مجھے.....! میں کتنی تھک

گئی ہوں۔ کیا تمہیں معلوم ہے.....؟“

”کون ہو تم.....؟“

مہندر نے گھوڑے سے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

”میں..... میں..... پتہ نہیں میں کون ہوں.....؟ یہ ہی تو میں یاد

کرتی رہتی ہوں، اپنے بارے میں.....!“

”کیا مطلب.....؟“

”میں..... مجھے لگتا ہے کہ ایک درخت میں پیدا ہوئی ہوں..... پھل

کی طرح..... میں نے اس سنسار کو دیکھا اور اس کے بعد پھل کی طرح بڑھتی

رہی یہاں تک کہ جب وزن بڑھ گیا تو میں ٹوٹ کر گر پڑی۔ بس میرے

تھوڑی سی چوٹ لگی تھی اور اس کے بعد میں وہاں سے چل پڑی۔ نہ جانے

کہاں کہاں سے ہوتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہوں.....؟“

وہ لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ مہندر نے کہا۔

”تم مذاق کر رہی ہو.....!“

”نہیں.....! بھگوان کی سوغندہ.....! میں مذاق نہیں کر رہی۔ مجھے

پتہ ہی نہیں کہ میں کون ہوں.....؟“

کلیانی نے کہا۔

”مگر جا کہاں رہی ہو.....؟“

”یہ بھی بھگوان ہی جانتا ہے.....!“

”کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ اس سنان راستے پر کوئی بھی

تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے.....؟“

”نہیں.....! مجھے اس بات کا اندازہ نہیں ہے۔ مگر کوئی مجھے کیا

نقصان پہنچائے گا.....؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے.....؟“

مہندر اور جیون ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ پھر جیون نے

کہا۔

”مہندر یار.....! کیسی باتیں کر رہی ہے یہ.....؟“

”پتا نہیں.....! یوں لگ رہا ہے جیسے یہ اپنے ہوش میں نہ ہو.....!“

”کہیں اس نے کوئی نشے کی چیز تو نہیں کھالی.....؟“

”اگر کھا بھی لی ہے تو بھلا اس پگڈنڈی پر چلنے کی کیا ضرورت

تھی.....؟“

”اب کیا کریں.....؟“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا.....!“

”میرے من میں ایک بات آ رہی ہے۔“

”کیا.....؟“

”ہم اسے ساتھ لے چلتے ہیں.....؟“

”دماغ خراب ہوا ہے کیا.....؟“

”پتا نہیں کون ہے یہ.....؟ اور کیسی باتیں کر رہی ہے.....؟“

”ہم اسے لے جا کر ماتا جی کے سامنے پہنچا دیں گے اور انہیں بتا

دیں گے کہ یہ ہمیں اس طرح جنگل میں گھومتی ہوئی ملی تھی اور جب ہمیں اس

بات کا اندازہ ہو گیا کہ اس کے پاؤں اُلٹے نہیں ہیں تو ہم اسے اپنے ساتھ لے آئے.....!“

”یار.....! ماما جی پتہ نہیں کیا سوچیں گی.....؟“

”کچھ نہیں سوچیں گی۔ اسے گھوڑے پر بٹھاؤ.....!“

پھر مہندر نے اس سے کہا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہاں آس پاس کوئی بستی نہیں ہے.....؟ یہ

پگڈنڈی اسی طرح بہت دُور تک چلی گئی ہے.....؟ بستی یہاں سے بارہ کوس

کے فاصلے پر ہے.....؟ تم بارہ کوس پیدل چل لو گی.....؟“

”پتہ نہیں.....! نہ چل سکی تو بیٹھ جاؤں گی کہیں.....!“

”جنگل میں بہت سے جانور بھی تو ہوتے ہیں۔“

کلیانی بڑی اچھی اداکاری کر رہی تھی۔

”تمہیں ان سے ڈر نہیں لگتا.....؟“

”ڈر.....؟“

وہ سوچنے والے انداز میں بولی۔ پھر کہنے لگی۔

”پتا نہیں.....! مجھے سنسار میں کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا.....؟“

”باپ رے باپ.....! اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔ کتنی

سندر ہے یہ..... بالکل آکاش کی اپسرا کی طرح..... اور دیکھو.....! بے چاری

پتہ نہیں کس کی اولاد ہے.....؟ زیور کتنے سارے پہنے ہوئے ہیں۔ ڈاکو

دیکھیں گے تو کاٹ ہی ڈالیں گے اسے.....!“

پھر مہندر نے اس سے کہا۔

”ہمارے ساتھ چلو گی.....؟“

”چلوں گی.....!“

وہ بڑے آرام سے بولی۔ اور مہندر ٹھنڈی سانس لے کر جیون داس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

”جیون داس.....! اسے گھوڑے پر بٹھا لو.....!“

”تت.....تت.....تم خود بٹھاؤ.....! مم..... میں نہیں بٹھا سکتا۔“

”چلو لڑکی.....! گھوڑے پر بیٹھ جاؤ.....!“

مہندر نے کہا اور اسے سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھا لیا۔ کلیانی دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ گھوڑے آگے بڑھ گئے۔

کلیانی کو احساس ہو رہا تھا کہ مہندر گھوڑے پر بیٹھا کسمسا رہا تھا، اس کے بدن کے لمس نے مہندر کو پریشان کر دیا تھا۔ اور وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کلیانی کو اس کے احساسات کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا لیکن خود وہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔ زندگی کے طویل ترین تجربے نے اسے یہ احساس دلا دیا تھا کہ اگر زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ہے تو دوسروں کو جذبات کے بھنور میں ڈبو دو۔ خود اس بھنور میں غوطے نہ کھاؤ۔ یہ دونوں جوان اسے اچھے لگے تھے لیکن وہ خود ان سے متاثر ہونا نہیں چاہتی تھی۔

آخر کار گھوڑے نارنگ پور میں داخل ہو گئے۔ نارنگ پور کافی بڑا قصبہ تھا۔ بہت بڑی آبادی تھی۔ اس کے قرب و جوار میں حسین ترین کھیت اور باغات پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں سے بیشتر باغات راجہ شکر دیال کی ملکیت تھے۔ باقی پرانی زمینیں بھی تھیں جو مختلف زمینداروں کی تھیں۔ خود مہندر اور جیون داس کے پتا کی کافی زمینیں یہاں پھیلی ہوئی تھیں اور یہ ہی دونوں ان کی دیکھ بھال بھی کیا کرتے تھے۔ دیویکا دیوی بڑی سمجھداری سے اپنے بچوں کو پروان چڑھا رہی تھیں۔

بہر حال دونوں ڈرتے ڈرتے حویلی میں داخل ہوئے تھے اور کلیانی

نے بڑے غور سے اس حویلی کو دیکھا تھا۔ ماں بیٹوں کا انتظار کر رہی تھی۔ آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ اس وقت بھی عظیم الشان حویلی کے بیرونی برآمدے میں کھڑی اپنے بچوں کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے چوکیدار کو حویلی کا دروازہ کھولتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے دل کو ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ دونوں گھوڑے اندر داخل ہوئے تھے لیکن دیویکا دیوی نے دیکھا کہ وہ دو کے بجائے تین سواروں کو لارہے ہیں۔

بہر حال کرن مہندر نے ماں کو دیکھ کر گھوڑے کو ردکا۔ نیچے اُترا اور اس کی لگام پکڑ کر ماں کی جانب بڑھنے لگا۔ جیون داس نے بھی اس کی پیروی کی تھی لیکن کلیانی گھوڑے ہی پر بیٹھی رہی تھی۔ دیویکا دیوی نے حیرت سے اس آسمان سے اُتری ہوئی اپسرا کو دیکھا اور اس کی نگاہیں بھی بے اختیار اس کے پیروں کی طرف اٹھ گئیں۔

ماں کے ذہن میں بھی یہ ہی خیال آیا تھا کہ کہیں بیٹے کسی پچھل پیری کو تو سر نہیں لگا لائے.....؟ مہندر نے کلیانی سے نیچے اُترنے کے لئے کہا۔ تو وہ ناز بھرے انداز میں بولی۔

”لو..... میں کیسے اُتروں گی نیچے.....؟ تم مجھے اُتارو.....!“

مہندر نے خوفزدہ انداز میں جیون کی طرف دیکھا اور بولا۔

”بھیا جی.....! تم اسے اُتارو.....!“

”مم..... مم..... مم..... میں.....؟ مم..... میں کیسے اُتاروں.....؟“

”ارے.....! جیسے یہ اوپر چڑھی تھی۔ ایسے ہی اسے اُترنا بھی ہوگا۔“

”تت..... تو پھر تم خود اسے اُتارو ناں.....! تم نے ہی اسے اوپر

چڑھایا تھا۔“

جیون داس نے کہا۔

”کیا ہوا تم دونوں کو.....؟ اسے سہارا دے کر نیچے اُتارو.....!“  
دیویکا دیوی ایک دم سنبھل گئی۔

مہندر اور جیون داس دونوں نے کلیانی کو سہارا دیا تھا اور کلیانی ہنستی ہوئی نیچے اُتر آئی تھی۔ اس کی ہنسی تھی کہ قیامت..... سفید سفید موتی چمک اُٹھے تھے۔ اور دیویکا دیوی کا چہرہ ایک لمحے کے لئے پریشانی کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھیں اور انہوں نے کلیانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کون ہے تو کماری.....؟“

”لو..... شروع سے ہی یہ جھگڑا چل رہا ہے کہ میں کون ہوں.....؟“

اسی کا تو فیصلہ نہیں ہو سکا ہے ابھی تک.....!“

”کیا مطلب.....؟ جیون داس.....! مہندر.....! کون ہے یہ.....؟“

کیا فیصلہ نہیں ہو سکا.....؟“

دیویکا دیوی نے کہا اور پھر جلدی سے بولیں۔

”خیر آؤ..... اندر آؤ.....!“

پھر وہ اسے لے کر حویلی کے بڑے ہال میں پہنچ گئیں۔ اور وہ بڑی گہری نگاہوں سے کلیانی کو دیکھ رہی تھیں۔

”ماتا جی.....! یہ ہمیں راستے میں ملی تھی۔ اکیلی جا رہی تھی۔ اس کا

دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔ اتنے سارے زیور پہنے سنسان پگڈنڈی پر اکیلی

جا رہی تھی۔ ہم نے صرف انسانی ہمدردی کی بناء پر اسے گھوڑے پر سوار کرا لیا

اور یہاں پر لے آئے۔ یہ کہتی ہے کہ اس سنسار میں اکیلی ہے۔“

”اور یہ بھی کہتی ہے کہ یہ کسی درخت سے اُگی تھی اور پھل کی طرح

اس درخت پر سے ٹپک پڑی تھی۔“

”ہوں..... چلو جاؤ.....! تم دونوں آرام کرو۔ میں اسے سنبھالتی

ہوں۔“

دیویکا دیوی نے کہا اور دونوں بھائی اندر چل پڑے۔ دیویکا دیوی انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں، دونوں نے پلٹ پلٹ کر کئی بار کلیانی کو دیکھا تھا اور ماں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر جلدی سے سیدھے ہو کر آگے بڑھ گئے تھے۔

جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو دیویکا دیوی نے کلیانی کو دیکھا اور بولیں۔

”لڑکی.....! یہ سنسار میرے لئے بہت پرانا ہو چکا ہے۔ یہاں میں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ میں تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی برا نہیں کہتی۔ بہت سندر ہو.....! بہت پیاری ہو لیکن ایک بات میں تمہیں ضرور بتائے دیتی ہوں۔ لڑکے نوجوان ہیں، بے وقوف ہیں، ابھی ان کی عمر بھی زیادہ نہیں ہے۔ تمہاری باتوں میں وہ بے وقوف بن سکتے ہیں۔ میں نہیں بن سکتی۔ تمہیں یہاں ہر طرح کا تحفظ اور سہارا حاصل ہوگا۔ مگر تم مجھے بتاؤ..... کہ تم کون ہو.....؟ کہاں سے آئی ہو.....؟ کہاں جا رہی ہو.....؟ یہ بتانا ضروری ہے کہ کیا نام ہے تمہارا.....؟“

”میرا نام کلیانی ہے.....!“

”اس میں کوئی شک نہیں کہ تم سنسار کی حسین ترین لڑکی ہو.....! پر کون ہو.....؟ کہاں سے آرہی ہو.....؟“

”آپ یقین کریں مجھے کچھ یاد نہیں آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں اس سنسار کو بالکل بھول گئی ہوں۔ کچھ یاد بھی نہیں ہے مجھے۔“

”ماتا..... پتا.....؟“

”میں کسی کو نہیں جانتی.....!“

”ہاں..... کسی بڑے آدمی کی بیٹی معلوم ہوتی ہو.....؟ یہ زیورات

کہاں سے آئے تمہارے پاس.....؟“

”کچھ پتہ نہیں مجھے.....! کچھ پتہ نہیں.....!“

کلیانی نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ آؤ.....! آرام کر لو.....! جس مقصد کے تحت آئی

ہو۔ اس کا پتہ چل ہی جائے گا۔ مجھے۔ میں اپنے پتی کی موت کے بعد اپنا سارا کاروبار چلا رہی ہوں۔ جیون تو گزارنا ہی ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ تم کسی مقصد کے تحت آئی ہو تو اس میں تمہیں کوئی کامیابی مل جائے گی۔ تمہارے بارے میں بھی مجھے پتہ چل ہی جائے گا کہ تم کون ہو.....؟ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اطمینان رکھو.....!“

”چلو..... میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں.....!“

کلیانی اپنے کمرے میں آگئی تھی اور جب دیویکا دیوی چلی گئیں تو وہ خوب ہنسی۔ اس نے کہا۔

”دیوی جی.....! جو کچھ بھی ہوں، آپ کو بتاؤں گی بھی تو آپ مانو

گی نہیں.....! میں آپ کو کیا بتاؤں.....؟ میرے سامنے جو بچے پیدا ہوئے وہ بوڑھے ہو کر پوتی، پوتے چھوڑ کر مر چکے ہیں۔ میرے مانتا پتا بہت پہلے مر چکے ہیں لیکن میرا جیون مجھ پر رُک گیا ہے۔ وقت مجھ پر ہمایہ کئے ہوئے ہے۔ میں نہ جانے کب سے جیتی ہوں.....؟ اور نہ جانے کب تک جیتی رہوں گی.....؟ آپ کا تجربہ بے شک بہت بڑا ہوگا۔ ذرا اندازہ تو لگائیے میرے بارے میں کہ میری عمر کیا ہے.....؟“

پھر وہ کمرے میں ایک خوب صورت بستر پر لیٹ گئی اور اس کے ذہن کی پرواز کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ جیون داس اور مہندر کی کیفیت بھی



غراب تھی حالانکہ تھکے ہوئے آئے تھے لیکن بستروں پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ جیون نے جب مہندر کو جاگتے دیکھا تو بولا۔

”یار.....! مجھے نیند نہیں آرہی۔ تمہیں آرہی ہے راج.....؟“

”نہیں آرہی.....!“

”کیوں.....؟“

”بس.....! اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔“

”بڑا مسئلہ ہے یہ تو..... میں بھی اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔“

”یار.....! کتنی سندر ہے وہ.....!“

”کہیں کوئی جادوگر نی تو نہیں ہے.....؟“

”بھگوان جانے.....!“

دوسرے دن سے حویلی میں ایک نیا کھیل شروع ہو گیا۔ دیویکا دیوی اپنے بچوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ معصوم فطرت کے حامل تھے۔ کلیانی نے انہیں اپنا نام بتا دیا تھا۔ وہ خود بھی اس کے حسن کی فریفتہ تھیں لیکن ان کا ذہن بس یہ فیصلہ نہیں کر رہا تھا کہ وہ لڑکی کون ہے.....؟

پتہ چل جاتا تو شاید ان کے دل کے گوشے نرم ہو جاتے۔ لیکن جب کسی چیز کے بارے میں علم نہیں ہوتا۔ وہ ذہن پر بار بنی رہتی ہے اور پھر انہیں اپنے دونوں بیٹوں کا خیال آیا۔ کلیانی ایک مست الہزمیہ زور ہرنی کی طرح پوری حویلی میں دندناتی پھرتی تھی اور دیویکا نے چھپ چھپ کر دیکھا تھا کہ جیون داس اور مہندر ایک دوسرے سے الگ الگ اس پر نگاہیں جمائے رہتے ہیں۔ وہ اس کے قریب ہونے کی کوشش بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات دیویکا جی کو بڑی خوفناک محسوس ہوئی۔

ادھر کلیانی نے اپنے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔ بہت ہی

آسان بات تھی کہ اپنے آپ کو اس نے کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ظاہر کر دیا جائے۔ پھر بھلا کون اس کے ماضی کو تلاش کر سکتا تھا.....؟

لیکن دیویکا دیوی یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ حالات بگڑ سکتے ہیں۔ ادھر مہندر چھپ کے کلیانی سے ملنے کی کوشش کرتا اور دوسری طرف جیون داس اس کی تلاش میں لگا رہتا۔ دونوں بھائی اب ایک دوسرے سے چھپنے لگے تھے جبکہ عام حالات میں ان دونوں میں بڑی محبت تھی۔ دیویکا دیوی نے آخر یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کو یہاں نہیں رہنا چاہئے اور سوچنے سمجھنے کے بعد انہوں نے پنڈت گرو نام پال سے رابطہ قائم کیا۔

پنڈت گرو نام پال، دیویکا دیوی کے پتی کے بہت گہرے دوست تھے اور ہمیشہ دیویکا دیوی کے ہر معاملے میں شریک رہا کرتے تھے۔ انہوں نے دوستی کا حق دوست کی موت کے بعد بھی نبھایا تھا۔ بڑی معزز ہستی تھی۔ ان کی رنجہ شکر دیال ان پر بہت بھروسہ کرتے تھے اور ایک طرح سے انہیں ایک مشیر کی حیثیت سے رکھتے تھے۔

چنانچہ دیویکا دیوی نے پنڈت گرو نام پال سے رابطہ قائم کیا اور ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو گرو نام پال جی حویلی پہنچ گئے۔

”جی بھابی جی.....! کیسی ہیں آپ.....؟ بچے کیسے ہیں.....؟“

”سب ٹھیک ہیں بھائی جی.....! ایک مشکل آن پڑی ہے مجھ

پر.....!“

”ہاں ہاں.....! مجھے بتائیے.....! میں کس لئے ہوں.....؟ کیا بات

ہے.....؟ چننا بالکل نہ کیجئے.....! بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”یہ مشکل ایک لڑکی کی شکل میں ہے۔“

”لڑکی.....؟“

”ہاں.....!“

”سمجھائیے مجھے.....!“

اور جواب میں دیویکا دیوی نے اس رات کی کہانی سنائی جب مہندر ناتھ اور جیون کہیں سے آرہے تھے اور انہیں کہیں سے ایک لڑکی مل گئی تھی۔ اب تک کی تفصیل بتاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”بہت سندر ہے وہ.....! یوں سمجھ لیجئے گرو رام پال جی.....! آکاش کی اپسرا ہے جو بھی دیکھے گا، دیکھ کر اس کی حالت خراب ہو سکتی ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ جیون اور مہندر چھپ چھپ کر اسے دیکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے چند روز کے بعد ان کے اندر جنگ شروع ہو جائے۔ میرے گھر کا ماحول بری طرح خراب ہو جائے گا۔ مجھے بتائیے میں کیا کروں.....؟“

”گرو نام پال جی.....! آپ نے ہمیشہ ہر برے لمحے میں میرا ساتھ دیا ہے۔ میں بچوں کی جوانی خراب کرنا چاہتی۔ اگر آپ مجھ پر یہ احسان کریں تو.....“

”بھابی.....! پہلے تو آپ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب کوئی کام آپ میرے سپرد کریں گی تو اپنا بھائی اپنا دیور سمجھ کر کریں گی۔ آج آپ نے اپنا وچن توڑ دیا۔“

”نہیں بھیا جی.....! میں آپ کو پریشان کرتی ہی رہتی ہوں۔“

”جبکہ میں بالکل پریشان نہیں ہوتا۔ ذرا درشن تو کرائیے ان دیوی جی کے.....! کون ہیں.....؟“

تھوڑی دیر کے بعد دیویکا دیوی کی طلبی پر کلیانی گرو نام پال کے سامنے پہنچ گئی۔ نام پال جی نے اسے دیکھا اور ایک لمحے کے لئے سکتے میں آگئے۔ بھگوان نے ایسی ایسی صورتیں بھی اس سنسار میں اُتار دی ہیں۔ ایک

لمحے کے لئے وہ اسے دیکھتے رہ گئے اور پھر اس طرح چونکہ جیسے ان سے کوئی بہت بڑی غلطی ہو رہی ہو۔ انہوں نے جلدی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آؤ..... بیٹھو بیٹی.....! کیا نام ہے تمہارا.....؟“

”کلیانی.....!“

اس کی نرم و نازک مہین سی آواز ابھری۔

”بڑا سندر نام ہے۔ میرا نام پنڈت گردنام پال ہے۔ تم مجھے چاچا جی کہہ کر بلا سکتی ہو۔ دیویکا دیوی میری بھابی ہیں۔ یہ کچھ دنوں کے لئے نارنگ پور سے باہر جا رہی ہیں۔ مہندر اور جیون داس کے ساتھ یہ مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جا کر رکھوں۔ تیار ہو جاؤ.....!“

”آپ کہاں رہتے ہیں پنڈت جی.....؟“

کلیانی نے بلا جھجک پوچھا۔

”اتنی سندر حویلی تو نہیں ہے میری.....! پر تمہیں وہاں بھی بہت اچھا لگے گا۔ وہاں تمہیں رام سری ملے گی، میری بہن..... بڑی اچھی ہے۔ بہت پیار کرے گی تمہیں.....! جاؤ اپنا سامان اٹھا لاؤ.....!“

”میں ملازمہ سے منگوائے دیتی ہوں۔“

دیویکا دیوی نے کہا۔

”ابھی جانا ہوگا مجھے.....!“

”ہاں.....!“

”ٹھیک ہے.....! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے.....؟“

کلیانی نے کہا اور حقیقت یہی تھی کہ اس نے سنسار کو دیکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مہندر اور جیون داس پر اس نے کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ کسی کو اپنے سر پر بٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ البتہ وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ دونوں اس

کے قریب ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اسے انسانوں کا اپنی جانب متوجہ ہو جانا پسند تھا۔ خود ان سے منسلک ہو جانا اسے بالکل ہی ناپسند تھا۔

”اب ذرا ان پنڈت گرو نام پال جی کو بھی دیکھ لیا جائے۔“

اس نے سوچا۔ اور پھر اس کا مختصر سامان آگیا۔

”دیویکا دیوی نے اس کے بہت سارے کپڑے بھی بنائے تھے اور وہ جو بھی کپڑے پہنتی تھی، ان میں ہیروں کی طرح دکنے لگتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد پنڈت گرو نامپال جی نے ملازم بھیج کر اپنے گھر سے رتھ منگوا لیا۔ خود تو وہ گھوڑے پر آئے تھے اور کلیانی کا ایک نئے گھر کی جانب سفر شروع ہو گیا۔

خود گرو نامپال جی اس کے حسن بے مثال کو دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ بہر حال اپنے گھر میں انہوں نے کلیانی کی رہائش کا بندوبست کیا۔ مہندر اور جیون داس کے دل پر اس واقعے کے بعد کیا گزری.....؟ اس کا اظہار تو وہ کبھی نہ کر سکے لیکن دل ہی دل میں انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ماما جی نے یہ ظلم تو کر ڈالا ہے ان پر لیکن انہیں گھر میں قید تو نہیں کر سکیں گی۔

کلیانی سے ان کی اچھی خاصی شناسائی ہو چکی تھی۔ وہ جب بھی دل چاہے گا گرو نامپال جی کے گھر جا کر کلیانی سے مل لیا کریں گے۔ بہر حال کلیانی کو اس بات کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ تو اب نئے جہانوں کی تلاش میں نکل پڑی تھی اور یہاں اسے رام سری ملی۔

رام سری جس کی عمر تیس سال کے قریب تھی، وہ بیوہ تھی لیکن زندگی کے تیس سال میں شاید اسے کبھی دلی سکون نہیں ملا تھا۔ کلیانی کی طرف اس نے بڑی محبت بھرے قدم اٹھائے اور بہت بے باک عورت تھی اور اس کے اندر احساس کی آگ سلگ رہی تھی۔ کلیانی سے چند روز کے بعد بے تکلفی ہو گئی

تو اس نے کہا۔

”بھگوان نے تمہیں اپسراؤں سا روپ دیا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں کلیانی.....! یہ جو روپ ہوتا ہے ناں.....! چند روز کی چھایا ہوتی ہے۔ اسے اپنے مان کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہئے۔ بلکہ سندرتا سے تم ایک طوفان مچا سکتی ہو۔ ایک ہلچل مچا سکتی ہو۔ کیا سمجھیں.....؟“

یہاں تمہیں روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ بھیا جی یعنی پنڈت نامپال زیادہ تر راجہ جی کے پاس رہا کرتے ہیں۔ یہاں آزادی ہی آزادی ہے۔ ان مردوں کے سینوں پر مونگ دلو۔ کسی کے پھیر میں مت آؤ.....! اپنے حسن سے فائدہ اٹھاؤ.....!“

اور یہ بات کلیانی کے مزاج کے مطابق تھی۔ وہ خود بھی یہ ہی چاہتی تھی کہ نوجوان اس کے لئے تڑپیں اس کے لئے قتل و غارت گری ہو۔

اب اس کا ذہن ان ہی راستوں پر بھٹک رہا تھا اور وہ یہی سب کچھ چاہتی تھی۔ بہر حال اس طرح وقت گزرتا رہا۔ گرو نامپال جی نے اسے ہر طرح کی آزادی دی تھی۔ ویسے رام سری کا کہنا بالکل ٹھیک تھا۔ گرو نامپال جی زیادہ تر راجہ شکر دیال کی حاضری میں رہا کرتے تھے یا پھر اپنا کام دیکھا کرتے تھے۔

چنانچہ کلیانی نے اپنی تفریحات کا آغاز کر دیا۔ وہ نارنگ پور کے مختلف علاقوں میں جایا کرتی تھی۔ خاص طور سے سورگ مندر اس کی تفریحات کا مرکز تھا۔ سورگ مندر کے عقب میں ہی ایک نہر بہہ رہی تھی جسے گھاٹ کے طور پر استعمال کیا۔ جب کلیانی وہاں پہنچی تو سب عورتیں اسے دیکھ کر ششدر رہ گئیں اور پھر جب وہ کپڑے اتار کر اس نہر میں داخل ہوئی تو عورتوں پر سکتہ طاری ہو گیا اور اسے پتہ نہیں کیا کیا نام دیئے گئے.....؟

کلیانی کی کہانی عورتوں میں پہنچ گئی تو پھر کسی اور چیز کی کیا ضرورت رہ گئی تھی.....؟ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی۔ سورگ مندر کے عقب کی نہر میں ایک اپسرا نہانے اُتری ہے، اس کے حسن کی پورے قصبے میں دھوم مچ گئی اور نوجوان اس کے دیوانے ہو گئے۔

وہ اس کے انتظار میں آنکھیں بچھائے رہتے۔ رفتہ رفتہ انہیں یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ وہ پنڈت گرو نامپال کی کوئی رشتہ دار ہے اور کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔ سب جانتے تھے کہ پنڈت جی راجہ شکر دیال کے مشیر خاص ہیں۔ اگر کسی نے کوئی گڑبڑ کی تو دربار میں طلب کر کے اتنے جوتے پڑیں گے کہ چاند گنچی ہو جائے گی لیکن پھر بھی نوجوان اس کے دیوانے تھے اور اس کے انتظار میں آنکھیں بچھائے رہتے تھے۔

وہ اس سے عشق جتانے کی ہمت نہیں رکھتے تھے لیکن سورگ مندر کی نہر کو اب سورگ نہر کے نام سے جانا جانے لگا اور اب یہ حسن کی جنت تھا اور نوجوانوں کو اس سورگ میں جانے سے کون روکتا.....؟

نہر کے گرد کھاد کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ فصل پکنے والی تھی۔ بڑے بڑے جھاڑ کھڑے تھے جو نوجوانوں کو چھپانے کے لئے کافی تھے۔ چنانچہ ایک دن جب کلیانی نے لہنگا اور چولی نہر کے کنارے رکھی اور پانی میں اُترنے لگی تو اسے کھاد کے پودے ہلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس کی تیز نگاہوں نے فوراً اندازہ کر لیا کہ کھیت میں کوئی موجود ہے لیکن بھلا اس میں کیا پریشانی.....؟ وہ تو خود یہی چاہتی تھی کہ نوجوان دُور سے اس کے حسن کو دیکھیں اور سلگتے رہیں۔

چنانچہ وہ مچھلی کی طرح تالاب میں تیرتی رہی۔ اس کی آنکھوں نے پودوں سے کئی سر اُبھرتے دیکھ لئے تھے اور اسے خوب ہنسی آئی تھی۔ بڑے

بڑے مہماتما تھے، اس کے دل میں مسرت کی گدگدی ہوتی رہی۔

کافی دیر تک وہ تالاب میں نہائی اور پھر باہر نکل آئی۔ لوگوں کی نگاہوں سے بے نیاز رہ کر اس نے سکون سے کپڑے پہنے اور واپس چل پڑی اور پھر یہ اس کا روز کا معمول ہو گیا۔ رام سری نے تو کچھ جیلے ہی کہے تھے لیکن اتنے طویل عرصے کی زندگی گزارنے کے بعد جبکہ اس کے سامنے پیدا ہونے والی لڑکیاں بوڑھی ہو کر چھ چھ، سات سات بچوں کی ماں بن کر شمشان گھاٹ پہنچ گئی تھیں۔ وہ اسی طرح حسن و جمال میں یکتا تھی۔

اب اس کا روز کا معمول ہو گیا تھا کہ وہ سورگ نہر جاتی، وہاں پہنچ کر نہاتی، نوجوان نہ جانے کس کس طرح راتیں گزارتے تھے.....؟ صبح اس کے پہنچنے سے پہلے ہی کھیلوں میں رونق ہو جاتی تھی۔ کلیانی نہر میں نہاتی تو نوجوان دل پکڑ کر بیٹھ جاتے۔

لیکن ایک دن ایک دیوانہ بے قابو ہو گیا۔ اس دن موسم ابر آلود تھا۔ فضا گنگنا رہی تھی۔ یہ نوجوان شام سہنا تھا۔ اس کا شمار بستی کے غنڈوں میں ہوتا تھا۔ وہ کھیتوں سے باہر نکلا۔ کلیانی نہر میں اتر چکی تھی۔ وہ نہر کے قریب پہنچا۔ اس نے کلیانی کو آواز دی۔  
”کلیانی.....!“

”ہائے..... دیا.....! موئے.....! بے شرم.....! تو یہاں کیا کر رہا ہے.....؟ دیکھتا نہیں میں نہا رہی ہوں.....؟“

”مجھے دیکھ کر ہی تو یہاں آیا ہوں کلیانی.....!“  
شام نے کہا۔

”تیرے گھر میں ماں بہنیں نہیں ہیں کیا..... چلا جا یہاں سے.....!“  
”ماں بہنیں تو ہیں لیکن تیرے جیسی سندر ناری کوئی نہیں ہے۔ میں



تجھے قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

شام سہنا نے کہا اور پانی میں اتر گیا۔ کلیانی تیزی سے دوسرے کنارے کی طرف لپکی۔ ساتھ ہی وہ ”بچاؤ بچاؤ“ چیخ رہی تھی۔

حسن کی پکار نے بہت سے گیدڑوں کو شیر کر دیا۔ بہت سے لڑکے کھاد کے کھیتوں سے باہر نکل آئے۔ کلیانی دوسری طرف خشکی پر آگئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو ایک درخت کے پیچھے چھپا لیا تھا۔

”شام..... کیوں اسے تنگ کر رہا ہے.....؟“

آکاش نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا ہے.....؟ تیری بہن ہے کیا.....؟“

شام سہنا نے آنکھیں نکال کر کہا اور کلیانی کے کپڑے اٹھائے۔

”اس کے کپڑے اسے دے دے شام.....! ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔“

آکاش بولا۔

”چلا جا یہاں سے..... کیوں تیری موت میرے ہاتھوں لکھی

ہے.....؟ تو خود کیا اپنی ماں کی حفاظت کرنے آیا ہے یہاں.....؟“

شام سہنا نے کہا اور آکاش نے ایک زور دار گھونسنہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ شام سہنا بھی اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھی بھی باہر نکل آئے اور باقاعدہ فساد ہو گیا لیکن اس فساد میں کلیانی کے کپڑے اسے مل گئے۔ اس نے جلدی سے کپڑے پہنے اور قصبے کی طرف دوڑ گئی۔

نوجوانوں میں زبردست جنگ چھڑ گئی۔ جس کے نتیجے میں شام کی آنکھ پھوٹ گئی۔ آکاش کا سر پھٹ گیا اور دوسرے بہت سے نوجوانوں کو شدید چوٹیں آئیں۔ قصبے والوں کو اطلاع ملی اور قصبے میں کھرام مچ گیا۔

بزرگ دوڑے آئے اور انہوں نے بمشکل بچ بچاؤ کرایا لیکن سورگ

نہر کے نزدیک ہونے والے جھگڑے کی بنیاد بتانے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا لیکن ایسی باتیں کہاں چھپی رہ سکتی ہیں.....؟ پتا چل گیا کہ یہ ہنگامہ کلیانی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ بزرگوں کی پنچایت ہوئی۔ تمام بزرگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

کلیانی کے نہر پر نہانے کی اطلاع پہلے بھی کئی بزرگوں تک پہنچ گئی اور وہ سب غور کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ بہر حال بزرگوں نے ایک دوسرے کو صورت حال بتائی اور اس خوف کا اظہار کیا کہ آج اس کی وجہ سے ہمارے لڑکے زخمی ہوئے ہیں، کل دو چار خون ہوں گے اور اس کے بعد نارنگ پور مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ یہ بڑی غلط بات تھی۔

”پنڈت نام پال جی کو خود سوچنا چاہئے کہ آگے کیا ہونے والا ہے.....؟ گرو جی تو آنکھیں اور کان بند کئے بیٹھے ہیں۔ میرا منہ نہ کھلواؤ۔ ان کی بہن رام سہری نے کیا نہیں کیا.....؟ یہ تو بہت بری بات ہے.....!“

”ارے کہاں کی بات کرتے ہو.....؟ راجہ شکر دیال جی کو بھلا کیا پڑی ہے کہ اس چھوٹے سے قصبے کی بات سنیں.....؟ تم نے ان کے محل کی رنگ رلیوں کے قصے نہیں سنے کیا.....؟“

”تو پھر آخر کیا ہوگا.....؟“

”بس بھیا.....! اندھیر نگری ہے۔ دو ہی باتیں ہیں۔ ایک بار پھر پنڈت گرو نامپال سے بات چیت کی جائے یا پھر خاموش ہو کر بیٹھ جایا جائے، جو ہو رہا ہے وہ ہوتا رہے گا۔“

”تو پھر سوچو اور غور کرو.....! دوبارہ پنچایت بلائی جائے گی اور اس میں فیصلہ کیا جائے کہ اس مصیبت کے خلاف کیا کیا جائے.....؟“

بچوں نے اس بات کی تصدیق کر دی تھی اور کلیانی ایک نئے مسئلے

کے طور پر سنسار کے سامنے آگئی تھی۔

پنڈت گرو نامپال سے بات کی گئی تو وہ گھبرا گئے۔

”میں کوئی اپائے کروں گا۔ بھائیو.....! کچھ سوچوں گا میں.....“

اور پھر انہوں نے گیروا سے بات کی جو ان کا دوست تھا اور پھول  
نواس میں راجہ شکر دیال کے محل میں نوکری کرتا تھا۔ چرس پیتا تھا اور جیون  
گزارتا تھا۔

”تم اسے پھول نواس لے جاؤ گیروا.....! میرے بھائی.....!  
میری..... میری مشکل دور کر دو۔“

گیروا تیار ہو گیا۔ کلیانی کو پتہ چلا کہ اسے پھول نواس نامی کسی  
راجدھانی میں لے جایا جا رہا ہے تو اس نے لاپرواہی سے گردن ہلا دی۔  
اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا.....؟ رام سری کو پتا لگا تو اس نے حسرت بھرے  
لہجے میں کہا۔

”ہائے رام.....! تیری سندرتا تو غضب ڈھائے گی محل میں..... اگر  
کہیں مہاراج کی نظر پڑ گئی تو تو رانی بن سکتی ہے۔ ویسے ایک بات  
کہوں.....!“

”ہوں.....!“

”تو ہے ہی رانی بننے کے قابل.....!“

یہ بات کلیانی کے من میں بیٹھ گئی۔ واقعی رانی بننے کے مزے ہی  
”سرے ہوتے ہیں۔“

وہ پھول نواس پہنچ گئی۔ شہر کی بات ہی نرالی تھی۔ چاروں طرف  
لندگی ہی زندگی تھی۔ ٹانگے، بالکیاں، رواں دواں تھیں۔ صاف ستھری  
کانیں، بھرے پرے بازار، بانگے سچیلے لوگ، کلیانی مسرت بھری نگاہوں سے

ایک ایک منظر دیکھتی ہوئی محل میں پہنچ گئی۔

گیروا نے اسے اوڑھنی ڈھک لینے کو کہا اور اس نے اوڑھنی میں چہرہ چھپا لیا۔ اس طرح وہ محل کے عقبی حصے میں داخل ہو کر ان کوارٹروں میں پہنچ گئی جو راج محل کے ملازموں کے تھے۔ یہ کوارٹر بھی محل کی سامان تھے اور اس شان کو مد نظر رکھ کر ہی بنائے گئے تھے اور ان مکانات سے کہیں زیادہ خوب صورت تھے جو نارنگ پور کے شرفاء کے مکانات تھے۔ یہ سب دیوان جی کی عنایات تھیں ورنہ گیروا کو تو محل میں قدم رکھنے کی بھی اجازت نہ ملتی۔

بہر حال وہ کوارٹر کے قریب پہنچ گئی۔ قرب و جوار کے لوگوں نے یہی بتایا تھا کہ اس کی ایک عزیزہ اس کے ساتھ آئی ہے۔ پڑوسیوں نے اس سے ملنے کی کوشش بھی کی لیکن گیروا نے کہہ دیا کہ وہ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی۔ اس طرح کلیانی فی الحال قید ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک طرف گیروا سوچ بچار میں تھا۔ سوچ و بچار میں تھا کہ کس طرح یہ گوہر نایاب مہاراج تک پہنچائے۔

دوسری طرف کلیانی اس خیال میں غرق تھی کہ مہاراج شکر دیال کی نگاہوں میں کس طرح جگہ پائے.....؟

یہاں آئے اسے ایک ہفتہ گزرا تھا۔ وہ قید سے باہر نہیں نکلی تھی اور اب یہ قید اسے ناگوار گزر رہی تھی۔ چنانچہ اب وہ کچھ کرنے کا ارادہ کر رہی تھی اور اس کے لئے ضروری تھا کہ گھر سے نکلا جائے۔ اس وقت گیروا گھر میں نہیں تھا۔ وہ کوارٹر کے دروازے پر آئے اور تھوڑا سا اسے کھول کر باہر جھانکا۔ ایک درمیانے قد کے خوب صورت سی عورت اس وقت دروازے کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ اس نے ”شی شی“ کر کے اسے آواز دی اور عورت رُک گئی۔

اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور کلیانی نے اپنا ایک ہاتھ نکال کر اسے اشارہ کیا۔

عورت حیران سی دروازے پر پہنچ گئی۔ تب کلیانی نے دروازہ کھول

دیا۔

”اندر آ جاؤ.....!“

وہ آہستہ سے بولی۔ عورت اس کا حسن دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھی۔

”اس کو ارٹریس میں یہ اپسراء کہاں سے اُتر آئی.....؟“

بہر حال میں حیران سی اندر داخل ہو گئی۔

”تم ہی گیروا کی عزیزہ ہو.....؟“

اس نے اندر آتے ہی پوچھا۔

”ہاں.....!“

کلیانی نے گردن ہلائی۔

”تب تو گیروا نے تمہیں یہاں لا کر عقل مندی نہیں کی ہے۔ اگر

مہاراج کے کسی ہرکارے نے تمہیں دیکھ لیا تو پھر تمہاری خیر نہیں ہے۔“

”کیوں.....؟ کیا بات ہے.....؟“

کلیانی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بھولی لڑکی تو بے حد سندر ہے۔ اتنی سندر کے ایک بھی رانی تیرے

ہود کو پھول نہیں ہے۔ مہاراج نے اگر مجھے دیکھ لیا تو دیوانے ہو جائیں

گے اور پھر تو مہاراج کے محل میں پہنچ جائے گی۔ مگر گیروا تیرا کون ہے.....؟“

”کوئی بھی نہیں..... بس میں ایک لاوارث ہوں..... بھری دُنیا میں

مہرا کوئی بھی نہیں ہے۔ گیروا کے قصبے کی ہوں اور بس.....!“

”اوہ.....! مگر اب تو زندگی کیسے گزارے گی.....؟ یہاں تو تیرے

لئے بڑی مشکل ہے۔“

”تم یہاں کیا کرتی ہو.....؟“

کلیانی نے پوچھا۔

”مالن ہوں..... روزانہ پھول توڑ کر محل میں پہنچاتی ہوں۔“

”تم نے راجہ شکر دیال کو دیکھا ہے.....؟“

”بیسویں دفعہ.....!“

”کیسے ہیں.....؟“

”بس راجہ ہیں اور راجہ عام آدمیوں سے انوکھے ہوتے ہیں۔“

”میں بھی شکر دیال کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ کوئی ترکیب بتاؤ.....!“

”تو..... تو انہیں دیکھ لے۔ اگر انہوں نے تجھے دیکھ لیا تو بس تیری

خیر نہیں ہے۔ سوچ لے.....!“

”وہ میں سوچ لوں گی۔ تم ترکیب بتاؤ.....!“

کلیانی نے کہا۔

”روزانہ چھ بجے وہ محل کے پیچھے والے باغ میں سیر کو آتے ہیں مگر

اس وقت کسی اور کو باغ میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی، میں بھی سات بجے

کے بعد جاتی ہوں۔ ہاں.....! اگر باغ کے کسی گملے کے پیچھے سے کوئی چھپ

کر انہیں دیکھنا چاہے تو کوئی مشکل نہیں ہے۔“

”اکیلے ہوتے ہیں.....!“

”عام طور سے اکیلے ہوتے ہیں۔ کیونکہ کوئی رانی اتنی صبح نہیں

اُٹھتی۔ کبھی کبھی کسی کو اُٹھا کر ساتھ لے آتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے.....! تمہاری مہربانی مگر تمہارا نام کیا ہے.....؟“

”چندا.....!“

”میں اکیلے گھبراتی ہوں چندا بہن.....! ملتی رہا کرو۔ میں زیادہ لوگوں سے ملنا نہیں چاہتی۔ سچ کہتی ہوں۔ بس تم اکیلی ہی میرے پاس آجایا کرو۔“

”تو..... تو اتنی تندر ہے کہ تیرے پاس سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔ سچ کہتی ہوں۔ راج محل میں چاند اُتر آیا ہے۔ مگر کسے خبر کہ وہ گندی کچھڑ میں پڑا ہے.....؟“

چندا نے دونوں ہاتھ کلیانی کے رُخساروں پر رکھتے ہوئے کہا اور کلیانی مسکرانے لگی۔

چندا باہر نکل گئی اور اس کے جانے کے بعد بھی کلیانی مسکراتی رہی۔ اس کی حسین آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ بہر حال اس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اور پھر وہ اپنے آئندہ اقدامات کا جائزہ لینے لگی۔

دو تین ملاقاتوں کے بعد چندا اس سے بے تکلف ہو گئی۔ گيروا بے کار انسان تھا۔ وہ آج تک کچھ سوچ نہ سکا تھا اور پھر جس اسے کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہ دیتی تھی۔ کلیانی کو اپنے کام کے لئے کسی راز دار کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے چندا کو اپنی گہری سہیلی بنا لیا اور پھر ایک دن وہ چندا سے بولی۔

”تم گيروا کو دیکھتی ہو۔ چندا بہن.....! ہر وقت جس کے دم لگاتا رہتا ہے۔ میرا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔ اب تم ہی بتاؤ زندگی کیسے گزاروں.....؟“

”ایک بات میرے دماغ میں کئی دن سے چل رہی ہے۔ اس ڈر سے نہیں کہی کہ تو برا مان جائے گی۔“

چندا نے اس کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”ایک تم ہی تو میری سہیلی ہو چنڈا.....! تمہاری بات کا بھی برا مان جاؤں گی.....؟“

کلیانی نے ناز سے کہا۔

”میرے اوپر اعتبار کرتی ہو.....؟“

”ہاں.....!“

”تو پھر سن.....! میں ہر طرح تیری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تو چاہے گی تو میرے لئے بر تلاش کر دوں گی اور خاموشی سے تیرے پھیرے کرا دوں گی لیکن تیرا بر گیر و جیسا ہی کوئی ہوگا۔ جو تیرے حسن کو مٹی میں ملا دے گا اور اگر کسی طرح مہاراج یا کسی ہر کارے کی نگاہ تیرے اوپر پڑ گئی تو تجھے محل بلوایا جائے گا۔ مگر تیری کوئی حیثیت نہ ہوگی۔“

مہاراج جب تک چاہیں گے تجھ سے دل بہلائیں گے اور پھر تجھے تیرے پتی کے حوالے کر دیں گے۔ اس کے بجائے اگر تو کنواری ہی مہاراج کے سامنے آجائے اور انہیں لبھائے تو سچ کہتی ہوں کلیانی.....! رانی بن جائے گی۔ مہاراج عورت کے معاملے میں ایسے ہی ہیں۔ پورے پھول نو اس میں تیرا ہی راج ہو سکتا ہے۔ آگے تیری مرضی.....! میں ہر طرح تیری مدد کرنے کو تیار ہوں۔“

”مجھے تیرے اوپر دشواش ہے چنڈا.....! مگر میری سہیلی.....! میں مہاراج کے سامنے کیسے آؤں.....؟“

”یہ کون سی بڑی بات ہے.....؟ میں تجھے بتا چکی ہوں کہ مہاراج صبح ہی صبح تازہ ہوا کھانے آتے ہیں۔ تو کسی طرح باغ میں پہنچ جا۔ دوسروں کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ مگر تجھے دیکھ کر مہاراج ناراض نہیں ہوں گے۔“

”تو مجھے وہاں پہنچا دے گی چنڈا.....؟“



”ہاں.....! کیوں نہیں.....؟ تیری سہلی جو ٹھہری.....!“  
 ”مگر میرے پاس تو کپڑے بھی نہیں چندا.....! بس یہی کپڑے

ہیں۔“

”تو چننا مت کر کلیانی.....! میں تیرا سنگھار کر دوں گی۔ تجھے خوب صورت کپڑے بنوا دوں گی۔ مگر رانی جی، رانی بن کر چندا کو بھول نہ جانا.....!“

”تجھے کیسے بھول جاؤں گی چندا.....؟ تو میری سہلی ہے۔“  
 کلیانی نے چندا کے گلے میں ہاتھیں ڈال دیں۔  
 ”تو پھر ٹھیک ہے.....! تو مہاراج کے سامنے جائے گی.....؟“  
 ”ہاں.....!“

کلیانی نے جواب دیا اور چندا خوش ہو گئی۔  
 اس نے وعدہ کیا کہ وہ آج سے اپنا کام شروع کر دے گی اور چندا نے جو کہا تھا، وہی کیا۔ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے ایک خوب صورت لباس تیار کرایا۔ اسے خود بھی لالچ تھا۔ ظاہر ہے۔ کلیانی کو کوئی مقام مل گیا تو چندا کے بھی عیش ہو جائیں گے۔

اور پھر ایک رات تقریباً چار بجے جب گیروا جس کے نشے میں اوندھا پڑا ہوا تھا، چندا اپنا تیار کیا ہوا لباس اوہ پھولوں کے گجرے لے کر گیروا کے کوارٹر پر پہنچ گئی۔ اس نے رات کو ہی کلیانی سے کہہ دیا تھا کہ صبح چار بجے اس کا انتظار کرے۔

کلیانی نے دروازہ کھولا، وہ چندا کے آنے سے پہلے ہی نہا چکی تھی۔  
 چندا اس کا سنگھار کرنے لگی۔ کلیانی کے لمبے بالوں کی ڈھیلی ڈھالی خوب صورت چوٹی میں اس نے جوہی کے پھول پروئے پھر چند پھول اس کے

بالوں میں اٹکائے اور گہرے رنگ کی چولی اور لہنگا پہنا دیا۔ بھرپور سنگھار کرنے کے بعد اس نے کلیانی کو دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

”مرد ہوتی کلیانی.....! تو اس جگہ آتما ہتھیا کر لیتی..... تو ایسی ہی سندر لگ رہی ہے کہ تجھے دیکھ کر آدمی مر جائے تو سیدھا سوگ میں جائے.....!“

کلیانی مسکراتی رہی اور پھر دونوں خاموشی سے کوارٹر سے نکل آئیں اور چندا درختوں کی آڑ لیتی پہرے داروں کی نگاہوں سے بچتی، راج محل کے پچھلے حصے میں پہنچ گئی۔ ابھی چھ بجنے میں دیر تھی۔ گرمیوں کی صبح تھی۔ اُجالا پھیل چکا تھا لیکن آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے موسم بھیگا بھیگا ہو رہا تھا۔ چندا نے اسے محل کے عقبی باغ میں چھوڑ دیا۔

کلیانی کا دل بلیوں اُچھل رہا تھا۔ آج اسے بہت بڑا معرکہ سر کرنا تھا۔ اسی معرکے پر اس کی زندگی کا دار و مدار تھا۔ اپنی زندگی کا جس کے خواب اس نے انجانے میں دیکھے تھے۔ اگر آج اس نے مہاراج کو متاثر کر لیا تو اس کا مستقبل بن جائے گا۔ وہ دھڑکتے دل سے اس فوارے پر جا بیٹھی، جس سے رنگین پانی کی پھواریں اُبل رہی تھیں۔

چند ساعت دھڑکتے دل پر قابو پاتی رہی اور پھر پرسکون ہو گئی۔ اس کی نگاہیں اُبلتی ہوئی رنگین دھاروں کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

ایسے سہانے منظر کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ بے خودی کے عالم اُبلتے اور نیچے گرتے پانی کو دیکھتی رہی، پرندوں کی چچہاہٹ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ بادل کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ اس نے گہری سانس لی لیکن دوسری طرف رُخ کرتے ہی وہ سہم گئی اور سہا ہوا حسن کچھ اور بھی حسین ہو گیا۔ کالی آنکھوں میں خوف کے سائے حسن اور سامنے کھڑے ہوئے آدمی

نے دل تھام لیا۔ کلیانی نے سہی سہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔  
 اطلس کے لبادے میں کامدار جوتیاں پہنے کوئی کھڑا تھا۔ بلند و بالا قد،  
 لمبے لمبے بال جو کانوں کے پاس سے سفید تھے، چوڑا رعب دار چہرہ، گنی  
 مونچھیں بڑی بڑی آنکھیں، حیرت سے سمٹے ہوئے ہونٹ، سفید لنگ، کوئی  
 انجان بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ زاجہ ہے راجاؤں کی سی شان تھی۔

کلیانی کے ذہن میں ایک چھناکا ہوا اور خود کو سنبھالنے لگی۔ اپنا  
 خوف دُور کرنے لگی۔ دیکھنے والا سادگت و جامد کھڑا تھا جیسے سحر کر دیا گیا ہو۔  
 کلیانی بھی خاموش کھڑی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس کے چہرے سے خوف کے  
 اثرات سمٹتے جا رہے تھے اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس  
 نے اوسان بحال کئے اور بے تکلفی سے بولی۔

”تم نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔“

یہ طرزِ تکلم، یہ اندازِ مخاطب، سننے والے کے لئے اجنبی تھا۔ انوکھا  
 تھا۔ اس بے تکلفی پر وہ مرعہ۔ شاید ہی اس کے کانوں نے ایسے بے تکلفی  
 کے الفاظ کبھی سنے ہوں۔ آہستہ آہستہ اس کی حیرت بھی دُور ہو گئی۔ آنکھوں کی  
 زندگی لوٹ آئی۔ طلسم ٹوٹ گیا اور وہ بھی مسکرا پڑا۔

”کیا تم نے ان لہروں میں جنم لیا ہے.....؟“

وہ میٹھی آواز میں بولا۔

”ان میں.....؟“

وہ ہنس پڑی۔ جلت رنگ بج اٹھا۔ پینا کے تاثر چھڑ گئے۔ بڑی نفیسی  
 تھی اس ہنسی میں۔ وہ اپنے ترکش کے تمام تیروں سے واقف تھی اور ان سب  
 سے کام لے رہی تھی۔

”میں نے ان لہروں میں جنم نہیں لیا..... تم مانو کسی درخت میں اُگے

ہو..... دھرتی سے نکل آئے ہو.....!“

”کیوں.....؟“

اس میٹھی آواز میں پوچھا گیا۔

”تمہارے قدموں کی چاپ ہی نہیں سنی.....!“

”اوہ.....! تم ان رنگین لہروں میں کھوئی تھیں ورنہ چاپ ضرور سن

لیتیں۔“

”بڑی سندر ہے یہ جگہ..... میں نے خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔

مہاراج کیسے بھاگوان ہیں۔ روزانہ اسے دیکھتے ہوں گے۔“

”میں سمجھتا ہوں مہاراج بڑے بدنصیب ہیں۔ اس سے پہلے تمہیں

نہ دیکھ سکے.....؟“

اس نے کہا۔

”اے.....! اے زبان سنبھالو.....! بڑے آئے مہاراج کو بدنصیب

کہنے والے.....! اگر مہاراج نے سن لیا تو گردن اُتار دیں گے۔“

”بہت محبت کرتی ہو اپنے مہاراج سے.....؟“

”تم جتنا سوچ سکتے ہو، اس سے کہیں زیادہ.....!“

اس نے آنکھیں بند کر کے جھولتے ہوئے کہا۔

”کیا خاص بات ہے ان میں.....؟“

”مجھے نہیں معلوم.....!“

وہ اسی انداز میں بولی۔

”کبھی صورت دیکھی ہے ان کی.....؟“

”خوابوں میں.....! میرے ایسے بھاگ کہاں کہ جیتے جی دیکھ

لوں.....؟“

”کیوں.....؟ تم ان کے مل میں موجود ہو۔ صورت بھی دیکھ سکتی ہو۔“

”بڑے فاصلے ہیں میرے اور ان کے درمیان.....!“

وہ حسرت بھری آواز میں بولی۔

”اور اگر یہ فاصلے دُور ہو جائیں.....!“

وہ کچھ نہ بولی۔

اور وہ قربان ہونے والی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے اس ملکوتی حسن کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ایک ایک نقش من موہ لینے والا تھا۔ ساری زندگی ایسا حسن نہیں دیکھا تھا۔ تب اس نے دونوں ہاتھ بڑھائے اور ان کے کندھوں پر رکھ دیئے۔

”سندری.....!“

وہ آہستہ سے بولا۔

اور وہ چونک پڑی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں ناراضگی تھی۔ اور پھر وہ مڑ کر جانے لگی۔

”سندری.....! سندری.....! سنو تو سہی.....!“

وہ اس کی طرف لپکا۔

”کیا ہے.....؟“

”کیا میں اتنا ہی برا ہوں کہ تم میرے پاس ٹھہر بھی نہیں سکتیں.....؟“

اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

”نہیں.....! تم برے نہیں ہو۔ مگر یہ مہاراج کا محل ہے۔ میں یہاں پھری سے گھس آئی ہوں..... اور..... اور پھر میرا تم سے ناٹہ کیا ہے.....؟“

وہ بولی۔

”مہاراج سے تمہارا کیا ناٹھ ہے.....؟“

”وہ میرے مہاراج ہیں.....!“

”تم انہیں دیکھے بنا اتنا چاہتی ہو.....؟“

”ہاں.....! میں انہیں سپنوں میں دیکھتی رہی ہوں۔“

وہ بولی۔

”کیسے تھے.....؟“

”جیسے بھی تھے..... وہ میرے مہاراج تھے۔“

”اگر وہ میرے جیسے ہوتے تو.....؟“

”تم بھی برے تو نہیں ہو.....!“

”سچ.....؟“

”ہاں.....!“

”تم کہاں رہتی ہو..... سندری.....؟ یہاں کیسے آگئیں.....؟“

اس نے بے قراری سے پوچھا۔

”سامنے والے کوارٹروں میں رہتی ہوں۔ تھوڑے دن ہوئے آئی

ہوں۔ اب جانے دو۔ گیردا کا جاگنے والے ہوں گے اور پھر مہاراج ادھر نہ آئیں۔“

”تم کیسی پریمیکا ہو.....؟ پیار بھی کرتی ہو اور ڈرتی بھی ہو۔ مہاراج

آ بھی گئے تو تمہارا کیا کر لیں گے.....؟“

”ممکن ہے.....! انہیں میرا آنا پسند نہ ہو۔“

”تم جیسی سندری کو کون پسند نہ کرے گا.....؟ کسی کے بھاگ ہی

ہوں گے جو تمہاری صورت دیکھ لے۔ مگر گیردا کون ہے.....؟“

”میرا کا کا چری کہیں کا..... صبح ہی صبح نشہ اتر جاوے ہے تو مجھے آواز دیوے ہے۔“

”اوہ.....! وہ گیروا جو یہاں نوکر ہے جوتے لگانے پر۔“

”ہاں.....! بڑا پاپی ہے۔ کام بھی ملازم مورکھ کا تو ایسا ہی ہے۔“ وہ ہنس پڑی۔

”مگر تم جیسی سندری کا..... کا کا کیسے ہیں.....؟“

”اب مجھے کیا معلوم.....؟ ویسے میں اس کی پتری نہیں ہوں۔ وہ یہ ہی کہوے ہے۔“

”اس سے پہلے تم کہاں تھیں سندری.....؟“

”نارنگ پور.....! تمہارے حسن کے چرچے ہمارے کانوں تک نہیں پہنچے۔ اچھا ہاں.....! اگر تمہارے مہاراج تم سے ملنا چاہیں تو کیا تم ان سے ملو گی.....؟“

”ایسی باتیں مت کرو.....! اجنبی.....! ہم بچ ذات کے لوگ مہاراج کے درشن کیسے کر سکتے ہیں.....؟“

”ہوں.....!“

اس نے ایک گہری سانس لی، اس کے ہونٹ مسکراہٹ سے کانپ رہے تھے۔

وہ جانے کے لئے مڑی۔

”ایک بات اور سن جاؤ سندری.....!“

اس نے بے قراری سے کہا اور پھر رُک گئی۔

”تمہارا نام کیا ہے.....؟“

”کلیانی.....!“

اس نے کہا اور مڑ کر بھاگ گئی۔

اور وہ دل تھامے اسے چوکڑیاں بھرتا دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”تجھے کیا معلوم لگی.....! کہ تیرا مہاراج تیرا غلام بن گیا ہے۔

آہ.....! تو اب تک کہاں چھپی ہوئی تھی.....؟ نہ جانے تو اب تک کہاں تھی۔

نہ جانے ہم تیرے بنا آج تک کیسے زندہ رہے.....؟“

اور پھر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے راج محل کی طرف چل پڑا۔

اس کی پیشانی پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔

چندا بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔ اُسے دیکھتے ہی اس سے لپٹ

گئی۔

”کیا ہوا ری.....؟ منہ کیسا گلنار ہو گیا ہے.....؟ بتا تو سہی.....! کیا

ہوا ہے.....؟“

”کام بن گیا چندا.....! وہ مل گئے.....!“

”کیا باتیں ہوئیں.....؟“

چندا نے بے چینی سے پوچھا۔

”پھر بتاؤں گی، پہلے حلیہ درست کر لوں۔ کا کا جاگ اٹھا تو شبہ

کرے گا۔ تم شام کو آنا.....! سب کچھ بتا دوں گی۔“

”ہائے.....! میں شام کیسے گزاروں گی.....؟“

چندا نے کہا اور پھر وہ مجبوراً اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ اور کلیانی کو ارڑ

میں واپس آ گئی۔

آج اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ شکر دیال کو اس نے پہلے کبھی

نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب اتنی بے وقوف بھی نہیں تھی کہ اسے پہچان نہ



سکتی.....؟ اور شکر دیال کی جو کیفیت تھی اس سے بھی وہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔

اس کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ یہ تصور ہی اس کے لئے نہ جانے کیا تھا کہ شکر دیال کے لئے ایک کھلونا نہیں بننا چاہتی تھی.....؟ وہ اپنی اہمیت پہچانتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کیا ہے.....؟ اور وہ اپنا صحیح مقام چاہتی تھی۔ اس صحیح مقام کو حاصل کرنے کے لئے اسے بہت کچھ سوچنا تھا۔

اس نے چندا لایا ہوا لباس اتار کر اپنا لباس پہن لیا۔ پہلا قدم کامیاب ثابت ہوا تھا اور اب ہر قدم پورے طور سے سوچ سمجھ کر اٹھانا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ گئی۔ گيروا ابھی تک اوندھا پڑا خیرائے لے رہا تھا۔ اس نے حقارت سے گيروا کو دیکھا۔

”بچ چری کہیں کا.....! خود کو اس کا مالک سمجھتا ہے.....؟ خود کو اس کا باپ سمجھتا ہے.....؟“

وہ چارپائی پر پڑی نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔ دن چڑھتا رہا۔ اور پھر جب دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک پڑی۔ گيروا کا بھی نشہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ چارپائی پر پاؤں لٹکائے بیٹھا کتے کی طرح منہ پھاڑ رہا تھا۔ دستک سن کر چونک پڑا اور پھر کمر پر ہاتھ رکھ کر استیا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازے پر وہ دو آدمی کھڑے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں تھال تھے جن میں ناشتہ چنا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے بھائی.....؟“

”ناشتہ ہے.....! سرکاری رسوئی سے آیا ہے۔ اور ہاں.....! ناشتہ کر کے تم شرمندہ کے پاس پہنچ جانا۔ شرمندہ نے تمہیں بلایا ہے۔“

”مگر یہ بھوجن.....؟ یہ ہمارے لئے ہے.....؟“

گيروا نے حیرت سے کہا۔ سرکاری دسترخوان سے ایک چری کے

لئے ناشتہ آئے.....؟ یہ ایک انہونی تھی۔

”ہاں ہاں.....! یہ تھال پکڑو.....!“

رسوئی سے آنے والوں نے کہا اور گیروا نے متحیرانہ انداز میں تھال پکڑ لیا۔ دونوں آدمی واپس چلے گئے تھے۔ لیکن گیروا تھال لئے اسی جگہ کھڑا تھا۔ اس کی نظریں کبھی تھالوں اور کبھی جانے والوں پر تھیں۔ پھر وہ تھال لے کر پلٹا۔

”کون تھا کا کا.....؟“

کلیانی نے جو یہ سب کچھ سن چکی تھی، انجان بننے ہوئے کہا لیکن گیروا کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ اس نے تھال زمین پر رکھ دیئے اور سر کھجانے لگا۔

کلیانی کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

”کون تھا کا کا.....؟“

کلیانی نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ اس کی پراسرار مسکراہٹ گیروا نہیں دیکھ سکا تھا۔

”سرکاری رسوئی سے بھوجن آیا ہے ری.....! نہ جانے کیا بات ہے.....؟ پر ہم یہ بھوجن نہیں کریں گے۔ کسی اور کے لئے ہوگا۔ وہ ہمیں غلطی سے دے گئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں واپس آئیں گے۔“

گیروا نے کہا اور تھال میں رکھے ہوئے لذیذ کھانوں کو ہونٹ سے چاٹنے لگا۔

”کھانے کی چیز ہے کا کا.....! کھا بھی لیں گے تو کیا حرج ہوگا.....؟ مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔“

کلیانی نے کہا اور تھال کے قریب بیٹھ گئی۔

”اری.....! سن تو پگلی.....!“

گیروانے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن کلیانی مسکرا کر کھاتی رہی۔ تب گیروا بھی اس کے ساتھ شریک ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر اچھنبے کے آثار بدستور تھے۔ زندگی میں پہلی بار گیروانے ایسا شاندار ناشتہ کیا تھا لیکن دریائے حیرت زن ہونے کی وجہ سے وہ ان کا صحیح لطف نہیں اٹھا سکا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے اُلٹا سیدھا منہ ہاتھ دھویا اور شرمائد کی طرف چل پڑا۔ شرمائد مہاراج شکر دیال کے مشیر خاص تھے۔ ہر کام میں پیش پیش رہتے تھے۔ دربار میں ان کی خاصی چلتی تھی اور سب ان سے خوفزدہ رہتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد گیروا شرمائد کی ڈیوڑھی پر پہنچ گیا۔ اس ڈیوڑھی پر قسمت کے مارے آتے تھے اور یہاں ان کی بد قسمتی پر مہر ثبت ہو جاتی تھی۔ بڑی دیر میں شرمائد تک رسائی ہوئی تھی لیکن آج صبح سے قسمت گیروا پر مہربان تھی۔ اس نے اُٹھتے ہی کلیانی کا منہ دیکھا تھا۔

شرمائد نے اسے فوراً اندر بلایا۔ ان کے کمرہ خاص سے حقے کی گڑگڑاہٹ کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ جس کی خوشبو باہر تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک خادم نے دروازہ کھول کر اسے اندر جانے کے لئے کہا اور سہا ہوا گیروا اندر داخل ہو گیا۔

شرمائد ایک قالین پر بیٹھے ہوئے لمبی فرش سے حقے کے کش لگا رہے تھے۔ ایک خادم ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔

گیروانے دونوں ہاتھ جوڑ کر اور کمر تک جھک کر انہیں پر نام کیا۔ اس نے ایک نگاہ میں اندازہ لگا لیا تھا کہ شرمائد کے چہرے پر غصے کے آثار لہیں ہیں۔ شرمائد نے پاؤں سمیٹ لئے اور خادم کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ خادم گردن جھکائے باہر نکل گیا اور شرمائد حقے کی لے منہ سے نکالتے ہوئے

بولے۔

”آؤ گيروا.....! وهاں كهڙے هو.....؟ دروازہ بند كر كے بيٺه

جاؤ.....!“

شرمانند كى آواز ميں بڑى نرمى تھى۔ گيروا كا دل هاتھ بهر كا هوگيا۔ اس نے دروازے كى ٹيڪ لگائى اور قالين سے پرے اكر ٽوڻ بيٺه گيا۔

”ارے.....! جوتے اُتار كر ادھر آ جاؤ.....! تم بهي انسان هو.....!“

شرمانند نے پھر نرم آواز ميں ڪها اور گيروا كا منہ حيرت سے ڪھلے كا ڪھلا ره گيا۔

وہ ذات كا چمار تها۔ جسے عام برہمن اور اونچى ذات كے لوگو قريب ڪھڙا كرنا بهي پسند نہيں ڪرتے تھے۔ ڇہ جائيكہ شرممانند جيسے آدمى اسے اپنے پاس بٹھانے كے لئے ڪہہ رهے ہيں۔ اسے اپنے انسان بن جانے پر حيرت هوئى۔ بهر حال وہ قالين كے ايك ڪوٺے پر بيٺه گيا۔ اس كى گردن جھڪى هوئى تھى اور شرممانند اسے گھري نگاھوں سے ديكھ رہا تها۔

”تمھاري ذات ڪيا ہے..... گيروا.....؟“

”چمار هوں مائى باپ.....!“

گيروا نے ڪها۔

”هوڻ.....! نارنگ پور كے تمام لوگوں كو يہ بات معلوم هوگى.....؟“

”جى سرڪار.....! وھيں پلا بڑھا هوں۔“

”خير! هميس اس سے ڪوئى عرض نہيں ہے۔ ڪليانى تمھاري ڪون ہے؟“

گيروا اڇانڪ چونڪ پڙا۔ اس كے ذھن كے ڪسى تاريڪ گوشے ميں يہ خيال موجود تها ڪہ ممڪن ہے۔ ڪليانى كو ديكھ ليا گيا هو۔

ممکن ہے اس کے حسن چرچے ہوں، لیکن شرمانند کو اس سے کیا  
فرض.....؟ یہ گوہر نایاب تو راجہ شکر دیال کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ اسے  
شرمانند کے ہاتھوں نہیں لگا چاہئے.....!

بہر حال اگر خود شرمانند کی نیت اس پر ہوئی تو وہ چال چلے گا۔ وہ کہہ  
دے گا کہ وہ اس موتی کو شکر دیال کے لئے لایا ہے۔ پھر شرمانند کی کیا ہمت  
تھی کہ خود اسے ہاتھ لگانے کی کوشش کرتے.....؟

”کلیانی..... سرکار.....! میری بیٹی ہے۔“

اس نے جواب دیا۔

”تمہاری پتی کہاں ہے.....؟“

”گھر میں آگ لگ گئی تھی، مائی باپ.....! جل کر بھسم ہو گئی۔ تب

ہ تو میں کلیانی کو ساتھ لے آیا۔“

”ہوں.....!“

شرمانند نے غور کرتے ہوئے کہا۔ پھر وہ غور سے گیروا کی شکل دیکھتے ہوئے بولی۔

”کلیانی تمہارے لئے لکشمی بن سکتی ہے، گیروا.....! وہ مہاراج کو پسند آگئی ہے۔ کیا تم اسے راجہ شکر دیال کے پاس جانے کو تیار کرو گے.....؟“  
گیروا کا دل اُچھل پڑا۔ اس کے اندیشے بے بنیاد تھے۔ چنانچہ وہ خوش ہو کر بولا۔

”اس کی کیا مجال ہے کہ وہ انکار کرے.....؟ مہاراج کی رعایا ہے۔ اس کے بھاگ ہیں کہ مہاراج نے اسے عزت بخشی.....!“  
”سمجھ دار آدمی ہو.....! گیروا.....! جاؤ اسے تیار کرو۔ تمہارا منہ دولت سے بھر دیا جائے گا اور ہاں.....! اب تمہارا کھانا رسوئی سے آیا کرے گا۔ آج سے تمہاری جوتے لگانے والی نوکری ختم.....! بس آرام سے رہو، شاید چرس پیتے ہو.....؟“  
”جی سرکار.....!“

”تمہارے ہاں چرس کے بورے بھجوا دیئے جائیں گے۔ خوب آرام سے پیو.....! لیکن کلیانی انکار نہ کرنے پائے.....!“  
”وہ انکار نہیں کرے گی مہاراج.....!“

گیروا نے چرس کے بورے سے نشہ نچوڑتے ہوئے کہا۔

”بس جاؤ.....! اسی لئے بلایا تھا۔ اب تم جاسکتے ہو.....!“

اور گیروا جلدی سے اُٹھ گیا۔ پھر اس نے جھک کر شرمند کو پرنام کیا اور اُلٹے قدم باہر نکل آیا۔ اس کے قدم لڑکھڑاہے تھے۔ اسے وہ سب کچھ مل گیا تھا جو وہ چاہتا تھا۔ اسی لئے وہ کلیانی کو یہاں لایا تھا۔ مگر وہ خود اس بارے میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اور سب کچھ خود ہی کیا۔

”بھگوان تجھے سورگ دے..... تو مر گئی.....! پر مجھے ایک ایسا تحفہ دے گئی جس نے میرا جیون بنا دیا۔ باپ رے باپ.....! چرس کے بورے میں کیسے ختم کروں گا اسے.....؟“

اس کا دل خوشی سے کانپنے لگا اور اسی طرح ہانپنے کا نپتے وہ اپنے کوارٹر میں پہنچ گیا۔ کلیانی ایک پلنگ پر نیم دراز کچھ سوچ رہی تھی۔ گيروا نے پہلی بار اسے محبت سے بھینچ گیا اور کلیانی نے اسے ایک طرف دھکا دے دیا۔

”پاگل ہوا ہے کا.....! تیرے بدن سے چرس کی بو آ رہی ہے۔“

اس نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

”اری بھاگ کھل گئے ہماری پگلی.....! بھگوان نے اتنا دے دیا جس کی اُمید نہیں تھی۔“

”کیا مل گیا.....؟“

کلیانی نے پوچھا۔

”چرس کے بورے کے بورے..... ہائے دیا.....! دن رات چرس اور کم نہ ہو جائے تو اور آجائے.....!“

”تیرا تو مستک پھر گیا ہے۔ بات تو بتاتا نہیں.....!“

”ایس..... بات..... اری پگلی.....! شکر دیال نے تجھے پسند کر لیا ہے۔“

”مجھے.....؟“

کلیانی نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

”اور کیا.....؟ مجھے شرمندہ نے بتایا ہے۔ آج رات تو شکر دیال کے

اس جائے گی۔“

”اوہ.....!“

کلیانی نے گہری سانس لے کر کہا۔ یہ اس کے خوابوں کی تعبیر نہیں ہے۔ وہ ایک ویشیا کی حیثیت سے نہیں رہنا چاہتی۔ وہ کھلونا بننا نہیں چاہتی۔ وہ تو پورے دربار کو اپنے سامنے جھکانے کی خواہش مند تھی۔ وہ تو ہر شکر دیال کو اپنا غلام دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن گیروا کی بات پر وہ گھبرائی نہیں۔ اس نے کوئی بات نہ کی۔ وہ اپنا مقام خود حاصل کر سکتی تھی۔

شکر دیال کیا حیثیت رکھتا ہے.....؟ تقدیر اس کے ہاتھ میں ہے۔ شکر دیال کے ہاتھ میں نہیں.....!

گیروا اُمید و بیم کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ کلیانی کی منہ زور جوانی سرکشی نہ کرے۔ اس کی ماں بھی شاید کوئی سیما فطرت ہی تھی۔ وہ اس سے الگ کیوں ہوگی.....؟

”جائے گی کلیانی.....؟“

اس نے پوچھا۔

”تم کہو گے تو جاؤں گی کا کا.....! میں تمہارا حکم کیوں نہیں مانوں گی.....؟“

اس نے طنز بھری مسکراہٹ سے کہا۔

”پھر تم نے شرمانند سے میرے بارے میں کیا کہا.....؟“

”کچھ نہیں.....! میں نے کہا کہ کلیانی میری بیٹی کی طرح ہے، وہ

میری بات کبھی نہیں ٹالے گی۔“

”ہوں.....!“

کلیانی نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

گیروا کافی دیر تک اس کی خوشامد کرتا رہا اور پھر کسی کام سے باہر نکل گیا۔ کلیانی سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ رات کے پروگرام بنا رہی تھی۔ شکر دیال



نے اسے جس انداز میں بلایا تھا، وہ اسے پسند نہیں تھا لیکن اب یہ اس کی صلاحیتوں پر تھا کہ وہ شکر دیال کو کیسے بے وقوف بنائے گی.....؟

بوڑھا گیروا جو اس کا باپ نہ تھا، سب سے پہلے اس کا داغ مٹانا ضروری ہے کہ وہ گیروا جیسے انسان کی بیٹی ہے۔ نہ جانے کب تک اس کا شیطانی ذہن کام کرتا رہا۔ اس نے بہت سے منصوبے تیار کر لئے تھے اور ان سے مطمئن ہو گئی تھی۔

دوپہر کو بھی ملازم آئے۔ ان کے ہاتھ میں بھی تھال تھے۔ گیروا کو آواز دے کر اندر پہنچا دیئے گئے۔ گیروا واپس آ گیا۔ دونوں نے کھانا کھایا۔ گیروا کو جس مل گئی تھی۔ وہ اطمینان سے چلم بھر کر ایک کونے میں کافی دیر دم لگا تا رہا۔ پھر اٹھ کر باہر نکل گیا۔ گیروا کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ چندا آ گئی۔

اور کلیانی اسے دیکھ کر چونک پڑی۔ چندا مسکراتی ہوئی آئی اور کلیانی سے لپٹ گئی۔ لیکن کلیانی چندا کا چہرہ دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔ محل میں چندا بھی تو اس کی اصلیت سے واقف تھی۔ کلیانی اپنی حقیقت کا ایک نقش بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

”کیا بات ہے رانی.....؟ کس سوچ میں کھوئی ہوئی ہو.....؟“

چندا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں چندا.....!“

”کیا مہاراج نے گھائل کر دیا ہے۔“ چندا اسے گدگداتے ہوئے

بولی۔

”نہیں چندا.....!“

”بتاؤ تو سہی.....! مہاراج کے درشن ہوئے.....؟ کیا باتیں

ہوئیں.....؟ ویسے وارکاری لگا ہے، میں نے رسویوں کو آتے دیکھا تھا۔“

”مہاراج کی کرپا ہے۔“

”وہ تو ہے..... مگر تو نے مہاراج پر کیا کرپا کی.....؟“

”چل لگی.....!“

کلیانی نے اس کے گال پر چپت لگائے ہوئے کہا۔

”چھپانے نہیں دوں گی رانی جی.....! میرے پیٹ میں صبح سے درد

ہو رہا ہے۔“

چندا نے بدستور ضد کرتے ہوئے کہا۔

اور پھر اس نے چندا کو بتانا شروع کیا۔ کلیانی ایک گھاگ عورت تھی۔

چندا جیسی عورتیں بھلا اسے کیا چلا سکتی تھیں.....؟ اس نے تھوڑی سی رد و بدل

کر کے کہانی سنا دی۔ چندا خوب مزے لے رہی تھی۔ پھر کلیانی کو چومتے

ہوئے بولی۔

”میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی، میری سکھی تو رانی بننے کے قابل

ہے۔“

کلیانی مسکرانے لگی۔

”شام کو سات بجے کے قریب شرمانند جی نے گیروا کو بلایا اور گیروا

چرس کے نشے میں دھت ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے زمین پر گر کر شرمانند

کو پرنام کیا تھا۔

”کلیانی سے بات کی گیروا.....؟“

شرمانند نے ناک سکوڑتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں مہاراج.....! وہ خوش ہے، میں پہلے ہی کہہ چکا تھا۔“

”اسے چادر اوڑھا کر یہاں پہنچا دو۔ کوئی دیکھنے نہ پائے۔“

”جو حکم مہاراج.....!“ گيروا نے کہا اور شام کے جھپٹے میں کليانی ایک چادر اوڑھ کر شرمندہ کے مکان پر پہنچ گئی۔ شرمندہ نے اسے دیکھا تو دل پکڑ کر رہ گیا۔ گيروا ساتھ تھا۔

”یقین نہیں آتا تھا، گيروا اس اپرا نے تیرے ہاں جنم لیا ہے.....؟“

انہوں نے کليانی کو گھورتے ہوئے کہا۔

”اگر مہاراج شکر دیال اسے پسند نہ کر لیتے تو ہم اسے اپنے دل کی رنی بناتے۔ پر جس کے بھاگ میں جو ہو۔“

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ کليانی پتھر کی مورت بنی خاموش بیٹھی تھی۔

”ٹھیک ہے، بس اب تو جا.....!“

شرمندہ نے گيروا سے کہا اور گيروا خاموشی سے باہر نکل گیا۔ شرمندہ نے کليانی کو ساتھ لیا اور ایک دوسرے کمرے میں پہنچ گئے۔ جہاں چار عورتیں اور بیٹھی ہوئی تھیں۔

”اس کا سنگھار کر دو.....! مہاراج کے دربار میں جانا ہے۔“

ساڑھیاں موجود ہیں، کوئی کسر نہ چھوڑنا۔“

”جو آگیا مہاراج.....!“

عورتوں نے کہا اور پھر سب نے کليانی کے بال بال موتی پروئے۔ بلاشبہ وہ اپنے فن میں ماہر تھیں۔ انہوں نے کليانی کا سنگھار تو کیا، لیکن اس سنگھار پن میں بھی اس کے کنوار پن کا بانگپن رہنے دیا۔

پھر انہوں نے گلابی رنگ کی ایک حسین کامدار ساڑھی اس کے جسم پر لپیٹ دی۔ گلاب کے پھولوں کے گجرے، اس کے سر اور کلائیوں پر لپیٹے،

پیشانی پر چندن تلک لگائے اور کمرے کی فضا اندر کا اکھاڑہ بن گئی۔ بلاشبہ کلیانی آسمان سے اُتری ہوئی کوئی اپسرا تھی۔ اسے تیار کر کے خود سکتے میں رہ گئی تھیں۔

پھر انہوں نے شرمندہ کو اطلاع دی اور شرمندہ اندر آ گئے۔ انہوں نے دروازے پر قدم رکھا اور ششدر رہ گئے۔ پھر انہوں نے منہ پھیر لیا اور بولے۔

”میرے ساتھ آ جاؤ کلیانی.....!“

اور کلیانی آہستہ قدموں سے ان کے ساتھ چل دی۔  
”تمہیں دیکھ کر مہاراج سے بغاوت کرنے کو جی چاہتا ہے، لیکن میرے اندر یہ ہمت نہیں.....!“

راستے میں انہوں نے جذبات بھری آواز میں کہا اور کلیانی کو لے کر اپنے مکان کے ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے دیوار پر لگے ہوئے بندر کے بت کے منہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی کل دبا لی اور کمرے کی دیوار میں ایک چوکور سل سرک گئی۔ دیوار کے سوراخ کی دوسری طرف ایک مشعل روشن تھی۔

”آؤ.....!“

انہوں نے سوراخ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اور کلیانی بھی ان کے ساتھ اس پوشیدہ دروازے میں داخل ہو گئی۔ شرمندہ نے مشعل دیوار سے نکالی اور پھر اندر سے کل دبانی سے دیوار برابر ہو گئی۔ پھر انہوں نے کلیانی کا نازک ہاتھ پکڑا اور مشعل لئے آگے بڑھنے لگے۔ کوئی لمبی سرنگ تھی جو پیچ در پیچ نہ جانے کہاں تک چلی گئی تھی.....؟

کلیانی بالکل خاموش تھی۔ اس دوران اس نے ایک لفظ بھی نہیں نکالا

تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ پتھر کی کوئی چلتی پھرتی مورتی ہو، لیکن اس کی آنکھیں اس پورے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے شرمانند کو بھی پڑھا تھا۔ یہ آدمی کام کا ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا تھا اور پھر وہ شکر دیال کو رام کرنے پر غور کرنے لگی۔

سرنگ کافی طویل تھی۔ پھر کچھ سیڑھیوں پر جا کر وہ ختم ہو گئی۔ سیڑھیوں پر ایک مشعل اڑی ہوئی تھی۔ یقیناً یہ اختتام شکر دیال کی آرام گاہ پر ہوا تھا۔ گویا شرمانند کے مکان میں داخل ہونے والی یہ لڑکی پوشیدہ طور پر شکر دیال کی خواب گاہ میں پہنچ جاتی ہے۔ شکر دیال کی عیاشیوں کا ذریعہ شرمانند ہیں۔

کلیانی نے سوچا اور پھر چونک کر اس روشنی کو دیکھنے لگی جو سامنے دیوار سے اندر ریگ آئی تھی۔ رنگ برنگی یہ روشنی ان فانوسوں کی تھی جو دوسری طرف چھت میں آویزاں تھے۔

کمرہ کیا پورا ہال تھا۔ جسے دنیا کے تعیشات سے آراستہ کر دیا گیا تھا۔ دیوار پر ہیجان خیز تصاویر پینٹ کی ہوئی تھیں اور سنگ مرمر کی برہنہ مورتیاں جگہ جگہ نصب تھیں۔ کہیں تنہا اور کہیں مرد کے ساتھ بڑے حسین مناظر تھے جو دل کو لبھا رہے تھے۔ ہر منظر سے پیار کے جذبات جھلکتے تھے۔ درمیان میں سونے کا ایک چھپر کھٹ تھا جو باریک پردوں سے آراستہ تھا۔

شرمانند نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر بھاری آواز میں بولے۔

”مہاراج.....! خوش تو دنیا میں سورگ بن جائے گی اور اگر وہ ناراض ہو گئے تو یہ دھرتی تمہارے لئے نرگ کا نمونہ پیش کرے گی۔ اس کا خیال رکھنا۔“

اور پھر وہ مڑ کر اسی سرنگ میں داخل ہو گئے۔ اس نے ایک گہری

سائنس لی اور چاروں طرف کے مناظر دیکھنے لگی۔

یہ مناظر ہیجان خیز تھے اور جذبات میں طوفان پیدا کر دینے والے تھے۔ کلیانی نوخیز تھی، بند کلی تھی، لیکن وہ جوانی کی تفسیر سے واقف تھی۔ یہ مناظر اسے بے چین نہیں کر سکتے تھے کہ ان کو دیکھتی تو بے چینی ہو جاتی۔ لیکن کلیانی اپنے حسن کی دولت سے خوب واقف تھی۔ اس نے اس سے کہیں زیادہ ہیجان خیز دیکھے تھے۔ ان مناظر نے وقتی طور پر تو اسے متاثر کیا تھا لیکن کسی بھی عورت کا اس انداز میں بلا امتیاز دولت حسن لٹانا اسے قطعی پسند نہیں تھا۔

وہ ایک معیار چاہتی تھی۔ اسے ابتداء ہی سے آئیڈیل کی تلاش تھی۔ یوں اس کی فطرت پختہ ہو گئی۔ وہ نوخیز اور کنوارے پن میں ہی خاصی تجربے کا ر ہو گئی تھی۔ چنانچہ ان مناظر کو دیکھ کر وہ مسکرانے کے علاوہ کچھ نہ کر سکی۔ مناظر کسی بوڑھے مہاراجہ کو جوان تو کر سکتے تھے، لیکن اس کے لئے یہ بے حقیقت تھے۔

وہ چھپر کھٹ کا ایک پردہ سرکا کر اس کے کونے پر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں دروازے پر نگراں تھیں اور وہ خود کو بہترین اداکاری کے لئے تیار کر چکی تھی۔

پھر دروازے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سفید لباس میں ملبوس، بلند و بالا قد کا مالک راجہ شکر دیال اندر داخل ہو گیا۔ کلیانی نے اسے سوگوار نگاہوں سے دیکھا اور پھر یونک پڑنے کی شان دار اداکاری کی۔

شکر دیال محو حیرت اسے دیکھ رہا تھا۔

”تم.....“

کلیانی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا اور شکر دیال مسکراتا ہوا اسے دیکھتا رہا اور آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

”ہاں.....! ہمیں دیکھ کر تمہیں حیرت کیوں ہوئی.....؟“  
 اس نے قربان ہو جانے والی نگاہوں سے کلیانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”بھاگ جاؤ.....! جلدی سے بھاگ جاؤ.....! مہاراجہ یہاں آنے والے ہیں۔“

کلیانی نے اپنے نازک ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا اور شکر دیال کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔  
 ”مہاراجہ یہاں آ کر ہمارا کیا بگاڑ لیں گے سندری.....؟“  
 وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”بھاگ جاؤ.....! بھگوان کے لئے بھاگ جاؤ.....! مہاراجہ بہت سخت دل ہیں، وہ تمہیں جان سے مروا دیں گے۔“  
 ”تمہارے لئے جان چلی جائے، تب بھی کم ہے۔“  
 شکر دیال نے مسکراتے ہوئے اس کی دونوں کلاٹیاں پکڑ لیں۔  
 اور یہ تمہیں کس نے بتایا کہ مہاراجہ سخت دل ہیں۔“  
 ”تم نہیں جاؤ گے.....!“  
 کلیانی بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔  
 ”نہیں.....!“

تمہیں جان کی پرواہ بھی نہیں ہے.....؟“  
 ”بالکل نہیں.....!“

”عجب آدمی ہو.....! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مہاراج آنے والے ہیں، وہ تمہیں ضرور قتل کر دیں گے۔“

”کل تک تو تم اپنے مہاراج کی بڑی تعریف کر رہی تھیں اور آج تمہارے خیالات اس قدر کیسے بدل گئے.....؟ کیا میں انسان نہیں ہوں کہ

مہاراج مجھے قتل کر دیں گے.....؟“

”مہاراج.....“

کلیانی نے ایک سسکی لیتے ہوئے کہا۔

”میرے سنے بکھر گئے اجنبی.....! مہاراج وہ نہیں جو میں سمجھتی تھی۔“

کلیانی کی آنکھوں سے آنسو لڑھک پڑے اور شکر دیال تڑپ گئے۔

انہوں نے کلیانی کی کلاسیاں کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

”کیا کیا انہوں نے کلیانی.....؟ کیا بھول ہو گئی ان سے.....؟“

انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔

”انہوں نے میرا ایمان کیا ہے۔ انہوں نے مجھے ویشیا بنا ڈالا۔“

کلیانی نے بدستور سسکتے ہوئے کہا۔

”مگر کس طرح.....؟ کیسے.....؟“

”مہاراج اگر مجھے ایک اشارہ کرتے تو میں اپنا جیون ان کے

چرنوں میں نچھاور کر دیتی، لیکن انہوں نے ایک ویشیا کی طرح مجھے اپنے محل

میں بلوایا ہے۔ وہ مجھے صرف ایک جوان لڑکی سمجھتے ہیں۔“

کلیانی بدستور سسکیاں لے رہی تھی، پھر وہ بولی۔

”میں سچ کہہ رہی ہو، اجنبی.....! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں

آتما ہتھیا کر لوں گی، مہاراج میرے بدن سے جیسے مرضی کھیلیں لیکن انہیں نہ

روکوں گی، لیکن اس ایمان پر میں جان دے دوں گی۔“

”پھر وہ کیا کرتے سندری.....؟ کیا کرنا چاہئے تھا.....؟“

شکر دیال پریشانی سے بولے۔

”کیوں.....؟ کیا وہ مجھے رانی نہیں بنا سکتے تھے.....؟ کیا میں اس

قابل نہیں ہوں.....؟ کیا وہ مجھے عزت سے بیاہ کر یہاں نہیں لا سکتے



تھے..... کیا میں ان کی دوسری رانیوں سے بد شکل ہوں.....؟ بتاؤ.....! کیا تم نے ان کی رانیوں کو دیکھا ہے.....؟“

”نہیں کلیانی.....! تم ان سب سے سندر ہو، وہ تمہارے چہروں کی دھول بھی نہیں ہیں۔ مہاراج سے سچ مچ بھول ہوئی ہے۔ تم دل چھوٹا نہ کرو۔ مہاراج اتنے کٹھور نہیں ہیں۔ وہ اتنے پتھر دل نہیں ہو سکتے کہ تم جیسی سندر کی کور لائیں.....!“

کلیانی، شکر دیال کے سینے سے لگی سسکتی رہی، شکر دیال محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے اور جب کافی دیر گزر گئی تو کلیانی چونک کر بولی۔

”ارے.....! تم گئے نہیں اجنبی.....؟ مگر مہاراج بھی ابھی تک نہیں آئے۔“

”جا رہا ہوں، مہاراج شاید نہ آئیں۔ ہو سکتا ہے انہیں اپنی بھول کا خیال آ گیا ہو۔ اگر مہاراج تمہیں اپنی رانی بنا لیں تو انہیں دل سے قبول کر لو گی سندر.....؟“

”کیوں نہیں.....؟ وہ میرے مہاراج ہیں۔ اگر میں انہیں پسند نہیں کرتی تو مجھے ان کی اس بات کا ڈکھ نہ ہوتا۔ مصیبت تو یہی ہے کہ میں ان سے پریم کرتی ہوں۔ میں من ہی من میں انہیں پوجتی ہوں اور جس کا پریمی اسے درجہ نہ دے، اس کے من کی حالت کیسی ہوگی.....؟ تم سمجھے ہو اجنبی.....!“

”مگر تم نے مہاراج کو دیکھا بھی نہیں ہے۔“

”پریم اندھا ہوتا ہے اجنبی.....!“

کلیانی نے کہا۔

”اگر تمہارے مہاراج بوڑھے اور بد شکل ہوئے تو.....؟“  
 ”تو میں انہیں اپنے سینے میں چھپا لوں گی، تاکہ دیکھنے والے انہیں  
 کچھ نہ کہہ سکیں۔“

”اتنا پریم ہے، تمہیں اپنے مہاراج سے.....؟“  
 ”اس سے بھی کہیں زیادہ.....!“

کلیانی نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ چالانک لڑکی نے تلے وار کر رہی  
 تھی۔ شکر دیال کا دل بلیوں اُچھل رہا تھا۔ ایسی بندر پریمیکا کا ہے کو کسی کو ملی  
 ہوگی.....؟ بے شک انہوں نے اس کا اپمان کیا تھا۔ اسے رانی بن کر ہی اس  
 محل میں آنا چاہئے اور یہ شکر دیال کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ چنانچہ وہ  
 کلیانی کے دونوں ہاتھ چومتے ہوئے بولے۔

”اچھا سندری.....! میں چلتا ہوں۔ بھگوان تمہارے مہاراج کی  
 بھول معاف کرے.....!“

کلیانی نے کوئی جواب نہیں اور شکر دیال اس کے کمرے سے نکل  
 گئے۔ ان کے جانے کے بعد کلیانی نے آنکھیں صاف کیں۔ جن میں مصنوعی  
 آنسو تیر رہے تھے اور اس کے دل کے گوشوں سے ایک پڑا سپرار مسکراہٹ  
 پھوٹ رہی تھی۔ اس نے اپنا مقام حاصل کر لیا تھا۔

درحقیقت وہ دیشیا نہیں رانی تھی۔ وہ محکوم نہیں، حاکم تھی۔ جنگ اور  
 محبت کے اصولوں سے واقف تھی اور اس چھوٹی سی عمر میں بڑے بڑے تجربے  
 کاروں کے کان کاٹ سکتی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا، تب دروازہ کھولا اور دو عورتیں اندر داخل  
 ہو گئیں۔ یہ محل کی داسیاں تھیں۔ انہوں نے کلیانی کی جھکی ہوئی گردن اٹھائی  
 اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

”مہاراج نہیں آئیں گے دیوی جی.....! آئیے دوسرے محل میں چلیں.....!“

”ہائے ہائے.....! بے چاری کے ارمان دل میں رہ گئے.....؟“  
دوسری نے کہا۔

”پر مہاراج کو آج کیا ہو گیا.....؟ وہ کیوں واپس چلے گئے.....؟“  
پہلی نے کہا۔

”شاید حسن کے رعب میں آ گئے.....!“

دوسری کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی اور کلیانی حقارت سے انہیں دیکھتی ہوئی ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اج یہ ہنس رہی تھیں لیکن کل کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہوگی اور کل ان کے ہونٹ اس انداز میں نہ مسکرائیں گے۔ شرمندہ ہانپتے کانپتے راج محل کے کمرہ خاص میں داخل ہو گئے۔ پر شکر دیال کی نشستہ خاص کمرہ تھا اور یہاں تک شاذ و نادر ہی کسی کی رسائی ہوئی تھی۔

شکر دیال گاؤں کے سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ شرمندہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہو گئے۔ مہاراج کے چہرے پر غور و فکر کی پرچھائیاں دیکھ کر وہ بھی فکر مند ہو گئے۔

”بیٹھو شرمندہ جی.....!“

شکر دیال نے کہا اور شرمندہ ایک کونے میں مودب بیٹھ گئے۔

”آپ میرے مشیروں میں سب سے سمجھدار ہیں شرمندہ.....! آپ

کے مشورے مفید ہوتے ہیں۔ ہم ایک اُلجھن میں ہیں، ہماری یہ اُلجھن دور کر دیں.....!“

”آگیا دیں مہاراج.....! داس پوری پوری کوشش کریں گے۔“

”کلیانی گیروا کی بیٹی ہے.....!“

”سنا تو یہی ہے مہاراج.....! لیکن.....“

”لیکن کیا.....؟“

”لیکن مہاراج.....! نہ جانے کیوں مجھے یقین تو نہیں آتا۔“

”کیوں.....؟“

”ایک چڑی آدمی کی اتنی سندر بیٹی کیسے ہو سکتی ہے.....؟“

”میں بھی اسی بات پر غور کر رہا تھا۔“

”مہاراج.....! میں بھی اسی بات پر حیران ہوں لیکن ہو سکتا ہے،

اس کی ماں خوب صورت ہو.....؟“

شرمانند نے کہا۔

”ہوں.....!“

شکر دیال نے غور و فکر میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

”مگر ہم ایک بیچ ذات کی لڑکی کو اپنی رانی کیسے بنائیں.....؟“

”رانی.....!“

شرمانند چونک پڑے۔ تھوڑی دیر سوچ میں ڈوبے رہے، پھر دبی

ہوئی آواز میں بولے۔

”مگر اسے رانی بنانے کی کیا ضرورت ہے مہاراج.....؟ آپ یوں

ہی اسے زندگی بھر داسی بنا کر رکھیں۔ اس کی کیا مجال ہے کہ آپ کی داسی بننے

سے انکار کرے۔“

”وہ انکار نہیں کرے گی.....! شرمندہ.....!“

”پھر.....؟“

”وہ ہم سے بہت محبت کرتی ہے، بہت چاہتی ہے ہمیں.....! مگر اس کے ننھے سے من میں رانی بننے کی آرزو ہے۔ اگر ہم نے اس کے ساتھ یہ ظلم کیا تو وہ آتما ہتھیا کر لے گی۔ ہماری بہت سی رانیاں ہیں۔ مگر ہمیں اتنا کوئی نہیں چاہتی، جتنا وہ چاہتی ہے۔ وہ رانیاں اس کے قدموں کی دھول بھی نہیں ہیں، پھر ہم اسے رانی کیوں نہ بنائیں.....؟“

”ہوں.....!“

شرمانند گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ کلیانی ان لوگوں کی نظروں میں بچ ذات تھی اور کسی بچ ذات کو رانی بنانے سے ہزاروں زبانیں کھل جاتی ہیں۔ دھرم کی بات آجاتی ہے تو بہت سے فتنے جاگ اُٹھتے ہیں، لیکن شنکر دیال اسے رانی بنانے کے لئے سنجیدہ تھے اور شرمند کو عزت بھی اسی وجہ سے ملی تھی کہ وہ شنکر دیال کی ہر ناممکن کو ممکن بنا دیتے تھے۔ اگر وہ یہ نہ کر سکتے تو پھر اس کمرۂ خاص تک ان کی رسائی ہونے کا کیا ذکر.....؟

”کچھ سوچو شرمند.....! یہ کام ضرور ہونا چاہئے.....! اس کے بارے میں سوچو.....!“

”اس مہاراج کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔“

”کوئی ترکیب آئی.....؟“

شنکر دیال نے پوچھا۔

”داس اگر ترکیب نہ سوچ سکے تو اس کے جیون سے فائدہ.....؟“

میرے دماغ میں ایک خیال آیا ہے۔“

”کیا.....؟ جلدی کہو.....!“

شنکر دیال خوش ہو کر بولے۔

”کلیانی کو بہت کم لوگ جانتے ہیں، خود مہاراج کو بھی اتنے عرصے

اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا اور پھر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کلیانی گیروا کی بیٹی ہو سکتی ہے۔ گیروا کا منہ چرس اور دولت سے بھر دیا جائے۔ وہ کبھی نہ کہے گا کہ کلیانی اس کی بیٹی ہے، ہم کلیانی کو تھوڑے عرصے کے لئے یہاں سے ہٹا دیں گے۔ میں اسے اپنے ایک گھرے دوست تیواڑی لعل کے ہاں پہنچا دوں گا۔ تیواڑی لعل برہمن ہے۔ آپ نے اسے جاگیر بخشی ہے۔ اعتماد کا آدمی ہے۔ تیواڑی لعل اسے اپنی بھتیجی بنا کر رکھے گا جو کسی دوسرے شہر سے آئی ہو۔“

”وہاں رکھ کر کلیانی کو محل کے طور طریقے سکھائے جائیں گے۔ ہم اس کے لئے بہت سی عورتیں رکھیں گے جو اسے رانیوں کے آداب سکھائیں گے۔ اس دوران مہاراج جب چاہیں تیواڑی لعل کے گھر جا کر اس سے مل سکتے ہیں اور پھر جب وہ پوری رانی بن جائے تو تیواڑی لعل کی بھتیجی کی حیثیت سے آپ اس کے ساتھ پھیرے کر لیں۔“

شکر دیال پھٹی پھٹی آنکھوں سے شرمانند کو دیکھ رہے تھے۔ شرمانند کے خاموش ہوتے ہی وہ اُٹھے اور شرمانند سے لپٹ گئے۔

”دھن ہو..... شرمانند.....! تم ہمارے سچے متر ہو۔ تم ہمارے بہترین مشیر ہو۔ تمہاری ترکیب بہت اچھی ہے۔ ہمیں تمہاری ترکیب بہت پسند آئی۔“

شکر دیال خوشی سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔

شرمانند انکساری سے ہنسنے لگے۔

”تم یہ کام جلد سے جلد کر ڈالو۔ مگر ٹھہرو.....! ہم یہ تو بتا دیں کہ ہماری اور اس کی کیا گفتگو ہوئی.....؟“

”بتا دس مہاراج.....!“

شرماندا کساری سے بولے۔

”ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ ہم نے پہلے باغ میں اس سندری کو دیکھا اور پھر کل رات اس سے ملے۔“

اور شکر دیال نے رات کی کہانی شرمند کو سنا دی، شرمند بھی یہ داستان غور سے سن رہے تھے۔

”میری رائے ہے مہاراج.....! کہ میں کلیانی کو حقیقت بتا دوں۔ اس سے کہہ دوں کہ وہ جس سے ملی ہے وہ مہاراج ہی تھے۔ وہ خوش بھی ہو جائے گی اور مہاراج کو پہچان بھی لے گی۔ اس کے بعد وہ اپنا کام ٹھیک سے کر لے گی۔“

”بالکل ٹھیک.....! ہم یہی چاہتے ہیں کہ تم اسے ہمارے بارے میں بتاؤ.....!“

شکر دیالی خوش ہو کر بولے اور پھر شرمند مہاراج سے اجازت لے کر اٹھ گئے۔

کلیانی نے چال پھینک دیا تھا اور اب کسی ماہر شکاری کی طرح شکار پھنسنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے نہایت چالاکی سے اپنا مدعا شکر دیال پر واضح کر دیا تھا۔

درحقیقت یہ انداز ایسا تھا کہ مہاراج کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بھولی بھالی چاندی صورت والی اپسرا بے پناہ صلاحیتوں کی مالک تھی۔ وہ نوخیز تھی۔ رومان بھری تھی۔ لیکن اس کے سوچنے کا انداز مختلف تھا۔ جوانی کی اُمنگیں اس کے دل میں بھی تھیں لیکن وہ خود کو عام انسانوں سے مختلف سمجھتی تھی۔ اس لئے اس کے سوچنے کا انداز مختلف تھا۔

وہ جانتی تھی کہ جوانی بہت بڑا ہتھیار ہے۔ ہتھیار استعمال کے لئے

ہی ہوتے ہیں لیکن شرط یہ کہ ایک بھی وار خالی نہ ہو۔ اس نے نارنگ پور کے بڑے بڑے اونچی ذات والوں کو بے وقوف بنایا تھا لیکن اس کے اندازے کے مطابق وہ اس کی مشق تھی۔ وہ اپنے تیروں کے نشانے کا اندازہ کر رہی تھی اور ابھی تک اسے مایوسی نہیں ہوئی تھی۔

مہاراج، شکر دیال بوڑھے تھے۔ اس کے قابل نہ تھے۔ کسی بھی جوان لڑکی کی تعبیر نہیں تھے لیکن ان کے سہارے وہ پوری شکار گاہ پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لئے تو وسیع میدان موجود تھا۔ جہاں وہ سنبھل سنبھل کر شکار کھیلنے کا پروگرام بنائے ہوئے تھی۔

اسے اپنی ماں کی یاد بہت ستاتی تھی۔ ان دونوں ماں بیٹی میں سہیلیوں کا سارشتہ تھا۔ گو ماں نے کبھی اسے اپنا راز دار نہیں بنایا تھا۔ رہ گیا گیروا..... تو کلیانی نے کبھی گیروا کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ صرف اس لئے آگئی تھی اور اس نے اسے دُنیا کے سامنے اپنا باپ اس لئے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ راج محل تک آنے کا ایک ذریعہ تھا اور پھر گیروا نے اس کا یہ تردد بھی دُور کر دیا تھا کہ وہ اس کا باپ ہے۔ اسے گیروا سے نفرت تھی۔ گندہ غلیظ کہیں کا۔

بہر حال وہ راج محل کے ایک حصے میں مقیم تھی۔ اسے رانیوں جیسی ہی سہولتیں حاصل تھیں۔ اس نے بھی غلاظت میں پرورش نہیں پائی تھی۔ اس نے نارنگ پور کا ماحول دیکھا تھا۔ جہاں اس نے اپنا سارا بچپن گزارا تھا اور پھر بھاگ کر اسے شہزادیوں جیسی پر آسائش مہیا کر رکھی تھی اور اس کے گھر کا ماحول بھی راج محل سے کم نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ راج محل کے اس حصے میں موجود داسیوں نے اسے ایک خاص مقام دیا تھا لیکن کسی داسی کو یہ محسوس نہیں ہوا تھا کہ ان کی نئی مہمان مہاراج کی نئی منظور نگاہ ہے۔



کلیانی کا رکھ رکھاؤ رانیوں جیسا ہی تھا۔ کلیانی کوئی کمزور پہلو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ شکر دیال نے اسے باغ میں دیکھا تھا اور اس کی اداؤں پر مر مٹے تھے۔ جس کا نتیجہ برآمد ہونے میں وقت نہیں لگا۔ وہ اسے خرید کر اس کا منہ موتیوں سے بھر دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے جس انداز میں کلیانی کو بلایا تھا، اس انداز میں کلیانی کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو بدحواس ہو جاتی۔ لیکن اسے خود پر اعتماد تھا۔ وہ خاموشی سے راج محل میں چلی آئی اور یہاں آکر اس نے حالات سنبھال لئے۔

مہاراج کے واپس چلے جانے سے اسے بخوبی اندازہ ہوا کہ اس کا وار کاری ہے اور اب قسمت کے دروازے کھلنے والے ہیں۔ رات اس نے سکون سے گزار دی۔ دوسرے دن داسیوں نے اسے غسل کروایا۔ اس کا سنگھار کیا اور وہ ہنسی خوشی سب کچھ کرتی رہی۔

دوپہر کے بھوجن کے بعد وہ آرام سے لیٹ گئی۔ ابھی اسے لیٹے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک داسی نے اسے آکر اطلاع دی۔

”شرمانند..... آپ سے ملنے آئے ہیں۔“

”اوہ..... بلاؤ.....!“

کلیانی اٹھ کر بیٹھ گئی اور پنڈت شرمانند جی اس کے کمرے میں داخل ہو گئے۔

”کیسی ہو کلیانی.....؟“

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کرپا ہے مہاراج کی.....!“

”کوئی تکلیف تو نہیں ہے.....؟“

”نہیں مہاراج.....!“

شرمانند جی مسکراتے ہوئے ایک چھپر کھٹ کے کونے پر بیٹھ گئے۔  
اور وہ گردن جھکائے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

”مہاراج شکر دیال سے ملاقات ہوئی، کلیانی.....؟“  
”نہیں.....!“

کلیانی نے معصومیت سے گردن ہلا دی اور شرمندگی کی مسکراہٹ اور  
گہری ہو گئی۔

”لیکن مہاراج تو بتا رہے تھے کہ وہ تم سے دو بار مل چکے  
ہیں.....؟“

”نہیں.....!“

کلیانی بھونچکا ہو کر بولی۔

”گویا مہاراج جھوٹ بول رہے تھے۔“

شرمانند جی مسکراتے ہوئے بولے۔

”میں سو گندھ کھاتی ہوں مہاراج.....! میں نے انہیں نہیں دیکھا۔“

”اچھا.....! تو باغ میں تمہیں کون ملا تھا.....؟“

”باغ میں.....؟“

”ہاں.....! پرسوں..... منہ اندھیرے وہ کون تھا.....؟“

”وہ..... وہ اس نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ پھر کل رات کو بھی وہ

راج محل آیا تھا۔ میرے پاس رکا اور چلا گیا۔“

”وہ مہاراج شکر دیال ہی ہے۔ یگی.....! تو سچ مچ بڑی معصوم

ہے۔ تو نے اس بارے میں معلومات کرنے کی کوشش بھی نہیں کی.....؟“

شرمانند جی مسکراتے ہوئے بولے لیکن کلیانی کی اداکاری نقطہ عروج

پر تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ ہونٹ کھلے ہوئے تھے۔ وہ شرمندگی کو

تک رہی تھی۔ پھر اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلے اور اس نے کہا۔

”وہ..... وہ مہاراج تھے۔“

”ہاں بچی.....! راج محل میں اتنی آزادی سے کون آ سکتا ہے.....؟“

”مگر میں نے تو ان کا اہمان کیا تھا۔ میں نے.....“

”مہاراج تجھے دل و جان سے چاہتے ہیں۔ تو نے انجانے میں

اپنے من کا راز ان پر کھول دیا اور وہ سوچ میں پڑ گئے۔ وہ اپنی پریمیکا کا من توڑنا نہیں چاہتے۔ میں تجھے بتانے آیا ہوں کلیانی.....! کہ عنقریب تو رانی بن جائے گی۔“

”وہ..... وہ..... مہاراج تھے.....؟“

کلیانی اس خوش خبری کو بڑی چالاکی سے پی گئی۔

”مہاراج نے ہی مجھے تیرے پاس بھیجا ہے۔ مجھے تجھ سے کچھ

باتیں کرنی ہیں۔“

شرمانند نے کہا اور کلیانی اس کی شکل دیکھتی رہی۔ شرمندہ کچھ سوچنے

لگے تھے۔ پھر وہ الفاظ تول کر بولے۔

”میں تجھ سے جو بات کہنے والا ہوں، کلیانی.....! ہو سکتا ہے اسے

من کر تیرے من کو ٹھیس لگے لیکن ان باتوں میں تیرا مستقبل چھپا ہوا ہے، تجھے

معلوم ہے کہ تو ایک نیچ ذات ہے۔ اچھوت جاتی کے لوگ بڑی جاتی میں بیاہ

نہیں کر سکتے اور پھر مہاراج کی جاتی تو سب سے اونچی ہے لیکن اس کے

باوجود وہ تجھے رانی بنانے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ

تجھے رانی بنائیں گے۔ پر اس کے لئے تجھے کچھ کرنا ہوگا۔“

کلیانی صبر و سکون سے سب کچھ سن رہی تھی۔

”کیا تو تیار ہے.....؟“

شرماندہ پوچھا اور کلیانی نے گردن ہلا دی۔

”تب پھر یہ بتا کہ یہاں تیرے واقف کار کون کون ہیں.....؟“

”کوئی نہیں مہاراج.....! سوائے گيروا کے.....!“

”وہ تیرا باپ ہے.....! تیرا برا نہ چاہے گا اور پھر اس چڑی کو چرس

مل جائے اور کیا چاہئے اسے.....؟“

”نہیں مہاراج.....! یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ من کا بڑا خراب ہے

اور پھر..... پھر وہ میرا باپ بھی نہیں ہے۔“

”نہیں ہے..... پھر کون ہے.....؟“

”وہی بتا رہا تھا کہ وہ میرا باپ نہیں ہے۔“

”اوہ.....! یہ نئی بات..... لیکن تیری ماں تو مر گئی۔“

”ہاں.....!“

”اور تو نہیں جانتی تیرا باپ کون ہے.....؟“

”نہیں.....!“

”تب یہ تیرے بارے میں صرف گيروا ہی جانتا ہے، اور تو کہہ رہی

تھی کہ وہ حسن کا بڑا خراب ہے۔“

”ہاں.....! مہاراج کسی بھی وقت چرس کی تربگ میں سب کے

سامنے کہہ سکتا ہے کہ اس کی بیٹی رانی بن گئی ہے۔ اس طرح مہاراج کی

عزت خاک میں مل جائے گی۔“

”یہ تو تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ چرس کا کیا اعتبار.....؟ مگر پھر کیا کیا

جائے.....؟“

”وہ بوڑھا روگ ہے اور روگ ختم ہی ہو جانا چاہئے۔ مہاراج اب

اس کا جیون کیسے سکھ دے رہا ہے.....؟ اس بوجھ کو اس کے کندھوں سے اتار

ہی دینا چاہئے تو اچھا ہے۔“

کلیانی نے کہا اور شرمندہ چوٹ پڑے۔ پہلی بار انہیں احساس ہوا کہ یہ لڑکی اتنی سیدھی نہیں ہے۔ جتنی وہ سمجھ رہے ہیں۔ وہ قتل کے بارے میں بھی سوچ سکتی ہے۔ اس کا ذہن اس گہرائی میں بھی سوچ سکتا ہے۔ کئی منٹ غور کرنے کے بعد پھر انہوں نے گردن ہلائی۔

”ٹھیک ہے.....! میں مہاراج سے مشورہ کروں گا، اس کے علاوہ

کوئی اور ہے جو تیرے راز سے واقف ہو.....؟“

”اور.....؟“

کلیانی نے سوچا اور اسے چندا یاد آگئی۔ چندا مالن جو اس کی سہیلی تھی لیکن چندا فی الوقت اس کے لئے خطرناک نہ تھی اور پھر چندا کا فیصلہ وہ رانی بننے کے بعد ضرور کرے گی۔ اس لئے اس نے چندا کی جان بخشی کر دی اور گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

”نہیں.....! اور کوئی نہیں.....!“

”ٹھیک ہے کلیانی.....! گیروا کا بندوبست کر دیا جائے گا اور سنو.....! تمہیں رانی بنانے کے لئے بڑی محنت کی جائے گی۔ جس میں تم بھی شریک ہوں گی۔ مہاراج چاہتے ہیں کہ تم یہاں سے ایک اور جگہ چلی جاؤ۔ ہڈت تیواڑی لعل ہمارا آدمی ہے۔ تم وہاں اس کی بھتیجی کی حیثیت سے رہو گی۔ وہ لوگوں کو بتائے گا کہ تم کسی دوسرے شہر سے اس کے پاس آئی ہو۔ تم اہی اس کی مدد کرو گی۔ پھر کچھ سمجھدار عورتیں تمہیں محل میں رہنے کے آداب سکھائیں گی۔ تم پوری محنت سے سب کچھ سیکھو گی۔ اس دوران مہاراج تم سے ملتے رہیں گے۔ سمجھ گئیں تم.....؟“

اور کلیانی نے گردن ہلا دی۔ اس کی آنکھوں میں مسرتیں پھوٹ رہی

تھیں۔

”بس.....! یہی تمہیں سمجھانا تھا۔ کسی وقت بھی خاموشی سے تمہیں تیاڑی لعل کے گھر بھیج دیا جائے گا۔“  
شرمانند اٹھ گئے۔ کلیانی نے ہاتھ جوڑ کر انہیں پرنام کیا اور شرمندہ باہر نکل گئے۔

تیاڑی لعل کافی بڑا زمیندار تھا۔ اونچی ذات کا برہمن تھا۔ گو کوئی سرکاری عہدیدار نہیں تھا لیکن اس کی پہنچ زبردست تھی اور مہاراج، شکر دیال کے خاص وفاداروں میں سے تھا اور اس کے ہاں کے رہن سہن بھی اونچے تھے۔

شہر کے ایک خوب صورت علاقے میں اس کی بڑی حویلی تھی۔ جس کا ایک حصہ مردانہ تھا اور ایک زنانہ تھا۔ درمیان میں ایک بڑا باغ تھا جسے کافی خوب صورت بنایا گیا تھا۔ بہت سی داسیاں اور خادم ملازمائیں تھیں۔ غرض یہ کہ یہاں کی زندگی بھی عیش کی تھی۔

شرمانند نے اسے بھی کلیانی کی اصل حیثیت نہیں بتائی تھی لیکن اتنا ضرور بتا دیا تھا کہ وہ ایک الہڑ اور بے سہارا لڑکی ہے اور مہاراج اسے رانی بنانے والے ہیں۔ یہاں رکھ کر اسے راج محل کی تربیت دی جائے گی۔ چنانچہ اس کی عزت رانیوں کی طرح کی جائے۔ اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ وہ اسے اپنی بھتیجی کی حیثیت سے رکھے۔

اس کے لئے ایک چھوٹا سا ڈرامہ کیا گیا۔ تاکہ تیاڑی لعل کے گھر والے بھی مطمئن ہو جائیں اور کلیانی کی حقیقت نہ جان سکیں۔

چنانچہ تیاڑی لعل کو ایک خط ملا جس میں اس کے ایک دوست کی موت کی اطلاع تھی۔ تیاڑی لعل خوب رویا پیٹا اور پھر اپنے دوست کی نشانی

شیلادتی کو لینے چل پڑا۔ گھر والے تیواڑی لعل کے غم سے متاثر تھے۔ شیلادتی، تیواڑی لعل کے گھر آئی تو سب اس کے حسن کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ تیواڑی لعل نے کلیانی کو حقیقت بتا دی تھی۔

چنانچہ اس نے اپنے چہرے پر سوگ طاری کر لیا اور اس حسن سگوار سے سب ہی متاثر تھے اور کلیانی تو اداکاری میں اپنا ثانی ہی نہیں رکھتی تھی، اس نے چند گھنٹوں میں تیواڑی لعل کے پورے گھر انے کو رام کر لیا۔

خاص طور پر تیواڑی لعل کا بڑا لڑکا ست پرکاش تو اسے دیکھتا رہ گیا۔ ست پرکاش بلند و بالا قد، گورے رنگ اور حسن نقش کا مالک تھا۔ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ لالہالی سا تھا۔ کسی بات کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ تیواڑی لعل کے دوست کی موت پر اس نے بھی باپ سے اظہار تعزیت کر دیا تھا لیکن مختصر الفاظ میں۔

اور اس کے بعد سب کچھ بھول گیا تھا۔ تیواڑی لعل دوست کی بیٹی کو لینے چل پڑے تھے۔ تو اس نے اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا لیکن شیلادتی کو دیکھنے پر وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس سوگوار لڑکی نے اس کا من جیت لیا تھا اور اب ست پرکاش کو شیلادتی میں گہری دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ نہ جانے شیلادتی نے بھی اسے غور سے دیکھا تھا یا نہیں.....؟

بہر حال باپ کے دوست کی بیٹی تھی اور تیواڑی لعل اس کے بارے میں سنجیدہ تھے۔ اس لئے اس کے بارے میں اس نے صبر سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اب تو شیلادتی اس کے گھر میں ہے اور اسے گھر کا ماحول حسین نظر آنے لگا۔

دوسری طرف کلیانی کو اس گھر کے ماحول میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب اس کے غلام ہیں۔ اس نے کسی کو کبھی نگاہ بھر کر نہیں دیکھا

تھا۔ ضرورت بھی کیا تھی.....؟ یہ گھر تو اس کے لئے ایک تربیت گاہ تھا۔ چنانچہ وہ سب سے لاپرواہ تھی۔ اس نے کسی کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ حالانکہ تیواڑی لعل کی نو جوان لڑکیاں تھیں، لڑکے تھے لیکن اسے ان سے کیا.....؟ وہ تو یہاں اپنا کورس پورا کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ رانی بن کر اپنے خوابوں کی تکمیل کرے۔

تیواڑی لعل کی لڑکیوں نے اس کے قریب آنے کی کوشش کی، لیکن اس نے انہیں کوئی لفٹ نہیں کروائی تھی۔ جب لڑکیوں کا کام نہ بنا تو لڑکے کیا ہمت کر سکتے تھے.....؟ خود تیواڑی لعل کی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ کلیانی کی مرضی کے بغیر اس کے سامنے جا سکتے۔ اس طرح کلیانی کو یہاں آئے ہوئے تیسرا دن بھی ہو گیا۔ تیواڑی لعل جی کی پتی حیران تھیں کہ کیسی لڑکی ہے.....؟ کسی سے بات نہیں کرتی.....؟ کسی کو منہ نہیں لگاتی.....؟ چنانچہ ایک رات انہوں نے پتی دیو سے اس کی شکایت کی۔

”بڑی تک چڑھی لڑکی ہے یہ.....! کسی سے بات ہی نہیں کرتی، نہ جانے کیا سمجھتی ہے خود.....؟“

”کیا ہو گیا.....؟ بھاگوان.....!“

تیواڑی لعل پلنگ سے اُچھل پڑے۔

”بس.....! ہو کیا گیا.....؟ ایسا لگتا ہے جیسے ہم نے اس کے باپ کو مار دیا ہو.....! لو اور سنو.....! ہمارا ہی کھائے گی اور ہمیں ہی بچ سمجھے گی.....؟“

”ارے ارے.....! کیوں موت آئی ہے.....؟ رام کلی.....! اگر وہ اراض ہو گئی تو اس گھر پر بلچل مچ جائے گا، جوتے مار مار کر ہمارے بھیجے نکال دیئے جائیں گے، سب کو سمجھا دینا رام کلی.....! اگر زندگی چاہتے ہیں تو اسے ناراض نہ کریں۔ اس سے کوئی واسطہ نہ رکھیں۔ سچ کہہ رہا ہوں رام کلی.....!!“



گر اس نے اشارہ کر دیا تو بن موت مارے جائیں گے۔“

”ہائے رام.....! وہ ہے کون.....؟“

رام کلی حیرت سے بولیں۔

”بس.....! یہ مت پوچھ بھاگوان.....! بھگوان سے پراگھنا کر کے

ہم اس امتحان میں پورے اُتریں۔ مجھے اب یہ خیال آ رہا ہے کہ یہ امتحان

بہت سخت ہے۔“

”یہ بتاؤ تو سہی ناتھ کہ قصہ کیا ہے.....؟“

”مت پوچھ رام کلی.....! ذرا سی غلطی سے ہم نرگ میں پہنچا دیے

جائیں گے۔“

”میں کسی سے نہ کہوں گی.....!“

”سوچ لے رام کلی.....! کہیں تیرے ہاتھوں میری ہتھیا نہ ہو

جائے.....!“

تیواڑی لعل گھبرا کر بولے۔

”میرے اوپر دشواش کرو ناتھ.....!“

”تو سن.....! وہ میرے دوست کی لڑکی نہیں ہے۔ میرا کوئی بھی

دوست نہیں مرا۔ یہ مہاراج کی اچھا تھی۔ انہوں نے ہی اسے میرے سپرد کیا

ہے۔ یہ..... یہ ہونے والی رانی ہے، اگر یہ خوش رہی تو لکشمی آجائے گی اور بگڑ

گئی تو..... تو نہ جانے کیا ہوگا.....؟“

”ہے بھگوان.....! مگر یہ انوکھی بات ہے.....!“

”راج دربار کی ہر بات انوکھی ہوتی ہے۔ یہ میں نے تجھے سچی بات

بتا دی ہے۔ اس کو سمجھ لے اور جان لے کہ تجھے کیا کرنا ہے.....؟ ہم سب کا

جیون تیرے ہاتھ میں ہے۔“

”میں خیال رکھوں گی.....!“

رام کلی نے کہا اور اس طرح کلیانی اس گھر میں ایک انوکھی حیثیت سے رہنے لگی۔

دو ہی باتیں ہوتی ہیں۔ انسانوں کی پوری تاریخ اپنی کمزوریوں سے بھری پڑی ہے۔ طاقت حاصل کرنے کے بعد بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ انسان پہلے جیسا انسان رہ جائے۔ وہ بدل جاتا ہے۔ انسان ہوتا ہے، لیکن شیطان سے زیادہ قربت ہو جاتی ہے۔ مثالیں بے کار ہیں۔ دُنیا یہ سب کچھ جانتی ہے۔

کلیانی بری نہیں تھی۔ لیکن ختم نہ ہونے والی زندگی کو ایک ہی ڈگر پر چلانا تو بہت ہی مشکل تھا۔ کوئی سکھ دینے والا تو تھا نہیں، شیطان چپکے سے قریب کھسک آیا۔ اسے ایسے شکار کہاں ملتے ہیں.....؟ امر جیون، امر سندر تا، دونوں کا ملاپ اٹوٹ، یہ بات کلیانی کے من میں بیٹھ گئی تھی کہ سنسار میں اس سے سندر کوئی نہیں ہے، اس کی جگہ راج مخلوں ہی میں نہیں بلکہ راجاؤں کے من میں ہے اور وہ انہی راستوں کا سفر کر رہی تھی۔ اس گھر میں سب ہی اس سے خوفزدہ رہتے تھے۔ کوئی اس کی مرضی کے بغیر اس کے سامنے نہ جاتا۔ وہ خوش ہوتی تو سب کے چہرے کھل اُٹتے۔ اس کا موڈ خراب ہوتا تو سب سہمے سہمے رہتے اور..... اور کلیانی کو اس سہمے ہوئے ماحول سے دلی مسرت ہوتی، وہ یہاں بہت خوش تھی۔

چوتھے دن چند عورتیں اس کے پاس آگئیں۔ ان عورتوں کو اس کے ساتھ رہنا تھا۔ تیواڑی لعل کی عظیم الشان حویلی میں ہی ان کے رہنے کا انتظام بھی ہو گیا اور یہ عورتیں، کلیانی کو تربیت دینے لگیں۔

کلیانی کو کسی تربیت کی ضرورت نہیں تھی لیکن بہر حال اسے یہ تعاون

کرنا تھا۔ چنانچہ وہ ان عورتوں سے تربیت حاصل کرنے لگی۔ چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے کے آداب سیکھنے لگی اور تیزی سے ان میں طاق ہونے لگی۔ ایک ماہر رقاصہ سے اس نے رقص کی تعلیم بھی حاصل کرنا شروع کر دی۔

اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن یہ اس کا اپنا شوق تھا۔ مہاراج، شکر دیال نے اس دوران بڑے صبر سے کام لیا تھا۔ وہ شرمانند کے مشورے کے مطابق کام کر رہے تھے۔ اس دوران محل میں کچھ واقعات رونما ہو چکے تھے۔

مثلاً ایک رانی کو علیحدہ کر دیا تھا۔ یہ ان کی سب سے بڑی رانی تھی اور ان کے معاملات میں سب سے زیادہ دخل دیتی تھی۔ باقی تین رانیاں مہاراج کی منظور نگاہ تھیں۔

مہاراج نے انہیں رانی بنایا تھا، لیکن بڑی رانی سے شکر دیال کے پتا جی نے ان کا بیاہ کیا تھا۔ یہ رانی خود بھی ایک ریاست کے راجہ کی صاحبزادی تھیں۔ اس لئے محل پر اثر رکھتی تھیں۔ چنانچہ مہاراج نے ان سے چھٹکارہ حاصل کرنا مناسب سمجھا۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ گروا زیادہ نشے کی وجہ سے مر گیا۔ اس نے ضرورت سے زیادہ چرس پی لی تھی۔ چنانچہ ایک صبح اس کے مکان سے اس کی لاش برآمد ہوئی۔ حقیقت کیا تھی.....؟ یہ شرمانند اور شکر دیال کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ کسی کو کیا ضرورت تھی کہ ایک بچ ذات کے چرسی آدمی کی موت کی کھوج کرنا.....؟ اس طرح کلیانی کی خواہش کے مطابق یہ کام بھی ہو گیا تھا۔

بہر صورت ہر کام پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا۔ شکر دیال کا سکون نارت ہو گیا تھا۔ انہوں نے تمام رانیوں کو چھوڑ دیا تھا اور دن رات کلیانی کے

فراق میں آہیں بھر رہے تھے۔ وہ جلد از جلد تمام منازل طے کر لینا چاہتے تھے۔

اس دوران انہوں نے پروگرام کے مطابق کلیانی سے ملنے جلنے یا اسے محل میں بلوانے کی خواہش ظاہر کی، لیکن ان کے مشیر شرمندہ نے انہیں اس سے باز رکھا اور کہا تھا۔

”انتظار، وصل کی لذت کو اور بڑھا دیتا ہے مہاراج.....! مہاراج.....! تمام راستے ہونے کے بعد جب کلیانی آپ کی آغوش میں آئے گی تو اس کو سورگ کا مزہ آجائے گا۔ کچھ اور انتظار کریں۔ کلیانی اوش آپ کے چرنوں میں ہوگی۔“

اور شکر دیال نے اپنے سمجھدار مشیر کی بات مان لی اور صبر کئے ہوئے تھے۔

لیکن گردشِ چرخ اس کھیل کو اور رنگ دینا چاہتی تھی۔ کلیانی اگر خاموشی سے شکر دیال کی ہو جاتی تو کہانی میں کیا دل کشی رہ جاتی.....؟ عام سی بات ہوتی اور فطرت کا نکتاتِ عمومیت پسند نہیں ہے۔ نت نئے حادثات، نت نئے ہنگامے ہی زندگی کو سہارا دیتے ہیں۔ سانسوں کا جمود فطرت کی موت ہے۔ چنانچہ کلیانی کی زندگی میں ایک نئے انقلاب نے جنم لیا اور اس کہانی کو ایک نیا رنگ مل گیا۔

یہ ست پرکاش تھا۔ ست پرکاش جس نے کلیانی کی پہلی جھلک دیکھی تھی۔ اس کے دل میں ایک سوراخ ہو گیا تھا۔ اس سوراخ سے آہیں رسنے لگیں تھیں۔ محبت کی ٹیسیں اٹھتی رہتیں۔ کلیانی کی بے نیازی نے زخم اور گہرا کر دیا۔

اور ست پرکاش کی تڑپ اور بڑھتی رہی۔ وہ چوروں کی طرح کبھی

کبھی کلیانی کو دیکھ لینے میں ہی خوش تھا لیکن پھر یہ خوشی ماند پڑ گئی۔ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ اس کٹی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں لیکن اندرونی طور پر وہ سمجھدار نوجوان تھا۔ وہ دوسروں پر اپنی کیفیت کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہاں جسے وہ چاہتا تھا اس کی طرف سے اس کی محبت کا جواب مل جائے تو پھر یہ افسانہ طشت از بام کرنے میں کوئی عار نہیں تھا۔ لیکن کلیانی نے اپنی ذات کے گرد اپنی خول چڑھا رکھے تھے۔ وہ گھر کے کسی فرد سے نہیں ملتی تھی۔ کبھی گھر والوں کے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔

اگر وہ ان کے ساتھ اٹھتی تو ست پرکاش کو حال دل کہنے کا کوئی نہ کوئی موقع مل جاتا۔ عجیب مہمان تھی، یہ میزبانوں کو اپنا غلام سمجھتی تھی اور پتا جی اور ماما جی کو پتا نہیں کیا ہو گیا تھا کہ وہ کسی کو اس کے قریب نہ بھٹکنے دیتے تھے.....؟

ہاں.....! اسے تعلیم دینے والیاں اس کے قریب رہتی تھیں۔ بس ان کے سوا کسی کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں تھی، نہ جانے کیوں.....؟

ست پرکاش غور کرتا رہتا تھا لیکن اس پر اسرار لڑکی کا راز اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وقت گزرتا رہا۔ ست پرکاش کے دل کی جلن بڑھتی جا رہی تھی اور پھر اس رات وہ انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس کا دل اس سے باغی ہو گیا تھا۔ وہ اسے خوف ناک مشورے دے رہا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ لہاوی قیود کو توڑ دیا جائے۔ ہر رسم کو ٹھکرا دیا جائے وصل محبوب..... اور کچھ نہیں.....!

اور دل کی چیخیں برداشت سے باہر ہو گئیں تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ذہن تاریک ہو گیا تھا۔ زندگی دوسووں سے آزاد ہو گئی تھی۔ نتیجے کا خوف ہاتا رہا تھا اور اس کے قدم کلیانی کی خواب گاہ کی طرف اٹھ گئے تھے۔ کوئی

خیال نہ تھا۔ سوائے خیال یار کے۔ اس کا چہرہ نگاہوں میں تھا۔ پاؤں چل رہے تھے۔ فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ وہ خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔

کائنات سو رہی تھی۔ رات جوان ہو چکی تھی۔ اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا اور ہاتھ کا دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔ قسمت یاور تھی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں ٹھنڈی روشنی جاگ رہی تھی۔ ماحول اس خواب ناک روشنی میں سویا ہوا تھا۔

سامنے ہی وہ حسین مسہری بچھی ہوئی تھی۔ جس پر ایک کوئل کلی محو خواب تھی۔ مسہری کے گرد پڑے گلابی رنگ کے پردے، رعب حسن سے لرز رہے تھے۔ آسمانی رنگ کے باریک لبادے سے خمار جوانی جھلک رہی تھی۔ گھٹائیں بکھری ہوئی تھیں۔ گلاب کی پیتاں نیم وا تھیں۔ اور ان کے درمیان سچے موتی چمک رہے تھے۔ سینے کے اُبھاروں کے زیر و بم سے کائنات لرزاں تھی۔ تیلی کمر، برف پوش پہاڑوں کے درمیان پہنی ہوئی زری کے سے پیچ و خم کے مناظر پیش کر رہی تھی۔

ست پرکاش پتھر کا بت بن گیا۔ اس کی آنکھیں پتھر اگئیں۔ ان سے زندگی کا نور چھن گیا۔ وہ خود کو ایک پتے ہوئے ریگزار میں محسوس کرنے لگا، جہاں سورج، آگ برسا رہا تھا۔ جسم پر آبلے پڑے جا رہے تھے۔ ہونٹ پیاس سے خشک ہو رہے تھے اور جب نقش ناقابل برداشت ہو گئی۔ زندگی موت کی آغوش میں جانے لگی تو لرزتے ہوئے قدموں سے آب و حیات کی طرف بڑھا اور اپنے سوکھے ہوئے ہونٹ جھکائے اور شیریں چشمے میں ڈبو دیے۔

سکون کا ایک لامتناہی سمندر تھا۔ جس نے نم بخارات اُبھر رہے تھے۔ نرمی کا ایک ڈھیر تھا جو اس کے چوڑے جسم کے نیچے دب رہا تھا۔

سانسوں کی زیر و بم بے ترتیب ہو گئی۔ نازک جسم کسمسایا اور آنکھیں کھل گئیں۔ دونوں ہاتھ اٹھے، نازک سی مدافعت ہوئی اور پھر سفید مالائیں ست پرکاش کے گلے کا ہار بن گئیں۔

پیار کا جواب گرم جوشی سے ملے گا۔ ست پرکاش کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ بن گیا۔ اس کا دل آسمان کی بلندیوں پر ناپنے لگا۔

لیکن پھر حواس جاگ اٹھے، وہ چونک پڑی۔

اور تڑپ کر اس سے علیحدہ ہو گئی۔ آنکھوں میں ہلکا سا خوف تھا لیکن اس خوف کے پیچھے احساس لذت بھی چھپا ہوا تھا۔ ایک ہلکی سی حیرانی بھی تھی۔ جذبات سے مغلوب ست پرکاش بھی ہوش میں آ گیا۔ اس کا جسم ہولے ہولے کاپنے لگا۔ پیشانی پٹے سے تر ہو گئی۔ جھیل سے گہری آنکھوں میں خوف کی سیاہی پھیل گئی۔

اور شاید اس خوف، اس انفصا کو پسند کیا گیا، نازک پتیاں کھل گئی، موتی بکھر گئے، خوف مٹ گیا، طلب اُٹھ آئی اور اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

”تم..... تم کون ہو.....؟“

”ست پرکاش.....!“

نہ جانے کیسے ست پرکاش کے ہونٹوں سے پھسل گیا۔

”اوہ.....! ہر دیوی کے بھائی.....؟“

”ہاں.....!“

”تیواڑی لعل چاچا کے بیٹے.....!“

”ہاں.....!“

ست پرکاش نے کسی مجرم کی طرح جواب دیا۔

”کیا سہ ہوا ہے.....؟“

اور ست پرکاش نے اس سوال پر چونک کر اسے دیکھا، پھر دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرح دیکھا۔

”ایک بجا ہے.....!“

”سب سو گئے ہیں.....؟“

سوال میں ہمت افزائی کی گئی۔

”ہاں.....!“

”تو بیٹھ جاؤ.....! کھڑے کیوں ہو.....؟“

حسین دعوت دی گئی اور ایک بار پھر ست پرکاش کے دل میں روشنی پھوٹ پڑی۔

”بیٹھ جاؤ.....! ست پرکاش میں نے پہلے تمہیں ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں ہے۔“

”ابھاگی ہوں.....!“

ست پرکاش سلگتی آواز میں بولا۔

”اوہ نہیں.....! بس تم بیٹھو.....!“

تیسری بار کہا گیا اور ست پرکاش بیٹھ گیا۔ وہ پسندیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شاید اس نرم مزاجی کا محرم کوئی دلکش خواب تھا۔ جس نے ذہن پر خوشگوار اثرات مرتب کر دیئے تھے۔ جو دل کی نازک کلیوں پر موجود تھی اور کلیاں چٹکی ہوئی تھیں اور ست پرکاش کے دل میں جا بجا کنول کھول رہے تھے۔

”اس سے کیسے چلے آئے تھے.....؟“



دلنشین لہجے میں پوچھا گیا۔

”دل کی تڑپ نے زندگی کی بازی لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔“

وہ سوز بھری آواز میں بولا۔

”اوہ.....! ایسا تڑپ رہا تھا تمہارا من.....؟“

”ہاں.....!“

”مگر پہلے تو تم کبھی میرے سامنے نہیں آئے۔“

”جرات نہیں ہوئی۔ ملکہ حسن کے چرنوں میں آنے کی کوئی آشا بھی

نہ تھی۔ اپنے بھاگ پر وشواش بھی نہ تھا۔“

ست پرکاش نے بدستور اسی انداز میں جواب دیا اور وہ رحم بھری

نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ چوڑا چکلا، جسم، حسین مردانہ چہرہ، نرم نرم سینہ،

خوب صورت آنکھیں، جو دل کے سوز کی ترجمان تھیں۔

یہ نوجوان دوسرے لوگوں سے مختلف ہے اور پھر اس کے گرم ہاتھوں

کالمس اس کی چوڑی چھاتی کا دباؤ۔ اس کے جسم میں لذت بھر آئی۔

لیکن پھر اس کی آنکھوں میں ایک طویل القامت جسم ابھر آیا۔ پر

رعب چہرہ ابھر آیا۔ بالوں کے سفید گچھے ابھر آئے اور جواہرات سے ٹنکی ہوئی

پوشاک ابھر آئی۔

جوانی کو یوں ستے داموں فروخت کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ ایک عام

عورت بن کر رہ جانے سے کیا فائدہ.....؟ جس کے لئے اتنا ریاض کیا ہے،

وہ کیوں نہ حاصل کیا جائے.....؟ جذبات کی لہروں میں بہنے کے بجائے سنبھلنا

اچھا ہے کہ اسی پر مستقبل کا دار و مدار ہے۔ ہر چند کہ یہ نوجوان حسین ہے،

دلکش ہے، اس کے پاس جوانی کی گرمی ہوگی۔ وہ بوڑھے جسم میں کہاں.....؟

یہ اس کی جوانی کا صحیح مقابل ہے لیکن ایک تجربے کار بیوپاری کی طرح وہ

اپنے مال کو مہنگی قیمت پر فروخت کرنا چاہتی تھی۔

وہ ست پرکاش سے متاثر ہو گئی۔ اس کی جوانی ست پرکاش کو طلب کر رہی تھی لیکن عقل و خرد اس کے منافی تھے۔ وہ اسے سنبھلنے کی تلقین کر رہے تھے اور پھر اگر وہ جوانی کے دھارے میں بہہ گئی تو اس کا کول جسم ہاتھوں کے قدموں تلے روند دیا جائے گا اور ست پرکاش بھی مارا جائے گا۔

”نہیں نہیں.....! سنبھلنا چاہئے.....! اس نو جوان کی زندگی بھی بخش

دینی چاہئے.....! اگر اسے نہ سنبھالا گیا تو پگلا جان دے دے گا۔“

چنانچہ کلیانی نے خود کو سنبھالا، اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ نرم خد و خال میں کچھ سختی آ گئی۔ آواز میں کسی قدر غصے کا عنصر شامل ہو گیا اور اس نے سرد آواز میں اسے مخاطب کیا۔

”ست پرکاش.....!“

”ہوں.....!“

ست پرکاش کی جھکی ہوئی گردن اٹھی۔

”اس لمحے تمہیں نہیں آنا چاہئے تھا۔“

ست پرکاش اس کے لہجے کی اس سرد مہری پر چونکا۔ اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ کیسی انوکھی ہے یہ لڑکی.....؟ کبھی تو دل کے کنول کھلا دیتی ہے۔ کبھی من میں آگ لگا دیتی ہے۔

”تمہیں معلوم ہے، میں کون ہوں.....؟“

”تم پتا جی کے دوست کی بیٹی ہو..... لیکن.....“

”غلط بتایا گیا ہے تمہیں.....! میں ابھی تمہیں نہیں بتا سکتی کہ میں کون

ہوں.....؟ ہاں.....! صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ اگر کسی کو علم ہو جائے کہ تم اس طرح میرے کمرے میں آئے اور سوتے میں تم نے اور تمہارے بدن نے

مجھے چھو تو تم تصور نہیں کر سکتے کہ کیا ہوگا.....؟ ہو سکتا ہے کہ تمہاری اس فوب صورت حویلی پر ہل چلا دیئے جائیں۔ ہو سکتا ہے تمہارے بہن بھائیوں، تمہارے ماما پتا، سب کو ہاتھیوں کے پیروں تلے روند دیا جائے۔ میرا جیون، میرا اپنا نہیں ہے، ست پرکاش.....!

اگر میں اپنی ہوتی تو شاید تمہیں قبول کر لیتی۔ لیکن میں..... میں نہیں ہوں۔ اس لئے سنبھلو.....! اور جس طرح آئے ہو اسی طرح خاموشی سے واپس لوٹ جاؤ.....! اور سے کا انتظار کرو، ممکن ہے وہ ہو جائے جو تم چاہتے ہو۔ میں اس راز کو راز رکھوں گی، لیکن اس کے بعد تم نے ایسی حرکت کی تو وہ تمہاری بہت بڑی بھول ہوگی اور اس بھول کا جو نتیجہ ہوگا اس کی پیش گوئی میں کر چکی ہوں۔“

ست پرکاش پھر گنگ ہو گیا۔ ایک بار پھر اس کے من میں اندھیرے سلگ اُٹھے۔ ایک ایک کر کے تمام روشنیاں بجھ گئیں۔ تاریکیاں اُٹھ آئیں۔ اور سب کچھ اس کی نگاہوں سے معدوم ہو گیا۔

”شیلا وتی میں..... میں.....“

اس نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

”کچھ نہیں ست پرکاش.....! نکل جاؤ میرے کمرے سے.....! اس سے پہلے کہ یہ راز چھپانا میرے لئے مشکل ہو جائے۔ تم یہاں سے چلے جاؤ.....! ست پرکاش.....! ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ تم بے موت مارے جاؤ گے.....!“

وہ مسہری سے نیچے اُتر گئی۔ اور ست پرکاش کھڑا ہو گیا۔ اس نے آخری بار کلیانی کو دیکھا اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے چلا گیا۔ کلیانی اسے جاتی دیکھتی رہی۔ ست پرکاش کا قوی ہیکل جسم نگاہوں

سے اوجھل ہو گیا تو اس نے گہری سانس لی۔ اس کی آنکھوں میں تاسف جھانک رہا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ آہستہ سے بڑبڑائے۔

”پگلے.....! نراش نہ ہو۔ تیرا بھی سہ آئے گا۔ تو نے چند لمحات میں جو منزل حاصل کر لی ہے وہ کوئی بھی حاصل نہیں کر سکا۔ میں وعدہ کرتی ہوں میرا وقت آنے دے۔ تجھے وہ دوں گی جس کا تجھے تصور بھی نہیں ہوگا۔“

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اور اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ پورا ایک ماہ گزر گیا۔ ایک ماہ شکر دیال نے جس طرح گزارا تھا، اس کا دل ہی جانتا تھا۔ شرمندہ جی سے ملتے رہتے تھے۔ ایک آدھ بار وہ رات کی تاریکیوں میں کلیانی سے ملنے بھی آئے تھے۔ درحقیقت کلیانی میں ایک نرالا بانکپن پیدا ہو گیا تھا اور وہ ہر طرح سے رانی بن گئی تھی۔ شرمندہ جی بڑے مطمئن تھیں۔

اور پھر ایک شام شکر دیال نے انہیں طلب کر لیا۔ ان کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔

”ہمارے صبر کا کب تک امتحان لو گے شرمندہ.....؟ اگر کلیانی ہمیں نہ ملی تو ہم پاگل ہو جائیں گے۔ بتاؤ.....! اسے ہمیں کب دے رہے ہو.....؟ ہمیں اس کے درشن تو کرا دو.....! کیا تم اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتے.....؟“

”صرف چند روز اور مہاراج.....! ٹھیک پانچ دن کے بعد مہاراج کا جنم دن منایا جائے گا۔ پورے شہر میں تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کلیانی بھی مہاراج کے جنم دن میں شریک ہوگی.....!“

”اوہ.....!“

شکر دیال جی اُچھل پڑے۔ ان کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ انہوں نے سعادت سے کہا۔

”سچ مچ.....! تم سچے دوست ہو شرمنا مند جی.....! ہم تمہیں بہت بڑی جاگیریں دیں گے۔“

”سب کچھ مہاراج کا دیا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی مکھ سے مہاراج کی شان میں برے الفاظ نہ نکلیں۔ ورنہ کلیانی اب تک مہاراج کے چمنوں میں ہوتی۔“

”شرمنا مند جی.....! کیا وہ بھی ہمارے لئے بے قرار ہے.....؟“

”تڑپتی ہے، مہاراج.....! آپ کے لئے حیران ہے۔ اس بات پر کہ آپ نے اس کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔“

”کاش.....! وقت مختصر ہو جائے۔ کاش.....! ہمارا جنم دن جلد آجائے.....!“

اور جنم دن آگیا۔ پورے ملک میں دو روز پہلے سے دیوالی منائی گئی تھی۔ روشنیاں جاگ اُٹھیں۔ نالک سورنگ ہونے لگے۔ دشمن بھی عقیدت کے اظہار کے طور پر خوشیاں منا رہے تھے۔ میلے لگے ہوئے تھے۔ شکر دیال کا دل بلیوں اُچھل رہا تھا۔ پھر راج سبھا جی، پورے ملک کے بڑے بڑے لوگ نذرانے لے کر حاضر ہوئے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے راجے شریک ہوئے۔

ہر شخص نرالی آن بان دکھا رہا تھا۔ نوجوان داسیاں مہمانوں کی خدمت کر رہی تھی۔ زرق برق لباس میں لپٹی ہوئی بہاریں رقص کر رہی تھیں۔ آرتی اتاری گئی۔ انعامات تقسیم کئے گئے اور پھر محفل رقص و سرور جی گویوں نے داری کے گیت گائے، رقاصاؤں نے کمال فن پیش کیا اور پھر اچانک محفل پر سکوت طاری ہو گیا۔

آسمان سے سرسوتی کا تخت اُترا تھا۔ راجہ اندر سے بدھائی دی تھی

ور ۱۔ اپسرا کو محل کی رونق بڑھانے کے لئے دھرتی پر بھیج دیا گیا تھا۔  
 ناٹانیوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دلوں کی دھڑکنیں رُک گئیں اور  
 شکر دیال کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔

سرخ لہنگا، سرخ چولی، موتیوں جڑی ہوئی۔ دودھ سے زیادہ سفید کمر  
 جس پر لباس کے آتشیں سائے رقصاں تھے۔ کنول کی طرح کھلا ہوا چہرہ،  
 یاقوت کی طرح سرخ ہونٹ آنکھوں میں کاجل کے ڈورے کھنچے ہوئے،  
 مانگ میں موتی سجائے پیروں میں چاندی کے گھنگرو باندھے وہ محفل میں آئی  
 اور تمام رنگ پھیکے پڑ گئے۔ حسنائیں احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئیں۔ اپنے  
 اپنے چہرے چھپانے لگیں۔ اپنے پریمیوں کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جل  
 اُٹھیں۔

پھر چند سازندے آئے اور قطار میں بیٹھ گئے۔ اس نے بدھائی کا  
 گیت چھیڑ دیا۔ ساز جاگ اُٹھے اور چاندی کے گھنگرو جھنجھنا اُٹھے۔ ماحول لرز  
 اُٹھا۔ شاخ گل لچک رہی تھی۔ نازک کمر بل کھا رہی تھی اور محفل آسمان کے سحر  
 میں بلند ہو گئی تھی۔ یہ رقص اختتام تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے بعد کائنات  
 سے زندگی فنا ہو جائے گی۔ کوئی جان دار باقی نہ رہے گا۔ لوگ پتھر ہو جائیں  
 گے۔ ہوائیں نہ چلیں گی، کچھ نہ ہوگا۔ سوائے سکوت کے۔

سکوت..... ایک لامتناہی سکوت.....!

دل کی دھڑکنیں بند ہو گئیں۔ ہر شخص محو حیرت تھا۔ حسینہ تھی یا  
 قیامت۔ یہ حسن کہاں سے آیا.....؟ دیوتاؤں نے انہیں کہاں تخلیق کیا.....؟ یہ  
 کہاں پوشیدہ تھا.....؟ کوئی ذہن اس کا تجزیہ کرنے کے قابل نہ رہا تھا اور  
 شکر دیال کے دل کی تو کیفیات کچھ اور ہی تھی۔ آج وہ صبر نہیں کر سکتے تھے۔  
 آج وہ پوری کائنات کے سامنے عریاں ہو جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ کلیانی

کی ایک لمحے کی جدائی اب انہیں شاق تھی۔  
 رقص جاری رہا اور پھر کلائمکس پر پہنچ گیا۔ جان آنکھوں میں سمٹ آئی  
 تھی۔ پھر ساز رک گئے۔ اس وقت وہ شکر دیال کے سامنے تھی۔ پھر جب سحر  
 ٹوٹا تو شکر دیال کھڑے ہو گئے۔ ان کی بے قراری دیکھ کر شرمانند جی بھی  
 کھڑے ہو گئے۔

”میری بھتیجی ہے سرکار.....! اس نے خاص طور پر شکر دیال مہاراج  
 کے جنم دن کے لئے رقص سیکھا ہے۔ بڑی عقیدت ہے اسے مہاراج سے  
 سرکار.....!“

”بدھائی ہو تیواڑی لعل جی.....! آپ جیسے معزز برہمن کی ذات پر  
 تو کوئی شک ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے جس طرح اس محفل کو رونق بخشی  
 ہے، اس کے لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ کیا آپ کی بھتیجی کی شادی ہو گئی  
 ہے.....؟“

”نہیں سرکار.....! ابھی اس نے تعلیم مکمل کی ہے۔“

”کیا نام ہے تمہاری سندری کا.....؟“

شرمانند نے پوچھا۔

”شیلادتی.....!“

”کیا مانگتی ہو.....؟“

”شرمانند نے پوچھا اور شکر دیال آگے بڑھ آئے۔

”انعام مانگے نہیں جاتے، شرمانند جی.....! دیئے جاتے ہیں۔“

انہوں نے اپنے گلے سے قیمتی مالا اتاری اور کلیانی کے گلے میں  
 ڈال دی۔ محل میں تالیاں گونج اٹھیں۔

ہر شخص سمجھ گیا کہ کماری شیلادتی کے بھاگ جاگ اٹھے ہیں۔ اس

آسمانی حور کی جگہ راج محل کے علاوہ کہاں ہو سکتی ہے.....؟  
 بہر حال ڈرامہ کامیاب رہا۔ ہر شخص کو پتا چل گیا تھا کہ شیلادتی  
 تیواڑی لعل کی بھتیجی ہے اور شکر دیال کی منظور نگاہ، جنم دن کی تقریبات ختم  
 ہو گئیں۔ جو کام ہونا تھا وہ ہو گیا تھا۔ شیلادتی کو دوبارہ تیواڑی لعل کی حویلی  
 پہنچا دیا گیا تھا۔

اور پھر تیسرے دن پورے شہر میں ڈانڈی پٹ گئی کہ مہاراج شکر  
 دیال جی، کماری شیلادتی سے شادی کر رہے ہیں۔ اس شادی کی تاریخ بھی  
 مقرر کر دی گئی جو زیادہ دُور نہ تھی۔

شکر دیال بہت خوش تھے۔ ان کی دلی مراد پوری ہونے میں اب  
 صرف چند روز باقی رہ گئے تھے۔ صرف چند روز..... اور اس کے بعد ان کی  
 آرزو ان کی آغوش میں ہوگی۔ شہر کے لوگوں کو کوئی حیرت نہ تھی۔

شیلادتی کا حسن ایسا ہی تھا کہ مہاراج تو مہاراج تھے، حاضرین محفل  
 تڑپ کر رہ گئے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ مہاراج اسے حاصل کر سکتے تھے،  
 دوسرے نہیں۔ ویسے تیواڑی بھی کھری ذات کا برہمن تھا۔ اس لئے کسی کو کوئی  
 اعتراض بھی نہ ہوا۔ جن لوگوں کو شیلادتی کے بارے میں معلوم نہیں تھا، ان  
 لوگوں کو بھی دوسرے لوگوں سے معلوم ہو گیا۔

محفل میں رانیاں چیں بہ جیں تھیں۔ ان کے دلوں میں اضطراب  
 تھا۔ اپنے طور پر انہوں نے شیلادتی کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں  
 اور پھر جب انہیں اس کے حسن کی تفصیل معلوم ہو گئی تو وہ ٹھنڈی سانس لے  
 کر رہ گئیں۔ کر بھی کیا سکتی تھیں.....؟ اس طرح شادی کی تیاریاں زور و شور  
 سے شروع ہو گئیں۔

تیواڑی لعل کا گھر دولت سے بھر دیا گیا تھا۔ لاکھوں روپیہ اسے



تیار یوں کے لئے ملا تھا۔ راجہ کی شایانِ شان انتظام جو کرنا تھا۔

اور ان انتظامات میں ست پرکاش بھی شریک تھا اور جس طرح شریک تھا، اس رات کے بعد آج تک اس نے شیلاوتی کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ شاید شیلاوتی ہی کے ایما پر اس کے گرد دیواریں تنگ کر دی گئی تھیں لیکن اس کا دل تھا کہ ان پابندیوں کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ شیلاوتی کے الفاظ اسے یاد آ رہے تھے اور ان الفاظ کی اہمیت اسے آج محسوس ہو رہی تھی۔

ایک بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ شیلاوتی اس کے پتا جی کے دوست کی لڑکی تھی۔ جو اسے دوست کی موت کے بعد لے آئے تھے۔ پھر شیلاوتی کو یقین کیوں تھا کہ وہ رانی بنے گی.....؟ اس نے کہا تھا کہ اگر ست پرکاش کے اس اقدام کی اطلاع ہو جائے تو اس کے مکان پر ہل چلا دیا جائے۔ کیا اس لئے کہ وہ مہاراج کی منظور نگاہ تھی.....؟

یہ تمام معاملات اسے نہایت پراسرار معلوم ہو رہے تھے اور اس راز کو جاننے کے لئے بے چین تھا لیکن کس سے معلوم کرتا.....؟ کون اسے بتاتا.....؟ لے دے کر ایک شیلاوتی تھی، لیکن اس تک رسائی ناممکن تھی۔ وہ باپ کے ساتھ کام دھندوں میں لگا ہوا تھا، لیکن اس کا دماغ اسی ادھیڑ پن میں تھا۔ پھر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔

ماں بہر حال ماں ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنا دردِ دل ماں سے کہے تو شاید وہ اس کے درد کا اندازہ کر سکے۔ حالانکہ اب اس کی کیا گنجائش تھی.....؟ مہاراج اس سے شادی کا اعلان کر چکے تھے۔ اور جس سے مہاراج شادی کرنا چاہیں اس کی طرف کسی کی بری نگاہ اس کے پورے خاندان کے لئے تباہی مٹا سکتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اس کے باپ کا کیا دھرا تھا۔

یقیناً اس کے باپ نے دربار میں کوئی اونچا مقام پانے کے لئے یہ

چکر چلایا تھا۔ اس کے دل میں غصے کی لہریں دوڑنے لگیں۔ لالچی باپ کو دولت اکٹھی کرنے کا اتنا شوق ہو گیا کہ وہ ایسی اوجھی حرکتوں پر اُتر آیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ماں کو صاف صاف بتا دے کہ وہ شیلادتی کو چاہتا ہے۔ اس کے حق پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے اور اس کا کوئی قدم اگر اس کے خاندان کی تباہی کا باعث بن جائے تو اسے الزام نہ دیا جائے۔

چنانچہ وہ ماں کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس کی دو بہنیں ماں کے پاس موجود تھیں۔ ماں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”تم دونوں باہر جاؤ.....!“

ست پرکاش نے بہنوں سے کہا اور وہ اس کے سرد لہجے سے چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

”کیا بات ہے بھیا.....؟“

اس کی چیمٹی بہن نے پوچھا۔

”سنا نہیں تم نے.....؟ باہر جاؤ.....!“

وہ چیخ کر بولا۔ وہ دونوں بہنیں ڈر گئیں اور خاموشی سے باہر نکل گئیں۔ رام کلی حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

”کیا بات ہے ست پرکاش.....؟“

انہوں نے پوچھا۔

”شیلادتی کون ہے ماں.....؟“

اس نے سرد لہجے میں سوال کیا اور رام کلی کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا۔ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگیں اور پھر انہوں نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”کیا بات ہوئی رے.....؟“

”میرے سوال کا جواب دو ماں.....! شیلادتی کون ہے.....؟“

ست پرکاش نے بدستور سرد لہجے میں پوچھا۔

اس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے اور رام کلی اس کے انداز پر دل ہی دل میں لرز رہی تھی۔ تاہم ست پرکاش ان کا اپنا بیٹا تھا۔ انہوں نے خود کو سنبھالا۔ شوہر کی زبانی شیلادتی کو حقیقت معلوم ہو چکی تھی اور اب تو یہ بات شہر والوں سے بھی چھپی نہیں رہ گئی تھی کہ خود شیلادتی کی جگہ کیا تھی.....؟

”پہلے تو ایک بات بتا.....! پھر تیری بات کا جواب دوں گی۔“

رام کلی نے بھی سخت لہجہ اختیار کر لیا۔

”سنو ماں.....! میں یہ راز ضرور معلوم کر لوں گا کہ شیلادتی کون

ہے.....؟ اسے کیوں لایا گیا تھا.....؟ ماں.....! میں بھی کوئی بچہ ذات نہیں ہوں۔ ہماری بھی عزت ہے اس علاقے میں۔ پتا جی اگر دولت کے لالچ میں عزت گنوانے کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو میں عزت پر اپنی جان دے دوں گا۔ مجھے بھی جیون گزارنا ہے اور یہ جیون میں انہوں اور پرایوں کے سامنے سر جھکا کر نہیں گزارنا چاہتا۔“

”مگر تیری گردن کیوں جھک گئی ہے رے.....؟“

”دُنیا یہی کہے گی نا ماں.....! کہ تیواڑی لعل نے دولت حاصل

کرنے کے لئے دوست کی بیٹی مہاراج کو پیش کر دی۔ مجھے بتاؤ ماں.....! شیلادتی کو راج دربار میں کیوں نہایا گیا.....؟ صرف اس لئے کہ مہاراج اس پر لٹو ہو جائیں اور پتا جی کا منہ دولت سے بھر جائے.....؟“

ست پرکاش نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”کیا تو پاگل ہو گیا ہے.....؟ ست پرکاش.....! اپنے پتا پر ایسے

الزامات لگا رہا ہے.....؟“

رام کلی نے پریشانی سے کہا۔

”اور..... اسے یقین کیوں تھا ماں.....! کہ وہ مخلوں کی رانی بنے گی.....؟“

”کیسے.....؟“

رام کلی بدحواسی سے بولی۔

”مجھے سب کچھ بتا دو ماں.....! میں بچہ نہیں ہوں۔ اگر تم نے نہیں بتایا تو میں شیلادوتی سے پوچھوں گا۔ میں اس کی ہتھیا کر دوں گا۔ نتیجہ کچھ بھی ہو، میں اس سے پریم کرتا ہوں۔ ہمارے پاس بہت دولت ہے ماں.....! تم پتا جی سے کہو کہ وہ مزید دولت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ بس میرے من کا سکون مجھے دے دیں.....!“

رام کلی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ست پرکاش نے اس کی گود میں سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ رام کلی کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے تھے۔ بیٹے کی ناکام آرزوئیں اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھیں اور اب وہ اس کی حالت پر تڑپ اٹھی تھیں۔ لیکن بات کہیں آگے کی تھی۔

تیواڑی لعل جی کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ دولت کے بھوکے نہیں تھے۔ اگر شیلادوتی کوئی عام لڑکی ہوتی تو ساری دولت قربان کر کے بیٹے کی جھولی خوشیوں سے بھر دیتے۔ لیکن ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ مہاراجہ نے ایک کام ان کے سپرد کیا تھا۔ جو انہوں نے سرانجام دے دیا تھا۔



رام کلی پریشانی سے بیٹے کی صورت دیکھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بیٹے کو کیسے تسلی دے.....؟ جو صورت حال پیش آ گئی تھی، اسے اس کا بخوبی اندازہ تھا۔ ذرا سی لغزش موت کے دروازے کھول سکتی تھی۔

کئی منٹ تک وہ ست پرکاش کے سر میں پیار بھرے انداز سے انگلیاں پھیرتی رہی۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”ایک بات کہوں ہیرے لعل.....!“

”کیا ماں.....؟“

ست پرکاش بھاری لہجے میں بولا۔

”اگر تو چاہتا ہے کہ تیری پنوں کو سر عام ننگا کر دیا جائے تو تیرا من

جو چاہتا ہے وہ کر۔ ہم تیری خوشی پر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں اور اگر تو چاہتا

ہے کہ یہ سب نہ ہو تو اپنے دل پر پتھر رکھ لے.....!“

”مگر ماں.....!“

”شیلاوتی تیرے لئے نہیں ہے ست پرکاش.....! وہ محلوں کی رانی ہے۔ وہ ہمارے پاس مہاراج کی امانت ہے۔“

”کون ہے وہ.....؟ تم مجھے بتاتی کیوں نہیں ہو ماں.....؟ کیا وہ پتا جی کے دوست کی بیٹی نہیں ہے.....؟ یہ کیا نالک ہے.....؟“

”بس.....! یہ مہاراج کا حکم تھا۔“

”وہ ہے کون.....؟“

”یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ خود تیرے پتا کو بھی کچھ نہیں معلوم۔ بس.....! یوں سمجھ لے کہ ہم بھاج کی آگیا کا پالن کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم جیون دے کر بھی تیری منوکا منا پوری کر دیتے۔“

”اسے بڑا مان ہے خود پر..... وہ کہتی ہے کہ وہ محلوں کی رانی بنے گی۔“

”وہ ٹھیک کہتی ہے.....!“

رام کلی نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

سب پرکاش آنسو بہاتا رہا۔ رام کلی کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا مگر کیا کر سکتی تھیں.....؟ ست پرکاش بہت دیر تک روتا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور باہر جانے لگا۔

”سنو ست پرکاش.....!“

”جی ماما جی.....!“

وہ رُک گیا۔

”میں تجھ سے بس ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔“

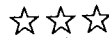
”کیا ماما جی.....؟“

”کوئی ایسا قدم مت اٹھانا میرے پوت.....! جو تم پر بھاری بن

جائے.....!“

”نہیں ماں.....! میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔“

ست پرکاش نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔



چندر مکھ جیون کے وہ سپنے دیکھ رہی تھی جو بس خواب و خیال تھے۔ اس کی آنکھیں ماضی میں جھانک رہی تھیں اور وہ اس فوٹو کے کھیل کو خود نہیں سمجھ پارہی تھی۔ یہ کھیل اسی طرح جاری تھا اور وہ خود کو کئی روپ میں دیکھے جا رہی تھی۔

اس سے بھی وہ ان سپنوں کو حقیقت کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔ وہ دلہن بنی ہوئی تھی اور اب کے کچھ سے کے بعد راجہ شکر پال کی مابدولت آنے والی تھی۔ پورے راج محل کو آکاش بنا دیا تھا۔ ہر طرف چاند ستارے ٹنکے ہوئے تھے۔ آخر کار برأت آگئی۔ باجوں کا شور بلند ہوا اور ساری سکھیاں برأت دیکھنے بھاگ گئیں۔

تب پندر مکھ کے ہونٹوں پہ ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جو سوچا تھا وہ پالیا تھا۔ اب سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ راج محل کی رانی ہوگی وہ۔ آخر کار اس نے اپنے حسن کا خراج حاصل کر لیا تھا۔

اس کا جل چاہا کہ وہ بھی اس برأت کو دیکھے۔ وہ عقبی جھروکے سے باہر جھانکنے کے لئے چل پڑی۔ وہاں جانے کے لئے اسے ایک بند کمرے سے گزرنا پڑتا تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئی، اس کا دل دھڑک اٹھا۔ وہاں ست پرکاش موجود تھا۔ سوچی آنکھیں، کپکپاتے ہونٹ، بڑی بے کسی کے

عالم میں تھا۔

شیلادتی کو اس پہ رحم آگیا۔ دو قدم آگے بڑھ کر بولی۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو.....؟“

ست پرکاش کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر

ست پرکاش کے پاس آگئی۔

”یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے.....؟“

اس نے کہا اور ست پرکاش کی نظریں اس پر خیم گئیں۔ ان آنکھوں

میں پیار کا جہنم سلگ رہا تھا۔ تب اس کی آواز اُبھری۔

”تم بہت خوش ہو شیلادتی.....!“

”یہاں سے چلے جاؤ ست پرکاش.....!“

”جا رہا ہوں.....! آخری بار دیکھ لینے دو.....! من شانت کرنے کی

کوشش کروں گا۔“

”من کو شانت رکھو ست پرکاش.....!“

”کیسے رکھوں شیلادتی.....! کیسے رکھوں.....؟“

”بھرم کھل گیا تو ازتھ ہو جائے گا۔“

”ازتھ تو ہو گیا ہے شیلادتی.....! مجھے ایک بات بتا دو.....!“

”پوچھو جلدی.....!“

چند رکھ نے پریشان لہجے میں کہا۔

”تم پتا جی کے دوست کی بیٹی نہیں ہو.....؟“

”یہ جان کر تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“

”میرا من تو شانت ہو جائے گا۔“

”نہیں ہوگا.....!“



”کیوں.....؟“

”اگر تم نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو تمہارا پر یوار بھسم ہو جائے گا اور

میں بھی تم سے ایک بات کہوں.....!“

”ہاں کہو.....!“

”میرا من بھی تمہارے پریم سے خالی نہیں ہے۔“

ست پرکاش کے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ اس نے بھاری لہجے

میں کہا۔

”ایک بار پھر کہو شہلا.....! کیا کہہ رہی ہو.....؟“

”میرے من میں بھی تمہارا پریم ہے۔ لیکن حالات ایسے ہیں کہ مجھے

پنے من کے خلاف سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔“

ست پرکاش کے ہونٹوں پر پھینکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے

کہا۔

”میرا من شانت ہو گیا ہے شہلا.....! اب میں تمہارے راستے میں

بھی نہیں آؤں گا۔ تمہاری مہربانی.....!“

وہ واپسی کے لئے مڑا تو چند رکھ نے کہا۔

”سنو.....!“

اور وہ رُک گیا۔

”جی.....!“

”میرے قریب آؤ.....!“

چندر مکھ بولی اور ست پرکاش اس کے قریب آ گیا۔ تب چند رکھ کے

عالی ہاتھ آگے بڑھے اور اس نے ست پرکاش کی گردن میں ہانپیں ڈال

لیں۔ پھر اس نے اس کے لبوں کو بوسہ دیا اور پھر اسے پیچھے دھکیلتی ہوئی

بولی۔

”اب جاؤ.....! یہ میری امانت ہے۔ اس کی حفاظت کرنا.....

جاؤ.....!“

اس نے ست پرکاش کو باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا۔



Pakistanipoint

چندر مکھ کو راج بھون مل گیا۔ شکر پال نے اسے پورن ماتی کا نام دیا تھا۔ اب وہ اس کے غلام تھے اور سب کچھ بھول گئے تھے۔ انہیں پورن ماتی یاد تھی۔ دوسری راہوں کو تو جلنا ہی تھا خاص طور سے بھان شری جو شکر دیال کی بہت چہیتی تھی۔ جل کر کباب ہو گئی تھی۔ حالانکہ خود اس کا محبوب کوئی اور تھا۔ اس کے دل پر کسی اور کا راج تھا۔ وہ چوری چھپے اس سے ملتی رہتی تھی۔ مندر کو دلے اس کی ملاقاتیں چوری چھپے ہوتی رہتی تھیں۔

”بھان شری.....!“

شیندر نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”ہوں.....!“

”کیا بات ہے.....؟ کچھ کھوئی کھوئی ہو۔“

”کچھ ایسی ہی بات ہے۔“

”کیا.....؟“

سندر نے کہا۔

”وہ ناگن میرے من کو ڈس رہی ہے۔“

”کیوں.....؟ تم تو یہی چاہتی ہو.....؟“

”وہ تو ٹھیک ہے..... یہ.....“

”پر کیا.....؟“

”اس نے میرے دل کے کنول مرچھا دیئے ہیں۔“  
 ”کارن.....! تمہیں تو وہ بوڑھا شکر دیال ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ تم

نے ہمیشہ مجھ سے یہی کہا ہے۔“

”اوہ.....! تم نہیں سمجھے مہندر.....!“

”تو مجھے سمجھاؤ نا.....!“

مہندر کپور نے کہا۔

”تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے مہندر.....؟ راج محل پر اب  
 صرف پورن ماشی کا حکم چلے گا، ہماری اب کوئی حیثیت نہیں رہے گی اور ایک  
 دن ہمارا حشر بھی بڑی رانی جیسا ہو جائے گا، ہمیں بھی نکال دیا جائے گا۔“  
 ”یہ تو اور اچھا ہوگا بھان شری.....! پھر میں تمہیں لے جاؤں گا اور  
 میرا چھوٹا سا گھر تمہارے قدموں سے آباد ہو جائے گا۔“  
 ”نہیں.....! میں یہیں رہنا چاہتی ہوں۔“

بھان شری بے چینی سے بولی اور مہندر کپور اسے حیرت سے دیکھنے  
 لگا۔ اسے تعجب ہو رہا تھا یہ بھان شری تھی جس نے قسمیں کھا کھا کر اسے یقین  
 دلایا تھا کہ وہ راج محل میں انگاروں کے بستر پر لوٹی ہے، اس کے بجائے وہ  
 اگر اس کے گھر کے چھوٹے سے آگن میں ہوتی تو اپنے آپ کو دنیا کی سب  
 سے بھاگو ان عورت سمجھتی۔ لیکن آج وہ یہ کہہ رہی تھی کہ وہ راج محل نہیں  
 چھوڑنا چاہتی۔

تو کیا اب تک وہ اسے بے وقوف بناتی رہی ہے.....؟ بڑی دلچسپ  
 کہانی تھی۔ وہ اور بھان شری بچپن سے ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ بھان  
 شری ایک چھوٹی سی جاگیر کے راجہ کی بیٹی تھی اور مہندر کپور وہیں کے ایک

معمولی آدمی کا بیٹا، دونوں بچپن سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، لیکن دونوں کے درمیان سماج کی دیواریں حائل تھیں۔ مہندر کپور کسی بھی طرح بھان شری کو حاصل نہیں کر سکتا تھا اور وہی ہوا اور بھان شری شکر دیال جی کو پسند آگئی۔

اور انہوں نے اسے اپنی رانی بنا لیا۔ مہندر کپور کی دنیا تاریک ہوگی، لیکن رانی بننے کے بعد بھی جب اسے معلوم ہوا کہ بھان شری اس سے اسی قدر محبت کرتی ہے جتنی شادی سے پہلے کرتی تھی، تو اس کی انگلیں جوان ہو گئیں۔ اس نے بھان شری کے قریب پہنچنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

اور آخر کار بھان شری کی کوششوں سے شاہی محل کے محافظ دستوں کے کمانڈر کی حیثیت سے اس کا تقرر ہو گیا اور مہندر کپور نے ایک باصلاحیت آدمی ظاہر کرنے کی کوشش میں دن رات ایک کر دیئے اور شکر دیال جی کی نگاہوں میں جگہ پا گیا۔ شکر دیال اس پر پورا پورا اعتماد کرتے تھے۔ چنانچہ اب مہندر کپور کے لئے جان شری کی خلوتوں میں آنا جانا مشکل کام نہ رہا۔ بس وقت تو یہ تھی اس وقت کی نئی رانی ہونے کی وجہ سے شکر دیال جی ہر وقت بھان شری کے پاس رہتے تھے۔ لیکن اب راستہ بالکل صاف تھا اور اب، اب بھان شری کے الفاظ اس کے لئے انوکھے تھے، اس نے کہا۔

”بتاؤ مہندر کپور.....! تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو.....؟“

”جو تم چاہو بھانو.....!“

مہندر کپور نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر تم یوں کرو کہ پورج ماشی کو موت کے گھاٹ اتار دو.....!“

بھان شری نے کہا اور مہندر کپور اُچھل پڑا۔ اس کے وہم و گمان میں

بھی نہیں تھا کہ بھان شری اس حد تک جاسکتی ہے۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو بھانوی؟“

”ڈر گئے.....؟“

بھان شری نے اسے اپنے آپ سے جدا کرتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”مم..... مگر میری بات تو سنو.....!“

”بس بس.....! رہنے دو.....! اور کچھ سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

میں صرف تمہارا امتحان لے رہی تھی۔ تمہیں اس بات پر حیرت ہوتی ہوگی کہ میں جو تمہیں چاہتی ہوں، تمہارے گھر میں رہنے کی آرزو کرتی رہی ہوں، آج یہ بات کیوں کہہ رہی ہوں.....؟

سنو.....! مجھے شکر دیاں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن عورت صرف اپنی برتری چاہتی ہے اور میں پورن ماشی کی برتری برداشت نہیں کر سکتی۔ سمجھ رہے ہونا.....؟ میں نے راج محل میں آنے کے بعد بھی تمہیں دل سے لگائے رکھا، میں نے آج تک تم سے اپنی محبت کا کوئی صلہ نہیں مانگا۔ آج میں تم سے اپنی محبت کی قیمت طلب کرتی ہوں، مہندر.....! بولو.....! کیا جواب ہے تمہارے پاس.....؟“

مہندر پسینے میں ڈوب گیا۔ وہ خوف بھری نگاہوں سے بھان شری کو دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں جواب دینا ہوگا مہندر.....!“

”مم..... مگر یہ کیسے ممکن ہے بھان شری.....؟“

مہندر کپور بمشکل تمام بولا۔

”اسی طرح، جس طرح تم شاہی محل میں آکر رستے کے کمانڈر بن

گئے، اپنے لئے تم نے سب کچھ کر لیا اب میرے لئے بھی تو کچھ کرو.....!“

بھان شری بھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

”مگر طوفان آجائے گا اس طرح یہاں پر، میں پریمی ہوں بھان شری.....! تمہارے لئے اپنی جان دے سکتا ہوں، پر کسی کی جان نہیں لے سکتا میں۔“

”مجھے تمہارے نہیں، پورن ماشی کے جیون کی ضرورت ہے۔ ہمارے تمہارے پریم بندھن اسی شرط پر جاری رہ سکتے ہیں۔ مہندر کپور.....! جاؤ اور مجھے سوچ کر جواب دو.....! اگر تم میرا کام کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے.....! ورنہ آئندہ میرے پاس نہیں آنا اور خاموشی سے راج محل چھوڑ دینا کیونکہ اس کے بعد یہاں کی فضا میں تمہارے لئے سازگار نہیں ہوں گی۔“

بھان شری کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اور مہندر کپور منہ پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

”جاؤ مہندر کپور.....! تم نے میرے سامنے میرے کام کا اقرار نہ کر کے میری توہین کی ہے۔ میری محبت کا ایمان کیا ہے۔ میں نے آج تک تمہیں من سے چاہا، لیکن تمہاری خاموشی مجھے میری بھول کا احساس دلا رہی ہے۔ جاؤ.....! غور کر کے جواب دو.....!“

بھان شری غصے سے چیخی اور مہندر کپور کے قدم دروازے کی جانب اٹھ گئے۔ صرف بھان شری ہی اس آگ میں نہیں جل رہی تھی، دوسری رائیاں بھی اسی آگ کا شکار تھیں اور ان میں سے ایک درجنا بھی تھی، پر درجنا کے دل پر بھان شری کا داغ تھا۔

جب شکر دیال کا دل بھان شری سے بھر گیا تو درجنا کو بھی وہی حیثیت حاصل ہوگئی جو پہلے تھی۔ اب ہفتے میں شکر دیال ایک دن اس کے پاس بھی آتے تھے۔ یہ بھی ایک اچھے جاگیردار کی بیٹی تھی اور شکر دیال کے

ایک بڑے احسان نے جاگیردار کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ درجنہ کو شکر دیال کے حوالے کر دے۔

درجنہ، شکر دیال کو چاہتی تھی۔ لیکن شکر دیال کو جب بھان شری حاصل ہوئی تو وہ درجنہ کو بھول گیا۔ درجنہ بھی اسی طرح دل میں جلتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ شکر دیال جیسے شیطان کو من مندر کا دیوتا بنانے سے کیا حاصل ہوگا.....؟ لیکن آخر کار اس نے صبر کر لیا۔

ادھر شکر دیال کی محبت کا تیسرا درجہ اسے حاصل تھا۔ اس نے ابتداء میں بھان شری کے خلاف سازشیں کی تھیں، لیکن اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی تھی۔ البتہ اس کے بعد وہ اپنی دلہنگی کا سامان کرنے میں مصروف ہو گئی اور رفتہ رفتہ وہ بھان شری کا غم جھیل گئی لیکن اب پورن ماشی آگئی تھی اور تمام رانیاں اس کے آگے ماند پڑ گئی تھیں۔ حالانکہ درجنہ بہت خوب صورت تھی۔ اب بھی اس کا حسن گلاب کے پھول کی مانند کھلا ہوا تھا جس کی مہک ایک نگاہ دیکھنے والے کو مسحور کر دیتی تھی۔

خود شکر دیال نے کتنی ہی بار اس کا اعتراف کیا تھا کہ رانی درجنہ پرانی سہی مگر اس کا حسن بے مثال ہے اور بھی دوسری رانیاں ہیں مگر درجنہ، درجنہ ہی ہے، لیکن اب درجنہ کا غرور ٹوٹ گیا تھا۔ پورن ماشی کے سامنے کسی کا چراغ روشن نہیں ہو سکتا تھا اور درجنہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سب طاقتور دشمن ہے۔ اسے احساس تھا کہ پہلی رانی نکال دی گئی ہے اور اگر پورن ماشی کی یہی کیفیت رہی تو دوسری رانیوں کا بھی بھگوان ہی بھلا کرے.....! وہ بھی سنجیدگی سے اس بارے میں سوچ رہی تھی۔

بھان شری کو زیر کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ وہ راجہ شکر دیال کو بھان شری کے چنگل سے نکال چکی تھی۔ لیکن پورن ماشی اور اس وقت وہ بھی مسہری

پر تنہا پڑی یہی سوچ رہی تھی کہ کون سی ترکیب ہو کہ پورن ماشی کے خطرے سے نجات مل سکے۔

اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک چہرہ اُبھرا۔ گھنی داڑھی چڑھی ہوئی مونچھیں، لال لال انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں جن کا خوف ہفتوں اس کے ذہن پر سوار رہا تھا۔

”کیسی بھیانک آنکھیں تھیں وہ.....؟ کیسی خوفناک آنکھیں تھیں.....؟ کیسے عجیب انداز سے اس نے اسے دیکھا تھا.....؟“

اسے جب بھی ان آنکھوں کا تصور آتا تو وہ لرز جاتی۔ پھر اس کے کانوں میں وہ سرگوشی گونجی۔

”اگر تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو سندی.....! تو میرے پاس چلی

آنا، میرے پاس تیری ہر مصیبت کا علاج موجود ہے۔“

لیکن درجنابھی وہاں جانے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ اس وقت بھی نہیں جب بھان شری اس کے سینے پر مونگ دل رہی تھی۔ ان آنکھوں کا خوف اس کے من پر سوار تھا۔ وہ جب بھی ان کے بارے میں سوچتی اس کے قدم لرز جاتے لیکن آج وہ آنکھیں پھر اس کے حواس پر چھا گئی تھی۔ البتہ آج اس کے سوچنے کا انداز مختلف تھا۔

”کیوں نہ ان آنکھوں کا خوف دل سے نکال دیا جائے.....؟“

اب تو یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے کہ وہ پورن ماشی پر جادو کرا دے۔ شکر دیال پر جادو کرا کر انہیں اپنا غلام بنا لے، اسے اپنی ریاست جانا پڑتا تھا اور وہ وہاں جا کر اس مہمان سادھو سے رابطہ قائم کر سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ رورو کر ان سے مدد کی درخواست کرے گی۔

”لیکن وہ آنکھیں.....؟“



عورت تھی وہ..... ان آنکھوں کا اندازہ کچھ اور تھا۔ وہ آنکھیں اس سے کچھ طلب بھی تو کر رہی تھیں اور وہ ان آنکھوں کی طلب کو سمجھ گئی تھی۔ لیکن اس وقت وہ کنواری تھی۔ وہ ان آنکھوں کی طلب پوری نہیں کر سکتی تھی لیکن اب وہ اس قدر دیوانی ہو گئی کہ اگر یہ آنکھیں اس سے کچھ طلب کریں اور اس کا کام بن جائے تو طلب پوری کرنے میں ہرج کیا ہے.....؟ صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ یوراج سنگھا سے مدد مانگے گی اور پھر اس نے دوسرے دن اپنی ایک باندی کے ہاتھ پر چہ لکھ کر مہاراج شکر دیال کو بھجوا دیا۔

اس میں اس نے اپنے میکے جانے کی اجازت مانگی تھی۔ بھلا شکر دیال کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا.....؟ اب تو وہ صرف پورن ماشی میں کھوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ درجنہ کچھ باندیوں اور کچھ ملازموں کو ساتھ لے کر رتھ میں بیٹھ کر میکے چل پڑی۔

ادھر رانیاں پورن ماشی کے خلاف سازشوں میں مصروف تھیں۔ دوسری طرف پورن ماشی اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ شکر دیال کے دل سے تمام رانیوں کی شکلیں دھو دینا چاہتی تھی۔ وہ ان پر اپنی گرفت سخت سے سخت کرتی جا رہی تھی اور شکر دیال اس کے دیوانے ہو کر رہ گئے تھے۔

یوں وقت گزر رہا تھا اور چند رکھ کے دماغ میں شیطان کا بسیرا تھا، اسے سب کچھ مل گیا تھا۔ ہاں بس شکر دیال سے اس کا دل نہیں ملتا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اس کے دل میں ست پرکاش کا خیال جاگ اٹھتا تھا۔ ایک دن مالنی اس کے لئے تازہ پھولوں کا گلہستہ لے کر آئی تھی اور خاموش خاموش سی تھی۔

”کیا بات ہے مالنی.....؟ ایک بات بتا.....!“

”جی مالکن.....؟“

”کیا بات ہے.....؟ تو اتنی خاموش کیوں رہتی ہے.....؟“

”بس.....! ایسے ہی مالکن.....!“

”میری سکھی بنے گی.....؟“

”میں.....؟“

مالنی لرز گئی۔

”ہاں.....!“

”ہم اس قابل کہاں مالکن.....؟“

”میری بات سن.....! جو میں کہہ رہی ہوں اسے غور سے سن.....!“

”جی مالکن.....!“

”مالنی.....! ہر منٹ کے اندر ایک سچ ہوتا ہے۔“

”جی.....!“

”اور کچھ بھید بھی ہوتے ہیں۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مالکن.....!“

”ایک ایسی سکھی ضرور ہوتی ہے جس کے من کے سارے بھید کہہ

دیئے جائیں۔“

چندر مکھ نے کہا۔ آج نہ جانے کیوں اس کے اندر ایک لاوا سا اُبل

رہا تھا۔

”جی مالکن.....!“

”کل سے تو میرے پاس رہے گی۔ مالن کا کام نہیں کرے گی۔“

”سو آگیا مالکن.....!“

مالنی تو خوشی سے یاگل ہوئی جا رہی تھی۔ چندر کلی نے یہ بلاوجہ نہیں

اتہارے جیسے ایک راز دار کی ضرورت تھی۔



رانی بھان شری بے چینی سے مہندر کپور کا انتظار کر رہی تھی۔ تین دن ہو گئے تھے وہ نہیں آیا تھا۔ وہ بہت پریشان تھی۔ اس نے مہندر سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اس کا کام نہ کرے تو اس کے پاس بھی نہ آئے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بھان شری کے لئے کچھ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اسے یہ بھی خوف تھا کہ کہیں مہندر اس کا دروازہ نہ کھول دے۔

آخر کار اس نے ایک تدبیر سوچ لی۔ پہلے مہندر جیسے بزدل آدمی سے پیچھا چھڑانا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک راز دار باندی کو اپنے پاس بلایا۔ غریب لوگ ان امیر لوگوں سے زیادہ سکھی جیون بتاتے ہیں۔ نہ فکر نہ فاقہ، لیکن جب انسان عیش و عشرت کی زندگی گزارتا ہے تو اس کے کھیل بھی بدل جاتے ہیں۔

”کیا بات ہے رانی جی.....! آپ پریشان لگ رہی ہیں۔“

”ہاں گیتا.....!“

”کیوں رانی جی.....؟“

”گیتا تو میرے بارے میں کیا سوچتی ہے.....؟“

”میں.....؟“

”ہاں.....!“

”سچ کہوں رانی جی.....!“

”تو اور کیا.....؟“

”آہ نے جو مجھے سمان دیا ہے اس کے بارے میں کبھی سپنے میں

”بھی نہیں سوچا تھا میں نے۔“

”ہم پریشان ہیں گیتا.....!“

”کیوں رانی جی.....؟“

”ہمارا ایک کام کر دے گی.....؟“

”پران حاضر ہیں۔ حکم دے کر دیکھیں.....!“

”ہمارا راز راز رکھے گی.....؟“

”اگر راز نہ رکھ سکی تو اپنے ہاتھوں ہتھیا کرے گی گیتا.....!“

”پانی ہتھیارا بھگوان کر کے مر جاتے۔“

”اس نے ہمیں دھمکی دی ہے کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو وہ ہمیں

بدنام کر دے گی۔ اپنی اور ہماری پریم کہانی سب کو بتا دے گی۔“

”یہ تو بڑی مشکل ہوگئی رانی جی.....!“

”ہم مر جائیں گے گیتا.....! اگر ایسا ہو گیا۔“

”بھگوان نہ کرے رانی جی.....!“

”اس مشکل میں تو ہمارا ساتھ دے سکتی ہے گیتا.....!“

”مجھے آگیا دیں رانی جی.....! بھگوان کی سوگندھ.....! جان دے

دوں گی آپ کے لئے.....!“

”صرف تو ہمارا کام کر سکتی ہے گیتا.....!“

”مجھے بتائیں میں کیا کروں.....؟“

گیتا نے کہا اور بھان شری اسے اپنا منصوبہ بتانے لگی۔ گیتا سن ضرور

رہی تھی مگر اس کا چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی جان

نکل رہی ہو۔ آخر میں بھان شری نے کہا۔

”ہم تجھے مجبور نہیں کریں گے۔ بس یہ ہمارے جیون کا معاملہ ہے۔“

”ہم بچ نہ سکیں گے۔ مہاراج ہمیں قتل کر دیں گے۔“  
 ”گیتا.....! آپ پر نچھاور ہو جائے گی رانی جی.....! آپ نہ رہیں  
 ہم جی کہ کیا کریں گے.....؟ آپ چٹنا نہ کریں، گیتا آپ پر داری ہو  
 ائے گی۔“

آخر کار گیتا نے کہا اور مہمان شری نے اسے گلے سے لگا لیا۔



ادھر بھان شری یہ منصوبے بنا رہی تھی۔ ادھر مہندر کپور کے حواس  
 لواب ہو رہے تھے۔ وہ بے شک بھان شری کو چاہتا تھا لیکن بھان شری نے  
 اس سے جو کچھ چاہا تھا، اس نے مہندر کپور کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔  
 البتہ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ جب بھان شری دیال  
 کو چاہتی تھیں تو پھر وہ پورن ماشی سے انانیت کیوں رکھتی ہے.....؟ یہ بات  
 سکتی عجیب تھی.....؟ اگر وہ مہندر کی زندگی مانگتی تو مہندر اس پر قربان ہو جاتا  
 مگر وہ پورن ماشی کے جیون نہیں لے سکتا تھا۔

آج تین دن ہو گئے تھے اسے بھان شری سے ملے ہوئے۔ وہ  
 منصوبہ کشمکش کا شکار تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ بھان شری اسے خود بلائے۔ اس  
 سے کہے کہ ٹھیک ہے مہندر.....! تم یہ کام نہیں کر سکتے تو نہ کرو.....! مجھ سے  
 ملامت چھوڑو۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا اور سبے بیت گیا تو وہ مایوس ہو گیا۔ اس  
 نے سوچا کہ وہ بھان شری کو بھلانے کی کوشش کرے گا اور اب یہاں نہیں  
 رہے گا۔ سنسار بہت بڑا ہے۔ کہیں بھی منہ چھپا کر پڑا رہے گا۔

وہ اسی کشمکش میں تھا کہ ایک دن صبح ہی صبح اس کے گھر کے  
 دروازے کو کس نے بجایا.....؟ اور وہ چونک کر بولا۔

”کون ہے.....؟ آجاؤ.....!“

جو کوئی اندر آیا اسے دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ وہ بھان شری کی اس خاص باندی کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ گیتا تھی۔

گیتا اندر آئی تو اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

”کیا بات ہے گیتا.....؟ خیر تو ہے.....؟“

”نہیں مہاراج.....!“

گیتا نے کہا۔

”ارے.....! کیا بات ہے.....؟“

”میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“

”تو بول.....! کیا بات ہے.....؟“

”آپ کو پتا ہے مہندر کپور جی کہ رانی بھان شری آپ سے پریم کرتی ہے۔ وہ آپ کے لئے دن رات تڑپ رہی ہیں اور آپ آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں.....؟“

”نہیں گیتا.....! وہ تو خود مجھ سے ناراض ہے۔“

”پریمیکا کبھی اپنے پریمی سے ناراض ہوتی ہے مہاراج.....! اور اگر وہ ناراض بھی تھیں تو کیا انہیں منانا آپ کا کام نہیں تھا.....؟“

”میں ہمت نہیں کر سکا تھا گیتا.....! تم بتاؤ کیوں آئی ہو.....؟ کہا اس کا کوئی سندیس لائی ہو.....؟“

”ہاں.....! آپ کٹھور ہیں مہندر کپور جی.....! پر کوئی عورت اتنی کٹھور نہیں ہو سکتی، رانی جی نے رات کو آپ کو بلایا ہے۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے.....!“

”میں پہنچ جاؤں گا گیتا.....! بھانوکو میرا پیار پہنچا دینا۔ میں خود اس

کے لئے تڑپ رہا تھا۔“

”ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے.....! نہ اس سے پہلے نہ بعد میں۔“

گیتا نے یاد دہانی کرائی اور پھر وہ مہندر کو خوشیوں میں گھرا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ مہندر کپور کے دل کے پھول دوبارہ کھل گئے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر میں جلد بازی میں کچھ کر چکا ہوتا تو پورا جیون پچھتانا تھا۔ بھان شری تو بچپن ہی سے مجھے چاہتی ہے۔ عورت پن نے اسے بہکا دیا ہوگا لیکن جونہی اسے احساس ہوا ہوگا کہ مہندر اس سے دُور ہو جائے گا تو وہ برداشت نہ کر سکی۔

نہ جانے کس طرح مہندر نے ساڑھے گیارہ بجائے اور جب محل کے مختلف حصوں میں تاریکیوں نے بسیرا کر لیا تو وہ دبے قدموں بھان شری کے محل کی جانب چل پڑا۔ عموماً اسی طرح جاتا تھا۔ اسے خفیہ راستے معلوم تھے۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر کے بعد بھان شری کی خواب گاہ کے نزدیک تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ خواب گاہ کا دروازہ کھولا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

بھان شری سامنے ہی اپنی مسہری پر دراز تھی۔ اسے تعجب ہوا کہ وہ سو کیسے گئی.....؟ وہ دبے قدموں بھان شری کی مسہری کی طرف بڑھا اور پھر اس کی پیاسی نگاہیں بھان شری کے باریک لبادے سے جھانکتے ہوئے بدن پر پڑیں اور اس نے آہستہ سے پردہ سرکایا۔ اسی وقت بھان شری کی خوفناک چیخ گونج اٹھی اور مہندر کپور بری طرح اُچھل پڑا۔

”بچاؤ.....! بچاؤ.....!“

بھان شری حلق پھاڑ کر چیختی رہی اور اسی وقت کسی طرف سے دوم حافظ نکل آئے۔ انہوں نے دوخجر مہندر کپور کے سینے میں اتار دیئے اور پھر وہ مسلسل خجروں سے اس پر وار کرنے لگے اور مہندر کپور کے بدن سے خن

کے فوارے بلند ہو گئے۔ وار ایسے ہی کاری تھے۔ ادھر بھان شری مسہری سے اتر کر دُور جا کھڑی ہوئی تھی اور خوفزدہ نگاہوں سے قالین پر تڑپتے ہوئے مہندر کپور کو دیکھ رہی تھی۔ چیخوں کی آواز سن کر دوسرے محافظ بھی دوڑ پڑے، لیکن اب وہاں مہندر کپور کی لاش کے سوا کچھ نہیں تھا اور ماحول بڑا سنسنی خیز ہو گیا تھا۔ کیونکہ مہندر کپور بھی محل میں بہت خاص مقام رکھتا تھا اور کوئی معمولی آدمی تصور نہیں کیا جاتا تھا۔

اسی وقت محل میں ہاہا کار مچ گئی اور بڑے بڑے لوگ وہاں جمع ہونے لگے۔ دیوان جی بھی آ گئے۔ معاملہ رانی بھان شری کا تھا جو بہر حال دوسروں کی نگاہوں میں رانی ہی تھی۔ پوچھنے پر بھان شری نے خوفزدہ انداز میں بتایا تھا کہ نہ جانے یہ کمینہ کس مقصد کے تحت اندر گھس آیا تھا.....؟ اور ان کی مسہری کے نزدیک کھڑا تھا کہ ان کی آنکھ کھل گئی۔ ضرور وہ بری نیت سے آیا تھا۔ اگر محافظ نہ آتے تو نہ جانے ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا.....؟ سب لوگ تھو تھو کرنے لگے اور مہندر کپور کی لاش کو وہاں سے ہٹوا دیا گیا۔

”اس کا یہی حشر ہونا چاہئے تھا.....! پاپی نمک حرام کہیں کا.....؟“

دیوان جی نے کہا اور بھان شری کو تسلیاں دینے لگے۔ بھان شری رقابت کی آگ میں ایک ایسا قدم اٹھا چکی تھی جو بہت ہی خوفناک تھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ وہ بھان شری سے سچی محبت کرتا ہے۔ بہر طور کسی کی زندگی لینا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ وہ تو محبت بھرا دل رکھتا تھا۔ یہ رانیاں اسی طرح رقابت کا شکار ہوتی تھیں اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتی تھیں۔

درجنا بھی ایسی ہی تھی۔ اس نے نہ جانے کتنی مشکل سے بھان شری



کو برداشت کیا تھا اور اب یہ پورن ماشی، جسے یہ لوگ پورن ماشی ہی کے نام سے جانتے تھے حالانکہ وہ چندر مکھ تھی۔

چندر مکھ خیال کی آنکھوں سے اپنا ماضی دیکھ رہی تھی لیکن بس ایک تماشائی کی طرح ہری رام اور کوشلیا اس کے ماتا پتا تھے اور وہ ان سے پریم بھی کرتی تھی، لیکن جب کبھی اس پر خیال کے دروازے کھلتے تھے تو وہ عجیب و غریب انداز میں سوچنے لگتی تھی۔ اس کی شخصیت، اس کا کردار ہی بدل جاتا تھا۔

اور سچی بات یہ تھی کہ ابھی تک وہ اپنی کہانی کو غیروں کی کہانی کی طرح دیکھ رہی تھی۔ اسے اس ماحول کا پوری طرح اندازہ تھا جس میں وہ اس وقت پورن ماشی کی حیثیت سے سانس لے رہی تھی۔ اس کے علاوہ اسے راج مخلوں کی سازش کا بھی پتہ چل رہا تھا۔

ایک پریم وتی نے اپنے پریمی کو قتل کر دیا تھا اور دوسری جس کا نام درجنا تھا، وہ بھی رقابت سے تڑپ رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے بھان شری کو ہی برداشت کیا تھا لیکن اب یہ پورن ماشی آگئی تھی اور پورن ماشی اتنی حسین تھی کہ درجنا کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا تھا۔

پورن ماشی کے سامنے تو اس کے حسن کے چراغ جل ہی نہیں سکتے تھے اور اس کا اپنا وجود تو بالکل تاریک ہو گیا تھا لیکن وہ اس تاریکی کو دور کرنے کے لئے سب کچھ لٹا دینے پر تیار تھی۔

راجہ شکر دیال اس سے اتنا دُور ہو گیا تھا کہ اب تو اس کی شکل دیکھنے تک کا روادار نہیں تھا۔ بہر طور اس نے شکر دیال سے اپنے میکے جانے کی اجازت مانگ لی تھی اور جب وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو شکر دیال اسے چھوڑنے بھی نہیں آیا تھا۔ کبھی وہ اس کی بہت جیتی تھی۔

اس وقت بھی اس کا رتھ تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہا تھا اور اس کے من میں بدلے کی آگ سگ رہی تھی۔ اسے بار بار مہاراج یدھ راج سنگھا کا خیال آ رہا تھا۔ اگر وہ اس پر مہربان ہو گئے تو پہلے پورن ماشی اور پھر اس کے بعد بھان شری دونوں کو دیکھ لے گی۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ یہ رواج مہاراج انتہائی پراسرار قوتوں کے مالک ہیں۔ اس کے پتانے اسے بہت کچھ بتایا تھا اور خود اس نے ان کی شکتی کے بہت سے قصے سن رکھے تھے۔

راستے بھر اس کا ذہن ان کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس نے کچھ فیصلے کئے۔ اول تو یہ کہ اگر وہ اپنے پتا جی کو حقیقت بتائے گی تو ممکن ہے اس کے پتا جی ہی شکر دیال کے خلاف کسی سازش کو پسند نہ کریں۔ وہ شکر دیال کے احسان مند تھے۔ شکر دیال نے ان کے لئے بہت کچھ کیا تھا اور پھر وہ ان کا داماد بھی تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اسے سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ دوسری بات یہ کہ اس کے پتا جی اگر کچھ کرنے پر راضی ہو بھی گئے تو ممکن ہے یدھ راج سنگھ اس پر اتنی توجہ نہ دے سکیں جتنی توجہ وہ درجا کو دے سکتے تھے۔

بہر حال اس نے آخری فیصلہ یہی کیا تھا کہ اپنے باپ کو کوئی بات نہیں بتائے گی۔ وہ اس راز کو اپنے اور سنگھا مہاراج کے درمیان رکھے گی۔ اس طرح راز راز رہے گا۔ آخر کار طویل سفر طے کر کے وہ اپنے گاؤں میں داخل ہو گئی۔ ادھر شاید اس کے گاؤں میں اس کی آمد کی خبر مل گئی تھی۔

چنانچہ گاؤں کی طرح پر رانی درجنا کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ درجنا بڑے پریم سے اپنے ماتا پتا سے ملی جو اسے اچانک آتے دیکھ کر بہت خوش ہو گئے تھے۔ اس کے پتانے سوال کیا۔

”تم اچانک کیسے چل پڑی درجنا! ہمیں پہلے سے خبر بھی نہ

کی.....؟“

”بس پتا جی.....! میں نے سنے میں آپ دونوں کو دیکھا تھا۔ میرا من مچل اٹھا اور میں نے اپنے پتی سے آگیا مانگی۔ مجھے آگیا ملی تو میں روانہ ہو گئی۔“

”پنگی کہیں کی.....! کیا دیکھا تھا سنے میں.....؟“

”بھگوان آپ کی رکھشا کریں.....! انوکھا سپنا دیکھا میں نے.....“

میں نے دیکھا کہ ماتا جی ایک ویران جنگل میں جا رہی ہیں۔ ان کے پیروں میں پیدل چل چل کر چھالے پڑ گئے ہیں۔ تب آپ نے انہیں گود میں اٹھا لیا ہے۔ آپ کو پیاس لگ رہی ہے مگر دُور دُور تک پانی نہیں ہے۔

پھر ایک دھرم شالہ نظر آئی اور آپ اس کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں ایک مہان انسان نے ماتا جی کو پانی پلایا اور ان کے پیروں پر پانی ڈالا اور ان کے چھالے ٹھیک ہو گئے۔ جانتے ہیں پتا جی.....! وہ مہان سادھوں کون تھے.....؟“

درجنہ نے چالاکی سے اپنے کام کی ابتداء کی۔

”کون تھے.....؟“

اس کے پتا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”مہاراج یدراد سبگھا.....!“

درجنہ اپنے باپ کے چہرے کو دیکھتی ہوئی بولی۔

”اوہ.....! تجھے مہاراج اب تک یاد ہیں.....؟“

”ایسے مہان سادھو کو میں کس طرح بھول سکتی ہوں پتا جی.....؟“

مہاراج کے درشن ہوتے ہیں آپ کو.....؟“

”کبھی کبھی.....! وہ یہاں تو نہیں آتے، میں ہی جب اس طرف جاتا

ہوں تو ان سے مل لیتا ہوں۔“

اس بات سے درجنا کو یہ پتا چل گیا کہ مہاراج سنگھا اپنی جگہ موجود ہیں۔ دو دن تک اس کے ماما پتا اس کی خاطر مدارات میں لگے رہے۔ اسے کچھ کہنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ تب تیسرے دن اس نے اپنے پتا سے کہا کہ وہ مہاراج سنگھا کے درشن کو جائے گی۔

”اری باولی.....! پہلے تو تو ان سے ایسے ڈرتی تھی اور اب ان کے درشن کے لئے جانے کا کہہ رہی ہے.....؟“

”انہوں نے میری ماما کی مدد کی تھی پتا جی.....! وہ تو ہمارے اپنے ہمارے ان سے ڈرنے کی کیا بات ہے.....؟ پہلے بات دوسری تھی۔“

”تو ٹھیک ہے.....! میں بھی چلتا ہوں تیرے ساتھ.....!“

”آپ پھر چلے جائیں پتا جی.....! میں اکیلی ہی جاؤں گی، پنا دیکھنے کے بعد میں نے یہ منت مانی تھی۔“

”اچھا اچھا.....! ٹھیک ہے.....! میں انتظام کر دوں گا۔“

اس کے پتا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”بس.....! ایک رتھ اور کوچوان دے دیں.....! کسی باندی کو بھی

ساتھ نہیں لے جاؤں گی میں..... ایسے ودھوان کے پاس لمیک داسی بن کر جاؤں گی میں، رانی بن کر نہیں۔“

”بھگوان تمہیں سکھی رکھیں، رشی منی کی ایسے ہی عزت کرنی چاہئے،

جیسے تو کہے گی میں ویسے ہی کروں گا۔“

اور پھر درجنا کی مرضی کے مطابق انتظامات کر دیئے گئے۔ اس کا سجا

ہوا رتھ مہاراج یدھ راج کے استھان کی طرف چل پڑا۔ صرف ایک کوچوان ساتھ تھا۔ درجنا نے کسی کو ساتھ نہیں لیا تھا۔ اسے بہت بڑا کام کرنا تھا اور اس

سلسلے میں اسے مہاراج سنگھ سے کھل کر بات کرنی تھی۔

آخر کار تھ ایک ویران علاقے میں پہنچ گیا جہاں ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ حالانکہ درجنہ راستے بھران کے بارے میں سوچتی آئی تھی۔ اس کے ذہن پر ان خوفناک آنکھوں کا تصور طاری تھا۔ لیکن وہ نا تجربے کاری کی عمر تھی۔ اب اسے ان آنکھوں سے خوفزدہ نہیں ہونا۔

بیلوں کے گلے میں بندھی ہوئی چاندی کی گھنٹیاں جس میں پیتل کی بڑی بڑی نوکدار کیلیں لگی ہوئی تھیں، کھلا ہوا تھا۔ یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ درجنہ تھ سے نیچے اتر آئی۔

”تم تھ کو پیتل کے نیچے لے جاؤ۔ وہیں تیل کھول دو اور آرام کرو۔ جب تک میں نہ بلاؤں نہ آنا۔ مجھے خاموشی سے پوجا پاٹ کرنی ہے۔“

”جو آگیا کماری جی.....!“

کوچوان نے گردن جھکا کر کہا اور تھ کو پیتل کے درخت کے نیچے لے گیا۔

سائیکا مندر میں داخل ہو گئی۔ ویران مندر عجیب پراسرار ماحول پیش کر رہا تھا۔ صحن میں درختوں کے پتے مٹی میں لپٹے پڑے تھے۔ ہوا سے کھڑکھڑاہٹ ہوتی لگتا جیسے کوئی دبے پاؤں چل رہا ہو۔ وہ صحن سے گزر کر اندرونی دروازے تک پہنچ گئی۔ بہت پہلے ایک بار وہ اپنے پتا کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ اس لئے مندر کے محل وقوع سے واقف تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ اس دروازے پر پہنچ گئی جہاں سے گزر کر پوجا پاٹ کی جگہ جایا جاتا تھا۔

دروازے سے اندر قدم رکھتے ہوئے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے نیم تاریک حال میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ سامنے کرشن مہاراج کا ایستادہ تھا۔ پورے ہال میں مختلف بت خاموش کھڑے

تھے۔ ان کے درمیان کسی انسان کا وجود نہیں تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ آگے بڑھی پھر کرشن مہاراج کو ڈنڈوت کیا اور اس دروندے کی طرف چل پڑی جہاں سنگھا مہاراج کا استھان تھا۔

دروازے یہ پہنچی تو دل بری طرح کانپ رہا تھا۔ نہ جانے کس طرح اس کے منہ سے آواز نکلی۔

”یدھ راج مہاراج.....!“

اس کی آواز سنسان مندر کی دیواروں سے ٹکرا کر گونج پیدا کرتی ہوئی واپس لوٹ آئی لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ تب اس کے دوبارہ آواز دی۔ ابھی اس کی آواز کی بازگشت ختم نہیں ہوئی تھی کہ سامنے موجود دروازے کی چرچہ اٹھ اُبھری اور دروازے سے تیز روشنی باہر رینگ آئی۔

سامنے ہی دیو قامت سنگھا مہاراج کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی دو رنگی داڑھی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ خشک بال جٹاؤں کی طرح پھیلے ہوئے تھے اور آنکھیں وہی خوفناک آنکھیں، جن سے سرخ روشنی پھٹ رہی تھی۔ وہ بالکل نہیں بدلے تھے۔

”جے مہاراج جی کی..... مہاراج.....!“

اس کے منہ سے لرزتی آواز نکلی اور وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے جھک گئی۔ تب سنگھا مہاراج آگے بڑھے اور انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ پھر ان کی آواز اُبھری۔

”نتھا استھو.....!“

درجنا سیدھی ہو گئی تو مہاراج نے کہا۔

”کیا مانگنے آئی ہے سندری.....؟“

”مہاراج.....! شاید مجھے بھول گئے.....؟“

”تو بھول جانے کے قابل نہیں ہے۔“

مہاراج کی طرح آنکھیں اس کے سراپا کا طواف کر رہی تھیں۔

”ہم تجھے جانتے ہیں.....!“

”دھن وار مہاراج.....!“

”تیرا پتا کیا ہے.....؟“

”میں اکیلی ہوں مہاراج.....!“

”ہمیں معلوم ہے مگر وہ کہاں ہے.....؟“

”محل میں.....! میرے ساتھ آرہے تھے۔ مگر میں نے کہا میں اکیلی

ہی مہاراج کے چرنوں میں جاؤں گی۔“

”یہ تو نے اچھا کیا۔ منو کا منائیں انسانوں کے جگمگٹ میں پوری

نہیں ہوتیں۔ تیرے ساتھ کون کون آیا ہے.....؟“

مہاراج نے پوچھا۔

”صرف کوچوان.....!“

”کہاں ہے وہ.....؟“

”پیپل کے بیڑ کے نیچے ہے.....!“

”آ..... اندر آ جا.....!“

مہاراج نے کہا اور درجنا ان کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ اس نے

پہلی بار مہاراج کا استھان اندر سے دیکھا تھا۔ بہت خوب صورت جگہ تھی۔

ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود تھی۔ تیز شمعیں روشن تھیں۔ خوب صورت مسہری

بچھی ہوئی تھی۔

”بیٹھ جا.....!“

انہوں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”میں آپ کے چرنوں میں بیٹھوں گی مہاراج.....!“

”تو من میں بیٹھنے کے قابل ہے۔ ابھی کرسی پر بیٹھ جا.....!“

مہاراج کی آواز اُبھری اور درجن کرسی پر بیٹھ گئی۔ تب مہاراج لے

کہا۔

”تیرا پتی کیسا ہے.....؟“

”بس.....! ٹھیک ہے مہاراج.....!“

”کیا تو اس سے خوش نہیں ہے.....؟“

”آپ ودوان ہیں مہاراج.....! سب جانتے ہیں۔“

درجن کی دُکھ بھری آواز اُبھری۔

”ہاں.....! ہمیں معلوم ہے۔ پر ہم تیری زبان سے تیرا دُکھ سننا

چاہتے ہیں۔“

”وہ بہت برے ہیں مہاراج.....! ناریوں کے رسیا.....!“

درجن نے کہا۔ پھر اس کی زبان کھلتی گئی اور اس نے دل کا سارا بھد

کھول دیا۔ پھر بولی۔

”کون استری یہ سب برداشت کر سکتی ہے.....؟“

”ہاں.....! بڑی مشکل ہے.....! تجھے تو بہت پہلے ہمارے پاس آنا

چاہئے تھا.....؟“

”میں بہت دُکھی ہوں مہاراج.....!“

”چنتا مت کر.....! ہم تیرے سارے دُکھ دُور کر دیں گے۔ تجھے

رُکنا ہوگا۔ ہم رات کو تیرے لئے پراتھنا کریں گے۔ ہم نے تیرا کشت سمجھ لیا

ہے۔ ایک ایک کو ٹھیک کر کے رکھ دیں گے۔ ہم تجھ بان کو کھانا پہنچا دے اور

اس سے کہہ آرام کرے.....!“



درجنا پر جنون طاری تھا۔ دیوانگی میں وہ بھیڑیے کی بھٹ میں آگئی تھی اور بھیڑیا اس پر دانت تیز کر رہا تھا۔ مہاراج اسے ایک قید خانے میں لے گئے۔ یہاں کا منظر ہی کچھ اور تھا لیکن حسد کی آگ نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور اس آگ میں آخر کار اس کا سب کچھ جل کر خاک ہو گیا۔



بھان شری کا دل ویران تھا۔ چاروں طرف سنائے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک لمحے کو دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے محبوب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ اب وہ کانٹوں کے سینہ پر لوٹ رہی تھی۔ اسے راتوں کو نیند نہیں آئی تھی۔ ہر وقت سفید سا چہرہ آنکھوں کے سامنے رہتا تھا لیکن مہندر نے بھی تو اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اتنا سا کام نہیں کیا تھا اس کے اپنی پریمیکا کا۔ البتہ اس قتل کرنے کے بعد بھی بھان شری کو سکون نہیں ملا تھا۔

اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس کی سہیلی گیتا اس کا سر سہلا رہی تھی۔ اسے بھان شری کی بے چینی کا احساس تھا۔ اس نے بڑے پیار سے بھان شری کو پکارا۔

”رانی جی.....! میری رانی جی.....!“

”کیا ہے گیتا.....؟“

”آپ جاگ رہی ہیں.....؟“

”ہاں.....!“

”کیوں.....؟“

”من کو شانتی نہیں مل رہی۔“

”من کو شانت کریں رانی جی.....!“

”کیسے کروں گیتا.....؟ میں نے اپنے پریمی کو بھی کھو دیا اور مجھے کچھ

بھی نہ ملا.....!“

”اس کا تو مرنا ہی اچھا ہوا۔“

”کیوں گیتا.....؟“

”اس کے من میں آپ کے لئے کھوٹ تھا۔“

”شاید.....! مگر اب ہم کیا کریں گیتا.....؟. مہاراج کی دُوری بھی

ہم سے برداشت نہیں ہوئی۔ کیا ملا ہمیں.....؟ پورن ماشی اب بھی ان کے من

پہ چھائی ہوئی ہے۔“

اچانک بھان شری چونک پڑی۔ ایک اور خیال اس کے دل میں آیا

تھا۔

”اگر وہ گیتا کو پورن ماشی کے قتل پر آمادہ ہونے کی کوشش کرے

تو.....؟“

مگر اس خیال پہ اسے غور کرنا تھا۔ وہ غور کرتی رہی۔ اچانک اس

کے ذہن میں ایک اور نام آیا۔

”شرمانند.....!“

شرمانند شکر دیال کا منہ چڑھا تھا۔ بوڑھے مکار کو بھان شری اچھی

طرح جانتی تھی۔ اگر شرمانند اس کے کام آنے کو تیار ہو جائے تو پھر چند رکھ کو

کوئی نہیں بچا سکتا اور اس خیال پر وہ اُچھل پڑی۔

اس سے پہلے خیال کیوں نہ آیا تھا.....؟ کاش وہ پہلے اس بارے

میں سوچ لیتی تو..... مہندر کو جان نہ دینا پڑتی اور پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ

آخری داؤ ضرور چلے گا۔ تخت یا تختہ، یوں بھی جیون میں کئی خوشی نہیں، رہ گئی

تھی۔ مہندر کیور بھی مر چکا تھا اور مہاراج اس سے بہت دُور چلے گئے تھے۔ اس لئے زندگی کا آخری داؤ ضرور لگانا چاہئے۔

اس فیصلے نے اسے کافی سکون دیا اور وہ سو گئی۔ دوسری صبح بہت دیر سے جاگی تھی۔ داسیاں تھی جو رانی کی حیثیت سے اس کا خیال رکھتی تھیں۔ ان کے علاوہ کون تھا.....؟ داسیوں نے اشان کے بعد اس کا بناؤ سنگھار کیا اور پھر ناشتہ۔ دوپہر تک وہ اپنے پروگرام پر غور کرتی رہی اور بہت سے فیصلے کرنے کے بعد بالآخر اس نے گیتا کو آواز دی۔

گیتا اس کے پاس پہنچ گئی۔

”گیتا.....! ہم ذرا مہاراج کو ایک پیغام دینا چاہتے ہیں، تو ذرا شرمندہ کو بلا دے.....!“

”بہت اچھا مہارانی جی.....! کیا کہوں.....؟“

”بس کہہ دینا کہ بھان شری آپ سے ملنا چاہتی ہے۔“

”کس وقت.....؟“

”جھٹپٹے کے وقت یا پھر جب اسے فرصت ہو.....!“

بھان شری نے کہا اور گیتا چلی گئی۔ بھان شری بے چینی سے اس کا انتظار کرتی رہی اور پھر ایک گھنٹے کے بعد گیتا واپس آ گئی۔

”کیا ہوا گیتا.....؟“

اس نے بے چینی سے پوچھا۔

”شرماندہ نے کہا ہے کہ وہ آٹھ بجے آئیں گے۔ ابھی راج پاٹ

کے کاموں میں مصروف ہیں۔“

گیتا نے کہا اور بھان شری ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

ابھی دو دن تھے۔ جب راج مول کا بچہ بچہ ار کے حکم پر

پکڑنے آجاتا تھا اور شرمانند بھی اس کے ایک اشارے پر جان دینے کو تیار تھے۔ کیونکہ وہ مہاراج کی چہیتی تھی اور شرمانند ایک سازشی انسان تھے۔ بس تیار کرنا ضروری تھا۔ اگر وہ تیار ہو گئے۔ تو پھر..... بہر حال وہ انتظار کر لے لگی۔

رات کو آٹھ بجے اس نے بال بال موتی پروئے اور اپنے کمرہ خاص میں وہ چھپر کھٹ پر دراز ہو کر شرمانند کا انتظار کرنے لگی۔ گیتا باہر بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹھیک آٹھ بجے اس نے شرمانند کے آنے کی اطلاع دی۔  
 ”ٹھیک ہے.....! اندر بھیج دو اور خود باہر رکو۔ کوئی اس طرف آنے نہ پائے.....!“

بھان شری نے کہا اور گیتا باہر چلی گئی۔ چند منٹ بعد شرمانند جی سفید دھوتی اور ململ کرے کرتے میں اندر داخل ہو گئے۔ ان کے چہرے پر حسب معمول مکاری بکھری ہوئی تھی۔ بھان شری اسی مسہری پر دراز رہی۔  
 شرمانند اس کے سامنے پہنچ گئے۔ بھان شری ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ شرمانند کے چہرے پر بکھرے ہوئے تاثرات سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہے۔

”مہاراجی جی کی خدمت میں پرنام.....!“

شرمانند جی نے کسی قدر خم ہو کر کہا۔

”آئیے.....! شرمانند جی.....!“

بھان شری نے مترنم آواز میں کہا۔

”گیتا کی زبانی مہارانی کا پیغام ملا۔ یقین نہ آیا میرے ایسے

بھاگ.....!“

شرمانند نے کہا۔

”اگر طنز کر رہے ہیں شرمندہ جی.....! تو کر لیں.....! آپ کا حق

ہے۔“

بھان شری نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔  
 ”میری ایسی مجال مہارانی.....! مگر یہ اُداسی، داس کی ان باتوں کو  
 آپ نے طنز کیسے جانا.....؟“

”ہمارے برے دن ہیں۔ شرمندہ جی ہمارا جھنڈا اُتر چکا ہے۔ اس  
 لئے اب ہر ایک کو حق ہے کہ جو چاہے ہمیں کہہ دے۔“  
 بھان شری نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

”بھگوان کی سوگندھ.....! مہارانی جی.....! میں نے کوئی طنز نہیں کیا  
 اور محل میں کس کی مجال ہے کہ مہارانی کے اشارے پر گردن نہ کٹائے۔ پھر  
 اُہی اگر میرے الفاظ مہارانی کو برے معلوم ہوئے ہیں تو داس معافی چاہتا  
 ہے۔“

”دل دکھا ہوا ہے۔ شرمندہ جی.....! اگر کوئی غلط بات نکل گئی ہو تو  
 آپ بھی معاف کر دیں۔“

بھان شری مسہری سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اس  
 کے گالوں پر لڑھک آئے تھے۔

”کس نے دل دکھایا ہے مہارانی جی کا.....؟ داس کو آگیا دیں۔ اس  
 لاسر کاٹ دے۔“

”ہمارا جیون دُکھ بن گیا ہے۔ شرمندہ کی.....! کوئی ہمیں اپنا نظر  
 لیں آتا۔ ہمیں بتائیں ہم کیا کریں.....؟“

وہ ان کے سینے پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔ شرمندہ اس حد تک تیار نہیں  
 لہ۔ وہ بھان شری کو دلا سہ دینے کے انداز میں تھپک رہے تھے۔

شرمانند کو زندگی بھر بھان شری کو اپنے سے الگ نہ کرتے۔ وہ کیف و سرور کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئے تھے لیکن بھان شری خود ہی ان سے علیحدہ ہو گئی تھی اور وہ پوری طرح انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھی۔

اس کے الگ ہونے کے بعد شرمند بھی سنبھلے اور انہوں نے بھان شری کے گداز شانوں پر سر رکھ کر اسے مسہری پر بٹھا دیا۔ پھر وہ خود بھی اس کے برابر بیٹھ گئے اور بھان شری نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

”بات کیا ہے مہارانی.....؟ داس کو بتاؤ تو سہی۔ میں تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے اپنا دکھ تو بتاؤ.....!“

”آپ ہمارا دکھ سمجھ سکتے ہیں شرمند جی.....!“

بھان شری نے کہا اور شرمند سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر انہوں نے بھاری آواز میں کہا۔

”میرا خیال ہے، تم مہاراج کے لئے پریشان ہو.....؟“

”ہاں.....! شرمند جی.....! ہمارا سہاگ لٹ گیا ہے۔ پورنما نے ہمارے حق پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں.....؟ مہاراج.....! ہم سب بہت دُور ہو گئے ہیں۔ اب ہم ہوتے ہیں اور ہماری تنہائی۔ راج محل کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ ہم کیسے جیون بتائیں گے.....؟“

بھان شری نے کہا اور شرمند کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آ گئی۔ لوہا نرم ہو گیا۔ میدان ان کے ہاتھوں میں آ سکتا ہے۔ انہوں نے سوچا اور مکاری سے بولے۔

”مجھے خود تمہاری کوئل جوانی پر ترس آتا ہے۔ بھان شری.....! یہ خوب صورت نرم و گداز جسم اور یہ حسین چہرہ تو پوجے جانے کے قابل ہے۔ اسے ٹھکرانے والا کوئی پاپی ہی ہو سکتا ہے۔ مگر مہاراج کو کیا کہوں.....؟ وہ

چہرے کو ٹھکرا کر چمکدار پتھروں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ہم سب مجبور ہیں۔ بھان شری.....! چندرکھ کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔“

”کچھ کریں شرمانند.....! کچھ سوچیں ورنہ میں مر جاؤں گی۔“

”میں تمہارے دشمن.....!“

شرمانند نے اس کے سر کو گود میں بھینچ لیا۔ ان کے جذبات بھڑکتے جا رہے تھے۔

”پھر آپ بتائیں.....! ہم کیا کریں.....؟“

”سوچنے دو بھان شری.....! سوچنے دو.....! میں تمہارے لئے ڈکھی ہوں۔ بے شک تمہاری جوانی کے ارمان ہوں گے۔ یہ راتیں سونی رہنے کے لئے نہیں ہیں۔ مگر مہاراج تو ابھی مہینوں چندرکھ کے جادو سے نہیں نکل سکتے۔ اس کی گرفت ان پر بڑی سخت ہے۔“

”کچھ سوچیں مہاراج.....! کچھ سوچیں ورنہ میں مر جاؤں گی۔“

بھان شری ان کی گود سے سر اٹھاتے ہوئے بولی۔

”تم ہی بتاؤ بھان شری.....! ہم کیا کریں.....؟“

”اسے قتل کر دیں.....! اسے نشٹ کر دیں.....! محل سے نکال

دیں.....! اسے اندھا کر دیں.....!“

”ہم کوشش کر سکتے ہیں بھان متی.....! مگر اس کا نتیجہ تم جانتی ہو کیا

ہوگا.....؟ مہاراج اس لمحے صرف چندرکھ کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

اگر چندرکھ کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کیا گیا تو مہاراج زمین آسمان ایک کر

دیں گے۔ کھوجی چندرکھ کے قاتلوں یا اس سے برا سلوک کرنے والوں کا

کھوج نکال لیں اور اس کے بعد ان کے خاندان کو کولہو میں چلوا دیں گے۔ یہ

سب اس لئے ہوگا بھان شری.....! کہ مہاراج پر آج کل چندرکھ کا راج

”ہے۔“

”پھر کیا ہوگا.....؟ شرمندہ جی.....!“

”تم نے ہمارے اوپر وشواش کیا ہے، مہارانی.....! تو ہم تمہیں نرا منوش نہیں کریں گے۔ کام ایسا ہو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ وٹے۔ مگر اس میں سے لگے گا۔“

”آپ کیا کریں گے.....؟ شرمندہ.....! بتائیے.....! آپ کیا کریں

گے.....؟“

بھان شری ان کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھامے ہوئے بولی۔  
خود اس کا چہرہ شرمندہ کے چہرے کے اتنے قریب تھا کہ شرمندہ کی ذرا سی جنبش پر ان کے ہونٹ اسے چھو سکتے تھے۔

”ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ جس سے

تمہاری مراد پوری ہو جائے۔“

شرمندہ نے کہا۔

”ہم چند رکھ کے خلاف گہری سازش کریں گے۔ اسے مہاراج کی نظروں میں گرانے کے لئے ہمیں اس کا کوئی عاشق پیدا کرنا پڑے گا اور اگر مہاراج کا معلوم ہو جائے کہ ان کی چہیتی رانی کو کسی اور کو چاہتی ہے تو..... تو بھان شری.....! اور یہ ہمارا کام ہے۔“

”اوہ.....! شرمندہ کی.....! آپ کتنے ذہین ہیں.....! آپ کتنے

سمجھدار ہیں.....! واقعی.....! آپ یہ کام کر لیں گے۔“

بھان شری ایک بار پھر ان سے لپٹ گئی۔

”ہاں.....! بھان متی.....! تمہارے لئے ہم سب کچھ کریں گے۔

لیکن تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ تمہیں ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ کسی کو اس



راز کا پتا نہ لگنے پائے۔ تو دیکھتی رہو۔ چندرکھ کو شکست دینا اب ہمارا کام ہے۔“

شرمانند پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بولے۔

اور پھر جب ایک گھنٹے کی طویل ملاقات کے بعد وہ بھان شری کے کمرے سے نکلے تو بھان شری مسکرا رہی تھی۔

شرمانند نے اس کے من کو شانتی بخش دی تھی۔ ایک وفادار انسان کی حیثیت بخش دی تھی۔ ایک وفادار انسان کی حیثیت سے انہوں نے اپنے تمام فرائض ادا کر دیئے تھے۔

مالنی مالن کی زندگی بن گئی تھی۔ چندرکھ نے اسے مالا مال کر دیا تھا۔ اب محل میں اس کی ایک خاص عزت تھی۔ وہ چندرکھ کی سہیلی تھی۔ اور ہم راز بھی جو اس وقت پھول نواس کی تقدیر تھی۔ مالنی کے قدم زمین پر نہیں پڑتے تھے۔ دن بھر وہ چندرکھ کے ساتھ رہتی رات کو اپنے مکان میں واپس آجاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ چندرکھ کے پاس سے واپس آ رہی تھی۔ مہاراج آج ریاست کے کسی کام میں اُلجھے ہوئے تھے اور چندرکھ تنہا تھی لیکن اس نے مالنی کو اجازت دے دی تھی۔

مالنی نے پیش کش بھی کی تھی کہ اگر چندرکھ کہے تو وہ اس کے چرنوں میں سو جائے۔ لیکن چندرکھ نے کہا تھا کہ مہاراج نے کہا تھا کہ مہاراج کو اس کے بنا چین کہاں.....؟ نہ جانے وہ کس وقت واپس آجائیں.....؟ اس لئے وہ جائے.....!

اور مالنی واپس چل پڑی۔ محل سنسان ہو گیا تھا۔ صرف پہرے دار ہاگ رہے تھے۔ وہ تاریک گوشوں سے ہوتی ہوئی اپنے مکان کی طرف جا

رہی تھی اور اس وقت وہ محل کے ایک سنان گوشے سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس پر بہت سے لوگ ٹوٹ پڑے۔ ایک نے اس کا منہ بھینچا، دوسرے نے آنکھوں پر پٹی باندھی اور پھر کئی آدمی اسے اٹھا کر چل پڑے۔

قوی ہیکل مردوں کے سامنے مالنی کی ایک نہ چلی۔ نہ جانے وہ مومکھ اسے کہاں لے جا رہے تھے.....؟ پھر اسے اپنے کانوں کے نزدیک ایک آواز سنائی دی۔

”اگر آواز نکلی تو گردن اڑا دی جائے گی۔ اس لئے خاموش رہو.....!“

اور مالنی اچانک کانپ گئی۔ اس نے ہر قسم کی جدوجہد بند کر دی اور وہ لوگ اسے لئے ہوئے نہ جانے کہاں پہنچ گئے.....؟ پھر انہوں نے اسے زمین پر چھوڑ دیا اور چند دن کے بعد مالنی کی آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی۔ تیز روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں لیکن جب وہ روشنی میں دیکھنے کی عادی ہوئی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

جس جگہ وہ لائی گئی تھی۔ وہ بڑی خطرناک تھی۔ ایک بڑا سا ہال تھا۔ جس کی دیواریں بنگی تھیں۔ ایک طرف لمبے کا ایک شکنجہ رکھا ہوا تھا۔ چھت کے کنڈے سے ایک بڑا سا چھرا لٹک رہا تھا۔ جس کی دھار آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ چہرے کی رسی ایک اور ستون سے بندھی ہوئی تھی اور اس کے نیچے لکڑی کا ایک مٹھا رکھا ہوا تھا۔

اس کے سامنے چار آدمی کھڑے تھے۔ جن کے جسموں پر سیاہ لباس تھے اور ان کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔ نقابوں کے پیچھے سے ان کی خطرناک آنکھیں جھانک رہی تھیں اور ان کی خوفناک شکلیں دیکھتے ہوئے ہر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کا دل خوف سے کانپ رہا تھا۔ وہ سہمے ہوئے انداز میں

ابیں دیکھنے لگی۔

”تیرا نام مالنی ہے.....؟“

ایک میں سے ایک نے کڑک کر پوچھا۔

”ہاں ہاں.....!“

اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا اور زور زور سے گردن ہلانے لگی۔

”ٹھیک ہے.....! باندھ دو.....!“

دوسرے نے کہا اور دو آدمی مالنی کو لے کر شکنجے کے پاس پہنچ گئے۔

انہوں نے اسے شکنجے میں جکڑ دیا اور مالنی رونے لگی۔

”آواز بند کر ورنہ پیٹ میں چھری گھونپ دی جائے گی۔“

ایک شخص نے خوفناک لہجے میں کہا اور ایک لمبی چھری نکال لی اور

مالنی نے جلدی سے منہ بند کر لیا۔ پھر تیسرا آدمی جواب تک خاموش کھڑا تھا،

مالنی کے پاس پہنچ کر بولا۔

”لڑکی.....! تجھ سے جو کچھ پوچھا جائے تو اس کا صحیح صحیح جواب

دے.....! اور غور سے سن.....! اگر تو نے جواب ٹھیک نہ دیا تو پہلے آنکھیں

نکال لی جائیں گی اور پھر اس چہرے سے گردن کاٹ دی جائے گی۔“

”میں..... میں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی۔“

مالنی جلدی سے بولی۔ اس کا دل خوف سے ڈوبا جا رہا تھا۔

”ہوں.....! تب پھر بتا.....! چند رکھ کون ہے.....؟“

اس آدمی نے پوچھا۔

”چندر مکھ.....؟ چندر مکھ.....؟“

مالنی پھٹی پھٹی آواز میں بولی۔

”ہاں.....! چندر مکھ.....!“

اس آدمی نے اسی خوفناک لہجے میں کہا اور مالنی کی آنکھوں میں تاریکی پھیل گئی۔ اس کی سکھی کا راز اس سے پوچھا جا رہا تھا۔ وہ راز جسے اس نے سینے کی گہرائیوں میں چھپا دیا تھا۔ وہ راز جسے وہ زندگی کی قیمت پر بھی افشاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ من ہی من میں لرزتی رہی۔ سوچتی رہی کہ زندگی بچائے یا رانی چند رکھ کا راز چھپائے.....؟ وہ اصل میں چند رکھ ہے۔

”وہ..... وہ ہماری رانی ہے.....!“

مالنی نے جواب دیا۔ اس دوران وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ خواہ یہ لوگ اسے مار ڈالیں۔ وہ اپنی زبان نہ کھولے گی۔

”یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے لیکن وہ حقیقت میں کون ہے.....؟“

”حقیقت میں بھی رانی ہے.....!“

مالنی نے جواب دیا۔

”تو..... تو یوں نہیں بتائے گی۔ چلو سلاخیں گرم کرو.....!“

اس سے سوال کرنے والے نے دوسرے سے کہا اور دو آدمی انگیٹھی میں کوئلے سلگانے لگے اور پھر دھکتے ہوئے کوئلوں پر دو لوہے کی گول نوکدار سلاخیں رکھ دیں۔

”ابھی چند منٹ کے بعد تیری یہ خوب صورت آنکھیں اندھی کر دی جائیں گی۔ پھر تو دنیا میں کسی کو نہ دیکھ سکے گی۔ اگر تو جیون بچانا چاہتی ہے تو ٹھیک جواب دے دے.....!“

اس شخص نے کہا۔

”میں تو بتا رہی ہوں۔ وہ رانی ہے.....! اس سے پہلے وہ تیواڑی لعل

کی بھتیجی تھی۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم ہے۔ تم محل میں کسی سے پوچھ لو.....!“

مالنی نے جواب دیا۔

”ہم تجھی سے سب کچھ پوچھ لیں گے۔“

اس شخص نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد سلاخیں گرم ہو گئیں اور ایک آدمی نے ان کے دستے پکڑے اور انہیں مالنی کی آنکھوں کی سیدھ میں کئے آگے بڑھنے لگا۔

مالنی کے پورے جسم سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ سلاخوں کی تپش اب اسے چہرے کے قریب محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔

”اب بھی سچ بول دے لڑکی.....!“

نقاب پوش نے کہا۔

”میں..... میں کچھ نہیں جانتی، میں کچھ بھی نہیں جانتی.....!“

مالنی نے کہا اور دانت بھیج لئے۔ پھر اسے سیاہ پوش کی آواز سنائی

دی۔

”میرا خیال ہے اسے کھول دو اور مٹھے پر رکھ کر اس کی گردن اڑا

دو.....!“

”یہ ٹھیک ہے سردار.....!“

دوسرے نقاب پوش نے کہا اور پھر مالنی کو شکنجے سے کھول دیا گیا۔ سیاہ پوش اسے لئے ہوئے لکڑی کے مٹھے کی طرف چل پڑے اور پھر مالنی کے دونوں ہاتھ باندھ کر اسے مٹھے پر لٹا دیا۔ گردن کے عین اوپر چھرا جگمگا رہا تھا۔ ایک سیاہ پوش نے اس کی رسی کھول دی اور چھرا آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔ مالنی خوفزدہ نگاہوں سے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

”ایک آخری موقع ہے لڑکی.....! اب بھی سچ بول دے۔“

”نہیں جانتی، میں کچھ نہیں جانتی.....!“

مالنی جذباتی انداز میں چیخی اور اس کا ذہن تاریک ہو گیا۔ بے ہوشی نے اسے موت کے خوف سے نجات دلا دی تھی۔ سیاہ پوش اس پر جھک گئے۔

”بے ہوشی طاری ہو گئی ہے اس پر.....!“

ان میں سے ایک کے منہ سے نکلا اور اسی وقت اس ہال کا دروازہ کھل گیا۔ چند رکھ دروازے پر کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”بڑی بہادر بنتی تھی میری سکھی..... بس دیکھ لیا دل..... بے ہوش ہو گئی پگلی کہیں کی۔ چلو دھانو اسے اس کے گھر میں خاموشی سے ڈال آؤ تاکہ یہ ان واقعات کو پسنا سمجھے۔“

”جو آگیا مہارانی جی.....!“

ایک نقاب پوش نے کہا اور پھر ان میں سے دو نے مالنی کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔ مہارانی انہیں جاتے دیکھتی رہی تھی اور پھر جب نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو وہ بھی خاموشی سے واپس چل پڑی۔

لیکن اس کے دل میں ایک گہرا تاثر تھا۔ مالنی نے خود کو قابل اعتماد ثابت کر دیا تھا۔ وہ جان کی قیمت پر بھی راز چھپا سکتی تھی اور اسے ایسی ہی ساتھیوں کی ضرورت تھی۔ مالنی نے یوں پہلے ہی خود کو اس کی خاص سہیلی کا اہل ثابت کر دیا تھا لیکن چند رکھ کچی گولیاں نہیں کھیتی تھی۔

وہ اپنی پرانی شخصیت کے ہر نشان کو صاف کر دینا چاہتی تھی۔ فی الوقت مالنی اس کے سامنے تھی۔ رہ گئے وہ لوگ جو اس کے بانی تھے تو راجہ شکر دیال کی زندگی میں اسے ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ہاں.....! ان کی موت کے بعد ان سب کا ختم ہو جانا بھی ضروری تھا

اور کلیانی اس سلسلے میں ایک جامع پروگرام بنا چکی تھی۔

اس کے منصوبے بے حد خوفناک تھے۔ اس حسین جسم میں بے حد سخت اور مضبوط دل دھڑک رہا تھا۔ معصوم بادامی آنکھیں بہت دُور تک دیکھنے کی عادی تھیں اور کشادہ روشن پیشانی کے پیچھے ایک زبردست سیاسی دماغ کام کر رہا تھا لیکن ایسے کام رفتہ رفتہ ہی ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس نے اپنے پہلے مہرے یعنی مالنی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ان غلاموں کو اس نے ہی یہ ڈرامہ کرنے کے لئے کہا تھا تاکہ مالنی کی اصلیت کا اندازہ ہو جائے۔

دوسری صبح مالنی حسب معمول اس کے پاس نہیں آئی تو اس نے اسے بلا بھیجا، مالنی بخار میں جل رہی تھی۔ دایاں اسے بازو سے تھامے ہوئے لائیں اور چند رکھ نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔

”ارے پاگلو.....! جب وہ بیمار تھی تو اسے لانے کی کیا ضرورت تھی.....؟ جاؤ جلدی سے وید جی کو لاؤ.....!“

چندر رکھ نے تشویش سے کہا اور مالنی کو بڑے اہتمام سے اپنی مسہری پر لٹایا۔ یہ عزت افزائی دیکھ کر مالنی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”میں نیچے لیٹ جاؤں گی رانی جی.....! میں اس قابل نہیں ہوں۔“  
مالنی نے کہا۔

”تو جس قابل ہے مالنی.....! ہم جانتے ہیں۔“  
چندر رکھ نے کہا۔

”مگر یہ تجھے بخار کیسے آ گیا.....؟“

”پاگل ہو گئی ہوں رانی جی.....! بس رات کو ایک سپنا دیکھا تھا۔ نہ جانے سپنا تھا یا حقیقت.....؟ آنکھ گھر میں کھلی اور آنکھ کھلی تو بخار میں بھن

”رہی تھی۔“

”سپنوں پر یقین نہیں کرتے ری.....! ابھی وید جی آئیں گے، دوا دیں گے تو ٹھیک ہو جائے گی۔ مگر سپنا کیا تھا.....؟“

اور مالی نے خوفزدہ انداز میں سب کچھ بتا دیا۔

”سپنا ہی ہوگا۔ ایسا کون کر سکتا ہے.....؟ تو فکر مت کر.....! اب رات گئے تجھے اتنا دُور نہیں جانا پڑے گا۔ میں محل ہی میں تیرے رہنے کا بندوست کرادوں گی۔“

چندر مکھ نے کہا۔ اتنی دیر میں وید جی آ گئے۔ انہوں نے مالی کو دیکھا اور دوائی وغیرہ دے کر چلے گئے۔ چندر مکھ اس کی دلجوئی کر رہی تھی اور مالی اس کے احسان سے دبی جا رہی تھی۔

پھر مالی کو وہ عزت ملی کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ چندر مکھ کو روکنے والا کون تھا.....؟ محل کا ایک خوب صورت حصہ مالی مالن اور اس کے گھر والوں کو دے دیا گیا۔ مالی کے شوہر کو محل ہی میں ایک عہدہ دے دیا گیا تھا اور اس طرح مالی کی حیثیت ہی بدل گئی تھی۔

بہر حال.....! اب کلیانی چندر مکھ کی ناک کا بال تھی۔ راجہ سکندر دیال، چندر مکھ کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ وہ اس کی پیشانی پر ایک شکن بھی دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔ اس طرح دانی چندر مکھ کا طوطی بول رہا تھا لیکن چندر مکھ اپنے دشمنوں سے باخبر رہنا چاہتی تھی۔ وہ ایک تجربے کار جنرل کی طرح دشمن کے ہر اقدام سے پوری باخبر رہنا چاہتی تھی۔ چنانچہ ایک شام تنہائی میں اس نے مالی سے پوچھا۔

”بھان شری کا کیا حال ہے مالی.....؟“

”بس.....! اپنی ڈیوڑھی تک رہتی ہیں۔“



”درجنہ میکے سے ابھی تک نہیں آئی.....؟“

”آکر بھی کیا کریں گی رانی صاحبہ.....؟“

”سیتا کیا کر رہی ہے.....؟“

”سچ پوچھیں تو چھوٹی رانی.....! بس سیتا ایسی عورت ہے جو گائے کی طرح معصوم ہے، اس نے ایک آشرم کھول لیا ہے۔ زیادہ تر اسی کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ یوں بھی وہ ان دونوں رانیوں کی طرح جوان نہیں ہے۔“

”ہاں.....! وہ سیدھی سادھی عورت ہے۔ لیکن یہ دونوں.....“

”یہ دونوں خطرناک ہیں.....!“

مالنی نے کہا اور کلیانی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

”تیرا کیا خیال ہے، مالنی.....! کیا یہ دونوں رانیاں مجھ سے جلتی نہ

ہوں گی.....؟“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں چھوٹی رانی.....؟ میری زبان ان کے بارے

میں کیسے کھل سکتی ہے.....؟ وہ رانیاں ہیں۔“

”لیکن تو تو میری بہن سمان ہے مالنی.....! کیا تجھے رانیاں بہن سے

زیادہ پیاری ہیں.....؟“

”نہیں نہیں.....! رانی جی.....! مالنی آپ پر جان واردے گی۔“

مالنی تڑپ کر بولی۔

”تب تو نے کیا بات کہی.....؟ میرے تیرے درمیان جو بات ہوتی

ہے، وہ دو بہنوں کے درمیان ہوتی ہے۔ مہاراج تک ان باتوں کا جانا

ضروری نہیں ہے۔ انہیں ہمیشہ میرے اور تمہارے درمیان رہنا چاہئے۔“

”میں اپنے بھاگ میں جس قدر خوش ہوں، کم ہے.....!“

مالنی نے کہا۔

”اب بتا.....! کیا وہ دونوں رانیاں جلتی ہیں مجھ سے.....؟“

”ضرور جلتی ہوں گی۔“

”میں سیدھی سادھی عورت ہوں۔ مالنی.....! تو جانتی ہے۔ مگر انہوں

نے میرے خلاف کوئی سازش کی تو میں بن موت ماری جاؤں گی۔“

کلیانی نے کہا اور مالنی کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی۔

”تو چاہے تو ان کی سازش سے باخبر رہ سکتی ہے۔ میری مدد کر میری

بہن.....!“

”میں ہر طرح تیار ہوں چھوٹی رانی.....! آپ مجھے اپنی دوست

پائیں گی۔“

”تب تو ان باندیوں کو گانٹھ جو ان رانیوں کی راز دار ہیں، کیا تو

ایسی باندیوں سے واقف ہے.....؟“

”ہاں.....! گیتا اور بھان شری اس کی خاص باندی ہے اور اس کی

راز دار بھی۔ درجنہ کے پاس جمنہ رہتی ہے جو اس کے سیاہ اور سفید سے واقف

ہے۔ رہ گئی رانی سنیتا تو ان کے ساتھ بوڑھی شکنتلا ہے۔ مگر وہ..... وہ محل سے

دُور ہے۔“

”سنیتا کو چھوڑ دے۔ جمنہ اور گیتا کو شیشے میں اُتارنا اب تیرا کام۔

ان دونوں کو اپنا ہم راز بنا لے۔ اگر اس سلسلے میں تجھے میری برائیاں بھی کرنا

پڑیں تو تجھے اجازت ہے۔ بس میرا راز راز رہے۔ باقی تو جو چاہے کہہ سکتی

ہے۔“

”اس کے علاوہ ان کے لئے تجھے تحائف بھی تجھ کو دوں گی۔ بس

انہیں قابو میں آنا چاہئے۔ میرا حوالہ بھی مت دینا۔ بس تو اپنے آپ ہی انہیں

دوست بنا لینا۔“

”میں یہ کام کر لوں گی چھوٹی رانی.....! آپ بے فکر رہیں۔“  
مالنی نے کہا۔

”میں تیرے اوپر بڑی ذمہ داریاں ڈالنا چاہتی ہوں۔ مالنی.....! بات یہیں پر بس نہیں ہوتی۔ تجھے باندیوں کی ایک فوج تیار کرنی ہے جو ہمارے لئے کام کرے۔ ہم پورے محل میں اپنی باندیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ محل کے چپے چپے سے واقف رہیں اور وہاں ہونے والی باتیں ہمیں سنایا کریں۔ تو فکر مت کر.....! سب کو مالا مال کر دیں گے۔

ہم تجھے بہت دولت دیں گے۔ جس، جس کو ہم بتائیں، اس پر خاص نظر رکھنی چاہئے۔ ان کی کارروائیوں کے بارے میں ہمیں پتہ چلتے رہنا چاہئے.....!“

”ایسا ہی ہوگا چھوٹی رانی.....!“

مالنی نے کہا اور چند رکھ مسکرانے لگی۔ اس طرح اس چالاک عورت نے محل میں اپنے محکمہ جاسوسی کی داغ بیل ڈال دی جس کی سربراہ مالنی مالن تھی۔



درجنا کا انگ انگ دکھ رہا تھا۔ گزری ہوئی رات کی صبح اس کے لئے عجب حیثیت رکھتی تھی۔ مہاراج یدھ راج سنگھ کبھی بھیڑیا نظر آتا تھا اور کبھی مہمان سادھو..... لیکن جوش اور رقابت میں اسے سب کچھ گوارہ تھا۔

اشنان کے بعد اس نے مہاراج کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ مہاراج کے چہرے پر جلال تھا۔ وہ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے اور پھر ناشتے سے فارغ ہو کر انہوں نے درجنا کو دیکھا اور پیار سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے

ہوئے بولے۔

”کیا بات ہے سندری.....؟ اُداس کیوں ہو.....؟“

”اُداس نہیں ہوں، مہاراج.....! پر اب میرے لئے کیا آگیا

ہے.....؟“

درجنہ نے پوچھا۔

”کیوں.....؟ اُکتا گئی ہے یہاں سے.....؟“

یدھ راج نے اس کی ننھی سی ٹھوڑی پر اُنکلی لگا کر اسے اٹھاتے

ہوئے پوچھا۔

”نہیں مہاراج.....! آپ کے چرنوں میں سکون ہے، شانتی ہے۔“

”پورے تین دن گزارنے ہوں گے تجھے یہاں..... میں تین دن

تک تیرے لئے جا پ کروں گا۔ رتھ بان کو واپس بھیج دے۔ اس سے کہہ کر

تیسرے دن آجائے.....!“

”سن.....! اگر تو درجنہ راج چاہتی ہے تو یقین رکھ، وہی ہوگا جو تو

چاہے گی۔ میں تیرے ایک ایک دشمن کو زیر کر دوں گا۔“

”مہاراج گیانی ہیں۔ میں رتھ بان کو واپس بھیج دیتی ہوں تاکہ پتا

جی پریشان نہ ہوں۔“

”ٹھیک ہے.....! جا.....! اسے چوڑ کر آ.....!“

یدھ راج مہاراج نے کہا اور درجنہ واپس پلٹ پڑی۔

گزری ہوئی رات کی پرچھائیاں اس کے ذہن کے پردوں پر تھیں۔

اس کا ننھا سا جسم مہاراج یدھ راج سنگھا کے کھر درے جسم کی گرفت میں تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ رات اس کے لئے دلکش تھی یا پسندیدہ.....؟

تاہم وہ ہر قیمت پر اپنا اقتدار چاہتی تھی۔ چند رکھ کو گرا دینا چاہتی

تھی۔ ناقص العقل عورت رقابت کی آگ میں جل کر سب کچھ کھونے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت درجنا کی تھی۔ دتھ بان واپس چلا گیا۔ درجنا واپس مندر میں آگئی۔ یہاں مہاراج ایک مورتی کے قدموں میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔

دوپہر کے کھانے پر یدھ راج سنگھا نے اس محل کے حالات پوچھے اور وہاں کے چرچے سن کر ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہونے لگی لیکن انہوں نے درجنا پر اس کا اظہار نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے محل کتھا سنتے رہے اور پھر خاموشی چھا گئی۔

”ہم تجھے یہاں شکتی دیں گے، درجنا.....! لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہمارے وہاں آئے بغیر تیرا کام پورا نہیں ہوگا۔ تو فکر مت کر.....! تیرے واپس جانے کے چند روز بعد ہم تیرے محل میں آئیں گے اور مہاراج سے ملیں گے۔ پھر ہم وہاں تیرا راج قائم کریں گے۔ صرف تیرا بول بالا ہوگا۔ تیرے دشمن منہ پیٹتے رہ جائیں گے۔“

”میں زندگی بھر آپ کے چرن دھو دھو کر پیوں گی، مہاراج.....!“ اور درجنا نے یدھ راج سنگھا کے پاؤں پکڑ لئے اور سنگھا نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

”تیری جگہ ہمارے چرنوں میں نہیں سندری.....! ہمارے سینے میں ہے۔“

رانی بھان شری نے خود کو شرمانند کے حوالے کر دیا تھا۔ چالاک بوڑھے کو گویا سوگ مل گیا تھا۔ اس کی ہر رات رنگین سے رنگین گزرتی۔ بھان شری اس سے اس طرح اظہارِ عشق کرتی، گویا اس کے بغیر زندگی اُدھوری ہے اور شرمانند نے بھی اسے یقین دلایا تھا کہ بس اب چند رکھ کا راج ختم ہونے

والا ہے اور تھوڑے دن کے بعد بھان شری ہی بھان شری ہوگی۔  
 انہوں نے بھان شری سے بہت سے وعدے کئے تھے۔ اب بہت  
 جلد ان کا جال پھیلنے والا ہے۔ اس کے بعد چند رکھ اس جال میں کجروی ہوئی  
 نظر آئے گی۔

لیکن بوڑھا شرمند بے وقوف نہیں تھا۔ وہ دل سے بھان شری کے  
 لئے کچھ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بھان شری آنکھ سے ٹپکا آنسو  
 ہے۔ جو کبھی واپس نہیں جا سکتا۔ یہ بات درست تھی کہ ان کی راتیں بھان  
 شری کی آغوش میں بچی ہوئی تھیں لیکن شکر دیال کی نگاہ میں وہ جو حیثیت رکھتے  
 تھے، اسے ایک عورت کے لئے گنوانے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ایسی عورتیں تو انہیں بہت سی مل سکتی تھیں۔ چند رکھ کی پوزیشن بڑی  
 مضبوط تھی۔ اس کی گرفت شکر دیال مہاراج پر بڑی سخت تھی۔ اس بات کا  
 اعتراف شرمند نے بھی کیا تھا۔ وہ بھولی بھالی صورت والی، دراصل سیدھی  
 نہیں ہے۔ اس نے اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے باپ کو بھی قتل کر دیا  
 تھا۔

چنانچہ شرمند جی پاگل پن میں اس کے خلاف کوئی سازش کرنے کو  
 تیار نہیں تھے۔

ہاں.....! بھان شری کو دلا سے دینا دوسری بات ہے۔ یہ ضروری تھا۔  
 ورنہ بھان شری ان کے نزدیک کیسے آتی.....؟ اس کے لئے شرمند نئی نئی  
 چالیں چلتے تھے۔



رات کو جب وہ بھان شری کی خواب گاہ میں آئے تو ان کے ساتھ ایک خوب صورت نوجوان تھا۔ جسے وہ نہ جانے کہاں سے سکھا پڑھا کر لائے تھے.....؟

بھان شری نے اس نوجوان کو تعجب سے دیکھا۔  
 ”اس کا نام بے راج ہے.....! میرا خاص آدمی ہے رانی.....!“  
 ”اوہ.....!“

بھان شری نے بے راج کے پر نام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔  
 ”میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم بھی اس پر بھروسہ کرو۔  
 دراصل میں اسے تمہارے پاس اس لئے لایا ہوں کہ تمہیں اطمینان دے دوں.....!“

شرمانند نے کہا اور پھر بے راج کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔  
 ”رانی بھان شری کو پہچانتے ہو بے راج.....؟“

”ہاں.....! مہاراج.....!“

جے راج نے جواب دیا۔

”تو سنو.....! تم اپنا کام کرو.....! رانی بھان شری ضمانت دیتی ہیں

کہ اگر کام پورا ہونے کے بعد تم مہاراج کے عتاب کا شکار ہوئے تو..... تو رانی بھرپور تعاون کریں گی اور تمہاری زندگی بچالی جائے گی۔“

”مجھے وشواس ہے مہاراج.....!“

”رانی بھان شری.....! کیا آپ میری بات کا یقین دلا سکتی

ہیں.....؟“

”ہر قیمت پر.....! مگر کیا ارادہ ہے شریمانند.....؟“

”جے راج بہت خوب صورت ہے رانی.....! تمہیں اس بات سے

انکار ہے.....؟“

”نہیں.....! یہ بہت سندر ہے۔“

”میں اسے چھوٹی رانی کے محل، محل خاص کا مالی بنوا رہا ہوں۔ وہ

بہت سمجھدار آدمی ہے۔ چھوٹی رانی باغ میں روزانہ آتی ہے۔ یہ اسے روزانہ ملے گا اور پھر یہ اپنی کوشش کرے گا۔ اگر نہ بھی کر سکا تو دوسروں پر یہ ظاہر کرے گا کہ چھوٹی رانی اس سے پریم کرتی ہے۔

اور پھر ایک دن ہم ایک ڈرامہ کریں گے۔ میں مہاراج شکر دیال

کے کانوں تک یہ بات پہنچاؤں گا اور پھر چھوٹی رانی کو نشے کی دوا پلا کر اس کی آغوش میں ڈال دیا جائے گا اور وہ دن چھوٹی رانی کا اس محل میں آخری دن ہوگا یا تو وہ ماری جائے گی یا نکال دی جائے گی۔“

”جے راج یہی بیان دے گا کہ رانی ڈرا دھمکا کر اسے ملنے پر مجبور

کرتی تھی۔ اس کے لئے ہم گنجائش نکال لیں گے اور اگر اس کی زندگی کو خطرہ



ہوا تو اسے خاموشی سے کسی دوسری جگہ پہنچا دیا جائے گا۔“

بھان شری کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ وہ مسرت سے دیوانی ہو رہی تھی۔ اگر بے راج موجود نہ ہوتا تو شاید وہ شرمندہ سے لپٹ جاتی۔

”بہت اچھا پروگرام ہے۔ بہت ہی اچھا.....!“  
وہ خوشی سے بولی۔

”داس آپ کی پریشانی دور کرے گا رانی جی.....!“  
شرمانند نے کہا اور اٹھ گئے۔

”آؤ بے راج.....! میں تمہیں چھوڑ آؤں.....!“

”آپ واپس آرہے ہیں شرمندہ جی.....!“

”ہاں.....! رانی جی.....! میں اسے چھوڑ کر آتا ہوں۔“

شرمانند نے کہا اور پھر وہ بے راج کو لئے ہوئے باہر نکل آئے۔  
بے راج کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ وہ کچھ خوف زدہ سا نظر آ رہا تھا۔ شرمندہ اسے لئے ہوئے اپنے گھر آ گئے اور پھر ایک اندرونی کمرے میں پہنچ گئے۔ ان کے چہرے پر پراسرار تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔  
”کہو بے راج.....!“

انہوں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور بے راج بیٹھ گیا۔  
شرمانند بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کو بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

”کیا سمجھ مہندر.....؟“

”سمجھ گیا مہاراج پرنتو.....!“

”ہاں ہاں.....! کہو.....!“

شرمانند نے دلاسہ دیا۔

”میرا جیون بچنا مشکل ہوگا مہاراج.....!“

اس نے کہا اور شرمندہ حثارت آمیز انداز میں ہنسنے لگے۔  
 ”بھان شری کے بجائے اگر میں تمہارے جیون کی ضمانت دوں۔“  
 ”جو آگیا مہاراج.....!“

جے راج نے کانپتے ہوئے کہا۔  
 ”سنو جے راج.....! تم میرے خاص آدمی ہو۔ مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ پھول نواس کے سیاہ و سفید کا مالک ہوں۔ مہاراج شکر دیال صرف وہ کرتے ہیں جو میں چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے.....؟“  
 ”معلوم ہے سرکار.....!“

”رانی بھان شری کے سامنے جو گفتگو ہوئی اسے تم بھول جاؤ.....!“  
 ”جی مہاراج.....!“

جے راج حیرت سے بولا۔  
 ”ہاں.....! تمہیں وہ کچھ کرنا ہوگا جو کہا گیا ہے۔“  
 ”میں نہیں سمجھا مہاراج.....!“  
 ”سمجھنے کی کوشش بھی مت کرو.....! صرف عمل کرو.....! جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو.....!“

”مجھے کیا کرنا ہے مہاراج.....؟“  
 ”تمہیں چند رکھ کے محل میں باغ کا رکھوالا رکھوا دیا جائے گا۔ جہاں تم صرف مالی کام کرو گے۔ چند رکھ کے سامنے آنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی تم اس کے بارے میں کوئی خبر اڑاؤ گے۔ بس مالی کام کرتے رہو۔“

راج محل سے تمہیں جو تنخواہ ملے گی اس سے چار گنا میں تمہیں دوں گا۔ ہاں.....! اگر کبھی ضرورت پڑی تو تم بھان شری سے یہی کہو گے کہ تم

دی سے اپنا کام کر رہے ہو اور بہت جلد کامیاب ہو جاؤ گے۔“

”یہ ٹھیک ہے مہاراج.....!“

جے راج نے خوش ہو کر کہا۔

”تمہارا صرف یہی کام ہے اور اگر کبھی بھان شری کے خلاف تمہیں

مہاراج کے سامنے کچھ کہنا پڑے تو تم بھگوان کے مندر میں سوگندھ کھا سکتے ہو

کہ یہ تمہیں چھوٹی رانی کو ذلیل کرنے کے لئے مجبور کرتی رہی ہے۔“

”سوگندھ سچی ہوگی مہاراج.....! میں کھالوں گا۔“

”اس راز کو تم اپنے سینے میں رکھو گے اور اگر کسی دن اس راز نے

تمہارے سینے سے نکلنے کی کوشش کی تو تمہاری سانس بھی اس کے ساتھ ہی

کل جائے گی۔ اس بات کا خیال رکھنا۔“

”خیال رکھوں گا مہاراج.....!“

جے راج نے کہا۔

”بس.....! یہی کہنا تھا۔ اب جاؤ.....! کل صبح میرے پاس

آنا.....!“

شرمانند نے کہا اور جے راج پر نام کر کے اٹھ گیا۔ شرممانند کے

ہاتھوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

درجنہا محل واپس آگئی۔ جب وہ گئی تھی تب بھی شکر دیال اس سے

ملے نہیں آئے تھے اور اب وہ آئی تب بھی شکر دیال نے اس کو خبر نہیں لی۔

مالانکہ اس نے اپنے آنے کی اطلاع انہیں بھجوا دی تھی۔ درجنہا کا دل خون

کے آنسو رو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ چھوٹی رانی کی بوٹیاں چبا

ہاتی۔ یہ بے اعتنائی صرف چند رکھ کی وجہ سے تھی۔ انہیں یاد بھی نہ رہا تھا کہ

کل میں کوئی اور رانی بھی ہے۔

صبح کا وقت تھا اور منگل کا دن تھا۔ اس دن راج دربار لگتا تھا اور اس دربار میں عام لوگوں کو آنے کی اجازت تھی۔ گو عام لوگ انہیں پاتے تھے۔ صرف وہی لوگ آپاتے تھے جنہیں بڑوں سے اجازت مل جاتی تھی لیکن عرف عام میں وہ دربار عام کہلاتا تھا۔

اس دن مہاراج شکر دیال دن بھر رعایا کی پتا سنتے تھے اور ان کے فیصلے سناتے تھے۔ اس روز رانیاں بھی دربار میں حاضر ہوتی تھیں۔ راج دربار کی دوسری منزل میں جھروکے بنے ہوئے تھے۔ جن میں رانیاں آکر بیٹھ جاتیں اور وہاں سے دربار کی کارروائی دیکھتیں۔

اُصول کے تحت درجنہ بھی اپنے جھروکے میں تھی۔ اس کے بائیں سمت رانی بھان شری کا جھروکہ تھا اور دائیں سمت سینتا بیٹھی ہوئی تھی۔ رانی چندر مکھ کا جھروکہ بالکل دوسری سمت تھا اور اسے خاص طور پر آراستہ کیا گیا تھا۔ یہ جھروکہ مہاراج کے تخت کے سامنے تھا۔ جہاں سے مہاراج رانی چندر مکھ کو دیکھ سکتے تھے۔

درجنہ نے خاص طور سے اس جھروکے کی اہمیت کو محسوس کیا تھا اور دل میں کباب ہو کر رہ گئی تھی۔

اچانک اس کی نگاہ بھان شری کی طرف بڑھ گئی۔ بھان شری فریادیوں کو دیکھ رہی تھی۔ مہاراج فیصلے کر رہے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت اس کی نگاہ بھی درجنہ کی طرف اٹھ گئی اور درجنہ کو دیکھ کر بھان شری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تو درجنہ بھی مسکرا دی۔ پھر اس نے بھان شری کو اپنے جھروکے سے اٹھ کر اپنی طرف آتے دیکھا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے بھان شری کا استقبال کیا تھا۔

”کیسی ہو درجنہ.....؟“

بھان شری نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”تم سناؤ.....! میں تو ٹھیک ہوں.....!“

درجنہ نے کہا۔



جینے کا تصور تو بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں پتا چلتا ہے، چند مکھ بھی جی رہی تھی۔ اسے اپنی خوب صورتی اور اپنے حسن پر ناز تھا اور اسے اپنے حسن کی قیمت حاصل ہو رہی تھی۔ بہت سے کرداروں کے درمیان چلتی دکھا رہی تھی وہ۔ لیکن آخر کار ایک دن اُکتانے لگی۔

تو کہانی اس وقت بھان شری اور درجنہ کے درمیان تھی۔

”جس طرح تم ٹھیک ہو، اس طرح میں ٹھیک ہوں۔“

بھان شری نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”ہاں.....! سکھی جو دکھ تمہیں ہے وہ مجھے بھی ہے۔ لیکن ہم دونوں

بے بس ہیں، کیا کر سکتے ہیں.....؟“

”کیوں نہ ہم دونوں ہی مہاراج کے دربار میں فریادی بن کر

ملیں.....؟ انہیں اپنی پتا سنائیں.....!“

بھان شری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مہاراج.....! انصاف نہ کر سکیں گے۔ بھان شری.....!“

درجنہ نے کہا۔

”پھر کون انصاف کرے گا، درجنہ.....؟ بتاؤ ہمارا انصاف کون کرے

.....؟“

”بھگوان.....!“ درجنہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

”ان معاملوں میں شاید بھگوان بھی نہیں پڑتا۔ پتی استری کی ہاتھ

ہے۔“

بھان شری نے کہا اور ہنس پڑی۔ درجنا بھی مسکرانے لگی تھی۔ اس وقت نیچے کچھ شور سنائی اور دونوں عورتیں چونک پڑیں۔  
”ارے دیکھو.....! کوئی سادھو ہے۔“

بھان شری نے کہا اور درجنا کی نگاہ راج دربار کے دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ اس کا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ وہ اس دیوتا قامت آدمی سے اچھی طرح واپس تھی۔ وہ ان سرخ آنکھوں سے خوف واقف تھی۔  
”بڑا مہان سادھو ہے۔“

بھان شری نے کہا۔

”ہاں.....! دیکھنے میں تو ایسا ہی لگتا ہے۔“

”ہاں.....!“

بھان شری نے سوچتی ہوئی نظروں سے سادھو کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
”ان سرخ آنکھوں سے خوب واقف تھی۔ البتہ اس کی گردن میں پڑا ہوا زبردست اژدھا اس کے لئے نیا تھا۔ یہ یدھ راج سنگھا تھا۔ پہلے لباس میں اوپری بدن سے ننگے، لیکن ان کے ننگے بدن سے ایک خوف ناک اژدھا لپٹا ہوا تھا۔ جس کا وزن مہاراج ہی سنبھال سکتے تھے۔ اژدھے کا سرمہاراج کے سر سے اوپر تھا۔ اس کا عظیم الشان پھن کسی چھتری کی طرح ان کے سر پر سایہ کئے ہوئے تھا۔“

درجنا کی خوشی سے چیخ نکل گئی اور بھان شری اسے دیکھنے لگی۔  
”یہاں سمجھی کہ درجنا خوف سے چیخ پڑی ہے۔ دربار کی کارروائی رُک گئی۔ شکر دیال بھی اس خوف ناک سادھو کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ دربار

میں یدھ راج سنگھا کی پاٹ دار آواز گونجی۔

”راجہ شکر دیال.....! کیا تیرا دربار عام بھی خاص لوگوں کے لئے ہوتا ہے.....؟“

”نہیں مہاراج.....! جگ جگ آئے.....!“

شکر دیال نے جواب دیا۔

”تب تیرے کرائے کے ٹٹو ہمیں کیوں روک رہے تھے.....؟“

”دیوان جی.....! معلوم کرو.....! مہاراج کو کس نے روکا.....؟“

شکر دیال نے سخت لہجے میں کہا اور یدھ راج مہاراج اسے گھورنے لگے۔ ان کی سرخ آنکھوں کی چمک جھرکوں تک محسوس کی جاسکتی تھی۔

”بڑا مہان سادھو ہے۔“

بھان شری نے کہا۔

”ہاں.....! ایسا ہی لگتا ہے۔“

درجناس کے علاوہ کچھ نہ کہہ سکی اور سامنے دیکھنے لگی۔

”ہم تجھ سے بھیک مانگنے نہیں آئے، راجہ شکر دیال.....! اور تو ہمیں

کیا بھیک دے گا.....؟ لیکن ہمارا بڑا اپمان ہوا ہے۔“

”اپر ادھیوں کو سزا دی جائے گی مہاراج.....!“

شکر دیال سادھو سے بہت مرعوب ہو گیا تھا۔

”ہمیں حکم ملا تھا کہ تیری سیانتا کریں، سو ہم آگئے۔ جانتے ہے

تیری زندگی موت سے کس قدر قریب ہے.....؟“

یدھ راج مہاراج نے کہا اور تمام درباری چونک پڑے۔ خود شکر

دیال، مہاراج کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

”راج دربار کا خیال رکھو سنت جی.....!“

دیوان جی نے آہستہ سے کہا اور یدھ راج سنگھا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”راج دربار..... ہمارے لئے یہ دربار کیا حیثیت رکھتا ہے.....؟“  
 موکھ ہماری رسائی ان درباروں تک ہے جہاں تیرا خیال بھی نہیں جاسکتا۔  
 آنکھوں کے اندھے تو اس دربار میں ہے جہاں تیرے جیسے بے شمار اندھے  
 بیٹھے ہوئے ہیں اور شکر دیال کی طرف بڑھتی ہوئی موت سے ناواقف ہیں۔ تو  
 اپنے راجہ کی جان نہیں بچا سکتا تو پھر ہم اس دربار کی کیا قدر کریں.....؟“  
 ”سادھو مہاراج ایک بار پھر کہے جا رہا ہے کہ دربار کا خیال  
 رکھو.....!“

دیوان جی نے سخت لہجے میں کہا۔  
 ”تو کیا کہتا ہے شکر دیال.....؟“  
 سادھو نے شکر دیال مہاراج کو گھورتے ہوئے کہا۔  
 ”مہاراج جو کہتے ہیں کہنے دو دیوان جی.....! کیا حکم ہے  
 مہاراج.....؟“  
 شکر دیال مہاراج نے کہا۔

”میں تجھے ان لوگوں کے بارے میں بتانے آیا ہوں جو دربار کا  
 خیال رکھنے کی ہدایت دیتے ہیں۔ مگر خود تیرا خیال نہیں رکھتے۔ لیکن مجھے اس  
 دربار سے بھیجا گیا ہے جو تیرے اس دربار سے کوسوں دور ہے۔ لیکن وہاں  
 تیرا خیال رکھا جاتا ہے۔“

”میرے اوپر کیا کشت ہے مہاراج.....؟“  
 ”ہم اسے ہی دور کرنے آئے ہیں شکر دیال.....!“  
 یدھ راج سنگھا نے کہا اور پھر انہوں نے ایک ہاتھ بلند کر دیا۔



راج کے سر پر پھن پھلائے اژدھے نے پھن سکوڑا اور مہاراج کے جسم اس کے بل نکالنے لگے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ نیچے اُترا۔ درباری سمٹ پر جگہوں پر چڑھ گئے۔ ان کے چہرے خوف سے زرد ہو گئے تھے۔

طویل القامت اژدھا پورے کا پورا زمین پر آگیا۔ پھر وہ پھن الٹے ہوئے مہاراج شکر دیال کی طرف بڑھا۔ اب شکر دیال کا چہرہ بھی لک کا آئینہ بن گیا تھا۔

”شکر دیال.....! خبردار.....! اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش مت کرنا۔“

یدھ راج سنگھا نے دھاڑ کر کہا اور شکر دیال پھر کا بت بن گیا۔ وہ الٹا پھٹی آنکھوں سے اژدھے کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ادھان کے تخت کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے پھن سکوڑا اور تخت کے نیچے گھس گیا۔ اس کے موٹے جسم کو چند جھٹکے لگے اور پھر جب اس نے جسم باہر کھینچا تو اس کے منہ میں ایک خوف ناک سیاہ ناگ دبا ہوا تھا جو بالکل طرح مچل رہا تھا۔ پھنکاریں مار رہا تھا اور ہر پھنکار کے ساتھ آگ کی چنگاریاں اس کے منہ سے نکل پڑتی تھیں۔

دربار میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ اُچھل اُچھل کر اونچی جگہوں پر چڑھ رہے تھے۔ درحقیقت اگر سانپ اژدھے کے منہ سے آزاد ہو جاتا ہے تو بڑی تباہی مچاتا ہے۔ خود شکر دیال اُچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اژدھا سانپ کو بری طرح رگڑ رہا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے اس نے ناگ کو نکل لیا۔ یدھ راج سنگھا کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی تھی۔ اژدھا آہستہ آہستہ ان کے جسم کی طرف بڑھا۔ جسم پر چڑھا اور پھر اس نے اپنا چوڑا پھن مہاراج کے سر پر پھیلا دیا۔

”بس.....! اتنی دیر کے لئے اور اس کام کے لئے ہم تیرے اور میں آئے تھے شکر دیال.....! ہم جا رہے ہیں، تو اپنے درباریوں سے آواز وصول کر۔ اگر یہ سانپ چند منٹ اور نہ پکڑا جاتا تو تیری پیٹھ کی طرف تجھ پر حملہ کرتا۔ اس لئے ہم نے کہا کہ موت تجھ سے زیادہ دُور نہیں ایسے بہت سے سانپ تیرے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ پر تو فکر نہ کر۔ جب پریشان ہو، ہمیں آواز دے لینا۔ ہم ان سانپوں سے تجھے نجات دلا دیں گے۔“

”رُک جائیے سنت مہاراج.....! رُک جائیے.....!“  
شکر دیال تخت سے اُتر آیا اور دوڑتا ہوا مہاراج یدھ راج کے پہنچ گیا۔

”میں نے آپ کا اہمان نہیں کیا ہے مہاراج.....! میں ان لوگوں کو سولی پر چڑھا دوں گا جنہوں نے آپ کا اہمان کیا ہے۔ آپ انہیں جاسکتے مہاراج.....! مجھے آپ کی ضرورت ہے۔“  
”ہم جنگلوں کے باسی ہیں شکر دیال.....! تیرے دربار میں ہمارا دل لگے گا.....؟ ہم ان کی عزت کرتے ہیں جنہوں نے تیری جان بچا ہے۔ ہم تیری عزت نہ کر سکیں گے، تیرے درباری ہماری عزت نہ کر سکیں گے۔“

”میں آپ کی سیوا کروں گا مہاراج.....! بھگوان کے لئے مجھے اُم نہ چھوڑیے.....! یہاں آپ کو عزت ملے گی۔ آپ میرے گرد ہوں گا مہاراج.....! بھگوان کے لئے میری بات مان لیں.....!“  
”ہمیں مجبور نہ کرو شکر دیال.....!“

”نہیں مہاراج.....! کچھ روز ہی سہی..... آپ مجھے سیوا کا ہمارا

دیں۔ میں ان سب کو سزا دوں گا جن سے آپ ناراض ہیں۔“  
 ”نہیں مورکھ.....! ہم تو پریم پجاری ہیں۔ ہم جیون بچانے کے لئے  
 آئے تھے۔ لینے کے لئے نہیں۔ تو نے بھگوان کا واسطہ دیا ہے، اب ہم مجبور  
 ہیں۔“

یدھ راج مہاراج نے کہا اور واپس پلٹ پڑے۔  
 ”دیوان جی.....! دربار برخاست کیا جائے.....! آج دربار نہ ہو  
 سکے گا۔“

شکر دیال نے کہا اور پھر بڑے ادب سے یدھ راج مہاراج کو لے  
 کر اندرون محل کی طرف چل پڑے۔

بھان شری کا چہرہ خوف سے پھیلا ہوا تھا لیکن درجنا آسمان کی سیر کر  
 رہی تھی، وہ کسی ایسے ڈائریکٹر کی طرح اس ڈرامے کو دیکھ رہی تھی جس کی زیر  
 ہدایت سب کچھ ہوا ہو۔ دل سے وہ یدھ راج مہاراج کے رعب و جلال اور  
 ان کی شخصیت کی قائل ہو گئی تھی اور اب اسے ان تین راتوں کا کوئی افسوس  
 نہیں تھا جو اس نے ان کے ساتھ گزاری تھیں بلکہ وہ خوش تھی کہ وہ ایک شتی  
 مان کی منظور نظر ہے۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے برے دن ختم ہو گئے  
 ہیں اور اب اس کے سامنے کسی کا چراغ نہ جل سکے گا۔

مہاراج کے جانے کے بعد درباری بھی ایک ایک کر کے باہر نکل  
 گئے لیکن سب کی زبان پر اس مہان سادھو کا تذکرہ تھا۔ اور شام تک یہ خبر  
 جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی کہ ایک میان سادھو نے آج  
 شکر دیال کی جان بچالی تھی۔ ورنہ آج شکر دیال دنیا میں نہ ہوتے۔

پورے شہر کے لوگ شکر دیال کی زندگی بچ جانے کی خوشیاں منانے  
 لگے۔ وہ اس مہان سادھو کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین تھے۔ پھر

اسی شام لوگوں کا ایک بڑا گروہ محل کے سامنے آگیا۔ وہ سادھو کی جھلک دیکھنے کے لئے آیا تھا۔ شکر دیال نے مہاراج کو ان کی خواہش سے آگاہ کیا اور یدھ راج مہاراج نے معذرت کر لی۔

”ہم بن کے باسی ہیں۔ انسانوں کی تاب نہ لاسکیں گے۔ اس لئے ہمیں ان سے دُور رہنے دیا جائے۔ تم ہمارے لئے کسی کونے کا بندوبست کرو۔ ہم اس میں رہیں گے جب تک ہمارا من لگے گا۔ اس کے بعد چلے جائیں گے۔“

اور مایوس و نامراد مجمع واپس چلا گیا۔

شکر دیال درحقیقت سادھو سے بڑا مرعوب ہو گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر سادھو وقت پر اس کی جان نہ بچا لیتا تو سانپ نے شکر دیال کو ڈس لیا تھا۔ کیونکہ کسی اور کو سانپ کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ اس کے علاوہ جو بات شکر دیال کو کھٹک رہی تھی وہ یہ تھی کہ تخت کے نیچے سانپ کہاں سے آیا.....؟

کیا یہ اس کے کسی دُشمن کی کارروائی تھی.....؟ اگر کسی دُشمن کی کارروائی تھی تو وہ کون ہے.....؟ اور اس نے کیوں شکر دیال کی جان لینے کی کوشش کی ہے.....؟

دوسری بات سنت مہاراج نے کہی تھی۔ وہ یہ تھی کہ بہت سے سانپ تیرے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سانپوں سے مراد دُشمن ہی ہو سکتے ہیں۔ اور شکر دیال مہاراج ان دُشمنوں کے بارے میں جاننا چاہتا تھا تا کہ ان کے سر کچل دے اور یہ کام مہاراج سادھو کر سکتا تھا۔

چنانچہ شکر دیال ان کی خدمت میں لگ گیا۔ محل کا ایک دُور دراز کا حصہ سادھو کے لئے وقف کر دیا گیا۔ درجنوں خادماؤں اور ملازموں کو وہاں

تعیّنات کر دیا گیا کہ مہاراج کا خیال رکھیں۔ اس کے علاوہ ان کی مزید خاطر مدارات کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

سب سے پہلے اس نے دیوان جی کو طلب کیا اور انہیں مشورے کے لئے کہا۔

”آپ نے سادھو مہاراج کا اپمان کیا تھا دیوان جی.....! آپ کو ان سنتریوں کے ساتھ ان سے معافی مانگنا پڑے گی۔“

”مجھے کیا معلوم تھا مہاراج.....! کہ وہ اتنے بڑے مہان ہیں۔ میں ان سے معافی مانگے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔“

دیوان جی نے کہا۔

”ٹھیک ہے.....! اب سوچنا یہ ہے کہ ان کو خوش رکھنے کے لئے کیا کیا جائے.....؟“

”میرا خیال ہے مہاراج.....! محل کے ایک حصے میں ایک مندر تعمیر کرایا جائے جہاں سنت مہاراج پوجا پاٹ کریں۔ مندر دیکھ کر وہ خوش بھی ہو جائیں گے۔“

”بہت اچھی ترکیب ہے، دیوان جی.....! تم ایسا ہی کرو۔ جگہ کا انتخاب بھی تم ہی کرو.....! ایسے سادھو اگر ہمارے پاس رہے تو ہم دشمن پر قابو پا سکتے ہیں۔“

”میں راتوں رات یہ کام کر لوں گا۔ آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم سب سے پہلے سنت مہاراج کو مندر بھینٹ کریں تاکہ وہ خوش ہو جائیں گے۔“

”بہت اچھی ترکیب ہے دیوان جی.....! تم ایسا ہی کرو جگہ کا انتخاب بھی تم ہی کرو۔ ایسے سادھو اگر ہمارے پاس رہے تو ہم دشمن پر قابو پا سکتے

ہیں۔“

”میں تو راتوں رات یہ کام کر لوں گا۔ آپ یہ کام مجھ پر چھوڑ

دیں۔“

”میرا خیال کہ ہم سب سے پہلے مہاراج کو مندر بھیٹ کریں تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ تم جتنی دولت چاہو خزانے سے لے لو.....! اور راتوں رات مندر تعمیر کرا دو.....!“

”آگیا دیجئے مہاراج.....!“

دیوان جی نے کہا۔

اور پھر وہ شکر دیال سے رخصت ہو کر چلے گئے۔ شکر دیال سخت پریشان تھا اسے تشویش بھی تھی اور خوشی بھی کہ آخر وہ سانپ کہاں سے آیا.....؟ کون شخص ہے.....؟ اور کس نے محل تک رسائی حاصل کر لی ہے.....؟ خوشی اس بات کی تھی کہ ایسے میان سادھو کے درشن ہو گئے جو بہر حال اس کی جان بچا سکتا ہے۔ بہر حال نہ جانے کب تک وہ اسی بارے میں سوچتا رہا۔

پھر چند رکھ کے پاس سے بلاوا آگیا اور شکر دیال جلدی سے اُٹھ

گئے۔

”اور ہاں.....! چند رکھ ہمارا انتظار کر رہی ہوگی۔“

انہوں نے بلاوا لانے والے سے کہا اور اُٹھ کر اس کے ساتھ چل

پڑے۔ چند رکھ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

پورے کمرے میں تنہا تھی۔ داسیاں بھی چلی گئی تھیں۔ اس کے قریب ہی تھال میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ جن کے چاروں طرف چراغ جل رہے تھے۔ سیندور، چندن اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی پیالیاں بھی تھال میں

ا ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں پریشانی کی جھلکیاں نمایاں تھیں۔  
 ”کیا ہو رہا ہے.....؟ چندر مکھ.....!“

مہاراج نے اندر داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔ لیکن چندر مکھ  
 نہ بولی۔ اس نے تھال اٹھایا اور مہاراج کی آرتی اُتارنے لگی۔ مہاراج  
 لڑے مسکراتے رہے۔ آرتی اُتارنے کے بعد اس نے مالنی کو آواز دی اور  
 انا اندر آ گئی۔

”یہ اشرفیاں غریبوں میں تقسیم کر دو مالنی.....! میری تو جان ہی نکل  
 ل ہے۔“

اس نے کہا اور مالنی گردن جھکا کر چلی گئی۔ تب چندر مکھ شکر دیال  
 کے سینے سے لگ گئی۔ شکر دیال نے کہا۔

”چنتا کی ضرورت نہیں ہے۔ پورنما ہمارے بھاگ میں ایسے مہمان  
 مان تھے جو دیوتا سمان ہیں۔ ان کی موجودگی میں ہم ہر دشمن پر قابو پا سکتے  
 ہیں۔“

”بھگوان کرے ایسا ہی ہو.....!“

”گرو مہاراج ابھی آئے ہیں یہاں۔ ہم ان کا من ضرور جیت لیں  
 ۔ اس کے بعد ہم تمہیں بھی ان سے ملائیں گے۔ ایسے دودانوں سے کچھ  
 ہی جاتا ہے اور ہم ان سے یہ دُعا کروائیں گے کہ وہ ہمیں ایک چاند سا  
 دلوائیں۔“

شکر دیال نے مسکراتے ہوئے کہا اور چندر مکھ شرمائے لگی۔

”راج پاٹ کا مالک کون ہوگا.....؟ چندر مکھ.....! ہماری پہلی رانیاں

م رہی ہیں۔ وید جی کا کہنا ہے کہ خرابی ہم میں ہے مگر تم جانتی ہو کہ وید  
 بھٹ کہتے ہیں اور اگر کوئی خرابی ہے بھی تو ہم مہاراج سے کہہ کر دم کرا

لیں گے۔“

شکر دیال اسے چھیڑتے ہوئے بولے اور چند رکھ نے شرما کر ان کے سینے میں سر چھپا لیا۔

یدھ راج مہاراج مندر میں منتقل ہو گئے۔ شکر دیال ان سے بے ہمتی سے بات کرتا تھا۔ ایسے مہمان سادھو قسمت سے ہی ملتے ہیں۔ اس کا خیال بہر حال راج پاٹ کے کام بخوبی چل رہے تھے۔ کوئی تشویش نہیں تھی چند رکھ تھی، راج گدی تھی اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی تھی.....؟ چنانچہ بڑے سکون سے زندگی گزر رہی تھی۔ رانیوں میں کیا کچھڑی پک رہی تھی.....؟ سازش ہو رہی تھی.....؟ اس کے بارے میں انہیں کچھ نہیں معلوم تھا۔

لیکن وہ سانپ آج تک ان کے دل میں کھٹک رہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ سانپ وہاں تک کیسے پہنچا.....؟ ان کے کسی دشمن کی سازش ہے یا اتفاق.....؟ لیکن اس کے لئے انہوں نے ابھی خود پر قابو رکھا تھا اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی وقت یدھ راج مہاراج سے اس کے بارے میں معلوم کریں گے۔

دوسرے وہ دل کی بات بھی ان سے کہنا چاہتے تھے جو مندر یدھ راج مہاراج کے لئے تیار کروایا گیا تھا۔ وہ محل ہی کے ایک حصے میں تھا لیکن یدھ راج مہاراج کی خواہش پر اسے عام پوجا پاٹ کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔ مہاراج کا کہنا تھا کہ وہ اسے خاص پوجا کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور جس دن وہ کہیں ان ون پوجا کی جائے۔ وہ بھی خاص لوگوں کی چنانچہ ابھی تک مندر میں کوئی پوجا نہیں ہوئی تھی۔

ہاں.....! شکر دیال خود بھی کبھی کبھی مہاراج کی خدمت میں ملے

جاتے تھے۔



آج بھی وہ سرشام مندر جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے مہاراج کے پاس اطلاع بھجوا دی کہ وہ پوجا کے لئے آرہے ہیں اور ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں ہوگا اور وقت مقررہ پر شکر دیال مندر پہنچ گئے۔ مہاراج شیوجی کے مجسمے کے سامنے دھونی مارے بیٹھے تھے۔ شکر دیال کی طرف انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور پوجا میں مصروف رہے۔

شکر دیال بھی عقیدت سے ان کے پیچھے جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد مہاراج پوجا سے فارغ ہوئے۔ انہوں نے شکر دیال کی پیشانی پر چندن لگایا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

”تیری پیشانی پر ستارے چمک رہے ہیں، شکر دیال.....! لیکن نہ جانے ان ستاروں کے درمیان اس کالے تل کو کس نے جگہ دے دی ہے.....؟ اس کو چندن میں چھپا رہا ہوں۔ مگر تل برابر جھانک رہا ہے۔“

”میں آپ کی مدد چاہتا ہوں مہاراج.....! میں ان سارے کالے تلوں کو دھونا چاہتا ہوں۔“

”ہم سنسار کے حقیر منش ہیں، ہماری کیا حیثیت.....؟ اوپر سے کچھ کام ہمارے سپرد کئے گئے ہیں۔ تو ہم یہاں چلے آئے۔ ہم اپنا کام انجام دیں گے اور چلے جائیں گے۔“

”ہاں ہاں.....! کہو.....! ہم آج بہت خوش ہیں۔ شکر دیال بتاؤ.....! کیا بات ہے.....؟“

”مہاراج.....! میرے من میں ڈر ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ سانپ وہاں کیسے آگیا تھا.....؟“

”سانپ دشمن کا نشان ہے۔ شکر دیال اور تو راجہ ہے۔ راجہ کے دشمن بہترے ہوتے ہیں لیکن تیرے سر پر بھگوان کا ہاتھ ہے۔ میں تجھے

دُشمنوں سے محفوظ رہنے کی خوش خبری دیتا ہوں۔“  
 ”بھگوان کی کرپا ہے مہاراج.....! لیکن میرا اپنے دُشمنوں سے  
 واقف ہونا ضروری ہے۔“

شکر دیال نے کہا۔

”یہ کام ہمارے لئے مشکل ہے۔ ہم دُشمن سے تیرا بچاؤ تو کر سکتے  
 ہیں۔ ان کی نشاندہی کر کے ان کا جیون خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔“  
 ”یہ ضروری ہے مہاراج.....! میں اپنے دُشمنوں کی شکل تو پہچان  
 لوں.....!“

شکر دیال نے کہا۔

اور مہاراج نے آنکھیں بند کر لیں۔ کئی منٹ تک وہ آنکھیں بند کئے  
 بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی سرخ آنکھیں کھول دیں اور شکر دیال کی شکل  
 دیکھنے لگے۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔

”ہمیں آگیا مل گئی ہے شکر دیال.....! کہ تجھے تیرے دُشمنوں سے  
 آگاہ کر دیں لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ ہم پاٹ کریں گے اور اوش  
 تجھے تیرے دُشمنوں سے آگاہ کر دیں گے۔ ایک بات ہم تجھے بتا دیں کہ  
 تیرے دُشمن تیرے محل سے دُور نہیں ہیں۔ وہ تیرے اوپر وار بھی بہت سوچ  
 سمجھ کر کرتے ہیں۔ مگر وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ سن.....! تیرے اوپر  
 تین حملے اور ہوں گے۔ مگر ہم تجھے بتا دیتے ہیں کہ تیرا بال بھی بیکانہ ہوگا۔“

”میں بہت پریشان ہوں مہاراج.....!“

”پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، شکر دیال.....! ہمیں تیرا ڈاؤن ہونا  
 کر بھیجا گیا ہے لیکن ہم اوش تجھے تیرے دُشمنوں سے آگاہ کریں گے۔  
 ”جو آگیا مہاراج.....! کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔“

”بے فکر ہو کر کہو.....!“

”میں ایک بالک کا خواہش مند ہوں۔ مہاراج.....! میری کسی رانی کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔“

”ہوں.....!“

مہاراج نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کئی منٹ خاموش رہنے کے بعد بولے۔

”وہ تب ہم تجھے ایک بالک کی خوش خبری سناتے ہیں۔ تیرے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور وہی تیرے بعد تیرے تخت و تاج کا مالک ہوگا۔“

”دھن واد مہاراج.....! آپ نے دل خوش کر دیا۔“

شکر دیال خوشی سے بولے۔ پر مہاراج نے آنکھیں بند کر لیں۔

شکر دیال کافی دیر تک بیٹھا ان سے گفتگو کرتا رہا۔ ان کا آشیر باد لے کر وہ واپس آ گیا۔ وہ اولاد کی خوشخبری سے بہت خوش تھا۔ یہ اطلاع چندر مکھ کو پہنچانا چاہتا تھا۔

مالنی کا حلیہ بدل گیا تھا۔ یوں بھی شاہی محل کی مالن ہونے کی حیثیت سے وہ اچھی طرح رہتی تھی لیکن چندر مکھ کی منہ لگی ہونے کی وجہ سے اب اس کی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ وہ روپ نکالا تھا کہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ ہر وقت سولہ سنگھار کئے رہتی۔ کلیانی کی خاص تربیت نے اسے چالاک بنا دیا تھا اور وہ اپنا کام خوش اسلوبی سے کر رہی تھی۔ کلیانی کو اب اس پر مکمل اعتماد تھا۔ مالنی ہر طرح خود کو اس اعتماد کا اہل ثابت کر چکی تھی۔

پھر دو پہر کو جب مہاراج آرام کر کے واپس چلے جاتے تو وہ کلیان کے پاس پہنچ جاتی اور اسے پورے محل کی رپورٹ دیتی تھی۔ ان دنوں وہ ایک خاص کام پر مامور تھی۔ موسم گنگا جمی تھا۔ مالنی جس وقت آئی، کلیان غسل کر

کے بال خشک کر رہی تھی۔ ایک باندی اس کے بال سکھا رہی تھی۔ مالنی کو دیکھ کر مسکرائی اور پھر اس نے باندی کو چھٹی دے دی۔ باندی چلی گئی تو مالنی نے دروازہ بند کر دیا اور کلیان کے پاس آگئی۔

”کیا بات ہے مالنی.....! آج تیری آنکھوں کے کنول مرجھائے مرجھائے سے ہیں۔“

کلیانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں.....! چھوٹی رانی.....! بس من کو شانتی نہیں ہے۔“

مالنی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”کیا بات ہے.....؟ اپنی سکھی سے چھپائے گی.....؟“

”چھوٹی رانی سے تو جیون کی کوئی بات نہیں چھپاتی۔“

”تو پھر بتا کیا بات ہے.....؟“

کلیانی نے اسے پیار سے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

”میرا گھر والا رانی.....! چھوٹی رانی.....! اب مجھے اس کی شکل اچھی

نہ لگے ہے۔“

مالنی نے کہا۔

”اوہ.....!“

کلیانی نے معنی خیز سانس لے کر کہا۔ پھر ایک ادا سے ناک سکوڑتے

ہوئے بولی۔

”ہاں.....! ملتی.....! یہ تو ٹھیک کہتی ہے۔ تو پھر گھر والا بدل لے

تا.....!“

”کیسے بدل لوں.....؟ یہ کیسے ممکن ہے.....؟“

”سب کچھ ممکن ہے۔ مالنی.....! تو بتا کون تیرے من کو بھائے

ہے.....؟ ہم بندوبست کر دیں گے کہ وہ تجھے مل جائے.....!“  
 کلیانی نے مسکراتے ہوئے کہا اور مالنی اسے دیکھنے لگی۔ کئی منٹ  
 تنکے کے بعد بولی۔

”چھوٹی رانی.....! تم مہان ہو..... اور میں تمہاری ادنیٰ کنیر.....! تم  
 نے مجھے اپنی سکھی بنایا ہے۔ یہ میرے بھاگ ہیں۔ سچ کہوں رانی.....! اپنے  
 گھر والے کی آغوش اب مجھے سکون نہیں دیتی۔ اس کی بانہوں میں میرا من  
 اوبھتا ہے۔“

”اری.....! کہہ تو رہی ہوں کسی پر دل آگیا ہے تیرا.....!“

”ہاں.....! چھوٹی رانی.....!“

مالنی نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

”اری.....! کون ہے وہ.....؟“

چندر مکھ اچھل پڑی۔

”چھوٹی رانی شاکر دیں گی۔“

”ہاں ہاں.....! بتا تو سہی.....!“

چندر مکھ بے چینی سے بولی۔

”اس کا نام..... اس کا نام بے راج ہے..... رانی.....! بڑا سندر

ہے۔ وہ ابھی مجھے جانے بھی نہیں ہے۔ پر میں من ہی من میں اس کی پوجا  
 کروں ہوں۔“

”کیا کرتا ہے.....؟ کہاں رہتا ہے.....؟“

کلیانی آہستہ سے بولی۔

”باغ کا نیا مالی ہے چھوٹی رانی.....!“

مالنی نے شرما تے ہوئے کہا۔

”اوہ.....! اس نے تجھے دیکھا ہے.....؟“

”دیکھا ہوگا.....! پر جانے نہیں ہے۔“

”ہوں.....!“

کلیانی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے ذہن کے پردے پر بھی ایک میٹھی سی یاد کھلنے لگی۔ اس کے ذہن کے پردے پر ایک دُکھی چہرہ ابھر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی دو سو گوار آنکھوں نے بسرا کر لیا تھا۔ یہ آنکھیں ست پرکاش کی تھیں۔ کشادہ پیشانی، روشن چہرے والا، سر پرکاش.....! جو اس کے دل کے گہرائیوں میں چھپا ہوا تھا۔ لیکن وہ بے حد سخت عورت تھی۔ اس نے من کے چور کو کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیا ہے۔ یہاں تک کہ مالنی پر بھی نہیں۔ یہ اس کا سب سے گہرا راز تھا اور ابھی وہ ماحول کو اس قدر سازگار نہیں پارہی تھی کہ اس راز کو کسی پر عیاں کر دے۔

رات کی بانہوں میں جب وہ شکر دیال کی آغوش میں ہوتی تو اسے ست پرکاش یاد آ جاتا۔ وہ ست پرکاش جسے وہ چاہتی تھی لیکن جسے اس نے اپنی دل کی گہرائیوں میں دفن کر لیا تھا۔ مالنی اس کی راز دار تھی۔ اب وہ اس کا دیاں بازو بن گئی تھی۔

اپنے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے میں وہ مالنی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتی تھی۔ مالنی کے خیال میں اب کلیانی کا کوئی راز بھی راز نہیں تھا۔ لیکن کلیانی نے ست پرکاش کے راز کو چھپایا تھا۔ اس کا دل کبھی کبھی ست پرکاش سے ملنے کو مچلتا تھا۔ کئی بار اس نے سوچا تھا کہ وہ اس بارے میں بھی مالنی کو اپنا راز دار بنالے۔

لیکن پھر اس نے دل کو تسلی دے لی تھی۔ ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ ابھی کچھ اور وقت کی ضرورت ہے۔ ابھی وہ دشمنوں میں گہری ہوئی ہے۔

پہلے دشمنوں کا صفایا کر لیا جائے۔ پھر دل کی حسرتیں پوری کی جائیں گی۔ اور اب مالنی کی زبانی اس کے دل کا حال سن کر وہ بہت کچھ سوچنے لگی تھی۔ مالنی کی یہ ایک رگ اس کے ہاتھ میں آجائے تو۔ پر مالنی کو اپنا راز بھی بتا سکتی ہے لیکن اس طرح کہ دونوں ایک دوسرے کے راز کے امین ہوں۔ دونوں ایک دوسرے پر پوری طرح عیاں ہوں۔ اور آج مالنی اس سلسلے میں بھی پھنس رہی تھی۔

”تب پھر تو کیا چاہتی ہے.....؟“

کلیانی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں کیا کہوں چھوٹی رانی.....! اگر آپ میری سکھی نہ ہوتیں تو میں

دل کا راز کبھی نہ بتاتی۔ یوں ہی گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔“  
مالنی نے کہا۔

”تو نے اچھا کیا مالنی.....! میرے اوپر دشواش رکھ.....! تیرا راز م

میرے جیون کے ساتھ ہے۔ میں تیرے لئے راستے بھی پیدا کر سکتی ہوں۔

سن.....! اگر تیرے گھر والے کو کہیں اور بھیج دیا جائے تو تیرا راستہ صاف ہو

جائے گا۔ پھر تو آزادی سے اپنے پریمی سے مل سکے گی۔ اس سے دوستی کرنا

تیرا کام ہے۔ تو کہے گی تو میں اسے تیرے پاس بلا دوں گی۔“

”پاؤں دھو دھو کر پیوؤں گی رانی جی.....! میرے دل کی کلی کھلا

دو.....!“

”یہ کون سی بڑی بات ہے مالنی.....؟ بس تو بھروسہ رکھ.....! ہم کل

ہی تیرے گھر والے کو جمن والے محل میں بھیج دیں گے۔ وہاں ہم باغ لگوائیں

گے، ہفتے میں ایک بار اسے تیرے پاس آنے کی اجازت ہوگی اور تو یہیں

ہمارے پاس رہے گی۔“

”میری اچھی رانی.....!“

وہ خوشی سے کلیانی کے پیروں سے لپٹ گئی اور کلیانی مسکرانے لگی۔  
پھر اس نے مالنی کو پکڑ کر بٹھا دیا۔

”محل کا حال سنا مالنی.....! بھان شری اور درجنا کیا کر رہی ہیں.....؟“

”سب ٹھیک ہے چھوٹی رانی.....! بھان شری کی خاص داسی گیتا پر  
میں جال پھینک رہی ہوں۔ مگر گیتا اس کی بہت وفادار ہے۔ اس لئے قابو  
میں نہیں آئے گی۔ البتہ وہاں میرے دو باندیاں کام کر رہی ہیں۔ میں نے  
ان سے بھان شری پر پوری نگاہ رکھنے کو کہا ہے۔“

”بھروسے کی ہیں.....؟“

”پورے بھروسے کی۔ ان کی مجال ہے کہ اس کے خلاف کریں۔ جو  
میں کہوں۔“

”ٹھیک ہے.....! درجنا کا کیا حال ہے.....؟“

”وہاں بھی میری سکھیاں موجود ہیں۔ بھان شری اور درجنا نے  
ملاقات کی تھی۔ پر کوئی خاص بات نہیں ہے۔“

”پوری طرح ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے.....! ذرا سی غفلت  
نقصان پہنچا سکتی ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں چھوٹی رانی.....! آپ کی داسیاں پورے محل میں  
پھیلی ہوئی ہیں اور پل پل کی خبر رکھتی ہیں۔“  
مالنی نے کہا۔

کلیانی مسکرانے لگی اور گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے.....! اور ہاں.....! اپنے پریمی کو ہمیں کب دکھا رہی



ہے.....؟ کیا واقعی وہ اتنا سندر ہے کہ.....“  
 ”راج کمار لگے ہے، چھوٹی رانی.....! بس میری آرزو پوری ہو جائے.....!“

مالی نے کہا۔

”یہ ہمارا وعدہ ہے.....! تو فکر نہ کر.....!“

کلیانی نے کہا اور مالی نے محبت سے اس کی گردن میں ہاتھیں ڈال دیں۔

رات تاریک تھی۔ آسمان پر سرشام سے ہی اپر چھا گیا تھا۔ بھیکے بھیکے موسم نے ہر دل پر جوانی کی اُمتلیں طاری کر دیں تھیں۔ داسیوں نے موسم کے لباس پہنے تھے اور رات گئے تک پائیں باغ میں چہلیں ہوتی رہی تھیں۔ رانیاں بھی باغ میں آئی تھیں اور رات گئے اپنے محلوں میں گئی تھیں۔

سب تڑپ رہی تھیں۔ شکر دیال چندر مکھ کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھے۔ باقی رانیوں کے بیچ خالی تھی۔ چونکہ محل میں رات ہونے پر خاموشی چھا گئی تھی۔ اس لئے سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ درجنا کانٹوں پر لوٹ رہی تھی اور اپنے چھپر کھٹ پر تکیہ سینے میں دبائے پڑی تھی۔ اس کے دل میں آگ سلگ رہی تھی۔ چہرہ لال بھسوکا ہو رہا تھا۔ سر ہانے لگی ہوئی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوائیں، پانی کی نمی میں میں بھگی ہوئی اندر آ رہی تھیں اور درجنا کے گدرائے ہوئے جسم کو چھوتی ہوئی گزر جاتی تھیں۔ دروازے سے دُور کبھی کبھی چوکیدار کے قدموں کی چاپ سنائی دے جاتی تھی۔

یہ تنہائی درجنا کو ڈس رہی تھی۔ اس کے بازو کسی کے جسم میں پیوست ہو جانے کی خواہش کر رہے تھے۔ ایک آدھ بار اس کے خیالات کی رو باہر پہرہ دیتے چوکیدار کے بھدے مگر مضبوط جسم کی طرف گئی۔ اس کے دل نے

چاہا کہ دروازہ کھولے اور اسے اندر بلا لے لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالا۔  
دیوانگی حد سے بڑھی تھی لیکن ابھی عزت کا پاس تھا۔

پھر کھڑکی سے ننھی ننھی بوندوں کی پھوار نے تو غضب ہی ڈھا دیا  
تھا۔ درجنہ اذیت سے تڑپنے لگی اور یہاں تک کہ ذہن میں دو آنکھوں کا تصور  
اُبھرا۔

دوسرخ خوفناک آنکھیں.....! مہاراج یدھ راج سنگھا، عمر کے زیادہ  
ضرور تھے لیکن وہ مسہری سے اٹھ گئی۔

”کافی دن ہو گئے ہیں انہیں آئے ہوئے..... کیا کر رہے ہیں  
وہ.....؟“

چندر مکھ آج بھی عیش کر رہی ہے اور وہ تڑپ رہی ہے۔ مہاراج نہ  
جانے کیا کر رہے ہیں.....؟ کیوں نہ آج ان سے سوال کیا جائے.....؟ اس  
تصور میں کوئی اور بھی شامل تھا اور یہ خیال اس کے سارے وجود پر چھا گیا۔  
یدھ راج مہاراج محل کے دُور دراز حصے میں مندر میں تھے۔ وہاں  
تک اس کالی رات میں جانا سخت خطرناک تھا لیکن ارمانوں کی پیاس نے ہر  
خطرے کو دُور کر دیا تھا۔

وہ مسہری سے اُتر آئی۔ اس نے آئینے میں اپنے لباس کو دیکھا۔  
خوب صورت لباس میں وہ بہت حسین نظر آ رہی تھی۔ یدھ راج سنگھا..... اسے  
اس لباس میں دیکھ کر تڑپ اُٹھیں گے۔ لیکن..... لیکن اس لباس میں اسے  
آسانی سے پہچان بھی لیا جائے گا۔ یہ لباس پہن کر جانا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ  
لباسوں کی الماری کے پاس گئی۔ اس نے ایک معمولی سا لباس نکالا۔ مٹیالے  
رنگ کی دھوتی اس نے منتخب کی اور پھر اپنی خوب صورت ساڑھی اُتار کر دھوتی  
باندھ لی۔ اس کے بعد اس نے بوڑھی عورت کی سی چادر منتخب کی اور اسے

اوڑھ کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ اب اس کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا۔

چنانچہ اطمینان کرنے کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازہ اندر سے مضبوطی سے بند کر لیا۔ اور پھر پلٹ کر کھڑکی کی طرف بڑھی۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر اس نے گردن باہر نکالی اور اس کالی رات اور آسمان سے برستی ہوئی بوندوں کو دیکھا۔ اس رات میں اسے دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ اس نے دھوتی سمیٹی اور کھڑکی سے باہر پاؤں لٹکا دیئے۔

زمین زیادہ نیچے نہیں تھی۔ وہ اطمینان سے کود گئی۔ نیچے رُک کر اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر تاریکی کا سہارا لیتے ہوئے وہ دیوار کے سہارے سہارے آگے بڑھنے لگی۔ بڑا کٹھن راستہ تھا۔ جسے وہ چوروں کی طرح طے کر رہی تھی لیکن اس کی یہ چوری چھپی نہ رہ سکی۔

کلیانی کے چالاک جاسوس رات دن اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ چنانچہ جوں ہی وہ ایک راہ داری سے مڑی، ایک سایہ اس کے پیچھے لگ گیا۔ درجنائے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسے وقت اسے کوئی دیکھ سکتا ہے.....؟ پھر بھی وہ احتیاط سے چل رہی تھی۔ کہیں کہیں اکاؤکا پہرے دار نظر آ جاتے تھے جن سے نگاہ بچا کر نکلنے کے لئے اسے بعض اوقات انتظار بھی کرنا پڑتا تھا۔

مندر کا طویل راستہ کافی مشکل سے طے ہوا۔ درجنائے دل ڈر رہا تھا۔ لیکن جسم میں سلگتی ہوئی آگ نے اس کے ہولتے ہوئے دل کو تقویت دی تھی۔ اور پھر..... نہ جانے کون کون سے جتن کر کے وہ مندر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ دھڑکتے دل سے اس نے مندر کے کواڑوں کو دھکا دیا۔

کواڑ کھلے ہوئے تھے۔ وہ گڑاپ سے اندر داخل ہو گئی۔ دروازے سے لگ کر اس نے گہرے سانس لئے اور پھر آگے بڑھ گئی۔ مندر کے کواڑ

نئے تھے۔ ان کے کھلنے اور بند ہونے سے کوئی آواز نہ ہوئی تھی۔ ورنہ درجنہ سن لیتی کہ اس کے اندر آنے کے بعد دروازہ دوبارہ بھی کھلا ہے اور اس کا متعاقب سایہ بھی اندر گھس آیا ہے۔

اس کی آنکھیں تو مشعلوں کی روشنی میں یدھ راج سنگھا کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس سے قبل اس سے مندر نہیں دیکھا تھا۔ اسے اس کے راستے نہیں معلوم تھے لیکن چھوٹے سے مندر میں اسے مہاراج یدھ راج سنگھا کو تلاش کرنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی تھی۔ مہاراج یدھ راج سنگھا ایک چھپر کھٹ پر محو استراحت تھے۔

اس نے انہیں دیکھا اور آہستہ آہستہ قدموں سے ان کی چھپر کھٹ کے نزدیک پہنچ گئی۔ مہاراج یدھ راج سنگھا کے خوفناک چہرے کو دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ واپس چلی جائے۔ مہاراج یدھ راج سنگھا اس حسین رات کا جواب نہیں بن سکتے تھے۔

”اس وقت تو..... اس وقت تو.....“

لیکن پھر اس کے دل میں آگ سلگ اُٹھی۔ یدھ راج سنگھا اس کے پریمی نہیں۔ وہ اس کے آلہ کار ہیں اور چند رکھ سے انتقام لینے کے لئے ان کا سہارا حاصل کیا ہے۔

چنانچہ اس نے دل کو تسلی دی اور پھر اس نے مہاراج یدھ راج سنگھا کے پاؤں پکڑ لئے۔

”مہاراج.....!“

اس نے لرزتی آواز میں پکارا۔

اور مہاراج اُچھل پڑے۔ انہوں نے سرخ آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھتے رہے اور پھر جلدی سے اُٹھ بیٹھے۔ ان کے موٹے موٹے ہونٹوں پر

ایک بھیا نک مسکراہٹ پھیل گئی۔  
 ”تو آگئی درجنا.....!“

وہ بھاری آواز میں بولے اور انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے  
 چھپر کھٹ پر بٹھا لیا۔

”ہم اپنے صبر کا امتحان لے رہے تھے۔ ہم اندازہ لگا رہے تھے کہ تو  
 کب تک ہمیں یاد نہیں کرتی.....؟“

انہوں نے درجنا کو اپنی آغوش میں سمیٹتے ہوئے کہا۔  
 ”میں تو ہر سانس میں آپ کو یاد کرتی تھی، مہاراج.....! پر میں مجبور  
 تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ شاید آپ مجھے بھول گئے ہیں.....؟“  
 ”ہم تو تیرے لئے اپنا سنسار چھوڑ کر آئے ہیں درجنا.....! ہم تجھے  
 کیسے بھول سکتے تھے.....؟ مگر تو رانی ہے۔ تیرے یہاں آنے میں کون آڑے  
 تھا.....؟“

”حالات مہاراج.....! محل میں میرے بہت سے دشمن ہیں۔“  
 ”ہم تیرے دشمنوں کو ہی نشٹ کرنے یہاں آئے ہیں۔ آج ہم نے  
 پاٹھ کیا تھا۔ ہم نے اپنی طاقت کو آواز دی تھی اور اس سے کہا تھا کہ تیرے  
 من کو بے کل کرے اور ہمارے پاس لے آئے.....!“  
 ”آپ مہان ہیں مہاراج.....! مگر میں آج تک نراش ہوں۔“

”بہت کم سے ہے درجنا.....! تیرے بھاگ جانے والے ہیں۔ ہم  
 تجھ سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہم نے تیر پھینک دیا، شکار بہت جلد ہمارے  
 قدموں میں آگرے گا۔“

”سچ مہاراج.....! سچ کہہ رہے ہیں.....؟“  
 ”ہماری بات پر شک کرنا پاپ ہے سندزی.....! تو نے ہمیں یہاں

بلایا ہے۔ ہم صرف تیرے لئے یہاں آئے ہیں۔ پھر ہم تیرے لئے کام کیوں نہ کرتے.....؟“

”میرے من کو شانت کر دو مہاراج.....! دیکھ باہر کالی رات لہرا رہی ہے۔ بوندیں رم جھم برس رہی ہیں اور میں پیاسی ہوں۔ میں تنہا ہوں۔ مہاراج اور چند رکھ، مہاراج شکر دیال کے بازوؤں میں سو رہی ہے، سکھ کی نیند۔ اس نے میرا سکھ چھین چھین لیا ہے۔ مہاراج.....! میرا چھین مجھے کب واپس ملے گا.....؟“

”بہت جلد.....! بہت جلد چند رکھ کا جادو ماند پڑ جائے گا۔ فکر نہ کر.....! سن.....! شکر دیال یہاں آیا تھا۔ جانتی ہے اس نے مجھے کیا کہا تھا.....؟“

”کیا کہا تھا مہاراج.....؟“

درجنا نے شوق سے پوچھا۔

یہ راج مہاراج اس سے گفتگو کر رہے تھے اور ان کے چوڑے اور کھر درے ہاتھ گردش کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔  
”اسے بالک کی آرزو ہے۔ وہ چاہتا ہے اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو.....!“

”پھر مہاراج.....!“

درجنا نے ایک سسکی لے کر کہا۔

”ہم نے اسے بالک کی خوش خبری سنا دی ہے۔ پر ہم نے اسے یہ نہیں بتایا کہ..... یہ بالک اسے کون سی رانی دے گی.....؟“  
”میں نہیں سمجھی مہاراج.....!“

درجنا کی آواز کنویں سے ابھری۔

”ہم اسے بہت جلد خوش خبری دیں گے اور وہ بالک اسے درجنہ سے ملے گا۔ ہاں درجنہ.....! تیرے بھاگ جاگ جائیں گے۔ بہت جلد شکر دیال تیرے چرنوں میں ہوگا اور چند رکھ کاراج ختم ہو جائے گا۔“

درجنہ چونک پڑی۔ مہاراج کا پروگرام بڑا شاندار تھا۔ اس نے مہاراج کی شکل دیکھی۔ سرخ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

”مگر وہ بالک، مہاراج.....! کیا میرے یہاں پیدا ہوگا.....؟“

”ہاں.....! درجنہ.....! شکر دیال کئی بیویاں رکھ چکا ہے۔ مگر اس کے ہاں اولاد نہیں ہے۔ ہم تجھے بالک دیں گے اور وہ ہمارا بیٹا ہوگا اور شکر دیال اسے اپنی اولاد سمجھے گا۔ کیسی رہے گی درجنہ.....؟“

”میرے بھاگ جاگ جائیں گے مہاراج.....! میں تو سمجھ رہی تھی کہ آپ مجھے بھول گئے.....؟ مگر مجھے یقین ہے کہ اب میرے بھاگ جاگ جائیں گے۔ آپ بڑے ودوان ہیں مہاراج.....!“

وہ یدھ راج سنگھ سے لپٹتے ہوئے بولی۔ اور مہاراج اس کے بھاگ جگانے لگے۔



مالنی آج بہت خوش تھی۔ آج اس کا گھر والا جمنہ والے محل میں چلا گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں تنہا تھی۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ تنہائی سے بری نہیں لگ رہی تھی۔ اسے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی تھی کہ بے راج اس سے واقف ہے۔ وہ اس کی عزت کرتا ہے کیونکہ محل کے تمام خادم اور داسیاں اس کی عزت کرتی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں بے راج سے ملاقات کا تصور کرنے لگی۔

جے راج پھول توڑ رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اس کے پاس پہنچ گئی۔  
 ”مالی.....!“

اس نے آواز دی اور جے راج چونک پڑا۔ اس نے خوب صورت آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور سنبھل گیا۔

”کیا حکم ہے دیوی جی.....؟“

اس نے نگاہیں جھکائے جھکائے کہا۔

”کیا تم مجھے جانتے ہو.....؟“

”ہاں.....! آپ مالنی دیوی ہیں.....!“

”اوہ.....! تم مجھے کیسے جانتے ہو.....؟“

”محل کے سب لوگ آپ کو جانتے ہیں، میرے ایک ساتھی نے مجھے

آپ کے بارے میں بتایا تھا۔“

جے راج بدستور نگاہیں جھکائے ہوئے بولا۔

”کیا تمہاری استری بھی یہیں کام کرتی ہے جے راج.....؟“

اس نے غور سے جے راج کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں دیوی جی.....! میری..... میری استری نہیں ہے۔“

اس نے شرماتے ہوئے کہا۔

”اوہ.....! تو تمہاری شادی نہیں ہوئی ہے.....؟“

”نہیں دیوی جی.....!“

”سنو.....! میرا نام مالنی ہے۔ تم مجھے مالنی کہہ سکتے ہو۔ صرف

مالنی.....! ویسے تم مجھے بہت اچھے معلوم ہوتے ہو۔ میں چھوٹی رانی چندرکھ

سے تمہاری تعریف کروں گی۔ اب وقت تمہارے پاس ایک کام سے آئی

ہوں۔“



”آگیا دیں..... دیوی مالنی جی.....!“

اس نے کہا اور چمکدار آنکھوں سے مالنی کو دیکھا۔ مالنی مسکرا رہی

تھی۔

”چمپا کے جتنے پھول ہوں ان کا الگ گلدستہ بنا لو۔ رانی چندرکھ کو

چمپا کے پھول بہت پسند ہیں۔ یہ گلدستہ رانی چندرکھ کی خواب گاہ میں پہنچا

دو.....!“

”بہت بہتر.....!“

جے راج نے کہا اور وہ واپس چلی آئی۔ اس نے واپس آ کر یہ بات

چندرکھ کو بتائی اور چندرکھ مسکرانے لگی۔

”ٹھیک ہے.....! ہم بھی تو دیکھیں تیرے جے راج کو.....!“

اس نے مالنی کے گل نوچتے ہوئے کہا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد جے راج چمپا کے مہکتے ہوئے پھولوں کا

گلدستہ لے کر محل میں پہنچ گیا۔ مالنی نے اسے اندر بلا لیا اور جے راج نے

پھول ایک خوب صورت گلدان میں سجا دیئے۔ اس نے ایک بار پھر نگاہ اٹھا

کر انہیں دیکھا تھا۔ پھر جب وہ واپس مڑا تو چندرکھ نے اسے آواز دی۔

”جے راج.....!“

”جی چھوٹی رانی.....!“

جیراج کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

”کل سے تم روزانہ چمپا کے پھولوں کا گلدستہ یہاں لایا کرو گے!“

”جو آگیا چھوٹی رانی.....!“

جے راج نے کہا اور پھر کلیانی نے اسے کچھ انعام دیا اور جے راج

اسے پرنام کر کے چلا گیا۔

تب کلیانی نے ماننی کے گال نوچتے ہوئے کہا۔

”ہوں.....! تو یہ ہے تیرا بے راج.....؟ تیری پسند خوب ہے.....!“

”ہمیں پسند آئی.....! بس مزے کر.....! تیرا گھر والا بھی چلا گیا ہے۔“

”ابھی مجھے آپ کی مدد چاہئے، چھوٹی رانی صاحبہ.....!“

ماننی نے شرماتے ہوئے کہا۔

”کیا چاہتی ہے.....؟ بول.....!“

”میں اس سے من کی بات نہیں کہہ سکتی۔ لاج آوے ہے.....!“

”ری.....! تو کیا تیرے من کی بات میں کہوں گی.....؟“

”میری اچھی رانی.....!“

ماننی اس کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولی اور کلیانی مسکرانے لگی۔ پھر

اس نے ماننی کا سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

”اچھا اب بھاگ جا یہاں سے..... مہاراج آتے ہوں گے۔

جا.....! میں تیرا کام کر دوں گی۔“

اور ماننی نے بے خود ہو کر چھوٹی رانی کے ہاتھ چوم لئے۔ پھر وہ

وہاں سے چلی آئی اور اس وقت سے اب تک وہ بے راج کے خیال میں ڈوبی ہوئی تھی۔

آسمان پر شراب چھائی ہوئی تھی۔ ننھی ننھی بوندوں نے ماحول کو نہ

جانے کیا بنا دیا تھا.....؟ ماننی کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ بے راج وہاں

سے بہت دُور تھا۔

ہاں.....! اگر وہ اسی مکان میں رہ رہی ہوتی جس میں پہلے تھی،

تو پھر راج سے زیادہ فاصلہ نہ ہوتا۔ اور اس نے یہ بھی سوچا۔ اس نے فیصلہ کیا

کہ چند رکھ سے کہہ کر دوبارہ وہی مکان حاصل کرے گی جو بے راج کے

مکان سے دُور نہیں ہے۔ وہ جاگتی رہی۔ رات کافی گزر چکی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔

بوندیں اب تیز ہوگئی تھیں اور من کی آرزو بھی بڑی مست کن تھی۔ بارش کا لطف اٹھانے کے لئے اس نے برآمدے میں جانے کا فیصلہ کیا اور اپنا کمرہ کھول کر باہر نکل آئی۔ برآمدے میں کھڑی ہو کر وہ بوندوں میں بھیکتی رہی۔ بوندیں اس کے جسم پر پڑ کر اسے ایک عجیب سا سکون بخش رہی تھیں۔ ابھی اسے یہاں کھڑے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنے مکان کے دروازے پر ایک سایہ دیکھا۔

اور وہ چونک پڑی۔

”جے راج.....!“

اس کے دل سے آواز نکلی۔

لیکن جب یہ سایہ دروازہ کھول کر اندر آیا تو اسے احساس ہوا کہ یہ بھی کوئی عورت تھی۔ مالنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ قدرے آڑ میں ہوگئی تھی۔ تاکہ آنے والی اسے دیکھ نہ سکے اور جب وہ برآمدے میں چڑھ آئی تو مالنی نے اسے پہچانا۔

یہ درجنا کی باندی تھی لیکن آج کل وہ مالنی کی وفادار تھی۔ مالنی نے اسے کافی انعام دیا تھا اور یہ ان دونوں میں سے ایک تھی جو آج کل درجنا پر نگاہ رکھتی تھیں۔

وہ اس کی خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ مالنی اس کے سامنے آگئی۔

”جے نندنی.....!“

اس نے آواز دی اور جے نندنی اُچھل پڑی۔

اس نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور مالنی کے قریب پہنچ گئی۔  
جے نندنی کا سانس چڑھا ہوا تھا اور اس کا نوخیز سینہ پھول چک رہا تھا۔

”کیا بات ہے.....؟ جے نندنی.....! کوئی خاص خبر لائی ہو.....؟“

”بڑی خاص مالنی رانی.....! سنو گی تو اچھل پڑو گی۔“

جے نندنی نے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے ری.....؟ اندر آ جا.....!“

مالنی نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور پھر وہ اسے اپنی خواب گاہ  
میں لے آئی۔ جے نندنی کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کا لباس بھی  
بھیگا ہوا تھا۔

”کہاں سے آرہی ہے، جے نندنی.....؟“

مالنی نے اسے سامنے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

یدھ راج مہاراج کے مندر سے.....!“

”ارے.....! وہاں کیوں گئی تھی.....؟“

”درجنا کا پیچھا کرتی ہوئی.....!“

جے نندنی نے جواب دیا اور مالنی سنسنی خیز نگاہوں سے اسے گھورنے

لگی۔

”پوری بات بتاری.....!“

اس نے بے چینی سے کہا۔

”بس.....! اتفاق ہی تھا۔ مالنی رانی.....! میں اپنے گھر کی کھڑکی

میں کھڑی بوندوں کو دیکھ رہی تھی کہ میری نگاہ رانی درجنا کے محل کی طرف اٹھ

گئی۔ محل کی پچھلی کھڑکی سے کوئی اتر رہا تھا۔ اس نے خراب سی دھوئی باندھی

ہوئی تھی اور چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ رانی درجنا

ہے لیکن بعد میں میں نے اسے پہچان لیا۔

رانی پہرے داروں کی نگاہوں سے بچتی ہوئی مندر جا رہی تھی، اور مالنی رانی.....! وہ مندر پہنچ گئی۔ میرا شریر کانپ رہا تھا..... اب تک.....“

”سادھو مہاراج تو بڑے پاپی ہیں۔ رانی جی کا ان سے پہلے سے تعلق ہے اور وہ رانی جی کے کہنے پر ہی یہاں آئے ہیں۔“

جے نندنی نے شرماتے ہوئے درجن اور یدھ راج سنگھ کی گفتگو اور اس کے بعد کا شرم ناک کھیل پوری تفصیل سے مالنی کو سنایا۔

مالنی کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ پوری کہانی سننے کے بعد وہ کئی منٹ تک کچھ بول نہ سکی۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔

”تیرے بھاگ جاگ اٹھے جے نندنی.....! بس یوں سمجھ لے تیرے بھاگ جاگ گئے.....! میں پوری ایمانداری سے تیری کٹھارانی چندر مکھ کو سناؤں گی اور وہ مجھے انعامات سے لاد دیں گی۔ مگر خبردار.....! کسی اور کے کانوں تک یہ بات نہ پہنچے ورنہ تو بے موت ماری جائے گی۔“

”میں رانی چندر مکھ کی دہی ہوں۔ جیسا تم کہو گی ویسا ہی کروں گی۔

مالنی رانی تم فکر من کرو.....!“

جے نندنی نے کہا۔

”ٹھیک ہے.....! یہ انعام میری طرف سے رکھ۔ رانی جی تجھے جو کچھ انعام دیں گی وہ اس سے کہیں زیادہ ہوگا۔“

مالی نے مٹھی بھر اشرفیاں جے نندنی کو دیتے ہوئے کہا اور جے نندنی نے جمبولی پھیلا دی۔ پھر اس نے سینکڑوں دُعائیں مالنی کو دیں اور اس سے اجازت لے کر واپس چلی گئی۔

مالنی اب جے راج کو بھول گئی تھی۔ اس کے دل میں ہلچل ہو رہی

تھی۔ وہ جلد از جلد یہ راز چند رکھ کو بتانے کے لئے بے چین تھی لیکن بہر حال صبح سے پہلے یہ ناممکن تھا۔

چندر رکھ نے بڑے سکون سے یہ داستان سنی۔ اس کی آنکھوں میں تیز چمک تھی اور اس کا حسین چہرہ کچھ اور حسین ہو گیا تھا۔ مالنی کے خاموش ہونے کے بعد کلیانی کافی دیر تک خاموشی سے کچھ سوچتی رہی پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”جے نندی نے سچ مچ ہمارے لئے بہت بڑا کام کیا ہے۔ بے شک وہ انعام کے لائق ہے۔ ہماری طرف سے جو انعام بھی تو پسند کرے، اسے دے دے مالنی.....! اسے ہمارے پاس لانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے کہہ دو کہ وہ روزانہ رات کو درجن کا خیال رکھے اور پوری طرح معلوم کرے کہ کیا وہ روز رات کو مندر جاتی ہے یا کبھی کبھی.....؟ یا مخصوص دن.....؟“

”میں اسے ہدایت کر دوں گی راج رانی.....!“

مالنی نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے یدھ راج سنگھا کافی چالاک ہیں.....؟ مگر درجن نے انہیں کہاں سے تلاش کیا ہے.....؟ خیر وہ زیادہ عرصے تک چھپے نہ رہ سکیں گے، میں انہیں ایسا سبق دوں گی کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔“

چندر رکھ ایک پڑاسرار مسکراہٹ سے بولی۔

”مہاراج شکر دیال پر اس سادھو کا جادو ہے رانی جی.....! ذرا سوچ سمجھ کر کام کریں.....!“

”تو کلیانی کو نہیں جانتی.....! چتنا نہ کر.....!“

کلیانی نے بڑے اعتماد سے مسکراتے ہوئے مالنی سے کہا اور مالنی گہری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد کلیانی بولی۔

”درجنا کے کروتوت تو معلوم ہو گئے۔ اب بھان شری کا کیا حال ہے.....؟ یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھان شری پر نگاہ رکھنے والی داسیاں ٹھیک سے کام نہیں کر رہی ہیں۔“

”میں انہیں اور ہدایت کر دوں گی رانی جی.....!“

”ہاں مالنی.....! اس کی سخت ضرورت ہے۔ صرف بڑی رانی بے ضرر ہے۔ معلوم کر چکی ہوں لیکن میں اس کی طرف سے بھی ہوشیار ہوں۔ میرے کچھ اور لوگ بھی کام کر رہے ہیں۔“

”بڑی رانی بہت سیدھی ہے۔ پھر عمر کے لحاظ سے اس کو شکر دیال کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے وہ بے ضرر ہے۔“

”ہوں.....!“

کلیانی نے پڑ خیال انداز میں کہا اور پھر ایک طویل خاموشی طاری ہو گئی۔ کلیانی کا سازشی ذہن اس واقعے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بہترین کلیو ہاتھ آیا تھا۔

”درجنا.....! تو..... سمجھ..... یوں گئی۔“

لیکن یدھ راج سنگھا کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اس لئے ان سے بچنے کے لئے کچھ کرنا ضروری تھا۔ یدھ راج سنگھا نے جو پروگرام بنایا تھا وہ درحقیقت خطرناک تھا۔ کلیانی اس پر ہاتھ ڈالنے سے قبل ان کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

شام تک وہ اسی ادھیڑ بن میں رہی اور پھر اس نے اپنی داسی سے دیال شرما کو بلا بھیجا۔ دیا شرما کو کلیانی نے خود تلاش کیا تھا۔ یہ محل کے پہرے داروں کا انچارج تھا اور اسی کے ساتھیوں نے اس کے اشارے پر مالنی کو الحواء کیا تھا۔ اس کا امتحان لینے کے لئے اس شخص کے بارے میں مالنی تک کو

نہیں معلوم تھا کہ کلیانی سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

دیال شرما آیا اور کلیانی تنہائی میں اس سے باتیں کرتی رہی۔ دیال شرما گردن ہلاتا رہا اور پھر کلیانی کو پورے پورے تعاون کا یقین دلا کر اور اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک قھیلی لے کر چلا گیا۔

حسب معمول شکر دیال راج پاٹ کے کاموں سے فارغ ہو کر چندر مکھ کے پاس پہنچ گئے۔ چندر مکھ نے حسب معمول ان کا استقبال کیا تھا لیکن آج اس کے چہرے پر ہلکی سی پرچھائیاں تھیں جسے شکر دیال نے محسوس کر لیا تھا۔

”کیا بات ہے.....؟ آج ہماری کوئل کچھ خاموش سی ہے.....!“

”کوئی بات نہیں مہاراج.....! بس ایسے ہی.....!“

”چھپاؤ گی رانی.....!“

شکر دیال نے محبت سے اس کی ٹھوڑی اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”آپ سے کیا چھپاؤں گی مہاراج.....؟ بس ایسے ہی ایک سپنا

دیکھا ہے۔“

”کیا سپنا تھا.....؟“

”آپ پریشان ہو جائیں گے۔“

”تم بھی تو پریشان ہو اور تمہاری پریشانی میرے لئے سب سے بڑی

پریشانی ہے۔“

شکر دیال نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”میں نے دیکھا مہاراج.....! میں اور آپ ایک ہرے بھرے باغ

میں ایک جھولنے میں بیٹھے ہیں۔ ہوا چل رہی ہے۔ بوندیں برس رہی ہیں۔

ہم دونوں بہت خوش ہیں۔ ہمیں گھاس پر ایک خوب صورت بچہ نظر آتا ہے۔



ہم اسے کلیجے میں بھر لیتے ہیں لیکن اچانک بچے کی شکل بدلنا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ ایک دم بہت بڑا ہو جاتا ہے اور ہماری گود سے نکل پڑتا ہے۔ تب میں نے دیکھا کہ وہ یدھ راج مہاراج ہیں۔ وہ بری نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے ہیں اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آپ سے دُور دھکیل دیتے ہیں اور رانی درجنا کا ہاتھ پکڑ کر آپ کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ یہ سہنا تھا، مہاراج.....! اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔“

شکر دیال مسکرائے تھے۔ پھر بولے۔

”سنے معدے کی خرابی کا نتیجہ ہوتے ہیں اور پھر تمہارے من میں رانوں کا خیال بھی ہے۔ سب کچھ ذہن سے نکال دو.....! میں صرف تمہارا ہوں.....!“

”مجھے دشواش ہے مہاراج.....!“

کلیانی نے شکر دیال کے سینے پر سر رکھتے ہوئے کہا اور انہوں نے اس کی آنکھوں کو چوم لیا۔

☆☆☆

”جے راج.....!“

مالنی نے اسے آواز دی اور وہ چونک پڑا۔ اس نے پلٹ کر مالنی کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں ستارے چمک اُٹھے تھے۔

”کیا کر رہے ہو جے راج.....؟“

”پھول توڑ رہا ہوں مالنی رانی.....!“

”پھر رانی.....؟ میں کہہ چکی ہوں۔ مجھے مالنی کہا کرو.....!“

”آپ..... آپ ناراض تو نہ ہوں گی۔“

جے راج نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”کس بات پر.....؟“

مالنی نے معصومیت سے کہا۔

”میرے من میں بہت سے سوالات چل رہے ہیں۔“

جے راج نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”تو پوچھو جے راج.....!“

مالنی ناز سے بولی۔

”مالنی رانی.....! کئی بار میرے من نے چاہا کہ میں چمپا کے پھولوں

کا ایک گلدستہ آپ کے گھر میں بھی سجا دوں.....!“

جے راج نے کہا۔

”جاؤ جاؤ.....! بس رہنے دو.....!“

مالنی نے منہ پھلائے ہوئے کہا۔

”کبھی اتنا بھی نہ ہوا کہ ایک پھول ہی میرے بالوں میں سجا دو!“

”مالنی رانی.....! مالنی رانی.....! میں یہ ہمت کیسے کر سکتا ہوں.....؟“

میں دھرتی ہوں اور آپ آکاش..... میں، میں یہ کیسے کر سکتا ہوں مالنی رانی؟“

جے راج کی آنکھوں میں مسرت اُٹھ آئی۔

”تو اب لگا دو ناں.....!“

مالنی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا اور جے راج کے ہاتھ

کا پنے لگے۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چمپا کے چند پھول اکٹھے کئے

اور پھر اس کے ہاتھ آگے بڑھے۔ مالنی نے اپنا سر جھکا لیا اور جے راج نے

پھول مالنی کے بالوں میں سجا دیئے۔

وہ اس طرح خوش نظر آ رہا تھا جیسے اسے دُنیا جہاں کی دولت مل گئی

مالنی مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اسی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”جے راج.....! تم صرف مالی ہو یا کچھ اور بھی ہو.....؟“

”میں نہیں سمجھا مالنی.....!“

”آدمی بھی ہو.....؟“

”آپ جو سمجھ لیں، آپ کا داس ہوں.....!“

جے راج نے کہا۔

”داس تم ہو گے رانی چندر رکھ کے۔ رات کو میرے لئے گلدستہ بنا کر۔ میں انتظار کروں گی۔“

مالنی نے کہا اور پھر تیزی سے پلٹ کر واپس چل دی۔

جے راج دل پکڑ کر رہ گیا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا

قسمت اس طرح اس پر مہربان ہوگی۔ بذات خود وہ ایک نیک نوجوان تھا۔

شرمانند جی کے گاؤں کا تھا، لاوارث تھا۔ شرممانند نے اسے نوکر رکھ لیا تھا۔

وقت شرممانند جی کے ٹکڑوں پر پل رہا تھا۔ پر شرممانند جی نے اسے اپنا آلہ

ر بنا لیا جو کچھ اس سے کہا گیا تھا، کر رہا تھا۔ چندر رکھ کے خلاف جو کچھ

نے کو کہا گیا تھا، کر رہا تھا۔

اس سے اس کی جان نکلتی تھی لیکن بعد میں شرممانند جی نے اسے سمجھا

تھا کہ اس کا اصل کام کیا ہے.....؟ اور اصل کام ایسا نہیں تھا جسے وہ نہیں کر

سکتا۔ ارمان اس کے دل میں بھی تھے لیکن..... لیکن اسے اپنی حیثیت معلوم

کی صورت شکل کا واقعہ اچھا تھا لیکن غریب کی ہر چیز ناقابل توجہ ہوتی ہے۔

لئے اس کی صورت پر کسی نے بھی ابھی توجہ نہیں دی تھی اور اب زندگی

پہلی بار اسے توجہ مل گئی تھی۔ وہ بھی بہت بڑی جگہ سے۔

اس کے دل میں خوشیاں سم گئیں۔ مالنی اس کے خیالوں میں سوار ہو گئی تھی۔ وہ مسرت میں ڈوبا پھول توڑتا رہا۔ چمپا کے پھولوں کا گلدستہ اس نے رانی چندرکھ کے لئے بنایا اور پھر اس گلدستے کو سجانے کے بعد وہ دوبارہ باغ میں واپس آ گیا۔ اس نے دل کی تمام انگلیوں کو جمع کر کے ایک حسین ترین گلدستہ بنایا اور بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگا۔

اور پھر جب رات بھیک گئی تو دل میں آرزوؤں کے گلشن سجائے۔ وہ مالنی کی ڈیوڑھی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے دل میں سینکڑوں دوسوے جنم لے رہے تھے۔

”نہ جانے مالنی نے کس دل سے کہا.....؟ ممکن ہے وہ بھول گئی ہو۔ سو گئی ہو۔ کہیں اس کے پہنچ جانے سے وہ ناراض نہ ہو جائے.....؟“

انہیں دوسووں میں گھرا ہوا وہ مالنی کے مکان پر پہنچ گیا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے میں قدم رکھا۔ آگے بڑھا، برآمدے میں پہنچا اور پھر کسی نے عقب سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ وہ گھبرا کر پلٹا اور اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

مالنی ایک حسین ساڑھی باندھے مانگ میں موتی سجائے اس کی منتظر تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں کاجل کے ڈورے لہرا رہے تھے۔ بالوں میں چمپا کے پھول مہک رہے تھے جو بے راج نے سجائے تھے۔ وہ میٹھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”مالنی.....! رانی!“

اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

”بڑا سندر گلدستہ ہے۔“

مالنی نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے

نوں ہاتھ آگے بڑھے۔ وہ جھکا اور اس نے گلدستہ مالنی کے قدوں میں رکھ دیا۔

”ارے ارے.....! اس کی جگہ قدموں میں نہیں.....! میرے دل میں ہے.....!“

مالنی نے جلدی سے گلدستہ اٹھا لیا اور پھر اس نے اپنے رُخساروں سے لگا لیا اور شرارت بھری نظروں سے راج کو دیکھنے لگی۔

”مالنی دیوی.....! آپ نے مجھے بڑی عزت دے دی ہے۔ میں قابل نہیں ہوں۔“

اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”باتیں بہت بنانا آتی ہیں اور تم میری بات نہیں مانو گے۔ آئندہ رتم نے مجھے مالنی نہیں کہا تو.....“

”مالنی..... میں..... میں.....“

”کیا..... میں..... میں..... کر رہے ہو.....؟ اندر آؤ.....!“

مالنی نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹتی ہوئی اندر لے گئی۔ اندر اس نے ایک تخت پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”مالنی.....! میں سپنا دیکھ رہا ہوں شاید.....؟“

”منہ دھولو.....! آنکھوں کی نیند چلی جائے گی۔“

”نیند تو اب شاید کبھی نہ آئے مالنی.....!“

”کیوں.....؟“

”بس..... اب تو سوتے جاگتے تم ہی نگاہوں کے سامنے رہو۔“

.....! اب تو..... اب تو ایک غریب مالی کی زندگی برباد ہو گئی ہے۔

.....! نہ جانے میرا انجام کیا ہو.....؟“

”دل دکھانے والی باتیں مت کرو، جے راج.....! اگر تم مجھے قبول کر لو تو میں جیون بھر کے لئے تمہاری ہو جاؤں گی۔“

مالنی آگے بڑھ آئی۔ اس نے اپنا سر جے راج کے چوڑے سینے پر رکھ دیا۔ جے راج کے ہاتھ اس کی کمر کی طرف بڑھ گئے۔

”مالنی.....! مالنی.....! نہ جانے میں نے کون سا ایسا اچھا کام کیا تھا جس کا پھل مجھے مل رہا ہے.....؟ مالنی.....! میرے قدم آکاش پر پڑ گئے ہیں۔ اب دھرتی کی طرف دیکھنے کو دل نہیں چاہتا.....!“

”تو تمہیں دھرتی کی طرف دیکھنے کو کون کہتا ہے.....؟“

مالنی نے اٹھلاتے ہوئے کہا اور جے راج کے بال بگاڑ دیئے۔

جے راج کے جلتے ہوئے ہونٹ اس کے ہونٹوں کی طرف بڑھے اور مالنی کھلکھلاتی ہوئی الگ ہو کر مسہری پر لیٹ گئی اور جے راج کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

”جے راج.....!“

مالنی نے اسے آواز دی۔

”یہ پھول میری مانگ میں سجا دو.....!“

اس نے مخمور آواز میں کہا۔

اور پھر گلدستہ لئے آگے بڑھ آیا اور پھر جوں ہی وہ مالنی کے بالوں میں پھول لگانے کے لئے جھکا تو مالنی شرارت سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

جے راج کے چہرے پر مسرت ہی مسرت تھی۔ مالنی بھی خوش تھی۔

جے راج اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”کس کام سے آیا تھا مالنی.....؟ اور کیا ہو گیا.....؟ نہ جانے اب میرا جیون کیسے سوارت ہوگا.....؟“

”کس کام کے لئے آئے تھے بے راج.....؟“  
 مالنی نے بھی اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”کیا بتاؤں مالنی.....؟ بس تمہارے لئے آیا تھا۔ بھگوان، شرمنا  
 جی کو سکھی رکھے.....!“

”اوہ.....! شرمنا جی نے تمہیں یہاں لگایا ہے.....؟“  
 ”ہاں.....! مالنی.....! بس انہی کالے پالک ہوں، بس یہی سمجھو!“  
 ”اپنے بارے میں بتاؤ بے راج.....! اب ہمارے درمیان دُور  
 کہاں رہی ہے.....؟“  
 مالنی نے کہا۔

اور بے راج پھر چونک پڑا۔ اس نے عجیب سی نظروں سے مالنی کو  
 دیکھا۔ مالنی بھی اسے دیکھ رہی تھی۔  
 ”بات کیا ہے بے راج؟ مجھے بتاؤ! کس کام کے لئے آئے تھے؟“  
 ”کوئی خاص بات نہیں مالنی.....! بس یوں ہی.....!“

”مجھ سے چھپاؤ گے بے راج.....؟ دیکھو میں نے اپنا سب کچھ تم پر  
 لٹا دیا ہے۔ تم اپنے جیون کا راز مجھ سے راز رکھنا چاہتے ہو.....؟“  
 ”تمہاری محبت مل جانے کے بعد اب کسی اور چیز کی ضرورت ہی  
 نہیں رہی ہے مالنی.....! تم سے کیا چھپاؤں گا.....؟ لیکن اس راز میں میرا  
 جیون ہے۔ ورنہ کولہو میں پسوا دیا جاؤں گا۔“

”کون سے راز کی بات کر رہے ہو بے راج.....؟ اور یہ کولہو میں  
 پسوانے والی بات تم نے کیسے کہی.....؟ تم جسے کہو اسے ضرور کولہو میں پسوا دیا  
 جائے گا.....!“

جے راج کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ شرمانند جی کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ ان کی دھمکی بھی یاد تھی۔ چندا کے تو جیون دان کیا جاسکتا تھا۔ اگر اس سے چھپایا تو خفا ہو جائے گی۔

چنانچہ اس نے پوری کہانی چندا کو سنا دی کہ کس طرح بھان شری کو بے وقوف بنانے کے لئے اس کا سہارا لیا ہے۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ مسٹر مانند روزانہ رات کو بھان شری کے پاس ہوتے ہیں۔

چندا دانتوں میں انگلی دبا کر رہ گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بھان شری کی داستان اس طرح علم میں آجائے گی۔ جے راج کا حسن اس کی چاہت بنا تھا لیکن جے راج تو یوں بھی بڑے کام کا ثابت ہوا۔ چنانچہ اس نے جے راج کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

”تم نہیں جانتے جے راج.....! تم نے کتنا بڑا کام کیا ہے.....؟ تم نے چند رکھ کے ایک دشمن کی نشاندہی کی ہے۔ شرمانند کا کردار سمجھ میں نہیں



آسکا لیکن وہ چالاک ہیں۔ انہوں نے ہاتھوں سے گنے کھانا پسند نہیں کیا۔ بہر حال تم چتنا نہ کرو۔ اب تمہارا جیون میرا اپنا جیون ہے۔ کل رات میں تمہارا انتظار کروں گی..... آؤ گے ناں.....؟“

”میں تو یہاں جاتے ہی رات کا انتظار کرنا شروع کر دوں گا۔ اب تمہارے بنا چین کہاں.....؟“

صبح کا آخری ستارہ آسمان پر جگمگا رہا تھا۔

چندا کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ ایک انوکھا راز بھی اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ چندر مکھ کی دشمن نمبر 2 بھی اس کے سامنے ننگی ہو گئی تھی اور مالنی خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ وہ بے چینی سے صبح کا انتظار کرنے لگی۔

چندر مکھ بے چینی سے مالنی کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے مالنی سے بہت مشورے کرنے تھے۔ رات کو شکر دیال نے کہا تھا کہ کل شام یدھ راج سنگھا نے تمام رانیوں کو بلایا ہے۔ وہ مندر میں پوجا پاٹ کرائیں گے اور رانیوں کو آشیر باد دیں گے۔

چندر مکھ بھی ان رانیوں میں شریک ہوگی۔ چندر مکھ جانتی تھی کہ مہاراج کا اس طرح بلانا خالی از علت نہیں ہے۔ ضرور کوئی خاص معاملہ ہے۔ چنانچہ وہ اپنے اقدام کا فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔

چندا یا مالنی جو بھی کہو جب اس کے پاس پہنچی تو اس کے رنگ ہی نرالے تھے۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ آنکھوں میں رات کا خمار جاگ رہا تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ چندر مکھ نے اسے دیکھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”کیا بات ہے.....؟ مالنی آج دیر کیسے ہو گئی.....؟“

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بس دیر ہوگئی چھوٹی رانی جی.....!“

چند انے شرماتے ہوئے کہا۔

”اری.....! اری کیا پالا مار دیا.....؟“

چندر مکھ نے اس کی پیٹھ پر دھول مارتے ہوئے پوچھا اور چند انے گردن ہلا دی۔

”اری کب.....؟ کس طرح.....؟“

چندر مکھ اشتیاق سے بولی اور مالنی نے شرماتے ہوئے پوری داستان اسے سنا دی۔ چندر مکھ مسکراتے ہوئے گردن ہلا رہی تھی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں ست پرکاش کی شکل گھوم گئی لیکن اس نے اپنے چہرے پر کوئی تاثر پیدا ہونے نہیں دیا تھا۔

”بس تو پھر تیری قسمت کھل گئی۔ اب مجھے کس بات کی چٹنا ہے لیکن بے راج کے چکر میں پھنس کر ہمیں نہ بھول جانا.....!“

چندر مکھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”آپ..... آپ تو میرا جیون داتا ہیں۔ رانی جی.....! آپ نے اتنا کرم کیا ہے میرے اوپر.....!“

”بس.....! بس باتیں نہ بنا.....! تو میری سکھی ہے۔“

”اس کے علاوہ بھی بے راج بڑے کام کا آدمی ہے، چھوٹی رانی.....!“

چند مالنی نے سنجیدگی سے کہا۔

”وہ کیسے.....!“

”اس نے ایک گہرے راز کا انکشاف کیا ہے۔“

”وہ کیا.....؟“

پورنما نے چندا کی سنجیدگی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا اور چندا مالنی نے جے راج کے راز کا انکشاف کر دیا۔

چندر مکھ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ مالنی کے خاموش ہونے کے بعد وہ کئی منٹ تک اس کی شکل دیکھتی رہی۔

”کیا یہ سب سچ ہے مالنی.....؟“

اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

”حرف بہ حرف سچ.....!“

مالنی نے کہا۔

”بڑی عجیب بات سنائی ہے تو نے شرمانند جی.....! وہ بوڑھا بہت چالاک ہے۔ اس نے ایک ایسی بات کہی تھی جو میرا ایمان تھی۔ مگر میں نے اس وقت اسے معاف کر دیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ ابھی حالات میرے قبضے میں نہیں ہیں۔ ہاں میں نے سوچ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن شرمانند جی کو اس اہمان کا مزہ ضرور چکھا کر رہوں گی۔“

”کیا بات تھی چھوٹی رانی.....؟“

اس نے کہا تھا۔ اس رات جب وہ مجھے ایک ویشیا کی طرح لے کر راج محل جا رہا تھا کہ اگر مہاراج شکر دیال کی مجھ پر نظر نہ پڑی ہوتی تو وہ مجھے اپنی آغوش کی زینت بنا لیتا۔“

”رام.....! رام.....! اس کی یہ مجال.....؟ اگر مہاراج یہ بات سن

لیں تو.....؟“

”میں نے اس کی بات گرہ میں باندھ لی تھی۔ پھر اب سے آگیا ہی

کہ اسے اس خیال کا مزہ چھکاؤں تو تو میری توقع سے کہیں زیادہ کام کی ثابت ہوئی مالنی.....! بڑا بھاری راز بتایا ہے تو نے..... جے راج سے کہہ دینا

کہ اس راز کا کسی اور پر انکشاف نہ کرے ورنہ کھیل بگڑ جائے گا اور وہ بے موت مارا جائے گا۔ چنڈا!..... میری سکھی!..... راستے کی مشکلات خود بخود دور ہوتی جا رہی ہیں۔ تو نے بڑا احسان کیا ہے میرے اوپر!.....“

”داسی کا جیون حاضر ہے۔ جب چاہو لے لو چھوٹی رانی!..... یہ کون سا بڑا کام ہے.....؟“

”ہمیں تیری دوستی پر ناز ہے چنڈا مالنی!..... بس اب کام بن گیا۔ ہمیں بہت چالاکی سے کام لینا ہوگا۔ ہاں!..... آج مہاراج نے آگیا دی ہے کہ تمام رانیاں راج مندر میں پوجا کے لئے اکٹھا ہوں گی۔ شام کو پانچ بجے میرا خیال ہے۔ چالاک سادھو کوئی ٹانک کھیلنے والا ہے۔“

”اوہ!..... پھر آپ نے کیا کیا چھوٹی رانی!.....؟“

”کچھ نہیں مالنی!..... تجھ سے مشورہ بھی کرنا تھا۔ مندر تو جانا ہی ہوگا۔ مگر سادھو کے منتر کا توڑ ضرور تلاش کرنا پڑے گا۔“

چندر مکھ پر خیال انداز میں بولی۔

چنڈا گردن ہونے لگی۔ چندر مکھ خاموشی سے کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

”ٹھیک ہے!..... چنڈا!..... پہلا وار یدھ راج سنگھا کو کرنے دو!..... میں اس کی قوت آزماؤں گی اور پھر اس پر جوابی حملہ کروں گی۔ دیکھتے ہیں کون کامیاب ہوتا ہے!.....؟“

چندر مکھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور چنڈا مالنی اس نازک سی البیلی لڑکی کو دیکھنے لگی۔ جو پہلے ستاروں کی طرح حسین اور کلیوں کی طرح نازک تھی لیکن جسم کے انگ انگ سے زہر قاتل چھلک رہا تھا۔ چنڈا اپنے جسم میں جھر جھری محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔

”تمام مہارانیوں کو ایک ساتھ مندر جانا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تھیں صرف مہاراج رانیوں کے ساتھ پوجا میں شریک ہونے جا رہے تھے۔

وقت مقررہ پر مہاراج شکر دیال اپنی چاروں رانیوں کو جھرمٹ میں مندر کی طرف چل پڑے۔ ہر رانی نے اپسرا بننے کی کوشش کی تھی یہاں تک کہ آج بڑی رانی سنیتا کے دل میں بھی اُمنگ تھی اور پھر وہ زرق برق لباس پہنے سولہ سنگھار کئے موجود تھیں۔

لیکن چندر مکھ کے سامنے اس سچ دھک سے آگے وہ شرمندہ ہی ہوئی تھی۔ پورنما کو یہ احساس تھا کہ آج رانیوں کا مقابلہ حسن ہے۔ چنانچہ اس مقابلہ حسن کی تیاریاں اس نے بھی کی تھیں۔ چندا اس کی شیر تھی اور جب وہ مقابلہ حسن میں شریک ہوئی تو جگمگاتی ہوئی رانیاں خود ہی شرمندہ ہو گئیں۔ وہ فود کو کوہ نور کے مقابلے میں بے حقیقت اور بدرنگ پتھر محسوس کرنے لگی تھیں۔ سب کے چہرے بجھ گئے۔

مندر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھیں کہ بے کش چندر مکھ کے سامنے ان کے چراغ نہیں جل سکتے۔

وہ اس کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں۔ صرف درجنہ کے دل کی امید کے کچھ جگنو چمک رہے تھے وہ یہ کہ جب یدھ راج سنگھا بتائیں گے کہ ملاد درجنہ کے ہاں ہوگی تو ممکن ہے۔ مہاراج کے دل میں اس کے لئے بہت جاگ اُٹھے۔

خود شکر دیال چندر مکھ کا حسن دیکھ کم مبہوت ہو گئے تھے۔ کئی سیکنڈ وہ لوگوں کی طرح اسے دیکھتے رہے تھے اور چندر مکھ نے ان کی تیز نگاہوں کو لہ کر ایک ادا سے شرما کر سر جھکا لیا تھا۔ تب شکر دیال کی آنکھوں میں فخر و

غور کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور اب وہ بڑی شان سے اڑ کر چل رہے تھے۔

یہ گوہر نایاب ان کے خزانے میں تھا۔ اس موتی کی چمک ان کے لئے تھی صرف ان کے لئے۔ وہ ان کی دسترس سے دور نہیں تھا۔

دانیوں کا غول مندر کے دروازے پر موجود تھا۔ ساتھ چلنے والیاں پھولوں کی پتیاں قدموں میں بکھیر رہی تھیں۔ پوجا کا سامان اور پرساد کے تھال مندر کے اندر پہنچا دیئے گئے اور پھر داسیاں باہر نکل آئیں اور مہاراج اپنی چاروں رانیوں کے ساتھ مندر میں داخل ہو گئے۔

مندر کے دروازے بند ہو گئے۔ رانیاں مجسموں کے سامنے دست بستہ ہو گئیں اور مہاراج نے ایک طرف لگا ہوا گھنٹہ کھینچا۔ پھر اس کے قریب رکھا ہوا سکھ بجایا اور رانیاں تھالوں میں رکھے ہوئے چراغ روشن کرنے لگیں۔ تب مہاراج یدھ راج سنگھا اپنی رہائش گاہ سے نکلے۔ آج ان کی شان بھی زالی تھی۔ گیر والباس بلند و بالا قد، سرخ خوفناک آنکھیں جٹاؤں کی طرح بکھرے بال سخت ہیبت ناک اور بھیانک چہرہ جو اس وقت اور بھیانک ہو گیا تھا، وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے شکر دیال کے پاس آ گئے۔

تمام رانیوں نے ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگا لئے تھے۔ مہاراج نے ہاتھ بلند کیا اور پھر بت کی گود میں رکھا ہوا ایک چندن تھال اٹھالیا۔ پیالی میں رکھے ہوئے چندن میں انہوں نے اپنا انگوٹھا ڈبویا اور پہلے شکر دیال کے ماتھے پر چندن کا ٹیکا لگایا اور پھر رانیوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ابھی تک انہوں نے آنکھ اٹھا کر رانیوں کو نہیں دیکھا تھا۔ سب سے پہلے سنیتا ان کے سامنے پڑی اور انہوں نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے چندن تلک اس کی پیشانی پر لگا دیا۔ دوسرا نمبر بھان شری کا تھا۔ اس کا ٹیکہ لگا کر

مہاراج نے اسے آشیر باد دی اور تیسرے نمبر پر چندر مکھ تھی۔ مہاراج نے چندن میں انگوٹھا ڈوبا اور اٹھا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

تب یدھ راج سنگھا کے پورے جسم میں ایک تھر تھری سی نمودار ہوئی۔ انہوں نے پورنما کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں اور پھر آہستہ آہستہ ان کا ہاتھ آگے بڑھا اور چندر مکھ کی پیشانی پر بھی چندن تلک جگمگا اٹھا لیکن اب مہاراج کے حواس بحال نہ تھے۔ ان کی نگاہیں اب بھی چندر مکھ کے چہرے پر جمی ہوئی تھی تو دوسری طرف چندر مکھ کی چمکداری آنکھیں بھی مہاراج کی آنکھوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ انہیں دیکھ رہی تھیں۔ حالانکہ یہ راج سنگھا کی سرخ آنکھوں میں ایک پل بھی نہیں دیکھا جاسکتا تھا لیکن چندر مکھ بے باکی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ایک پراسرار روشنی پھوٹ رہی تھی۔

پوجا ہوتی رہی لیکن مہاراج کے دل کی حالت غیر تھی۔ ان کا ذہن کہیں اور تھا۔ چندر مکھ کو دیکھ کر ان کا دل دہل گیا تھا۔ ایسی سندرتا، انہوں نے سپنوں میں بھی نہ دیکھی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر دیوانے ہو گئے تھے۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ وہ اسی کے خلاف کام کرنے آئے ہیں۔ اس معصوم کنول کے خلاف درجنہ جس کے پیروں کی خاک بھی نہ تھی۔

اس پھول کو حاصل نہ کیا تو جیون میں کچھ نہیں کیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا لیکن درجنہ کا کیا ہوگا۔ پوجا کے دوران ان کے ذہن میں ہی خیالات تھے۔ راجہ اور رانیاں پوجا کر رہے تھے۔ اس لئے ان کی توجہ ان کی طرف نہیں تھی۔ تب انہوں نے ایک شیطانی منصوبہ بنالیا۔

چندر مکھ دیال کی نگاہ سے اتر جائے تو درجنہ کی طرح ان کے ہتھے چڑھ سکتی ہے۔ وہ اسے لالچ دیں گے۔ دوسری طرف اگر وہ اس کی پاٹ لیں

تو درجنا سے گر سکتی ہے۔ درجنا ان کا راز کھول سکتی ہے۔ آخر وہ عورت ہے۔  
چنانچہ ایک تیر سے دو شکار ہوں گے۔ درجنا کا کام بھی بن جائے گا  
اور چند رکھ بھی آغوش میں آ پڑے گی۔

پوجا کے بعد راجہ اور پھر رانیوں کو پرساد دیا گیا اور پھر شکر دیال کا  
ہاتھ پکڑ کر سنگھاسن کی طرف چل پڑے۔

”بھگوان تمہاری پوجا کو سوزیکار کرے شکر دیال.....! رانیوں کو بھی بلا  
لو.....!“

انہوں نے کہا اور پھر چند منٹ بعد راجہ شکر دیال اور تمام رانیاں یدھ  
راج سنگھ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ یدھ راج سنگھ نے ایک چھوٹی سی کتھا  
کہی اور پھر پوجا مکمل ہو گئی۔ ایک بار پھر انہوں نے رانیوں کے سر پر ہاتھ  
رکھ کر آشر باد دی۔ تب شکر دیال نے کہا۔

”مہاراج.....! میری خواہش آپ کو معلوم ہی ہے۔ آج مجھے اس  
کے بارے میں بتائیں.....!“

یدھ راج سنگھ نے سرخ سرخ آنکھیں اٹھائیں اور پھر بھاری آواز  
میں بولے۔

”تیرے اور تین گرہن تھے، شکر دیال.....! جن میں سے ایک ٹل گیا  
ہے۔ بھگوان کی کرپا ہے کہ تیرے اوپر سایہ ہے۔ ہم تجھے بتاتے ہیں کہ  
تیرے دو گرہن بھی ٹل جائیں گے اور پھر تیرا جیون پاک ہوگا تو سکون چین  
کی زندگی بسر کرے گا اور تیری بالک کی آرزو بھی پوری ہوگی۔ پر تو نے ہمیں  
ان رانیوں کے نام نہیں بتائے.....!“

”مہاراج.....! یہ سنیتا ہے، میری بڑی رانی.....! یہ بھان شری ہے،  
یہ درجنا ہے اور یہ چند رکھ ہے۔ میری سب سے چھوٹی رانی، میرا



”جیون.....!“

شکر دیال نے پیار سے چندر مکھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سیتا، بھان شری، درجنا، چندر مکھ.....!“

مہاراج نے باری باری دہرایا۔ کئی منٹ تک آنکھیں بند کئے رہے اور پھر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

”درجنا.....! درجنا.....! درجنا کون سی ہے.....؟“

”جی مہاراج.....! درجنا، سیتا، بھان شری، چندر مکھ.....!“

شکر دیال جلدی سے بولے اور مہاراج کی آنکھیں درجنا کی طرف اٹھ گئیں۔

”ہاں.....! درجنا یہی ہے۔ وہ جو تجھے راج پاٹ کا وارث دے گی۔

اولاد اسی کے بھاگ میں ہے۔ اسی سے تیرے راج کا نام روشن ہوگا۔“

مہاراج نے کہا۔

اور شکر دیال کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ انہوں نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے چندر مکھ کی طرف دیکھا۔ پھر باری باری تینوں دوسری رانیوں کی طرف سیتا اور بھان شری کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ درجنا کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے اور چندر مکھ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی چمک یوں ہی برقرار تھی۔

شکر دیال کو قدر سکون ہوا۔ اس بات کو سن کر چندر مکھ کو دکھ نہیں ہوا لیکن بہر حال شکر دیال کو اس بات سے تکلیف ہوئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ اعزاز بھی چندر مکھ کو حاصل ہو۔ درجنا کی طرف ان کی توجہ بھی نہیں تھی۔ اسے تو وہ بالکل بھول چکے تھے۔ بہر حال حیرت اور تجسس کے یہ لمحات گزر گئے۔ مہاراج مضطرب ہو گئے تھے۔

پھر پوجا ختم ہو گئی اور شکر دیال نے واپسی کی اجازت مانگی۔ یدھ راج سنگھا نے آخری آشر باد دیا اور سب وہاں سے نکل آئے۔ رانیاں اپنی داسیوں کے جھرمٹ میں اپنے اپنے محل کو روانہ ہو گئیں۔ شکر دیال چندر مکھ کے ساتھ اپنے محل میں آگئے۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ چندر مکھ ان کی یہ کیفیت نوٹ کر رہی تھی۔

اپنی خواب گاہ میں جاتے ہی شکر دیال مہاراج نے چندر مکھ سے کہا۔  
 ”یہ کیا کہہ دیا مہاراج نے چندر مکھ.....؟ یہ کیسے ممکن ہے.....؟ میں تمہارے بیٹے کا خواہش مند ہوں۔ میں..... میں.....“  
 وہ پریشان لہجے میں بولے۔

”اس میں پریشانی کی کیا بات ہے مہاراج.....؟ جو حقیقت تھی، یدھ راج سنگھا مہاراج نے بتا دی۔ ہمیں راج کماری کی ضرورت ہے۔ درجنہ آپ کی رانی ہے۔ کوئی غیر نہیں ہے۔ کیا اس بات سے آپ کو ڈکھ ہے کہ میری محبت میں حصہ لگ جائے گا.....؟“  
 ”نہیں چندر مکھ.....! تمہارا پیار مجھ سے کون چھین سکتا ہے.....؟“  
 ”چتنا نہ کریں مہاراج یدھ راج سنگھا مہان ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک ہی کہا ہے۔“  
 چندر مکھ نے اپنی بانہیں محبت سے شکر دیال کی گردن میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”کچھ بھی ہو.....! چندر مکھ.....! میں..... میں.....“

لیکن چندر مکھ نے ان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”ابھی کچھ نہ کہیں مہاراج.....! ابھی کچھ بھی نہ کہیں۔ راج کمار ہمیں کہیں سے بھی ملے، ہماری محبت اپنی جگہ..... آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے

ہیں۔“

”تمہارا من میلا نہیں ہوا.....؟ تمہیں اس بات سے دکھ نہیں

ہوا.....؟“

”کیسی باتیں کرتے ہیں مہاراج.....؟ بھلا مجھے اس بات سے دکھ

ہوگا کہ پھول نواس کو راج کمار مل جائے.....؟ یہ آرزو تو میری بھی ہے

مہاراج.....!“

چندرکھ نے کہا اور مہاراج نے اسے محبت سے گلے لگا لیا۔ چندرکھ

کے ہونٹوں پر وہی پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”ابھی تک کچھ نہیں ہوا شرمند جی.....! آپ کیا کر رہے ہیں.....؟

جے راج کیا کر رہا ہے.....؟ چندرکھ اسی طرح سر بلند ہے اور اب..... اب تو

درجنا کے بھی بھاگ جاگ اٹھے ہیں۔ صرف میں جنم جلی رہ گئی۔ مجھے بتاؤ

شرمانند.....! میں کیا کروں.....؟“

بھان شری شرمند کی آغوش میں سر رکھے رو رہی تھی۔

”چنتا مت کرو میری جان.....! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جو ہوگا

تمہارے حق میں ہوگا۔ میں ایسا جال پھیلاؤں گا کہ تمہارا راستہ صاف ہو

جائے گا۔“

شرمانند جی نے اسے دلا سے دیتے ہوئے کہا۔

”کب جال پھیلائیں گے.....؟ کون سا جال پھیلائیں گے.....؟

مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا۔“

”جے راج.....! ہر کام میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا ہے۔ آج کل

وہ روزانہ رانی کی خواب گاہ میں جاتا ہے۔ بس چند روز کی بات ہے۔ سب

ٹھیک ہو جائے گا۔“

”پر اب تو درجنہ کی قسمت بھی جاگ اُٹھی ہے۔“  
 ”اگر اس سے پہلے تمہاری قسمت جاگ جائے تو.....؟“  
 ”میں نہیں سمجھی.....!“

”یہی تو گر کی بات ہے۔ میں سادھویدھ راج سے بات کروں گا۔ ہم انہیں لالچ دیں گیاور بھان شری، اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ سادھو مہاراج وہ نہیں جو نظر آتے ہیں۔ میں انہیں تیار کر لوں گا کسی بھی طرح، وہ اپنا جاپ بدل دیں گے اور پھر بالک بھان شری کے گھر ہوگا۔ سمجھیں.....! یہ دوسری بات ہے کہ وہ شرمندہ کی اولاد ہو۔ تم فکر مت کرو۔ جب تک شرمندہ تمہارے ساتھ ہے وہی ہوگا جو تم چاہو گی.....!“

”مگر مہاراج تو میرے پاس تو آتے ہی نہیں ہیں۔“  
 ”راج سنگھ سب ٹھیک کر لیں گے.....! تم وشواش رکھو.....!“  
 شرمندہ نے کہا۔

اور پھر بھان شری کو تسلیاں دینے لگے۔ بھان شری کے من میں اندھیروں کے سوا کچھ نہیں تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ شاید شرمندہ جی کچھ نہ کر سکیں۔

”کچھ اور ہی کرنا ہوگا۔ یقیناً کچھ اور ہی کرنا ہوگا۔“

”دیال شرما آپ سے ملنا چاہتا ہے۔“

چھوٹی رانی چندا نے کہا۔

”اوہ.....! اسے بلا لو چندا.....! اور تم باہر انتظار کرو.....!“

چندر مکھ نے سنجیدگی سے کہا اور چند منٹ بعد شرما مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔  
 ”کیا خبر لائے ہو دیال شرما.....!“

چندر مکھ نے پوچھا۔  
 ”ایسی خبر چھوٹی رانی جی.....! کہ آپ تو میرا منہ موتیوں سے بھر دیں

گی۔“

دیال شرما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر جلدی سے سناؤ.....! دیال شرما.....! دیر نہ کرو.....!“

”راج مہاراج، درجنا رانی کی راجدھانی سے بارہ میل دُور ایک

مندر میں رہتے تھے۔ درجنا کے پتا کے پرانے نمک خوار ہیں اور درجنا کے پتا  
 ان کے عقیدت مند ہیں۔ ابھی رانی جب اپنے پتا کے گھر گئی تھیں تو خاص طور  
 سے یہ راج سنگھا سے ملنے ان کے مندر گئی تھیں اور وہاں تین روز تک ان  
 کے ساتھ اکیلی رہیں۔ اس کے بعد واپس چلی آئیں۔“

”یہ خبر تمہیں کہاں سے ملی.....! دیال شرما.....؟“

چندر مکھ نے بے چینی سے پوچھا۔

”آپ کا داس ایسے کاموں کا ماہر ہے۔ وہ شخص داس کے قبضے میں

ہے جو رانی درجنا کو رتھ میں لے کر مندر گیا تھا اور پھر تین روز کے بعد انہیں  
 واپس لایا تھا۔“

”اوہ.....! دیال شرما.....! کام تو تم نے واقعی ایسا کیا ہے کہ تمہارا

منہ موتیوں سے بھر دیا جائے.....! مانگو.....! کیا مانگتے ہو.....؟“

”بس رانی جی کی کرپا رہے اور شرما کو کیا چاہئے.....؟“

دیال شرما نے کہا۔

”تو ہماری بات سن لو دیال شرما.....! ہماری نظر میں ریاست پھول

نواس کا دیوان تم سے زیادہ موزوں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ ہمارا وعدہ ہے کہ

تم ایک دن اس ریاست کے دیوان ہونگے۔“

”چھوٹی رانی کی کرپا سے داس ہمیشہ وفادار رہے گا۔“

دیال شرما نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے.....! تم واپس جاؤ.....! اب ہم یدھ راج سنگھا سے

اچھی طرح نمٹ لیں گے۔“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر موتیوں کا ایک قیمتی ہار گلے

میں اتار کر دیال شرما کے حوالے کر دیا اور اشرفیوں کی کئی تھیلیاں بھی۔ دیال

شرما اظہارِ تشکر کرتا ہوا باہر نکل گی۔

چندر مکھ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ پھر اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”بہت چالاک ہو.....! سادھو مہاراج.....! اب تیار ہو جاؤ.....!“

میں تمہارے مقابلے پر آرہی ہوں۔“

اور پھر اس نے چندا مالنی کو آواز دی۔

دوسرے لمحے مالنی مسکراتے ہوئے اندر پہنچ گئی۔

”یدھ راج سنگھا بہت وردان ہیں۔ چندا اور ایسے وردان کسی محل

میں دعوت نہ کرنا پاپ ہے۔ تم آج ہی مہاراج کو ہماری دعوت کا پیغام دے

دو.....! ہم چاہتے ہیں کہ وہ ایک شام ہمارے محل کو رونق بخشیں.....!“

”کب کے لئے کہہ دوں چھوٹی رانی جی.....؟“

مالنی نے پوچھا۔

”یہ انہی سے معلوم کرنا کہ وہ کب آسکتے ہیں.....؟“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور چندا مالنی عجیب سی نگاہوں سے

اسے دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چندر مکھ طنز کر رہی ہے یا

درحقیقت وہ مہاراج سے متاثر ہوگئی ہے۔

”جاؤ چندا.....! ہم مہاراج کے جواب کے لئے بے چین ہیں۔“

چندر مکھ نے پھر کہا اور چندا گردن جھکائے باہر نکل گئی۔

بھان شری پوری جان سے لرز رہی تھی۔ اتنا فاصلہ طے کر کے وہ مندر آئی تھی۔ اس کے دل میں چور تھا۔ ورنہ مندر آنا کوئی بری بات نہیں تھی۔ وہ تو پوتر جگہ تھی۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے بہت کچھ سوچا تھا۔ اس کے دل میں ویرانے ہی ویرانے تھے۔ وہ جلاپے میں اپنے محبوب کو کھو چکی تھی۔ شرمندہ سے وہ صرف دل کی جلن دور کرنے کے لئے ہی ملتی تھی ورنہ وہ مہندر کپور کو بھولی نہیں تھی۔

مہندر کپور اس کے بچپن کا محبوب تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے کنوار پن کی زندگی گزاری تھی۔ وہ اسے سب سے زیادہ عزیز تھا۔ گو وہ اس کو بحیثیت پتی نہیں مل سکا تھا لیکن اس کی کسر اس وقت پوری ہو گئی تھی جب مہندر کپور محل میں آ گیا تھا اور وہ چوری چھپے ہی سہی لیکن اسے مہندر کپور اپنے محبوب کی آغوش مل جاتی تھی۔

لیکن عورت دنیا کے بڑے بڑے منکروں نے اس کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے لیکن یہ سب کچھ کہہ کر بھی وہ مطمئن نہ ہوئے ہوں گے۔ انہیں احساس ہوا ہوگا کہ ان کی تحقیق نامکمل ہے اور وہ ان کے خیال سے بالاتر ہے اور نہ جانے کیا ہے.....؟ نہ جانے کس وقت وہ سوئی ہوتی ہے.....؟ نہ جانے اسے دنیا میں کون سی شے سب سے زیادہ عزیز ہے.....؟

شکر دیال، بھان شری کے پتی تھے لیکن جب وہ بیاہ کر ان کے محل میں آئی تھی اور اس نے خود کو شکر دیال کی آغوش میں دیا تھا تو اس کے تصور میں مہندر کپور تھا۔ اس نے خود کو اپنے محبوب کے تصور میں محسوس کر کے شکر دیال کی آغوش قبول کر لی تھی اور اس کے بعد بھی یہ ہی کیفیت تھی۔

شکر دیال کو بحیثیت شکر دیال اس نے دل سے کبھی قبول نہیں کیا تھا

لیکن انہی شکر دیال کو چند رکھ کی طرف متوجہ پا کر وہ بے چین ہو گئی تھی۔ اس نے اس جلاپے میں اپنا سب کچھ قربان کر کے رکھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ اپنا محبوب بھی اور اپنے محبوب کی قربانی نے بھی اس کے حواس درست نہیں کئے تھے اور چند رکھ کو شکست دینے کی طلب اور بڑھ گئی تھی۔

تب اس نے خود کو شرمندہ کے حوالے کر دیا۔ ابو الہوس شخص نے اس کی جلن اور حسد سے بھرپور فائدہ حاصل کیا اور اسے بے وقوف بناتا رہا اور بھان شری اس کے جانے کے بعد سے یدھ راج سنگھا کے بارے میں سوچتی رہی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ درحقیقت یدھ راج سنگھا بہت بڑی قوت ہے۔ اگر وہ اس کی مدد پر آمادہ ہو جائیں تو پھر کون ہے جو اس کے مقابلے پر ٹک سکے.....؟ یہ سوچ اس کے دل میں جڑ پکڑتی جا رہی تھی اور بالآخر وہ یدھ راج سنگھا کے پاس چل پڑی۔

اس نے طے کیا کہ ہر قیمت پر یدھ راج سنگھا کو اپنی مدد پر آمادہ کرے گی۔ ان کے چرنوں میں سر رکھ دے گی۔ رو رو کر انہیں اپنی پتا سنائے گی۔ رشی منی آدمی ہیں۔ وہ تو تقدیر بدل سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ مندر پہنچ گئی۔ یہاں تک تو آگئی تھی لیکن یہاں آنے کے بعد سوچ رہی تھی کہ اس کا یہ قدم درست ہے یا نہیں.....؟ بہر حال اس طرح گوگلوں کے عالم میں یہاں کھڑے رہنا بھی بے وقوفی تھی۔ اس لئے وہ لرزتے قدموں سے اندر داخل ہو گئی۔

مندر کے صحن سے گزر کر وہ پوجا کے ہال میں داخل ہو گئی جہاں بڑے بڑے بت نصب تھے۔ اس نے حسرت بھری نگاہوں سے ان بتوں کو دیکھا۔ یہ سب ان کے خیال میں قسمیں بدلنے پر قادر تھے لیکن وہ کیا چاہتی ہے.....؟ کرشن بھگوان کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے سوچا۔



”وہ کیا چاہتی ہے.....؟“

کیا وہ اپنے پری کی کو حاصل کرنا چاہتی ہے.....؟ مگر شکر دیال اس کا پری کی نہیں ہے۔ اس نے خود کو اپنے پری کی کی موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ ہاں.....! مہندر کپور ہی تو اس کا پری کی تھا۔ شکر دیال کو تو اس نے ایک آنکھ پسند نہیں کیا تھا۔ وہ تو بحالت مجبوری انہیں برداشت کرتی رہی تھی۔

”وہ کیا چاہتی تھی.....؟“

اور اس کے دل سے آواز نکلی۔

”صرف چند رکھ کا زوال.....! اس کی موت.....!“

ہاں.....! چند رکھ کا زوال، اس کی ذلت۔ اس کے علاوہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ کرشن بھگوان کی مورتی کے سامنے کھڑی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے اپنی پشت پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ سہم گئی اور پھر اس نے یدھ راج سنگھا کو اپنی پشت پر پایا۔

”رام شکر.....!“

یدھ راج مہاراج کی رعب دار آواز اُبھری اور بھان شری کے بدن میں تھر تھری پیدا ہو گئی۔ تب یدھ راج سنگھا نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا اور ان کی نرم آواز اُبھری۔

”کون ہے تو سندری.....؟“

”میں..... میں بھان شری مہاراج.....! میں بھان شری

مہاراج.....!“

اور یدھ راج سنگھا اسے غور سے دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں چرس کے نشے میں انگارہ کی طرح دہک رہی تھیں۔

”اوہ.....! بھان شری.....! بھان شری رانی.....!“

”میرا من شانت نہیں ہے مہاراج.....!“

بھان شری نے مہاراج کے لباس کا پلو پکڑ لیا۔

مہاراج اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر بہت سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ پھر ان کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ ریگ آئی لیکن ایسی مسکراہٹ جسے کوئی محسوس نہ کر سکا۔ ان کی نگاہوں نے بھان شری کے جسم کا اندازہ کر لیا تھا۔ پھر وہ بھاری آواز میں بولے۔

”سادھوؤں سے کیا چھپا ہے.....؟ بھان شری.....! ہم جانتے ہیں

تیری من کی شانتی کس نے لوٹ لی ہے.....؟“

”آپ مہان ہیں مہاراج.....! آپ مہان ہیں.....!“

”مگر تو فکر نہ کر.....! چند رکھ کا سورج ڈوبنے والا ہے۔ اوش ڈوبنے

والا ہے۔“

”مہاراج.....!“

بھان شری نے شدت جذبات سے یدھ راج سنگھا کا بازو پکڑ لیا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور عقیدت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ یدھ راج سنگھا کی مہان شکتی کی اور قائل ہو گئی تھی۔ یدھ راج سنگھا دلوں کا حال جانتے تھے۔ یہ اس کے بھاگ تھے کہ اس نے ان کے پاس آنے کا فیصلہ کیا۔ تب وہ یدھ راج سنگھا کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ اس نے ان کے دونوں پاؤں پکڑ لئے اور ان سے چمٹ گئی۔

”میرے من کو شانت کر دو مہاراج.....! مجھے شانتی دو.....! میں بھسم

ہو رہی ہوں۔ میں چاروں اور سے نراش ہو گئی ہوں۔ اب تم ہی مجھے سہارا دو

مہاراج.....!“

”ہم تجھے سہارا دیں گے سندری.....! اٹھ ہم پر کچھ پاربتی سے

تیرے لئے پراتھنا کریں گے۔ جکھ منڈل میں برمتی کے سامنے مکتی کا ناچ دکھا۔ مہان برمتی تیری منوکا منا پوری کرے گی۔“

مہاراج نے بھان شری کا بازو پکڑ لیا اور پھر وہ اسے اٹھائے ہوئے اپنی خواب گاہ میں چلے گئے۔ ان کے چہرے پر شیطان ناچ رہا تھا۔ بھان شری جوان تھی، خوب صورت تھی۔ خود چل کر ان کے پاس آئی تھی۔ پھر وہ اسے کس طرح ٹھکرا دیتے حالانکہ جس وقت انہوں نے چندر مکھ کو دیکھا تھا۔ اس وقت سے ان کے دل کی دُنیا اٹھل پٹھل ہو رہی تھی۔ وہ تو چندر مکھ کے منتظر تھے لیکن اس حسین لڑکی کو شاید اپنے حسن کا احساس ہے۔ وہ خود چل کر یہاں نہیں آئے گی۔

خیر کوئی حرج نہیں.....! پھول تو اس کے محل میں بہت تھے، بھان شری بھی کیا بری تھی۔ انہوں نے سیاہ رنگ کے ایک بت پر سے پردہ کھینچ دیا اور پھر انہوں نے بت کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور ان کی آواز اُبھری۔

”مہان برمتی.....! تیری داسی تجھ سے کچھ مانگنے آئی ہے۔ دُنیا نہ دینا تیرے اختیار میں ہے۔ اسے دیکھ، اس کی سن، یہ بڑی آس لگا کر آئی ہے۔“

بوڑھے یدھ راج کی آواز بے حد پُر اسرار تھی۔ بھان شری ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی۔ پھر مہاراج، بھان شری کی طرف مڑے۔

”مہان برمتی سکھ کا دیوتا ہے۔ اس کے چہروں میں مکتی دان ہے۔ اس کے سامنے ناچ اگر تو اس خوش کرنے میں کامیاب ہوگئی تو پھر کون ہے جو تیرے برابر آ سکے.....؟ اسے خوش کر دے بھان شری.....! میرا کام ختم ہو گیا۔ اب تیرا کام شروع ہے۔“

بھان شری نے یدھ راج سنگھا کے الفاظ سنے۔ اس کے دل میں ان کی بڑی عقیدت تھی۔ انہوں نے کچھ سنے بغیر اس کے دل کا راز جان لیا تھا۔ یہ مہان شکتی نہیں تو اور کیا تھا۔ چنانچہ اس نے یدھ راج سنگھا کے یہ الفاظ سنے، اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ یہاں صرف یدھ راج سنگھا تھے۔ ایک مہان پرش اور کون تھا.....؟ وہ تو اس جنگ کو جیتنے کے لئے کیا کچھ نہیں کر چکی تھی.....؟



یدھ راج سنگھا نے گہری نگاہوں سے مالنی کو دیکھا۔ ابھی تک انہوں نے محل کی داسیوں کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ رانیوں میں کھیل رہے تھے تو داسیوں کی کیا حقیقت تھی۔ لیکن چندا کا روپ انہیں پسند آیا تھا۔ یوں بھی چندا مالنی چندا مکھ کی منہ چڑھی ہوئی تھی۔ تب سے اس کا روپ خوب نکھر گیا تھا۔

”کیا بات ہے سندری.....!“

انہوں نے نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔

”میں رانی چندر مکھ کی داسی ہوں۔“

چندا نے جواب دیا۔

”داسی.....!“

یدھ راج سنگھا نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور مالنی نے گردن ہلا

دی۔

یدھ راج سنگھا اسے بری طرح گھور رہے تھے۔ پھر انہوں نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ انیائے ہے.....!“

”کیا مطلب.....؟“

چندا نے چونک کر پوچھا۔ وہ یدھ راج سنگھا سے اس قدر متاثر نہیں تھی۔ جس قدر دوسرے درجنا کا راز اسے معلوم تھا۔ ورنہ شاید وہ بھی مہاراج سے مرعوب ہو جاتی۔

”تیرا روپ رانیوں کا ہے۔ داسی کا نہیں، روپ کی رانی کو رانی ہی ہونا چاہئے۔ ہم تجھے تیرا حق دلائیں گے۔“

”میں دائی ہی بھلی مہاراج.....! رانیوں کی طرح عیش کر رہی ہوں۔“

چندا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اور یدھ راج سنگھا چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ یہ جواب ان کی توقع کے خلاف تھا۔ چنانچہ وہ فوراً سنبھل گئے۔ خاص طور پر اس لئے کہ وہ چندرکھ کی داسی تھی اور اس وقت چندرکھ انہیں زیادہ عزیز تھی۔ وہ کوئی گڑبڑ کر کے کام بگاڑنا نہیں چاہتے تھے۔ بہر حال انہوں نے چندا کو بھی فہرست میں شامل کر لیا۔

”اگر تو خوش ہے تو ٹھیک ہے.....! ہم تو سنسار کو خوشیاں دینے ہی آئے ہیں۔ مگر تو کیسے آئی.....؟“

”چھوٹی رانی کا ایک سندیسہ لائی ہوں۔“

”رانی چندرکھ کا.....!“

”ہاں مہاراج.....!“

چندا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا سندیس ہے۔ اپنے محل میں آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ انہوں

نے کہا ہے کہ اگر مہاراج محل میں بھوجن کریں تو ان کے بڑے بھاگ۔  
 ”چندر مکھ بڑی نیک ہے۔ پر اس کے ماتھے پر نہ جانے کیوں گرہن  
 کا نشان ہے۔ اس سے کہو کہ وہ مندر چلی آئے۔ جب اس کا من چاہے،  
 مندر کے دوار تو ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔“  
 ”رانی جی کی خواہش ہے کہ آپ محل کو اپنے پوتر چرنوں سے اور پوتر  
 کر دیں۔ مہاراج.....! یہاں تو وہ آ ہی سکتی ہیں۔“  
 ”ہوں.....!“

یدھ راج سنگھا کچھ سوچنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔  
 ”ہمیں کب آنا ہے.....؟“  
 ”یہ آپ کی مرضی ہے مہاراج.....! جب آپ کو سمجھو، چھوٹی رانی  
 تنہائی میں آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔“  
 ”تب ان سے کہو دوپہر ٹھیک رہے گی۔ اس وقت شکر دیال مہاراج  
 محل میں نہیں ہوتے۔“  
 ”ٹھیک ہے.....! مہاراج.....! میں چھوٹی رانی کو یہ خوش خبری سنا  
 دوں.....!“

”ہاں.....! کل دوپہر ہم اس کے پاس آئیں گے اور تو ہمارے  
 ساتھ آ.....! ہم تجھے کچھ دینا چاہتے ہیں۔“  
 مہاراج نے چندا مالنی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔  
 ”اس وقت مجھے کچھ نہیں چاہئے مہاراج.....! آپ کی کرپا سے  
 سب کچھ موجود ہے۔ جب ضرورت ہوگی تو آجاؤں گی۔“  
 مالنی نے جلدی سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا اور پھر وہ انہیں  
 پرنام کرتی ہوئی چھپاک سے باہر نکل گئی۔ یدھ راج سنگھا غصے سے ہونٹ

کاٹتے رہ گئے تھے۔ پھر انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے سندری.....! تیرا برا سے اوش آ رہا ہے اور پھر تجھے  
 بہت کچھ کی ضرورت ہوگی۔“

وہ گردن ہلاتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔  
 چندا قہقہے لگا رہی تھی اور چندر مکھ بھی اس کے ساتھ ہنس رہی تھی۔  
 ”کل مہاراج سے میری بھی سفاری کر دینا۔ چھوٹی رانی جی.....!  
 رانی بن جاؤ تو اچھا ہے.....!“

چندا نے ہنستے ہوئے کہا۔  
 ”تو تو اب بھی رانی ہے، چندا.....! اپنے جے راج کی۔“  
 چندر مکھ نے کہا۔

اور اس کے ذہن کے گوشے میں پھرست پرکاش سرک آیا۔ اس کی  
 آنکھوں میں اُداسی کی ایک لکیر آگئی۔ چندا کے چہرے پر شرم کے آثار پھیل  
 گئے۔

”کیسی گزر رہی ہے چندا.....؟“  
 چندر مکھ نے پھر سوال کیا۔  
 ”بس رانی جی.....! آپ کی کرپا ہے۔ وہ گلوڑا تو سچ مچ پریم کرنے  
 لگا ہے مجھ سے.....!“

”تیری شکل ہی ایسی ہے چندا.....! ورنہ یدھ راج سنگھا تجھے رانی  
 بنانے پر کیوں مائل ہو جائے.....؟“  
 ”بات نہ کرو رانی جی.....! اس بوڑھے بگھرے کی..... نہ جانے کیا  
 سمجھتا ہے خود کو.....؟“

”تو اس کے ساتھ چلی تو جاتی چندا.....! دیکھتی تو سہی.....! وہ تجھے

کیسے رانی بناتا ہے.....؟“

چندر مکھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”منہ نوچ لیتی کینے کا.....! ساری شکتی دھری کی دھری رہ جاتی۔ اگر

آپ اسے عزت نہ دیتیں رانی جی.....! تو میں اس کے ساتھ غرور جاتی۔ اور

پھر میں دیکھتی کہ وہ کتنا مہمان سادھو ہے.....؟“

”عزت.....!“

چندر مکھ نے ہونٹ دباتے ہوئے کہا۔

”عزت تو میں اسے ایسی دوں گی چندا.....! کہ تو دیکھتی رہ جائے

گی۔“

اور چندا مالنی ہنسنے لگی۔

اسی رات شکر دیال کے ساتھ لیٹے ہوئے چندر مکھ نے آہستہ سے شکر

دیال کو آواز دی۔

”ناٹھ.....!“

”کیا ہے چندر مکھ.....؟“

شکر دیال نے محبت سے کہا۔

”کیا سوچ رہے ہو.....؟“

”کچھ نہیں.....!“

شکر دیال نے گہری سانس لے کر کہا۔

”مجھ سے بھی چھپائیں گے ناٹھ.....؟“

چندر مکھ پیار سے بولی۔

”نہیں چندر مکھ.....! میں یہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح خود کو درجنا

کے پاس جانے کے لئے تیار کروں۔ میرا من اب کسی رانی کے پاس جانے کو



نہیں چاہتا۔“

”مگر ہمیں راج کمار کی ضرورت ہے مہاراج.....!“

”ٹھیک ہے چند رکھ.....! لیکن اگر وہ راج کمار تمہاری کوکھ سے پیدا

ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا.....؟“

”ناتھ.....! مہاراج یدھ راج سنگھا تو بڑے مہان ہیں۔ کیا وہ

تمہارے لئے کوئی ایسا جاپ نہیں کر سکتے کہ بالک میری کوکھ سے پیدا

ہو.....؟“

اور شکر دیال مہاراج چونک پڑے۔

چند منٹ چند رکھ کو دیکھتے رہے۔ پھر گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

”یہ خیال تو میرے من میں ہی نہیں آیا تھا چند رکھ.....!“

”میرے من میں آیا تھا مہاراج.....! اسی لئے میں نے مہاراج

یدھ راج کو کل بھوجن پر بلوایا ہے۔“

”کل.....؟“

”ہاں.....! کل وہ کسی سے محل میں آئیں گے۔ میں ان سے بات

کروں گی۔“

چند رکھ نے کہا۔ وہ اپنا کوئی پہلو کمزور چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر

دوسرے لوگوں کو معلوم ہوا کہ یدھ راج سنگھا محل میں آئے تھے تو شکر دیال

سوچ سکتے تھے کہ چند رکھ نے چوری چھپے ایسا کیوں کیا.....؟ اس طرح بات

صاف ہو گئی تھی۔

”مگر کل کس سے وہ آئیں گے.....؟“

”دوپہر کو.....!“

”دوپہر کو تو میں راج دربار میں ہوں گا۔“

”چتنا نہ کریں مہاراج.....! میں ان کا سواگت کروں گی۔ میں اا سے بات کروں گی۔“

”ٹھیک ہے چندر مکھ.....! تم مہاراج کی منت کرنا کہ وہ تمہارے لئے جاپ کریں اور بالک تمہارے ہاں ہو۔ میں انہیں سونے سے لاد دوں گا۔“

شکر دیال نے جذبات سے بھرپور لہجے میں کہا۔  
اور چندر مکھ مسکرانے لگی۔

دوسرے دن دوپہر کو چندا مہاراج یدھ راج کے لئے چل پڑی۔ چندر مکھ نے اسے سے پوچھا کہ کیا وہ یدھ راج سنگھا کے پاس جانے سے گھبراتی ہے.....؟ تو چندا نے جواب دیا۔

”میں رانی چندر مکھ کی داسی ہوں۔ مجال ہے کوئی میرے اوپر میرا نظر رکھے۔ اگر یدھ راج سنگھا کو عقل ہے تو وہ ہوش میں رہیں ورنہ بہت جلد ان کا بھرم کھل جائے گا۔“

اور یدھ راج عقل مند ہی تھے۔ آج انہوں نے چندا کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ کھیر کو ٹھنڈا کر کھانا چاہتے تھے۔ وہ بھسوت ملے ہوئے نئی دھوتی میں چندر مکھ کے محل کی طرف چل پڑے۔

چندا ان کے پیچھے تھی۔ مہاراج کے جسم سے خوشبو اٹھ رہی تھی۔

رانی چندر مکھ نے کمرے میں ان کا استقبال کیا اور مہاراج اسے دیکھتے رہ گئے۔ چندر مکھ نے آسمانی رنگ کی ہلکی ساڑھی باندھی ہوئی تھی۔ اس کی کمر میں ایک ہلکا سا زیور تھا۔ ماتھے پر سرخ بندیا لگی ہوئی تھی۔ جس میں وہ بے حد سادہ اور بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔ یدھ راج سنگھا نے بمشکل خود اسے سنبھالا۔

رانی کے پرنام کا جواب دے کر وہ کھڑاؤں اُتار کر دسترخوان پر جا بیٹھا۔ چندا اور دوسری داسیاں ان کی خدمت کرنے لگیں۔ خود چندر مکھ ان کی را کر رہی تھی۔ تب یدھ راج سنگھانے کہا۔

”کیا تم ہمارے ساتھ بھوجن نہیں کرو گی چندر مکھ.....؟“

”میری مجال مہاراج.....! میں آپ کی سیوا کر کے خوش محسوس کر رہی ہوں۔“

یدھ راج سنگھانے اصرار نہ کیا۔ انہوں نے خاموشی سے بھوجن کیا۔ جب ڈٹ کر کھانے کے بعد جب وہ فارغ ہو گئے۔ تب چندر مکھ نے ان کے دوسرے کمرے میں چلنے کی درخواست کی اور مہاراج اُٹھ کر ان کے کمرے میں چل پڑے۔

چندر مکھ انہیں اپنی خواب گاہ میں لائی۔ یدھ راج سنگھانے اور چندر مکھ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ مالنی کو اس نے پہلے ہی ہوشیار کر دیا تھا۔ چنانچہ پھندا کو اڑ بھینٹ دیئے۔

یدھ راج سنگھانے کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ گوہر مقصود اس کے ہاتھ آجائے گا۔ انہوں نے سوچا نہیں تھا۔ چندر مکھ بہت دور نکلی۔

”بیٹھے مہاراج.....!“

چندر مکھ نے ادب سے کہا اور یدھ راج سنگھانے بیٹھ گئے۔ چندر مکھ ان کے سامنے ایک جگہ بیٹھ گئی تھی۔

”ہم تیری سیوا سے خوش ہوئے چندر مکھ.....! بتا ہم سے کیا چاہتی ہے؟“

انہوں نے چندر مکھ کو گھورتے ہوئے کہا۔

”مہاراج.....! کچھ ضروری گفتگو کرنی ہے۔“

”ہم جانتے ہیں چندر مکھ.....! تو ہم سے کیا کہنا چاہتی ہے.....؟ ہم

سوچ رہے تھے کہ ہم تجھے کیا جواب دیں.....؟“

”آپ کچھ نہیں جانتے مہاراج.....! میں آپ کو سب کچھ بتا دوں

گی۔“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور یدھ راج سنگھا چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ انہیں پہلی بار احساس ہوا تھا کہ بات کچھ اور ہے۔

”کیا تو ہمارا ایمان کرنا چاہتی ہے چندر مکھ.....؟ کیا تو ہماری برسوں

کی تپیا، برسوں کے گیان کونٹ کرنا چاہتی ہے چندر مکھ.....؟ کیا تو ہماری

برسوں کی تپیا، برسوں کے گیان کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتی ہے.....؟“

انہوں نے بھاری آواز میں کہا۔

”نہیں مہاراج.....! میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتی ہوں۔“

”کیسے سوال.....؟“

یدھ راج سنگھا نے غضب ناک آواز میں کہا۔

”ٹھنڈے دل سے مہاراج.....! ٹھنڈے دل سے.....! آپ

میرے مہمان ہیں۔ میں آپ کا ایمان کیسے کر سکتی ہوں.....؟“

”تو سوال کر ہم جواب دیں گے۔“

”سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ راج سنگھاسن کے نیچے سانپ کس

نے ڈالا تھا۔“

چندر مکھ نے کاری دار کیا اور یدھ راج سنگھا اسے گھورنے لگے۔

”کیا مطلب ہے اس سوال کا.....؟“

انہوں نے پوچھا۔

”میں اس نائک کے سوا گلیوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ جو آپ نے رچایا تھا اور کن کون شریک تھا آپ کے ساتھ.....؟“

چندر مکھ نے مضبوط آواز میں پوچھا۔

”تو اسے نائک کہہ کر مجھے گالی دے رہی ہے، چندر مکھ.....!“

یدھ راج سنگھا طیش کے عالم میں بولے اور وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے تھے۔

”بڑے چھوٹے دل کے ہیں مہاراج.....! ایک ہی دار میں چت ہو گئے۔ حالانکہ یہ دار اس وزن کا نہیں تھا۔ جس وزن کا دار آپ نے میرے اوپر کیا ہے۔“

چندر مکھ مسکرا کر بولی۔

”تو پاگل ہو گئی ہے چندر مکھ.....! سادھوؤں کا ایمان نہ کر۔ بھگوان تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تیری شکل بکڑ جائے گی۔“

”دھیرج رکھیں مہاراج.....! دھیرج رکھیں.....! آپ شاید موقع کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکے۔ سمجھنے کی کوشش کریں۔ سکون سے دار سہیں، دار کریں۔ اگر آپ ایک ہی بات میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تو پھر آپ وہ مسب کچھ کیسے کر سکیں گے.....؟ جو کرنے کے لئے آپ درجنہ کے نوابی علاقے سے یہاں آئے ہیں۔“

درحقیقت یہ دوسرا کاری دار تھا۔ یدھ راج، مہاراج کی عقل ٹھکانے آگئی۔ تمام رعب جلال، خاک میں مل گیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خوب صورت لڑکی نہیں، اس خوب صورت ناگن کو دیکھ رہے تھے۔ جو اوپر سے بڑی سندر تھی لیکن اندر سے اس میں ایک خوفناک زہریلی ناگن جس میں زہریلی زہر بھرا ہوا تھا اور اب اس کی ٹانگیں ساتھ چھوڑ گئی تھیں اور وہ اپنی مرضی سے

کھڑے بھی نہ ہو سکتے تھے۔

”میں نے آپ کو اس لئے نہیں بلایا مہاراج.....! کہ آپ درجنا سے پیدا ہونے والے بالک کو میرے پیٹ میں منتقل کر دیں۔ میری شکتی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں کل بھی مہان تھی۔ آج بھی مہان ہوں اور کل بھی مہان رہوں گی۔ ہاں.....! مجھے آپ پر ترس آتا ہے جو اتنی معمولی سی حیثیت لے کر میرے مقابلے پر آئے تھے۔“

”تو کون ہے.....؟ چند رکھ.....! تو کون ہے.....؟“

”میں مفلکتی ہوں سادھو مہاراج.....! اور تم میرے سامنے ایک حقیر بھڑیے۔ میں جب چاہوں تمہیں چنگیوں میں مسل سکتی ہوں۔ میں تمہارے بارے میں کیا نہیں جانتی۔ سنو.....! تم درجنا کی ریاست سے بارہ میل دور ایک مندر میں پڑے رہتے تھے۔ پھر درجنا تمہارے پاس گئی۔

وہ تین دن تک تمہیں خوش کرتی رہی اور اس نے تمہیں اس بات پر تیار کر لیا کہ پھول نواس آؤ اور درجنا کو راجکمار کی آمد کی خبر سناؤ.....! تب تم پوجا پاٹ چھوڑ کر یہاں آئے اور تم نے راج دربار میں سانپ کا نالک کھیلا۔ بھولے مہاراج.....! تمہارے جال میں پھنس گئے اور انہوں نے تمہیں بہت کچھ بتا دیا اور مہاراج کیا میں یہ بھی بتاؤں کہ اگر درجنا کے بالک ہوا تو وہ شکر دیال مہاراج کا نہیں تمہارا ہوگا۔“

”میں کیا نہیں جانتی مہاراج.....! اس رات جب تم درجنا کی نادانی سے فائدہ اٹھا رہے تھے اور اس سے وعدہ کر رہے تھے کہ وہ بہت جلد شکر دیال کی چیت بن جائے گی۔ تم بالک کا نیا نالک رچاؤ گے۔ تب میں تمہیں دیکھ رہی تھی۔

مہاراج.....! صرف میں ہی نہیں۔ بلکہ بہت سے لوگ تمہیں دیکھ

رہے تھے۔ جو میرے وفادار ہیں اور مہاراج ان پر پورا بھروسہ کرتے ہیں۔  
 اگر میں چاہتی تو مہاراج وقت تمہارا بھوم کھول سکتی تھی۔ اس کے بعد تم خود  
 سوچو کہ تمہارا اور درجنا کا کیا حشر ہوتا.....؟ مگر میں نے تمہیں معاف کر دیا۔  
 میں تم جیسے کمزور انسان پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ پھر ہم مندر  
 گئے اور تم نے میرے اوپر ہی وار کر دیا اور اس کے بعد..... اس کے بعد.....“  
 ”چپ ہو جا چندر مکھ.....! چپ ہو جا.....! دیواروں کے بھی کان  
 ہوتے ہیں۔ چپ ہو جا.....!“

یدھ راج سنگھا کے پورے جسم پر پسینہ اُبل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں  
 وحشت ناک طور پر پھٹ گئی تھیں۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے اور  
 چندر مکھ حقارت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔  
 کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر یدھ راج سنگھا تھوک گل کر  
 بولے۔

”تو پھر..... تو پھر تو کیا چاہتی ہے.....؟ چندر مکھ.....! تو میرے  
 ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتی ہے.....؟“  
 ”اس کا فیصلہ آپ خود کر لیں یدھ راج سنگھا.....! آپ ہی مجھے  
 بتائیں کہ درجنا کے لئے آپ نے مجھے مہاراج شکر دیال کی نگاہوں سے  
 گرانے کی جو کوشش کی ہے۔ اس کے جواب میں میں آپ کے ساتھ کیا  
 سلوک کروں.....؟“

”مجھے معاف کر دے چندر مکھ.....! مجھے معاف کر دے.....! میں  
 خاموش سے یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔“  
 یدھ راج سنگھا گڑ گڑانے لگے۔  
 اور چندر مکھ کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ایسی اوجھی بات مت کرو یدھ راج سنگھا.....! میں نے تو آپ کو مقابلے کا انسان سمجھا تھا۔ مگر آپ تو بہت بزدل نکلے۔ آپ نے جوش اگلا ہے، اس کے بارے میں کیا خیال ہے.....؟“

”اگر تو چاہے تو میرا بھرم رہنے دے.....! میں اپنی بات پلٹ دوں گا۔ میں کسی نہ کسی طرح شکر دیال مہاراج کو وشواش دلا دوں گا کہ میرا پہلا خیال غلط تھا۔ بالک تیرے ہاں ہوگا۔ یہ میرا کام ہے۔ چندر مکھ.....! میں اوٹ یہ سب کر دوں گا۔“

چندر مکھ سوچ میں گم ہو گئی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔  
 ”میرا نام چندر مکھ ہے یدھ راج سنگھا.....! پھول نواس میری مٹھی میں ہے۔ میں آپ کو وہ مقام دلا سکتی ہوں جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ لیکن میں یہ کیسے یقین کر لوں کہ آپ میرے وفادار ہو جائیں گے.....؟“

”تو نے جو کچھ بتایا ہے چندر مکھ.....! وہ ظاہر کرتا ہے کہ تیری اس سندر تا کے پیچھے کوئی گہرا راز چھپا ہوا ہے۔ تو وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے۔ میں تیری شکتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا چندر مکھ.....! میں نے سچے من سے تجھے بڑا مان لیا ہے۔ مجھے آزما لے جس طرح تیرا من چاہے آزما لے۔ اگر میں اپنی بات کا پکا نکلوں تو مجھے جیون دان کر دینا ورنہ تیرا ادھیکار۔“

”ہوں.....! ٹھیک ہے.....! یدھ راج سنگھا.....! میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ بس اب جاؤ.....! آرام سے مندر میں رہو۔ درجنا کو بھی اطمینان دلاتے رہو کہ تم نے اس کے لئے بہت کچھ کر دیا ہے۔ اس کی نادانی سے فائدہ اٹھاتے رہو۔ مجھے جب تمہاری ضرورت ہوگی۔ میں تم سے مل لوں گی۔“



”تو..... تو میں اطمینان رکھوں چندر مکھ کہ تو میرے خلاف کچھ نہیں کرے گی.....؟“

”بالکل اطمینان رکھو.....! چندر مکھ تمہاری داسی ہے۔“

چندر مکھ نے ایک طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

”تو اب میں جاؤں.....؟“

”ہاں جاؤ.....!“

چندر مکھ نے کہا۔

اور یدھ راج سنگھا بادل خواستہ چندر مکھ کے کمرے سے نکل آئے۔ ان کے عشق کا بھوت ہوا ہو گیا تھا۔ یہاں تو جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ درحقیقت ان کی زندگی چندر مکھ کے ایک اشارے کی مرہون منت تھی۔ وہ جب چاہتی ان کا سر اتر داسکتی تھی۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ جس کی سندر تا پر مر مٹے ہیں۔

وہ تو رشی کنیا ہے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ چندر مکھ کے قبضے میں ضرور کوئی پراسرار قوتیں ہیں جو اسے پوشیدہ راز بتا سکتی ہیں۔ ان قوتوں سے وہ نہ جانے کیا کیا کام لے سکتی ہے.....؟ اسے حاصل کرنے کا تصور تو اب ان کے ذہن کے کسی گوشے میں دُور دُور تک نہیں تھا۔ ایسی اکنبوں کی چاہت بھی موت ہوتی ہے۔ وہ بدحواس مندر میں داخل ہو گئے۔

یدھ راج سنگھا کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ ان کی پوری عمر اسی چکر میں گزری تھی۔ تھوڑے بہت سفلی علم کے ماہر بھی تھے لیکن وہ شعبہ گری تک تھے۔ وہ ان فتنوں سے لوگوں کو مرعوب کر سکتے تھے۔ ان سے اپنی درویشی کا لوہا منوا سکتے تھے۔

بس.....! اس کے علاوہ اور کچھ ان کے بس کی بات نہیں تھی اور یہی

کافی بھی تھا۔ ریاستی علاقے سے بارہ میل دُور ہونے کے باوجود ان کا کام چل جاتا تھا۔

راجہ بھی اس کا معتقد تھا۔ اس لئے کسی بات کی تکلیف نہیں تھی۔ سوائے ایک تکلیف کے وہ یہ کہ اس ویرانے میں بھولے بھٹکے میں انہیں کوئی دیہاتی دوشیزہ مل جاتی جسے بہلا پھسلا کر ڈرا دھمکا کر وہ نفس کی آگ بجھا لیتے ورنہ قافلے، درجنہ کو بھی جب انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا تو دل پکڑ کر رہ گئے تھے۔ مگر وہ راجہ کی بیٹی تھی۔ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لئے دل مسوس کر رہ گئے۔

لیکن پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ درجنہ خود ان کی گود میں آگری۔ ایسے موقع سے پھر پور فائدہ نہ اٹھانا بہت بڑی حماقت تھی اور یدھ راج سنگھ نے یہ حماقت نہ کی۔ درجنہ کی پتا انہوں نے سنی اور ان کی روح تک جھوم اٹھی۔ انہوں نے مستقبل کا اندازہ لگا لیا تھا۔ راج محل کی ستہری دایاں اور پھر درجنہ۔

چنانچہ وہ خوشی سے راج محل آ گئے اور درحقیقت وہ یہاں بہت کامیاب رہے۔ شکر دیال مہاراج اس کی مٹھی میں آ گئے۔ وہ جو چاہے کہہ کر شکر دیال سے کرا سکتے تھے۔ درجنہ ہر رات ان کی خواب گاہ سجانے کو نیا رنھی اور اب بھان بھی مل گئی تھی لیکن چندر مکھ.....

انہوں نے پہلے بھی چندر مکھ کی طاقت کو مانا تھا۔ یہاں اگر کوئی ان کی مقابل ہستی تھی۔ تو وہ چندر مکھ جو شکر دیال کے دل پر راج کر رہی تھی۔ بہر حال انہوں نے درجنہ سے وعدہ کیا تھا۔ اس لئے وہ اس وعدے کو پورا بھی کرنا چاہتے تھے تا کہ ان کی پوزیشن مستحکم ہو جائے۔

لیکن پھر چندر مکھ کو دیکھ کر وہ بے چین ہو گئے تھے۔ انہیں احساس تھا

مگر یہ حسین طاقت ان کے قبضے میں آجائے تو دہرا فائدہ ہے۔  
چنانچہ انہوں نے بڑی گہری چال چلی تھی لیکن اس نتیجے کا انہیں  
ب میں بھی احساس نہیں تھا۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ چندرکھ صرف حسین  
میں ہے۔ اس کے حسن کی تہہ میں خوفناک زہر موجود ہے۔ وہ پوشیدہ  
س کی مالک ہے اور بلا شک و شبہ وہ بے حد خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

راج مندر کے ایک گوشے میں سر پکڑے وہ یہی سوچ رہے تھے کہ  
کریں.....؟ کیا یہاں سے فرار ہو جائیں.....؟ بے شک اگر چندرکھ نے  
ز مہاراج کو بتا دیا تو پھر زندگی کے کوئی امکانات نہیں تھے۔ شکر دیال  
کتے کی موت مار دے گا۔ گو انہوں نے بچے کی بات درجنا کے لئے کہہ  
لی مگر مہاراج اب بھی چندرکھ کے دیوانے تھے اور پھر چندرکھ کی پڑاسرار  
س۔

آخر اسے یہ گہرا راز کیسے معلوم ہوا.....؟ محل ہی کی بات نہیں تھی۔  
کھ تو وہ سب کچھ جانتی تھی جو بیس میل دُور درجنا کی ریاست کے مندر  
ہوا تھا۔

ان باتوں کو سوچ کر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ  
رار قوتوں کی مالک ہے۔ پھر کیا اس کے ساتھ مل کر کام کیا جائے.....؟  
کا وفادار بن کر رہا جائے.....؟ اس نے اشارہ تو ایسا ہی دیا تھا۔ ممکن ہے  
ئی کام لینا چاہتی ہو.....؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اسے معاف نہ کرتی۔

اور جب وہ ویران مندر سے راج محل میں نکل آئے تھے، تو راج محل  
کے خوابوں کی جنت بن گیا تھا۔ چاروں طرف حسین داسیاں بکھری ہوئی  
س۔ دُنیا کی ہر آسائش موجود تھی۔ بھلا کون یہاں سے جانا پسند کرتا.....؟  
پھر درجنا کے علاوہ بھان شری بھی آگئی تھی۔ بھان شری جو رانی تھی، اور

رانیاں عام لڑکیوں سے الگ ہوتی ہیں۔

یدھ راج سنگھا بہت دیر تک بیٹھے سوچتے رہے اور پھر انہوں نے ایک فیصلہ کر ہی لیا۔ چندرکھ کا وفادار بن کر رہا جائے۔ درجنا اور بھان شری لعنت بھیجی جائے۔ ان کے بارے میں جس طرح چندرکھ کہے وہ ٹھیک ہے چندرکھ کی دوستی ہی زندگی ہے اور عیش و طرب کی ضمانت ہے۔

پھر ایک مضبوط دوست کی دوستی کا سہارا کیوں نہ لیا جائے.....؟ لیکن سب سے پہلے چندرکھ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا جائے۔ اس کے بعد تو اس کا اعتماد اور دوستی حاصل ہو سکتی ہے۔

یدھ راج سنگھا کا ذہن فیصلے کرتا رہا۔ بھان شری اور درجنا اس کو نہ دکھانا چاہتی ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ یہ دونوں عورتیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ان کے مقابل بہت سخت تھے۔ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کا نہیں ہے۔ وہ ان کی تمام تر نقل و حرکت سے واقف ہے اور جو لوگ ان دونوں کے ساتھ شریک ہوں گے، وہ بھی بے موت مارے جائیں گے۔

لیکن ایک سوال یدھ راج سنگھا کے ذہن میں ابھرا۔

دوسری رانیاں تو چندرکھ کے خلاف یہ سب کچھ کر رہی ہیں۔ خود چندرکھ نے ان کے بارے میں کیا سوچا.....؟ کیا وہ خطرناک عورت ہے دشمنوں کو آزادی دے سکتی ہے.....؟ یہ تو ناممکن ہے۔ تب پھر وہ ان دونوں عورتوں کے سلسلے میں کوئی کام سرانجام دے سکتے ہیں۔

”اوہ.....! چندرکھ کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے اس سے عمدہ اور

کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی۔“

انہوں نے فیصلہ کر لیا۔

مہاراج کے دور نکل جانے کے بعد چندرکھ نے ایک گہرا سانس

لیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور اس کی خوب صورت آنکھیں ایک خاص انداز میں چمک رہی تھیں۔ اس نے ایک اچھے خاصے دشمن کو چت کیا تھا۔ ایسے دشمن کو جو اس کے لئے کافی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ کیونکہ شکر دیال اس سے عقیدت رکھتا تھا لیکن چندر مکھ نے جنگ کا جو خاکہ بنایا تھا۔ وہ انتہائی جامع اور مکمل تھا اور درحقیقت صحیح طریقہ جنگ نے ہی اس وقت اسے کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔ ورنہ یدھ راج سنگھا اس آسانی سے نہ چت ہو جاتے۔

بہر حال اگر وہ خلوص دل سے اپنی شکست تسلیم کر کے گئے ہیں تو پھر وہ چندر مکھ کے لئے بے حد کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

کافی دیر تک وہ اپنی اور یدھ راج سنگھا کی گفتگو کے بارے میں سوچتی رہی۔ پھر اس نے چونک کر چندا کو آواز دی۔

دوسرے لمحے مالنی چراغ کے جن کی طرح حاضر ہو گئی۔ لیکن اس کی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ہونٹوں کے گوشے پھڑک رہے تھے۔

”تجھے کیا ہوا چندا.....؟“

چندر مکھ نے حیرت سے پوچھا۔

اور چندا ہنس پڑی۔

”ارے اے.....! پاگل ہو گئی کیا.....؟“

چندر مکھ نے کہا لیکن مالنی پیٹ دبائے بری طرح ہنس رہی تھی۔

چندر مکھ بھی ہنس پڑی۔

”بس.....! اب خاموش ہو جا.....! ورنہ مار بیٹھوں گی۔“

”تو اب میں جاؤں.....؟“

چند نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”کہاں.....؟ کیا بکواس لگا رکھی ہے تو نے.....؟“

”میں اطمینان رکھوں چند رکھ.....! تو اب میرے خلاف کچھ

کرے گی.....؟“

چند نے کہا۔

اور پھر بے تحاشا ہنس پڑی۔ چند رکھ بھی اپنی ہنسی نہ روک پا رہی تھی۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہوں.....! تو تو چھپ کر ہماری گفتگو سن رہی تھی.....؟“

”معافی چاہتی ہوں چھوٹی رانی.....! مگر اس سادھو کے بچے کو

دیکھئے.....! یہ سادھو تھا یا بھانڈ.....؟ ایک ہی حملے میں پاؤں پھیلا کر پڑ گیا۔

ہائے رام.....!“

چند پھر پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگی۔

”جھے تو اس کی بے بسی پر ترس آ رہا تھا۔“

”اب ٹھی ٹھی بند کرے گی یا.....“

چند رکھ نے اس کی پیٹھ پر دھول جماتے ہوئے کہا۔

”میں تو مر گئی رانی جی.....! ہنس ہنس کر..... ہائے رام.....! میں نے

کسی مرد کو کسی عورت کے سامنے یوں گڑ گڑاتے نہیں دیکھا۔“

”اب آگے کی سوچ چند.....! تو ہماری باتیں سن ہی چکی ہے۔ تو بتا

کیا اس کے من میں کھوٹ نہیں ہے.....؟“

”یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا، چھوٹی رانی جی.....! پر میں اتنا

ضرور کہوں گی کہ یا تو وہ خاموشی سے بھاگ جائے گا۔ ورنہ پھر وہ آپ کا

وفادار رہے گا۔ میں نے اس کی صورت پہ بارہ بختے دیکھے ہیں۔“

”ہوں.....!“

چندرکھ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہمارا خیال ہے وہ جائے گا نہیں اور اگر چلا گیا تو پھر شکر دیال کی راجدھانی میں نہیں رہے گا۔

ہاں.....! اگر وہ نہ جائے تو ہمارے لئے بہت کارآمد ثابت ہوگا۔“

”وہ کس طرح چھوٹی رانی.....؟“ چندا نے پوچھا۔

”یہ پہلے سے بتانے کی باتیں نہیں ہیں چندا.....! لیکن تو ہماری جان سے پیاری سکھی ہے۔ تو ہمارا ایک ہاتھ ہے۔ ہم تجھ سے کچھ نہیں چھپائیں گے.....!“

”چندانا زکرتی ہے اس اعتبار پر۔“

چندا نے کہا۔

”تو نے غور کیا چندا.....؟ جس وقت مہاراج نے بتایا کہ بالک درجنا کے ہاں پیدا ہوگا تو ہم نے بڑے سکون سے سنا تھا۔ پھر جب تنہائی میں تشویش کا اظہار کیا تو بھی میں نے کہا کہ مطلب بالک سے ہے۔ جو پھول نواس کا راج کمار ہوگا۔ یہ تو بھاگ کی بات ہے۔

میں نے مہاراج کو مجبور کیا کہ وہ درجنا کے پاس جائیں۔ لیکن مہاراج خود کو اس کے لئے تیار نہیں کر سکے۔ ان باتوں سے تو نے کیا نتیجہ نکالا چندا.....؟“

”میں کچھ نہیں سمجھ سکی چھوٹی رانی.....!“

چندا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”اس کے باوجود کے رانیاں ہمارے خلاف سازش کرتی ہیں۔ ہم

ان کا برا نہیں چاہتے چندا.....! ہم ان کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔  
 ہاں.....! اگر مہاراج سنگھا..... مہاراج شکر دیال کو ان رانیوں کا کچا  
 چٹھا بتائیں تو ہم انہیں روک بھی نہیں سکتے۔“  
 چندر مکھ نے معنی خیز انداز میں کہا۔  
 اور چندا مالنی دنگ رہ گئی۔

پہلے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن جب وہ چندر مکھ کا مطلب سمجھی  
 تو اس کے جسم میں پھریری دوڑی گئی۔ بے شک حسین چندر مکھ خطرناک  
 ذہانت کی مالک تھی۔ اس کے بھیجے میں شیطان گھسا ہوا تھا۔ جو کچھ سوچتی تھی  
 زبردست سوچتی تھی۔

گویا اب وہ یدھ راج سنگھا کو اپنا آلہ کار بنانا چاہتی تھی۔ جو کچھ  
 کریں گے یدھ راج سنگھا کریں گے اور چندر مکھ ہمیشہ کی طرح معصوم رہے  
 گی۔ ظاہر ہے وہ معصوم لڑکی کسی کے خلاف سازش کرنے کی اہلیت ہی نہیں  
 رکھتی۔

”کیسی رہے گی چندا.....؟“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”رانی جی مہان ہیں۔ میں ان کے پاؤں کی خاک بھی نہیں ہوں

اور وہ سادھو..... اب تو وہ مٹی کا مادھو بن جائے گا۔“

چندانے کہا اور چندر مکھ مسکرانے لگی۔



بھان شری کو احساس ہو رہا تھا کہ اس نے ایک مضبوط سہارا پکڑا  
 ہے، نہ جانے اس سے قبل یہ خیال اس کے دل میں کیوں نہ آیا.....؟ یدھ



راج سنگھا مہان ہیں۔ وہ بڑے گیانی ہیں اور اس کے علاوہ ایک شاندار مرد بھی ہیں۔ مہندر کپور نو جوان تھا۔ لیکن وہ بھی یدھ راج سنگھا کا ہم پلہ نہیں تھا۔ اس سے دوہرا فائدہ تھا۔ بھن شری کی جوان اُمتیں بھی پوری ہو سکتی تھیں اور اس کی دلی آرزو بھی۔

بے شک اب وہ سب کو نیچا دکھا سکتی تھی۔ بہت تھوڑے دن کے بعد پھول نواس کے راج محل پر اس کا راج ہوگا۔ کوئی اس کے مقابلے پر نہیں ٹک سکے گا۔ وہ بے چینی سے رات ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ پچھلی رات کو وہ ابھی تک نہیں بھول سکی تھی۔ وہ من ہی من میں مسکرا رہی تھی۔

یقیناً سادھو کو بھی اس کا انتظار ہوگا۔ وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ نہ جانے کس طرح شام ہوئی اور پھر اندھیرا ہوا ہی تھا کہ اس نے یدھ راج سنگھا کے پاس جانے کی تیاریاں کر لیں۔ اس نے سولہ سنگھار کئے۔ خود کو خوب آراستہ کیا اور پھر وہ باہر جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ اس کی داسی اندر آگئی۔

”کیا بات ہے.....؟“

اس نے منہ بنا کر پوچھا۔

”شرمانند جی آئے ہیں رانی جی.....!“

اس نے کہا۔

اور بھان شری کے ذہن میں ایک چھنا کا سا ہوا۔ اس کے دل کے گوشوں میں نفرت سی اُبھر آئی۔ بوڑھا مدقوق کر یہہ جسم کا مالک جسے اس نے صرف ایک ضرورت کے تحت منہ لگایا تھا اور جو اس کی ضرورت پوری بھی نہیں کر سکا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ اس سے ملنے سے انکار کر دے۔ کہلوا دے کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

لیکن پھر اس نے خود کو روکا۔ وہ سازشی شرمانند سے اچھی طرح واقف تھی۔ یہ بوڑھا مکار، لومڑی سے زیادہ چالاک تھا۔ ممکن ہے اسے اس پر شبہ ہو جائے۔ اس طرح تو بھید کھل جائے گا۔ شرمانند ابھی تک بھان شری کے لئے کچھ نہیں کر سکا تھا۔ اگر اسے پتہ چل جائے کہ بھان شری اسے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ پیٹنگیں بڑھا رہی ہے تو ممکن ہے وہ انتقاماً مہاراج شکر دیال سے اس کا کچا چٹھا کھول دے۔

تب بھان شری کو احساس ہوا کہ نادانی میں اس نے خطرہ مول لیا ہے اور اب اس خطرے سے نمٹنے کے لئے اسے کیا کرنا چاہئے.....؟

”میں اندر آ سکتا ہوں رانی بھان شری.....!“

دروازے سے شرمانند کی آواز سنائی دی اور بھان شری سنبھل گئی۔ اسی وقت اسے نہایت ہوشیاری سے کام لینا چاہئے.....! ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ چنانچہ انتہائی تیزی سے اس نے ذہن میں ایک پروگرام ترتیب دیا اور آئینے کے سامنے جا بیٹھی۔

”میں اندر آ سکتا ہوں رانی بھان شری.....!“

دروازے سے شرمانند کی آواز پھر سنائی دی۔

”آئیے.....! شرمانند جی.....!“

اس نے غم آلودہ آواز میں کہا۔ اور شرمانند اندر داخل ہو گئے۔ داسی باہر نکل گئی۔ شرمانند نے اسے دیکھا اور ان کی آنکھوں میں ہوس کی چمک پیدا ہو گئی۔

”آج تو رانی جی اپسرا معلوم ہو رہی ہیں۔ یہ بناؤ سنگھار.....!“

شرمانند نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔ وہ تعجب سے بھان شری کو دیکھ رہے تھے۔ اور وہ پھر بولے۔

”کیا بات ہے.....؟ بھان شری.....! یہ بناؤ سنگھار.....! یہ اُداسی.....!“

وہ حیرت سے بولے۔

”درپن سے پوچھ رہی تھی، میرے بھاگ کیوں سو گئے ہیں.....؟ دیکھ رہی تھی کہ میرے اندر کون سی کمی آگئی ہے۔“

اس نے اُداسی سے کہا۔

”درپن تمہارے حسن کی تاب نہ لا کر ٹوٹ جائے گا۔ بھان شری.....! شکر دیال کی آنکھوں پر پٹی چڑھ گئی ہے۔ ورنہ تمہارے اس روپ سے کون دل سنبھال سکتا ہے.....؟“

شرمانند نے اپنا مطلب حل کرنے کے لئے چاپلوسی کی۔

”کچھ نہیں شرممانند جی.....! کچھ نہیں.....! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ

اب کچھ نہ ہوگا۔“

بھان شری نے اُداس لہجے میں کہا۔

”شرمانند کے ہوتے ہوئے تمہیں چھتا کرنے کی ضرورت نہیں رانی

جی.....! تمہارا داس ایک دن شکر دیال کو تمہارے چرنوں میں ضرور جھکائے گا۔“

”وہ دن کبھی نہیں آئے گا شرممانند جی.....! وہ دن کبھی نہیں آئے

گا۔“

”وہ دن اوش آئے گا رانی جی.....! وہ دن بہت قریب ہے۔ جے

راج اپنے کام میں کامیاب ہونے والا ہے۔ بہت جلد میں شکر دیال کو سب

کچھ آنکھوں سے دکھا دوں گا اور اس کے بعد چند رکھ کے لئے محل میں کوئی

جگہ نہ ہوگی۔ اگر شکر دیال اپنی تلوار سے اس کی گردن نہ اُتار دے تو شرممانند

نام نہیں رانی جی.....!“

شرمانند نے بھان شری کو شانوں سے پکڑتے ہوئے کہا۔  
بھان شری نے آہستگی سے اپنے شانوں سے شرمند کے بوڑھے  
اتھ ہٹا دیئے۔

”آج من بہت اُداس ہے شرمند جی.....! آج میں تنہا رہنا چاہتی  
ہوں۔“

”یہ تنہائی تمہیں اور پریشان کرے گی۔ آؤ.....! میں تمہاری پریشانی  
دور کر دوں۔“

”نہیں شرمند.....! بھگوان کے لئے آج مجھے تنہا چھوڑ دو.....! میں  
سونا چاہتی ہوں۔“

بھان شری نے نفرت کو قدرے دباتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔  
اور شرمند جی سنبھل گئے۔

چند ساعت وہ بھان شری کے چہرے کو دیکھتے رہے۔ وہ سوچ رہے  
تھے کہ کیا ڈراپ سین ہو گیا ہے.....؟ وہ خود ابھی ڈراپ سین نہیں کرنا چاہتے  
تھے۔ ہاں.....! جب دل بھر جاتا تو بھان شری سے یہ کہہ کر خاموشی سے پیچھے  
ہٹ جاتے کہ افسوس وہ اس کے لئے کچھ نہ کر سکے۔ ظاہر ہے بھان شری کسی  
سے یہ کہنے سے تو رہی کہ شرمند جی نے اسے دھوکہ دیا ہے۔

بہر حال ابھی یہ فیصلہ مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ وہ بولے۔

”ٹھیک ہے.....! رانی بھان شری.....! میں جا رہا ہوں۔ کل آؤں  
گا۔ چلتے چلتے یہ ضرور کہوں گا کہ کچھ دیر ہوگئی ہے۔ ورنہ اب تک میں کامیاب  
ہوتا۔ نراش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑا وقت اور دے دو.....! اس کے  
بعد تمہارے من کی مراد پوری ہو جائے گی۔“

”میں کل آپ کا انتظار کروں گی۔“

بھان شری نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

اور شرمانند جی واپس چلے گئے۔

بھان شری دل ہی دل میں منہ پھلا رہی تھی۔ شرمانند کی آمد نے اس کا سارا پروگرام درہم برہم کر دیا تھا۔ اس وقت وہ مندر جانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ نہ جانے شرمانند نے دل میں کیا سوچا ہوگا.....؟

وہ اس چالاک شخص کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھی۔ اگر شرمانند کے دل میں شبہ پیدا ہو گیا تو وہ اس کی ناک میں رہے گا اور اگر اسے حقیقت معلوم ہو گئی تو.....؟

لیکن اب اس بڑے مسئلے کے بارے میں سوچنا ہوگا۔

”کیا کیا جائے“

اس کا وہ ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگی۔ پھر اس کے ذہن میں ایک ہی

خیال ابھرا۔

”جب مہندر کپور کو ختم کر دیا گیا تو یہ بوڑھا کیا چیز ہے.....؟ کل کا

دن اور..... اور اس کے بعد اس بوڑھے سے نجات حاصل کر لی جائے گی۔ مگر

کس طرح.....؟“

اور سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب اس کے ذہن میں آ ہی گئی۔ اس

نے گیتا کو آواز دی اور گیتا اندر آ گئی۔

”گیتا.....!“

بھان شری آہستہ سے بولی۔

”جی رانی جی.....!“

”تو میری سکھی ہے ناں.....!“

”گیتا حاضر ہے.....!“

گیتا نے جانثاری سے کہا۔

”تجھے میرے ہاتھ سے زہر پینا پڑے گا۔“

بھان شری نے کہا۔

”رانی جی.....! گیتا کو پیچھے نہ پائیں گی۔“

”تب کل امتحان ہو جائے گا۔ یہ زہر تو ہی لائے گی۔“

”کل کیوں.....؟ آج ہی امتحان ہو جائے، رانی جی.....!“

گیتا نے بے حد خوشی سے کہا۔

”گیتا.....! کل..... کل تو بہت تیز زہر لائے گی۔ بول لائے گی

ناں.....؟“

”ہاں رانی جی.....! میں زہر لے آؤں گی۔“

”وعدہ.....؟“

”آپ گیتا کو کبھی وعدہ خلاف نہ پائیں گی۔“

”تو اس راز کا کسی سے تذکرہ تو نہیں کرے گی.....؟“

”گیتا اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ راز لے کر خاک ہو جائے

گی۔“

”تب پھر جا.....! کل پھر ہم تیرا انتظار کریں گے۔“

بھان شری نے کہا اور گیتا گردن جھکا کر چلی گئی۔

بھان شری نے ایک گہری سانس لی اور چھپرکھٹ پر جا کر لیٹ گئی۔

اس کے دل میں ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ مہندر اسے بری طرح یاد آ رہا

تھا۔

دوسرے دن گیتا صبح ہی صبح آگئی۔ اس کے پاس زہر کی پڑیا تھی۔

جسے اس نے بھان شری کو پیش کر دیا اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

”یہ زہر کارآمد ہے.....!“

بھان شری نے پوچھا۔

”آزمالینا رانی جی.....! ایک منٹ میں کلیجہ کاٹ دیتا ہے۔“

گیتا نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے.....! ہمیں تیری بات پر اعتبار ہے۔“

بھان شری نے پڑیا طے کر کے رکھ لی۔ اب اسے بے چینی سے

انتظار تھا۔ آج رات وہ پھر ایک خوفناک ڈرامہ کھڑنے والی تھی۔

گیتا بار بار اس سے زہر کا تقاضا کرتی رہی اور بھان شری اسے ثالثی

ی۔

”رات کو کسی بھی وقت میں تیرا جیون لے لوں گی گیتا.....! تو تیار

!“

اس نے گیتا سے کہا۔

”آپ گیتا کو ہر لمحے تیار پائیں گی راج کمار جی.....!“

گیتا نے مضبوطی سے کہا۔ ویسے اس کے چہرے پر درحقیقت موت

سی سنجیدگی طاری تھی۔

اور پھر شام ہو گئی۔ تب بھان شری نے گیتا کو آواز دی۔ سامنے ہی

بت کا ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔

”اس گلاس کے شربت میں زہر ہے۔ گیتا اسے پی لے اور وفاداری

ثبوت دے.....!“

”رانی کے نام پر.....!“

گیتا نے آگے بڑھ کر گلاس اٹھا لیا۔

”تیری کوئی آرزو گیتا.....؟“

”ایک ہی منوکا مناتھی رانی جی.....! وہ یہ کہ رانی پر جان نثار کرو اور وہ پوری ہو رہی ہے اور تم دیکھ رہی ہو رانی.....! کہ گیتا کے ہاتھوں میں رعشہ نہیں ہے۔“

گیتا نے کہا۔

”پی لے اسے گیتا.....! پی لے اسے.....!“

اور گیتا گلاس چڑھا گئی۔ اس نے گلاس پھینک دیا اور پھر لرزے قدموں سے بھان شری کے پاس آ گئی۔ آہستہ آہستہ وہ بھان شری کے قدموں پر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے جسم میں زہر کے اثرات تلاش کر رہی تھی۔ تب بھان شری نے اسے اٹھایا اور سینے سے لگا لیا۔

”یہ ہی تیرا امتحان تھا، پگلی.....! اور تو امتحان میں پورا اُتری شربت میں زہر نہیں تھا۔ میں اپنی پیاری سکھی کو زہر کیسے پلا سکتی ہوں گیتا.....؟“

بھان شری نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

”یہ کیسا امتحان تھا.....؟ رانی جی.....! آپ نے گیتا کو خود پر قربان ہونے سے کیوں روک دیا.....؟“

”سکھیاں قربان نہیں کی جاتیں گیتا.....! ان کی جگہ تو دل میں ہوا ہے۔ تیری محبت نے میرے دل میں جو نئی جوت جگا دی ہے، اب ہم تجھ سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔ گیتا! اپنے من کا ایک ایک راز تجھے بتا دیں گے!“

”گیتا کے بھاگ رانی جی.....!“

گیتا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”ہمارا من بڑا اُداس ہے گیتا.....! ہم جو کچھ کر بیٹھے ہیں۔ اس ہ



بہت شرمندہ ہیں۔ مہندر کپور ہمارا پریمی تھا۔ ہم نے اسے اپنے ہاتھوں سے مروا دیا۔ صرف اس لئے کہ کہیں وہ ہمارا راز نہ کھول دے.....!

ہم چند رکھ کی موت کے لئے بے چین ہیں گیتا.....! ہم کسی طرح اسے ذلیل اور رسوا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم نے شرمانند کا سہارا لیا۔ لیکن گیتا.....! شرمانند بہت خطرناک ثابت ہوئے۔ اب ان کا آنا ہمیں بہت برا لگتا ہے۔

گیتا.....! اگر ہم نے انہیں منع کیا تو وہ ہمارا بھید کھول دیں گے۔“

”شرمانند جی بہت بڑے گھاگ ہیں رانی جی.....!“

گیتا نے تشویش سے کہا۔

”ہاں.....! میں آج ان کی مکاری ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ یہ زہر

ہم نے انہی کے لئے منگوا یا ہے گیتا.....!“

بھان شری نے کہا اور گیتا کے منہ سے ایک اور آواز نکل گئی۔

”تو ڈر گئی گیتا.....؟“

”نہیں رانی جی.....! لیکن اگر آپ کامیاب نہ ہوں اور شرمانند کو

پتہ چل گیا.....؟“

”آج اس دروازے سے شرمانند کی لاش ہی جائے گی، گیتا.....!

چاہے کچھ ہو جائے.....! چاہے کچھ بھی ہو جائے.....! تمہیں ایک کام کرنا

ہوگا۔ بڑی ہوشیار سے..... بڑی چالاکی سے.....!“

بھان شری نے کہا اور پھر وہ آہستہ آہستہ گیتا سے کچھ کہنے لگی۔

”آپ فکر نہ کریں رانی جی.....!“

گیتا نے گردن ہلا دی۔

رات کی تاریکی میں شرمانند جی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بھان شری کی خواب گاہ میں پہنچ گئے۔ بھان شری نے سولہ سنگھار کئے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ سامنے شراب کی بوتل رکھی تھی۔ ایک گلاس میں شراب بچی ہوئی تھی۔ دوسرا خالی تھا۔ لیکن اس کی تہہ میں زہر موجود تھا۔ بھان شری نشیلے انداز میں مسکرائی ہوئی بولی۔

”آئیے شرما جی.....! ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔“

”امرت پیا جا رہا ہے.....!“

وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

بھان شری بالکل ان کے پاس آگئی اور مدہوش لہجے میں بولی۔

”ہاں.....! اپنے غموں کو بھلا رہی ہوں۔ امرت پی کر جیون لوٹ

آتا ہے۔ آپ بھی امرت پیئیں۔ ہم دونوں سنسار کے سارے غم بھلا دیں۔“

یہ کہہ کر بھان شری نے دوسرے گلاس میں شراب اُنڈیل دی اور

اپنے ہاتھ سے شراب کا گلاس شرما جی کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ شرما جی نے مستی بھرے انداز میں منہ کھول دیا اور پورا گلاس غٹاٹ کر کے خالی کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں شدت تکلیف سے پھیل گئیں۔ انہوں نے گرنے سے بچنے کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارے اور پھر بے جان ہو کر زمین پر گر پڑے۔

اسی وقت بھان شری نے گیتا کو آواز دی اور گیتا چند افراد کے ساتھ اندر آگئی۔ شرمانند جی کی لاش اور وہ سارے نشانات وہاں سے غائب کر دیئے گئے اور دوسری صبح پورے پھول نواس میں ہل چل چل گئی۔ شرمانند جی کی لاش پھول نواس کے ایک گوشے میں درخت کے نیچے ملی تھی۔ ان کا جسم زہر سے نیلا پڑ گیا تھا۔ یہ خبر چندا نے چندر مکھ کو دی تھی اور چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”چل چندا.....! بیچاری بھان شری اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ جا تو دیال شرما کو بلا لا۔ دیال شرما آگیا تو.....“

چندر مکھ نے اسے کچھ ہدایات دیں اور اسی رات گیتا کو کسی نے اغوا کر لیا۔ اس کے سر پر چوٹ پڑی تھی اور وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور پھر جب اسے ہوش آیا تو ہر طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

”اپنے بھگوان.....! کیا میں اندھی ہو گئی.....؟“

”ہاں.....! تیرے پاؤں نے تجھ سے روشنی چھین لی۔“

”ارے.....! کون سا پاپ.....؟“

”ہم سے بھی یہ کہتی ہے کہ تجھے شرمانند کی موت کا راز نہیں

معلوم.....!“

”ر میں تو داسی تھی مہاراج.....! بھان شری نے مجھ سے زہر منگوایا

اور شرمندگی کو پلوا دیا۔“

”اور تو یہ سب کچھ جانتی تھی۔ بول کیا چاہتی ہے.....؟ نیا جیون یا نرکھ.....؟“

”نہیں نہیں.....! میں نرکھ نہیں جانا چاہتی.....!“

”تو اپنی زبان بند رکھنا.....!“

”دوسری صبح گیتا کو شدید بخار چڑھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے کتنا بھیاںک سہنا دیکھا ہے۔ ادھر شکر دیال اپنے دوست کی موت سے بڑے دکھی تھے اور ان کے آدمی اس موت کا سراغ لگا رہے تھے۔ چندر مکھ بھی دکھاوے کے لئے دُکھ کا اظہار کر رہی تھی۔ پھر اس نے شکر دیال سے کہا۔“

”شرمانند جی کے قاتلوں کے بارے میں یدھ راج مہاراج سب سے کام کے آدمی ثابت ہوں گے اور ہم ان سے مدد لیں گے۔“

شکر دیال تیار ہو گئے۔ ادھر چندر مکھ نے چندا کے ذریعے شکر دیال مہاراج کو پورا پروگرام سمجھا دیا تھا اور اس پروگرام کے تحت چندا کو یدھ راج مہاراج کے پاس بھیج دیا۔

اور یدھ راج مہاراج نے چندا کو اطمینان دلا دیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے ایسا ہی ہوگا۔

چندر مکھ کو کامیابی پر کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ یدھ راج مہاراج نے پوری تفصیل سنی تھی۔

”بس چندا.....! تو جا.....! سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

مہاراج نے دوسری طرف منہ پھیر کر کہا اور چندا مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ چندر مکھ کے قدموں میں بیٹھی ہوئی تھی۔

”مجھے دیکھ کر مہاراج کے من میں ہل چل مچ جاتی ہے رانی جی.....!  
 بڑا عیار ہے۔ اگر تم اس کی نس نس نہ دبا لیتیں تو راج محل میں نہ جانے کیا کیا  
 ہو جاتا.....؟ مات کھائی ہے تو بس تم سے اس نے، میرا خیال ہے تمہارے نام  
 سے اس کا شریر کانپ جاتا ہے۔“

”کام کا آدمی ہے چندا.....! ابھی تو ابتداء ہے، وہ یہاں کچھ دن  
 ٹنگ گیا او میرے احکامات پر عمل کرتا رہا تو اسے پھول نو اس کا سب سے  
 مہان سادھو بنا دوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ میرے اشاروں پر چلتا  
 رہے.....!“

”چلے گا نہیں تو کیا کرے گا.....؟ راج رانی.....! اسے چلنا پڑے  
 گا۔“

چندا فخر سے بولی۔

”دیال شرما کی اشرفیاں پہنچا دیں.....؟“

”اسی وقت راج رانی.....! یہ دیال بڑے کام کا آدمی ہے، کیا راج  
 رانیاں سچ مچ ریاست کا دیوان بنا دیں گی.....؟“

”تو کیا چاہتی ہے.....؟“

چندرکھ نے کہا۔

”میں..... میں کیا چاہوں گی رانی جی.....؟ میرا بے راج سیدھا

سادہ مالی ہے، ورنہ میں کہتی کہ اسے ریاست کا دیوان بنا دو.....!“

چندا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بے راج.....!“

چندرکھ کے دل میں پھر ایک آگ سلگ اٹھی۔ چندا نے کس پیار

سے کہا تھا کہ میرا بے راج، خود چندرکھ کا بھی ایک پریمی تھا جس کی صورت

دیکھے ہوئے بھی اسے مہینوں گزر گئے تھے۔ نہ جانے بے چارے کا کیا حال تھا.....؟

”فکر نہ کر ست پرکاش.....! آہستہ آہستہ تمہارے قریب آتے جا رہے ہیں۔ تم بہت عرصہ مجھ سے دُور رہ سکو گے۔ انتظار کرو.....! صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔“

”سنا ہے گیتا کو سخت بخار چڑھا ہوا ہے رانی جی۔! اس کے پتا وید جی کو لے کر جا رہے تھے۔“

”بخار تو چڑھے گا ہی.....! ابھی تو یہ بخار اور تیز ہوگا۔ بھان شری کی بڑی ہمدرد بنتی تھی۔“

چندر مکھ نے ہونٹ سکڑ کر کہا اور چندا سوچنے لگی کہ درحقیقت گیتا نے ایک کمزور قوت سے دوستی کی تھی۔ ایک چندر مکھ تھی، طاقت ہی طاقت، برگد کے تناور درخت کی طرح جسے سینکڑوں آندھیاں بھی نہیں اکھاڑ سکتی تھیں۔



بھان شری، گیتا کی سخت بیماری کی وجہ سے تھوڑی پریشانی تھی۔ گیتا اس کی واحد رازدار تھی۔ اس کے ذریعے بہت سے کام ہوتے تھے۔ یدھ مہاراج اسے پیغام رسانی کے لئے بھی بھان شری گیتا کو استعمال کرتی تھی، اس کا من یدھ راج کے پاس جانے کے لئے مچل رہا تھا اور وہ تہیہ کر چکی تھی کہ آج ان کے پاس ضرور جائے گی۔

اس وقت رات کے نو بجے تھے جب دھرمو اس کے پاس آیا۔ دھرمو مہاراج کا چپلا تھا، چپلا کیا خادم تھا۔ عقل سے پیدل قسم کا نوجوان تھا۔ یدھ

مہاراج کی سیوا میں رہتا تھا، لیکن مندر میں یدھ مہاراج اکیلے ہی رہتے تھے۔ وہ پوجا پاٹ میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے تھے اس لئے دھرموان کے پاس اس وقت ہوتا تھا جب انہیں اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ دھرموان نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے اور کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے دھرموان.....؟“

اس نے پوچھا۔

”مہاراج نے بھیجا ہے.....!“

”یدھ مہاراج نے.....؟“

”ہاں.....!“

”کیا کہا ہے.....؟“

بھان شری نے بے چینی سے پوچھا۔

”مہاراج نے کہا ہے کہ آج سندھیا اور پارچند کا ملاپ ہے، آج

ماڑھے دس بجے کی پوجا منو کا منا پوری کر دے گی جو اور دنوں میں پوری نہیں ہوتی۔“

دھرموان نے کہا۔

”ٹھیک ہے دھرموان.....! مہاراج کو میرا پرنام کہہ دو۔ ان کی آگیا کا

من ہوگا۔“

بھان شری نے خوش ہو کر کہا۔ وہ اس پیغام کو سمجھ گئی تھی۔ دھرموان چلا

یا اور بھان شری بے چینی سے وقت کا گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔ شرمناک

جہنم رسید ہو چکے تھے۔ اس نے نہایت صفائی سے ان کا کانا درمیان سے

ال دیا تھا۔ لیکن سکون اب بھی نہیں ملا تھا۔ وہ من کا چین چاہتی تھی اور اب

خود بھی اپنی فطرت کا صحیح تجزیہ نہیں کر پائی تھی کہ وہ کیا چاہتی ہے.....؟

شکر دیال اس کی منزل نہیں تھا، وہ اس کا بچی ضرور تھا، محبت نہیں اسے چند رکھ سے حسد ضرور تھا لیکن اس لئے نہیں کہ شکر دیال اسے محبت کرتا تھا بس وہ بھی اپنا اقتدار چاہتی تھی۔ اقتدار اور جوان محبوب، مگر یہ سب کہاں مل سکتا تھا.....؟ اس کی شخصیت ڈانواں ڈول ہو کر رہ گئی تھی۔

بمشکل تمام ساڑھے دس بجے اور وہ خاموشی سے اپنے محل سے نکل آئی۔ اس نے حفظ ماقدم کے طور پر تھوڑے سے پھول اور پوجا کا سامان ساتھ لے لیا تھا۔ کسی نے دیکھ بھی لیا تو کہہ دے گی کہ من کی شانتی حاصل کرنے جا رہی ہے۔ بھگوان کے گھر جانے پر کسے اعتراض ہو سکتا ہے.....؟

ہاں.....! یہ دوسری بات ہے کہ من کی شانتی کسی مجسمے کے چرنور میں نہیں بلکہ یدھ راج کے بازوؤں میں تھی مگر یہ بات کسی کو بتانے کی ضرورت تھی.....؟ تھوڑی دیر کے بعد وہ مندر کے دوار پہنچ گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شاید اسی کے انتظار میں وہ اندر داخل ہو گئی۔ یدھ مہاراج ایک بت کے چرنوں میں اونڈھے پڑے تھے۔ وہ ایک طرف کھڑے ہو کر ان کے قوی ہیکل جسم کو دیکھنے لگی۔ اس جسم کا اسے مکمل تجربہ تھا۔ بلاشبہ یہ کسی نوجوان کا رعنا جسم نہیں تھا لیکن اس جسم میں بہت سی لطافتیں پوشیدہ تھیں۔

کافی سے گزر گیا۔ تب یدھ مہاراج نے گردن اٹھالی۔ اسے دیکھ اور پھر کافی دیر تک اسے گہری سرخ نگاہوں سے گھورتے رہے۔ پھر انہوں نے کھڑے ہو کر اسے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور اب وہ مندر کے ایک دُور افتادہ گوشے میں برمتی کے بت کے سامنے کھڑے تھے۔ سامنے گھڑی گیارہ بج رہی تھی۔

”بھان شری.....! آج تیرے اوپر بڑا کٹھن سے آن پڑا۔ برمتی کے چرنوں میں پڑ کر اپنے لئے پراہنا کرنا.....!“



ان کی آواز گونجی۔

”کیا بات ہے مہاراج.....؟“

بھان شری نے گھبرا کر کہا۔

”یہ میں تجھے پھر بتاؤں گا۔ اپنی پراتھنا پوری کر لے.....! صرف برمتی کی طرف دھیان لگا، کسی اور کے بارے میں مت سوچ، آنکھیں بند کر لے، کان بند کر لے۔ من سے ساری کھٹ نکال دے.....! میں باہر جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا۔“

”جو آگیا مہاراج.....!“

بھان شری بادل خواستہ برمتی کے بت کے سامنے جھک گئی۔ وہ دل میں نہ جانے کیا لے کر آئی تھی.....؟

لیکن مہاراج نے اور ہی کھانسی تھی۔ یدھ مہاراج باہر نکل گئے۔ بھان شری کا جسم دیکھ کر ان کی نیت خراب ہونے لگی تھی۔ لیکن چندر مکھ ایک بھوت کی طرح ان کے ذہن پر مسلط تھی۔ وہ اس کے احکامات کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں خارش زدہ کتے کی موت مرنا پسند نہیں تھا۔ بلاشبہ چندر مکھ کی خوفناک قوت کے سامنے وہ کچھ نہ تھے۔ اس بات کا انہیں احساس تھا۔ مندر بے دروازے پر وہ شکر دیال کا انتظار کرنے لگے اور ٹھیک گیارہ بج کر دو منٹ پر شکر دیال مندر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یدھ مہاراج نے ان کا استقبال کیا۔ شکر دیال عام آدمی کے لباس میں تھے اس لئے انہیں کسی نے نہیں پہچانا تھا۔ وہ مندر میں داخل ہو گئے۔

”کیا حال ہے مہاراج.....؟“

انہوں نے پوچھا۔

”شکر دیال.....! اب بھی سے ہے، اپنے ارادے سے باز

آ جاؤ.....! اپرا دھی کو معاف کر دو.....! تمہارے دل کو دکھ ہوگا۔“  
 ”کیسی باتیں کرتے ہیں مہاراج.....؟ کیا میں اپنے متر کو آسانی  
 سے بھلا دوں.....؟ اپرا دھی میرا کتنا ہی گہرا دوست کیوں نہ ہو.....؟ اسے سزا  
 ملے گی۔“

”تمہاری مرضی.....! پرنتو.....! تم خود پر قابو رکھو گے۔ یہ بھگوان کا  
 گھر ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ اپنے کانوں سے سنو اور یہاں سے چلے  
 جاؤ.....! کل تمہارا جو من چاہے کرنا.....!“  
 ”ٹھیک ہے مہاراج.....! میں آپ کی اس آگیا کا پالن کروں  
 گا.....!“

شکر دیال نے کہا۔

”وچن دیتے ہو.....؟“

”ہاں.....! وچن دیتا ہوں.....!“

”تب آؤ.....!“

یدھ مہاراج نے کہا اور ایک چور راستے سے شکر دیال کو اس کمرے  
 سے ملحق دوسرے کمرے میں لے گئے جہاں برمتی کا بت رکھا ہوا تھا۔  
 ”خبردار.....! تمہارے منہ سے بات نہ نکلے.....!“

”کیا اپرا دھی یہاں موجود ہے.....؟“

”ہاں.....! وہ موجود ہے۔ تم یہاں چھپ کر اسے دیکھو۔ میں اس

کے پاس جا رہا ہوں۔“

یدھ مہاراج نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ ان کا دل دھک  
 دھک کر رہا تھا۔ آج ساری چالاکی نکل گئی تھی۔ بڑی محبت سے پورا ڈرامہ کرنا  
 تھا۔ ذرا سی گڑبڑ سے خود ان کی زندگی کے لالے پڑ سکتے تھے۔

بہر حال وہ اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں بھان شری ابھی تک برمتی کے قدموں میں پڑی تھی۔

”رانی بھان شری.....!“

انہوں نے پرجلال آواز میں کہا اور بھان شری نے برمتی کے بت کے قدموں سے سر اٹھالیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”کیا آگیا ہے مہاراج.....؟“

اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

”تیرے من کو شانتی ملی.....؟“

”نہیں مہاراج.....! میرا شریر پیاسا ہے۔ اسے شانتی کہاں.....؟“

بھان شری نے بے حجابی سے کہا۔

”بھگوان تجھے شانت کرے.....! تو نے پاپ کیا ہے بھان

شری.....! جب تک تو برمتی کے سامنے اپنا من صاف نہ کر لے گی تیری منو کا منا پوری نہ ہو سکے گی۔“

”میں نے کون سا پاپ کیا ہے مہاراج.....؟ میں نردوش ہوں۔

پھر میرے من کو شانتی کیوں نہیں ملتی.....؟“

”بھان شری.....!“

یدھ مہاراج نے اس کے خشک ہونٹوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں

تجھے بتا چکا ہوں کہ تیرے اوپر بڑا کٹھن سے آ پڑا ہے۔ اپنے من کا ایک ایک

راز برمتی سے کہہ دے.....! ایک ایک کھوٹ نکال کر پھینک دے.....! یہ

رات تیرے جیون میں سکھ بھی لا سکتی ہے۔ بھگوان کے گھر میں تیرا جھوٹ

تجھے بھسم کر دے گا۔ میں تیرے اوپر اگنی کے سائے دیکھ رہا ہوں۔

ہاں.....! اپنے پاپ کے جیون کی پوری کہانی برمتی کے سامنے کہہ

دے۔ اس سے مدد مانگ.....! برمتی تیری مدد کرے گی اور اگر تو نے یہاں بھی چالاکی سے کام لیا تو پھر تیرے لئے کوئی پناہ نہ ہوگی۔ بتا دے تو۔ اپنے پتی دیو کے ساتھ کتنے جھوٹ بولے ہیں.....؟ بتا دے بھان شری..... ہاں.....! بتا دے بھان شری.....! بتا دے.....! تیرا شریر دہک رہا ہے۔ اگر چپ رہی تو تھوڑی دیر میں تو آگ میں لپٹی ہوگی۔“

مہاراج کی آواز بہت بلند ہو گئی اور بھان شری کا جسم لرزنے لگا۔ خوف بے کاہنے لگی۔ اسے برمتی کی آنکھوں میں آگ سی سلگتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ سہم کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”ہے مہان برمتی.....!“

اس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

”میرے من کو شانتی دے.....! میں سدا سے بے کل ہوں، تو جانتا ہے برمتی.....! تو میرے من کی بے کلی جانتا ہے۔ میں مہندر کپور سے پریم کرتی تھی مگر میرا بیاہ شکر دیال سے کرا دیا گیا۔ بوڑھے شکر دیال سے..... اور اس ہوس کار نے میرے بلیدان کو مٹی میں ملا دیا۔ اس نے چندر مکھ کو رانی بنا لیا۔ میں حسد کی آگ میں سلگ اُٹھی۔

مہان برمتی.....! چندر مکھ کو نشٹ کر دے۔ اس نے میرے من کو چین چھین لیا ہے، میں اندھی ہو گئی تھی برمتی.....! میں نے مہندر کپور سے کہہ دیا کہ چندر مکھ کو ہلاک کر دے۔ پرنتو وہ میرے پریم پر پورا نہ اُترا اور میں نے..... مجھ ابھاگن نے اپنے ہاتھوں پریم ہتھیا کر ڈالی۔

ہاں.....! میں نے اپنے پریمی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ پرنتو میرے من کا حال جانتا ہے۔ میں جل رہی ہوں برمتی.....! میں جل رہی ہوں۔ اس جلن میں، اسی آندھی جلن میں، میں نے شرمانند سے تعلقات قائم

کئے، اپنا تن من اس بوڑھے کے حوالے کر دیا۔ وہ میرے شریر سے اپنی ہوس پوری کرتا رہا پر اس نے میرے لئے کچھ نہ کیا، چند رکھ آج بھی راج کر رہی ہے۔ میں نے اسے بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ تو سب جانتا ہے برمتی.....! تو.....“

”بس کر بھان شری.....! بس کر.....! ورنہ مندر کی چھت تیرے اوپر آن گرے گی۔ بس کر بھان شری.....! بس کر.....! میرے کان اس سے زیادہ نہیں سن سکتے۔“

یدھ راج نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور پھر وہ جلدی سے بھان شری کے دونوں شانے پکڑ کر اسے باہر لے آئے۔  
”چلی جا بھان شری.....! بس چلی جا فوراً.....!“

مہاراج اسے مندر کے دروازے تک دھکیل کر بولے۔ وہ جانتے تھے کہ اس کے بعد انہی کا نمبر ہے اور اس راز کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ بھان شری کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ وہ اُداس چہرہ لئے نراش قدموں سے محل کی طرف چلی گئی اور جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تب یدھ مہاراج نے سکون کا سانس لیا۔ پھر وہ واپس اندر آئے۔ شکر دیال پورے بدن سے لرز رہا تھا۔

”ہرے رام.....! ہرے کرشنا.....!“

یدھ راج نے کہا اور شکر دیال بغیر کچھ کہے سے تیز تیز قدموں سے باہر نکل آئے۔

چندر رکھ بے چینی سے شکر دیال کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے دل میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ نہ جانے کیا ہو رہا ہو.....؟ یہ اس کا پہلا حملہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا اسسٹنٹ کافی مضبوط ہے۔ وہ ہوشیاری سے معاملات

سنبھال لے گا۔ لیکن پھر بھی اسے ڈراپ سین کا انتظار کرنا تھا۔ اور پھر شکر دیال محل میں داخل ہوئے تو وہ ان کے سواگت کو دوڑی، شکر دیال کے ڈھواں ڈھواں چہرے کو دیکھ کر اس کی آنکھیں معنی خیز انداز میں پھیل گئیں۔

”کیا ہوا مہاراج.....؟ اپرا دھی کا پتہ چلا.....؟“

لیکن شکر دیال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اندر آگئے اور پھر وہ تھکے تھکے سے اک کرسی پر گر گئے۔

”ہے بھگوان.....! کیا ہوا.....؟ کچھ بتائیے تو سہی.....! کیا ہوا.....؟“

میرامن الٹا جا رہا ہے.....؟“

چندر مکھ نے اداکاری کرتے ہوئے کہا اور شکر دیال نے سلگتی ہوئی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”چندر مکھ.....!“

وہ گھمبیر آواز میں بولے۔

”مہاراج.....!“

چندر مکھ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

”جو کچھ ہم پوچھیں گے سچ بتاؤ گی.....؟“

”یہ بات آپ اپنے من سے پوچھیں مہاراج.....! ہم نے آج تک

آپ سے جھوٹ نہیں بولا۔“

چندر مکھ نے اداسی سے کہا۔

”تم ہم سے پریم کرتی ہو.....؟“

”اس کا جواب بھی آپ کا من دے گا۔“

”نہیں.....! ہم تم سے جواب چاہتے ہیں.....! یہ ہماری اچھا

ہے.....!“

شکر دیال نے سنجیدگی سے کہا۔

”دھرتی اور آکاش سے زیادہ.....!“

”کیوں.....؟“

شکر دیال نے عجیب سا سوال کیا۔

”اس کا کوئی جواب نہیں ہے میرے پاس.....!“

”اپنے پریم کا ثبوت دو گی.....؟“

”ہاں.....!“

چندر مکھ نے کہا۔

”تب یہ خنجر اپنے سینے میں بھونک لو.....!“

مہاراج نے ایک خنجر نکال کر چندر مکھ کے ہاتھ میں دے دیا اور چندر مکھ ایک لمحے کے لئے ٹپٹا گئی۔ لیکن چالاک عورت نے اپنے چہرے کے تاثرات میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا اور پھر عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”بہت معمولی سا امتحان ہے مہاراج.....! آج چندر مکھ ہزار بار پیدا ہو کر مہاراج پر بلیدان ہو جائے تب بھی اس کی محبت کا پورا ثبوت نہیں ملے گا۔“

اس نے خنجر سیدھا کیا اور دوسرے ہی لمحے خنجر اس کے سینے کی طرف لپکا۔ لیکن چندر مکھ نے ہاتھوں کی رفتار اتنی سست رکھی تھی کہ اگر خنجر اس کے جسم کو چھو بھی جائے تو بہت ہلکا سا گھاؤ لگائے اس کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکے اور وہی ہوا جس کا اسے یقین تھا۔ مہاراج شکر دیال نے بجلی کی سی تیزی سے لپک کر خنجر پکڑ لیا۔ پھر انہوں نے خنجر چندر مکھ کے ہاتھ سے لے کر پھینک دیا۔

”تو نے ہمیں نیا جیون دے دیا ہے چندر مکھ.....! تو نے ہمیں نیا جیون دے دیا ہے۔“

وہ چندر مکھ سے لپٹ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور چندر مکھ دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔

”وہ بے وفا ہمیں بوڑھا کہتی ہے۔ کیا ہم بوڑھے ہو گئے ہیں چندر مکھ.....!“

مہاراج روتے ہوئے بولے۔

”سو جوان آپ پر قربان کئے جاسکتے ہیں۔ ہزاروں کنواریاں آج بھی آپ پر جیون نچھاور کر سکتی ہیں، یہ آپ سے کس نے کہہ دیا مہاراج.....؟“

چندر مکھ نے شکر دیال کے چہرے کو چاہت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس زکھنی نے..... اسی ہتھیاری نے جس نے ہمارے متر کو قتل کر دیا جو اپنے ایک اور پریمی کو ہماری آنکھوں میں ڈھول جھونک کر یہاں لائی۔ اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی رہی۔ ہمارے سینے پر مونگ دلتی رہی اور پھر حسد کی آگ میں اسے بھی قتل کر ڈالا۔ بھان شری کی معصوم شکل کے پیچھے ایسی بھیاں ناگن چھپی ہوئی ہے، ہمیں معلوم نہیں تھا.....؟“

چندر مکھ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ سب کچھ پروگرام کے مطابق ہی ہوا تھا۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی اس نے حیرت سے پوچھا۔

”بھان شری.....!“

”ہاں.....! ہمارے ماتھے کا کلنک ہماری رسوائی کا اشتہار۔“

آہ.....! آہ.....! بھان شری.....! ہم پہلے اس راز سے کیوں واقف



نہ ہوئے.....؟ اب ہمیں شرمندگی موت کا بھی افسوس نہیں ہے۔ وہ بھی غدار تھا۔ اس نے ہماری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اس کا انجام ٹھیک ہوا۔ لیکن بھان شری.....! بھان شری.....“

”کچھ تو بتائیے مہاراج.....! کچھ تو بتائیے.....!“

چندر مکھ نے بظاہر پریشانی سے کہا۔

”بھان شری.....! شرمندگی قاتل ہے۔“

”بھان شری.....! اپنی بھان شری.....“

”اسے اپنا نہ کہو چندر مکھ.....! وہ آستین کا سانپ ہے۔“

”مگر اس نے ایسا کیوں کیا.....؟“

”بیسواؤں سے بدتر نگلی۔ اس نے راج محل میں جو نائک کھیلے ہیں

ان کا خیال کر کے من کرتا ہے آتما ہتھیا کر لوں..... آہ.....! تو اس قدر مکملکنی نکلے گی بھان شری.....؟ خیال بھی نہیں تھا۔“

”میں پاگل ہو جاؤں گی مہاراج.....! کچھ تو بتائیے.....!“

”تو سنو چندر مکھ.....! میرے پاپی کانوں نے جو کچھ سنا ہے وہ یوں

ہے۔“

شکر دیال نے کہا اور پھر انہوں نے پوری کہانی چندر مکھ کو سنا دی۔

چندر مکھ تصویر حیرت بنی سب کچھ سن رہی تھی۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بات

ایسی نہیں تھی جو اس کی توقع کے خلاف ہو۔ لیکن وہ مزے لے لے کر سب

کچھ سن رہی تھی۔ مہاراج کے خاموش ہونے کے بعد وہ کافی دیر تک سکتے کے

عالم میں بیٹھی رہی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔

”میں آپ کا غم سمجھتی ہوں مہاراج.....! اور میں سمجھتی ہوں کہ آپ

کی اس پریشانی میں میں برابر کی شریک ہوں۔ مجھ ابھاگن کی وجہ سے ہی آپ

کے من کو یہ دکھ پہنچا ہے۔

”ایسا نہ کہو چندر مکھ.....! ایسا نہ کہو.....! مجھ پاپی نے تمہارا امتحان لینے کی کوشش کی تھی۔ میں بڑا پاگل ہوں۔ اگر تم نہ ہوتیں چندر مکھ.....! تو میں اب اس سنسان میں کس پر بھروسہ کرتا۔“

شکر دیال پھر رونے لگے اور چندر مکھ ان کے سر کو آغوش میں رکھ کر سہلانے لگی۔

”پھر اب بھان شری کے بارے میں کیا سوچا ہے مہاراج.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا۔

”اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھو چندر مکھ.....! جب کر لوں گا تب بتاؤں گا۔“

اور چندر مکھ نے اصرار نہ کیا۔ ہاں.....! اس کے بعد چند دنوں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ بھان شری کا پتا دھاڑیں مارتا آ رہا تھا۔ وہ بھی ایک ریاست کا راجہ تھا اور یہ ریاست بھی کوئی معمولی ریاست نہیں تھی۔ وہ پھول نواس کی نگر کی ریاست تھی۔ بھان شری اسی ریاست کی راج کماری تھی۔ بھان شری کے جسم کے کئی ٹکڑے اس کی ریاست پہنچے تھے۔

شکر دیال نے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے تابوت میں بند کرا کے اس کی ریاست پہنچا دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط بھی تھا جس میں انہوں نے بھان شری کا کچا چٹھا لکھ دیا تھا۔ بھان شری کا بوڑھا باپ روتا پیٹتا آیا تھا اور بھرے دربار میں شکر دیال نے اسے خوب ذلیل کیا تھا۔ اس نے اسے بتایا کہ اس کی بیٹی نے پھول نواس میں کیا کیا گل کھلائے.....؟ شکر دیال نیا یک بھی بات صیغہ راز میں نہ رہنے دی۔

”مگر تمہیں مجھے یہ سب کچھ بتانا چاہئے تھا۔ تم نے اتنا بڑا ظلم کیوں

کیا میری بچی پر.....؟“

بوڑھے باپ نے روتے ہوئے کہا۔

”وہ میری پتی تھی، ندر تھی، میں نے اسے سزا دی اور اب جو کچھ تم

کر سکتے ہو کر لو.....!“

”بھگوان تمہیں اس کی سزا دے گا۔ میں بوڑھا کیا کر سکتا ہوں۔“

غمزدہ باپ نے کہ اور پھر وہ روتا پینتا چلا گیا تھا۔

شکر دیال تھوڑے سے کبیدہ خاطر ہوئے تھے۔ لیکن چندر بدن نے

انہیں بخوبی سنبھال لیا تھا اور تھوڑے دنوں کے بعد شکر دیال اس پوری کہانی کو

خراموش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب وہی راتیں تھیں، وہی دن، چندر مکھ

ایک اور دشمن کو اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئی تھی اور یہ پورا کام

اس نے بڑی ہوشیاری سے کیا تھا اور مہاراج کی آنکھوں میں وہ اور بھی فرشتہ

صفت ہو گئی تھی۔

انہیں یقین ہو گیا کہ صرف چندر مکھ ہی ان کی سچی پریمیکا ہے، صرف

یہی حسین لڑکی انہیں دل سے چاہتی ہے۔ باقی رانیاں سب مطلب پرست

ہیں اور وہ ان رانیوں سے اتنے بد دل ہوئے تھے کہ اب انہیں بیٹے کی آرزو

بھی نہیں رہی تھی۔

چندر مکھ بہت خوش تھی اس کا جال مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے

اختیارات بڑھتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف شکر دیال یدھ مہاراج کے اور

عقیدت مند ہو گئے تھے اور یدھ مہاراج کے بھی عیش ہو گئے تھے۔ یدھ

مہاراج اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ سب چندر مکھ کا کرم ہے۔ اگر اس کی آنکھ

ذرا میڑھی ہوئی تو پھر پاتال میں بھی جگہ نہیں ملے گی۔

چنانچہ انہیں کیا پڑی تھی کہ وہ چندر مکھ کے خلاف کچھ سوچتے.....؟

انہوں نے اس حسین ناگن کو گرو مان لیا تھا اور اب وہ اسے دیوی کہتے تھے۔ چند رکھ اب اکثر پوجا کے لئے جاتی تھی اور بے دھڑک یدھ مہاراج سے گفتگو کرتی تھی۔

تیسری شخصیت درجنا کی تھی، وہ غریب آج تک انتظار کر رہی تھی کہ مہاراج شکر دیال اس کے پاس آئیں۔ لیکن خود کسی اقدام کی اس میں ہمت نہ تھی۔ بھان شری کا حشر بہت عبرت ناک ہوا تھا اور اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ بھان شری کے اس انجام سے درجنا بہت خوف زدہ ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے من میں آگ اور بھڑک اٹھی تھی۔ اس دوران وہ یدھ مہاراج سے بھی نہیں ملی تھی۔ لیکن پھر بھان شری کی یاد ذہن میں نکلی تو اس کا جذبہ رقابت پھر سے ابھر آیا۔

ایک شام اس نے پوجا پاٹ کی تیاریں کیں اور پوجا کے لئے مندر پہنچ گئی۔ یدھ مہاراج حسب معمول پوجا میں مصروف تھے۔ درجنا ان کے پیچھے بیٹھ گئی اور پھر جب مہاراج نے پوجا سے فارغ ہو کر پلٹ کر دیکھا تو درجنا کو دیکھ کر اچھل پڑے۔ انہوں نے غور سے اس کی شکل دیکھی، آج درجنا کے چہرے پر کوئی عقیدت نہیں تھی۔ بلکہ اس کا چہرہ عجیب خشک خشک سا ہو رہا تھا۔ یدھ مہاراج اسے غور سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے درجنا کی پوجا کرائی اور اس کے بعد آہستہ لہجے میں بولے۔

”مجھ سے کوئی کام ہے درجنا.....؟“

”ہاں مہاراج.....! بہت ضروری کام ہے۔“

درجنا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”تب آؤ.....! تمہیں برمتی کے درشن کرا دوں.....!“

مہاراج نے کہا اور الگ لے گئے۔

”کیا بات ہے سندری.....؟“

”بڑی بے حیائی سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا بات ہے.....؟ کیا آپ کو کوئی بات معلوم نہیں مہاراج.....؟“

”تو ہمارا ایمان کر رہی ہے درجنہ.....! مگر ہم تجھے اس لئے معاف کر دیں گے تو ہمارے پرانے متر کی پتری ہے۔“

”میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں مہاراج.....! کہ کیا آپ اتنی دُور سے اس لئے آئے تھے کہ ناریوں کے ساتھ رنگ رلیاں منائیں.....؟ کیا آپ نے اسی لئے پھول نواس کے محل میں قدم رکھے تھے کہ عیش و عشرت کی زندگی گزاریں.....؟ کیا آپ یہ بھول گئے کہ آپ یہاں میرے لئے آئے تھے.....؟ آپ نے میرے لئے کیا کیا ہے.....؟ میں آج بھی ویسی ہی ہوں جیسی پہلے تھی۔ بتائیے.....! آپ نے میرے لئے کیا کیا ہے.....؟“

”دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں درجنہ.....! کیا تو بھول گئی کہ بھان شری کا کیا حشر ہوا.....؟“

یدھ مہاراج خوف زدہ انداز میں بولے۔

”اب مجھے کسی انجام کی فکر نہیں ہے مہاراج.....! میں سب کچھ بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ استری کے لئے اس سے بڑھ کر نہ کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ اس کی سندرتا کا پجاری کوئی نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کا پتی بھی۔ چندر مکھ میرے سامنے بچ رہی ہے۔ مہاراج اسی کے گن گاتے ہیں، ایسے جیون میں میرے لئے موت بہتر ہے۔“

درجنہ نے جوش کے عالم میں کہا۔

”لیکن میں تیرے لئے جو کچھ کر سکتا تھا، کیا درجنہ.....! تیرے سامنے کی بات ہے کہ میں نے چندر مکھ کو تیرے سامنے مہاراج کی نگاہوں

سے گرانے کی کوشش کی لیکن چندرکھ کا جادو بہت سخت ہے۔ پر تو فکر نہ کر.....! ایک نہ ایک دن اس جادو کا توڑ ضرور ہو جائے گا۔“

”کب.....؟ جب میں بوڑھی ہو جاؤں گی.....؟ یا اس انتظار میں میری جان چلی جائے گی.....؟“

”تو پھر تو بتا درجنا.....! میں کیا کروں.....؟“

”اگر کچھ نہیں کر سکتے تھے مہاراج.....! تو پھر یہاں آئے کیوں تھے.....؟ سنو.....! غور سے سنو مہاراج.....! چندرکھ کی ہتھیا کر دو.....! اس کی شکل بگاڑ دو.....! کچھ بھی کرو.....! ورنہ میں اپنا جیون تو دوں گی، تمہارا جیون بھی لے لوں گی۔ پھول نواس کے بھرے پرے دربار میں تمہارا منہ کالا کر کے تمہیں زمین پر گھسیٹا جائے گا اور پھر پتھروں سے کچل کر مار دیا جائے گا۔ اس بات کو کان کھول کر سن لینا.....!“

درجنا نے کہا اور یدھ مہاراج سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ درجنا واپسی کے لئے مڑی تو وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

”مجھے کوشش کر لینے دے درجنا.....! تھوڑا سا انتظار اور کر لے.....! اگر میں کچھ نہ کر سکا تو پھر تجھے ادھیکار ہوگا۔“

”ایک ہفتہ اور..... اس کے بعد.....“

درجنا نے ہونٹ سکڑ کر کہا اور باہر نکل گئی۔ پتھروں کے بتوں کے درمیان یدھ مہاراج بھی ایک بت معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ لیکن پھر ان کے منہ سے ایک لفظ نکلا۔

”گرو جی.....!“

اور ان کے من کی کلی کھل گئی۔ ہاں.....! گرو جی ہی اس کشٹ کا پائے بتا سکتے ہیں۔ درجنا کی موت بھی اسے گھیر رہی ہے۔ اور دوسری شام وہ

بذاتِ خود چندر مکھ کے چرنوں میں پہنچ گئے۔ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ شکر دیال چندر مکھ کے پاس موجود نہیں ہے۔ چندر مکھ، یدھ مہاراج کو دیکھ کر چونک پڑی۔ اس وقت چندا کے علاوہ کچھ اور باندیاں بھی اس کے پاس موجود تھیں۔ اس نے کھڑے ہو کر یدھ راج مہاراج کا سواگت کیا۔ مہاراج نے چندر مکھ کے ماتھے پر چندن کا ٹیکہ لگایا اور چندر مکھ نے تمام داسیوں کو ہاتھ سے اشارے سے جانے کے لئے کہا۔

چندا سب کو سمیٹ کر باہر لے گئی اور ب کمرے میں یدھ راج اور چندر مکھ تھے۔

”کیسے تکلیف کی مہاراج.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا۔

”بس.....! گرد کے چرنوں میں حاضر ہو گیا ہوں۔ داس گرد کے

پاس اسی وقت آتا ہے جب اس پر کوئی پتا پڑتی ہے۔“

یدھ راج نے کہا اور چندر مکھ ہنس پڑی۔

”ہمیں شرمندہ نہ کریں مہاراج.....!“

”نہیں چندر مکھ.....! بھگوان کی سوگندھ.....! میں دل سے تمہیں گرد

مان چکا ہوں۔ تمہاری شکتی میری شکتیوں سے کہیں مہان ہے۔ میں جانوں،

بھگوان تمہاری دستک میں اتر آئے ہیں۔ اکثر میں تمہارے بارے میں سوچتا

ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔“

”بات کیا ہے یدھ راج مہاراج.....؟“

چندر مکھ نے کہا۔

”کوئی سن تو نہیں رہا دیوی.....؟“

”نہیں.....! کوئی نہیں ہے.....! بے فکر رہیں.....!“

چندر مکھ نے بڑے سکون سے کہا۔  
 ”کل شام درجنہ پر پھر دورہ پڑا ہے۔“  
 ”اوہ.....!“

چندر مکھ نے دلچسپی سے کہا۔  
 ”تفصیل بتا۔ میں مہاراج.....!“

”تمہیں معلوم ہے چندر مکھ.....! تم سے کون سی بات چھپی ہے.....؟  
 وہ اپنی ریاست کے مندر سے اسی لئے مجھے لائی تھی کہ میں تمہارا زور  
 توڑوں.....! جوان تھی، خوب صورت تھی، میرے من کو پسند آئی تھی اس لئے  
 میں چلا آیا۔ پھر میں نے جو کچھ کیا وہ بھی تمہارے علم میں ہے۔ بہانہ شری  
 کے انجام کے بعد سے اب تک وہ خاموش بیٹھی تھی۔ لیکن معاف کرنا، استری  
 ذات میں رقابت کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اور وہ اس آگ میں سب کچھ  
 بھول جاتی ہے۔“

اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے جلد ہی اس کے لئے کچھ  
 نہ کیا تو وہ میرا کچا چٹھا کھول دے گی۔ وہ خود تو حیوان دینے پر تلی ہے، اس کا  
 کہنا ہے کہ مجھے بھی نہ چھوڑے گی۔“

یدھ راج مہاراج کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے اور چندر  
 مکھ ہنس پڑی۔ اس کی شریر آنکھوں میں شوخیاں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔  
 پھر اس نے کہا۔

”تو تم ڈر گئے مہاراج.....؟“

”سچ چندر مکھ.....! استری کا جو نیا روپ میں نے تمہارے اندر دیکھا  
 ہے، اس نے مجھے عورت سے بہت ڈرا دیا۔ نہ جانے کون کیسی نکل  
 آئے.....؟“



چندر مکھ ہنسی اور پھر بولی۔

”بہر حال درجنا بھی ہماری فہرست میں ہے۔ ہم راج محل کو بری عورتوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ درجنا کو کچھ اور سانس لینے دیئے جائیں۔ لیکن اگر وہ مرنا چاہتی ہے تو ہمارا کیا دوش مہاراج.....؟“

”مگر وہ مرتے مرتے بہت سوں کو مار جائے گی۔“

”آپ بے فکر رہیں مہاراج.....! آپ زندہ رہیں گے اس وقت تک جب تک چندر مکھ چاہے گی۔“

”جے ہو دیوی جی.....!“

یدھ راج نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”مہاراج.....! کیا درجنا اپنا سب کچھ آپ کو دے چکی ہے.....؟“

”یہ سچ ہے راج رانی جی.....!“

”مگر اولاد کے آثار تو نہیں ہیں۔“

”ہاں.....! نہیں ہیں.....!“

”اور وہ اولاد کی خواہش مند ہے۔“

”صرف اس لئے کہ تمہارا زور ٹوٹ جائے.....!“

”ٹھیک ہے.....! پھر جو میں کہوں کرتے رہو.....! سب ٹھیک ہو

جائے گا.....!“

”دیوی جی.....! حکم کریں.....!“

”کل میں مہاراج کے ساتھ پوجا کو آؤں گی۔ تم مہاراج سے کہو گے کہ آج کا دن شبہ ہے۔ اگر آج مہاراج درجنا کے پاس پہنچ جائیں تو ان کی بالک کی منو کا منا پوری ہو سکتی ہے۔“

”اوہ.....! اچھا پھر.....؟“

”درجنا کو آج ہی رات کسی طرح اطلاع دے دیں کہ آپ اس کے لئے ایک خاص جاپ کر رہے ہیں اور ممکن ہے اس جاپ کا نتیجہ ایک آدھ دن میں نکل آئے.....!“

”مگر کیا مہاراج شکر دیال تیار ہو جائیں گے.....؟“

”انہیں میں تیار کر لوں گی.....! کل شام کو آپ پھر میرے پاس

آئیں گے.....؟ یا پھر پرسوں.....؟ کل تو آپ یہ کام کریں گے.....!“

”ایسا ہی ہو گلہراج رانی.....! مگر اس کا فائدہ.....؟“

”جب نکل آئے گا تب بتاؤں گی.....!“

چندر مکھ نے کہا اور مہاراج نے گردن جھکا دی۔ پھر تھوڑی دیر تک وہ چندر مکھ کے پاس بیٹھے اور پھر آشیر باد لے کر وہاں سے چلے آئے۔

چندر مکھ کہے اور شکر دیال اس کی بات پوری نہ کریں.....؟ وہ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ مگر پوجا کے لئے منع کرنا بھی پاپ تھا۔ وہ چندر مکھ کے ساتھ مندر چل پڑے۔ یدھ راج مہاراج کے چرنوں کو چھونے کے بعد دونوں پوجا کرنے لگے۔ چندر مکھ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں یدھ راج مہاراج کو اشارہ کیا تھا۔ پھر وہ پوجا سے فارغ ہوئے تو شکر دیال نے یدھ راج مہاراج کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے اور بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

”آگیا مہاراج.....؟“

شکر دیال نے پوچھا۔

”نہیں شکر دیال جی.....! آج تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”میں منتظر ہوں مہاراج.....!“

”آج صبح ہی پدم چاری نے مجھے خوش خبری دی تھی اور میں آپ کا

انتظار کر رہا تھا۔ آج ساتواں کروڑوا کر پار ہوا ہے۔ اس لئے یہ دن مہان

ہے۔ میری اچھا ہے شکر.....! کہ تم آج درجنہ کے پاس جاؤ.....! بھگوان نے چاہا تو تمہارے لئے نو مہینے کے بعد بالک ہو جائے گا۔“

”درجنہ.....!“

شکر دیال نے ہونٹ سکڑے۔

”کیا آپ کوئی ایسا جاپ نہیں کر سکتے مہاراج.....! کہ بالک چندر

مکھ کے ہاں ہو.....!“

”ہم بھی سنسان کی اسی مٹی سے اُٹھے ہیں شکر.....! ہماری شکتی کی

ایک حد مقرر ہے۔ بالک کے لئے تمہیں درجنہ کے پاس ہی جانا ہوگا۔ یہ

پھول نواس کی ضرورت ہے۔“

”مگر مجھے درجنہ کے ہاں بالک.....“

شکر دیال نے کہا لیکن چندر مکھ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ

محبت بھری نظروں سے شکر دیال کو دیکھ رہی تھی۔

”بالک پھول نواس کی ضرورت ہے مہاراج.....! آپ کو میری

سوگندہ.....! انکار نہ کریں۔“

”یہ کیا کہہ دیا چندر مکھ.....؟ سوگندہ کیوں دلا دی.....؟ ہم کس دل

سے درجنہ کے پاس جائیں گے.....؟ کس دل سے.....؟“

”آپ کو جانا ہی ہوگا میرے لئے.....! آپ یہاں سے سیدھے

درجنہ کے محل جائیں گے۔“

چندر مکھ نے کہا اور مہاراج شکر دیال کی گردن لٹک گئی۔

”اچھا.....! ہم تمہاری سوگندہ کا پالنہ کریں گے۔“

انہوں نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

”بس تو پھر جائیں.....! میں برمتی کے سامنے پوجا کروں گی کہ مجھے

پھول نواس کے لئے راجکمار چاہئے.....! ہاں.....! مجھے پھول نواس کا راجکمار چاہئے.....!“

چندر مکھ نے کہا اور مہاراج گردن جھکائے مندر سے نکل گئے، چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے یدھ راج کی طرف دیکھا لیکن یدھ راج کی گردن لٹکی ہوئی تھی۔

”کیا بات ہے مہاراج.....؟ آپ پریشان ہیں.....؟“

”ہاں.....! چندر مکھ مہاراج ایک لمبے عرصے سے درجنہ سے دور تھے۔ ان کے من میں اس کے لئے جگہ نہیں تھی۔ آج بہت عرصے کے بعد وہ اسے ملیں گے۔ کیا کوئی ایسی بات نہیں ہو سکتی جو ہم دونوں کے لئے نقصان دہ ہو.....؟“

”آپ نے درجنہ کو اپنے جاپ کے بارے میں اطلاع پہنچا دی تھی.....؟“

”ہاں.....!“

”چتنا نہ کریں مہاراج.....! سب ٹھیک ہو جائے گا.....! میں اپنی شکتی بھی آزمانا چاہتی ہوں اور آپ کے بعد ہم دوسرا قدم اٹھائیں گے۔ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔ آپ چتنا نہ کریں۔“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ واپس پلٹ پڑی۔

اپنے محل میں پہنچ کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ پھر چندا آگئی۔ اس نے چندا سے سر درد کا بہانہ کر دیا اور کہا۔

”میں آرام کرنا چاہتی ہوں.....!“

وہ تہائی میں اپنا پروگرام مکمل کرنا چاہتی تھی۔ شکر دیال درجنہ کے پاس پہنچ گئے اور اس سے وقتی تبدیلی سے درجنہ کو اطمینان ہو جائے گا کہ

مہاراج کا جاپ کام کر رہا ہے اور فوری طور پر مہاراج پر اعتماد کر لے گی۔ اس طرح وہ فوری طور پر کوئی کارروائی کرنے سے باز رہے گی اور چند رکھ کو اسے ڈبونے کا موقع مل جائے گا۔

اصل میں وہ درجنہ کو اسی انداز میں چت کر سکتی تھی۔ جس طرح اس نے بھان شری کو کیا تھا۔ لیکن دونوں رانیاں اگر ایک ہی طرح کام آئیں تو کسی چالاک آدمی کو شبہ بھی ہو سکتا تھا اور مہاراج شکر دیال بھی سوچ سکتے تھے۔ اس لئے وہ کوئی اور داؤ کھیلنا چاہتی تھی۔

یہ قدم اس نے صرف درجنہ کو کسی اقدام سے باز رکھنے کے لئے اٹھایا تھا تاکہ اسے سوچنے کا موقع مل جائے۔ یدھ راج مہاراج اس کے پاس ایک شاندار ہتھیار تھے جس سے وہ بہت سے کام لے سکتی تھی۔ وہ انگڑائیاں لیتی رہی اور پھر اس کے من میں ست پرکاش آ گیا۔

ست پرکاش، اس کا محبوب، جذبات اور اُمنگوں کا دیوتا۔ بہت دن ہو گئے تھے اسے دیکھے ہوئے۔ نہ جانے بیچارے پر کیا بیت رہی ہوگی لیکن ابھی حالات سازگار نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے لئے کوئی کمزور پہلو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے فوری طور پر ست پرکاش کے خیال کو رد کر دیا۔ زیادہ رات نہ گزری تھی۔ وہ بے کلی سے کروٹیں بدل رہی تھی کہ شکر دیال جی واپس آ گئے۔ ان کا چہرہ بجا ہوا تھا۔ انہوں نے چند رکھ کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

”تم یہاں ہو چند رکھ.....! میں تمہاری کون کون سی بات کی قدر

کروں.....؟“

انہوں نے چند رکھ کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا ہوا مہاراج.....؟“

چندرکھ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ایک تم ہو کہ تم نے مجھے اپنی بیج پر سے اٹھا کر اپنی سوکن کے پاس بھیجا۔ ایک وہ ہے کہ جب تک میرے ساتھ رہی تمہارے خلاف زہر اُگلتی رہی۔ اگر مجھے تمہاری سوگندھ کا پالن نہ ہوتا تو میں ایک منٹ اس کے پاس نہ ٹھہرتا۔ میں نے خاموشی سے اس کی باتیں سنیں اور تمہاری منوکا منا پوری کرتا رہا۔ اس کے بعد ایک منٹ بھی مجھ سے اس کے پاس نہ ٹھہرا گیا۔“

”میں پھول نواس سے پریم کرتی ہوں مہاراج.....! چاہتی ہوں کہ شکر دیال کا نام ہمیشہ روشن رہے۔ پھول نواس کو راج کمار مل جائے، چندرکھ کو پھول نواس کا وارث چاہئے۔ میں آپ کی احسان مند ہوں مہاراج.....! آپ نے میری لاج رکھ لی.....!“

”چندرکھ.....! تو مہان ہے، تو مہان ہے چندرکھ.....!“

مہاراج شکر دیال نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ چندرکھ مسکراتی رہی تھی۔

☆☆☆

”کیا حال ہیں مہاراج.....؟“

چندرکھ نے مسکراتے ہوئے یدھ راج سے پوچھا۔

”دیوی کی عنایت ہے.....! جی رہا ہوں.....!“

”درجنہ کے کیسے حال ہیں.....؟“

”میرا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔ مگر اُداس تھی۔ کہہ رہی تھی کہ شکر

دیال کا من نہیں بدلا۔ چندرکھ ان کے دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ اگر انہیں بالکل اُمید نہ ہوتی تو کبھی نہ آتے۔ بہر حال میں نے اسے تسلی دی ہے اور کہا

ہے کہ میرا جاپ چالیس دن کا ہے، چالیس دن پورے ہو جائیں گے تو مہاراج کو کوئی روک نہ سکے گا۔ اس لئے دیوی جی.....! اس نے چالیس دن کا صبر کر لیا ہے۔“

”لیکن میں چاہتی ہوں کہ جو کچھ ہونا ہے جلد ہو جائے.....!“

ابھی مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔“

”داس حاضر ہے رانی جی.....! آگیا دیں.....!“

”آپ کو ایک کام کرنا ہے مہاراج.....!“

چندر مکھ نے آہستہ سے کہا اور یدھ راج مہاراج اس کی طرف جھک گئے۔

”درجنہ کو ایک کٹھنا سے آگاہ کر دو.....! اسے بتاؤ کہ اس کے پیٹ میں بالک ہے۔ لیکن چندر مکھ نہیں چاہتی کہ وہ ماں بنے۔ چنانچہ جس رات بچہ پیدا ہوگا، چندر مکھ چالاکی سے اسے ہلاک کر دے گی۔ اگر وہ اپنا اور اپنے بچے کا جیون چاہتی ہے تو جلد از جلد چندر مکھ کو ہلاک کر دینا چاہئے.....! ورنہ نہ وہ خود بچ سکے گی نہ اس کا بالک.....!“

یدھ راج مہاراج کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو چندر مکھ.....؟“

”سنئے جائیے مہاراج.....! درجنہ کے ساتھ مل کر سے مقرر کر دیں

اور پھر جس رات درجنہ خنجر لے کر میرے اوپر حملہ کرنے والی ہو، اسی رات مہاراج شکر دیال کو اس بات سے آگاہ کر دیں کہ اس کا سنسار اُجاڑنے کی سازش کر لی گئی ہے۔ وہ درجنہ پر نظر رکھیں۔ بس اتنا کافی ہے۔“

یدھ راج مہاراج دنگ رہ گئے تھے۔ ایک بار پھر انہیں اس حسین ناگن کی ہوشیاری کا احساس ہوا تھا۔ بے شک کام بن جائے گا اور کوئی اس

کے بارے میں سوچے گا بھی نہیں۔ وہ خاموشی سے چند رکھ کی شکل دیکھنے لگے۔

”یہ کام کب کر لو گے مہاراج.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا۔

”بہت جلد.....! جب دیوی آگیا دیں۔“

”تم جانتے ہو مہاراج.....! کہ میرے ہر قدم سے نہ صرف مجھے بلکہ تمہیں بھی کس قدر فائدہ مل رہا ہے.....؟ تم نے بھان شری سے مہاراج کو آگاہ کیا، مہاراج کے دل میں تمہاری عزت بے پناہ بڑھ گئی۔ انہوں نے کئی بار مجھ سے تمہارے مہان ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک یدھ راج مہاراج جیسا رشی ہمارے درمیان موجود ہے، ہمیں کسی قسم کی چٹنا نہیں کرنی چاہئے اور مہاراج.....! اب تم مہاراج شکر دیال کی چیتتی کی جان بجاؤ گے تو مہاراج تمہیں کتنی قدر کریں گے.....؟“

”میں جانتا ہوں دیوی.....!“

”تو سمجھ لو مہاراج.....! میرے اشاروں پر چلنے والے ہمیشہ عیش کرتے ہیں اور جو میری مخالفت کرتا ہے اس کا ٹھکانہ کہاں ہے.....؟ یہ تمہیں معلوم ہے.....!“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں دیوی.....! میں نے تمہیں دل سے

مہان مانا ہے اور ہمیشہ تمہاری سیوا اپنا دھرم سمجھوں گا۔“

یدھ راج مہاراج نے کہا اور چند رکھ مسکراتی ہوئی داسیوں کے ساتھ مندر سے واپس چلی گئی۔ یدھ راج مہاراج اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک اس کے بارے میں سوچتے رہے۔

”چندر مکھ کیا ہے.....؟“



یہ بات آج تک ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔  
 ”اس کی معلومات کے خفیہ ذرائع کیا ہیں.....؟ راج محل میں اس  
 نے کیا جال پھیلائے ہوئے ہیں.....؟“

لیکن بات راج محل تک ہوتی تو ٹھیک تھا، اس کے قدم تو دور دور  
 تک جا چکے تھے۔ مثلاً یدھ راج مہاراج کے پرانے مندر تک جہاں انہوں  
 نے پہلی بار درجنہ کے ساتھ رنگ رلیاں منائی تھیں، اسے سب کچھ معلوم تھا اور  
 اس کی یہ خوفناک چالیں۔ یدھ راج مہاراج لرز اٹھے تھے۔  
 ”کیسی معصوم صورت، لیکن کیسی چالاک ہے وہ.....؟“

اس نے اپنے گرد اونچی اونچی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ جن کے  
 دوسری طرف دیکھنا ناممکن ہے۔ اس نے یدھ راج مہاراج کے تمام ارادے  
 خاک میں ملا دیئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد یدھ راج مہاراج نے جس  
 انداز میں اپنا کام شروع کیا تھا۔ اس سے انہیں اندازہ ہوتا تھا کہ تھوڑے دن  
 میں پورے پھول نواس میں ان کا بول بالا ہوگا۔

پھول نواس کے لوگ اب بھی اس مہان سادھو سے واقف نہ تھے جو  
 راج محل میں رہتا تھا۔ لیکن یدھ راج مہاراج خود بھی کسی کے محتاج تھے اور وہ  
 تھی چندرکھ۔

ہاں.....! وہ چندرکھ کی طاقت کا بھرپور اندازہ لگا چکے تھے کہ کسی بھی  
 موقع پر اسے شکست دینا ناممکن ہے۔ شکر دیال جس طرح اس کی مٹھی میں  
 تھے، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اب جیتے جی وہ اس کے جال سے نہیں نکل  
 سکیں گے۔ لیکن کیا وہ خود شکر دیال سے مطمئن ہے.....؟ کیا شکر دیال اس  
 نوخیز لڑکی کی خواہشات پوری کرنے میں کامیاب ہے.....؟ یہ ایک نکتہ یدھ  
 راج مہاراج کے ذہن میں ہمیشہ اُلجھ جاتا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں

تفیقات کی ہمت نہ تھی۔ ان خیالات پر بھی وہ لرزہ بہ انداز تھے۔ کہیں ان کے خیالات کی اطلاع چندر مکھ کو نہ ہو جائے.....!

بہر حال ان کی عزت برقرار تھی۔ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ چندر مکھ کی چالوں نے شکر دیال کے من میں ان کی عزت اور بڑھادی تھی۔ کیا ضرورت تھی کہ چندر مکھ کے بارے میں تجسس کیا جائے.....؟ چندر مکھ کا حسن یدھ راج مہاراج کی رال ٹکا رہا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچتے کہ وہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

آکاش پر چند چمکتا ہے، اس کی روشنی سب کے لئے ہے۔ چاند کو اپنی گود میں لینے کی خواہش کرنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے یہ خیالات ذہن سے جھٹک دیئے اور پھر وہ چندر مکھ کے پروگرام کے بارے میں سوچنے لگے۔

وہ جانتے تھے کہ چندر مکھ ان کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہی ہے۔ لیکن اس میں مکتی تھی کہ وہ اپنا کندھا پیش کرتے رہیں۔ ذرا بھی کندھا ہلا اور گولی خود ان کے بھیجے میں لگے گی۔ چنانچہ وہ چندر مکھ کے پروگرام کو عملی شکل دینے کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔

اس گفتگو کے تیسرے روز انہوں نے درجنہ کو پیغام بھجو دیا کہ آج وہ پوجا کے لئے ضرور آئے اور درجنہ قسمت کی ماری پہنچ گئی۔ یدھ راج مہاراج نے اس کا استقبال کیا لیکن اس کے چہرے سے پریشانی صاف پڑھی جاسکتی تھی۔

”کیا بات ہے مہاراج.....؟ آپ پریشان ہیں.....؟“

درجنہ نے پوچھا۔

”ہاں.....! درجنہ.....! کیا تو نے اپنے پیٹ میں بالک کی چلت

پھرت محسوس کی ہے.....؟“

”ابھی نہیں مہاراج.....!“

درجنہ نے جواب دیا۔

”لیکن میرا علم کہتا ہے تو ماں بننے والی ہے.....!“

”مہاراج کی دیا سے.....!“

درجنہ نے خوش ہو کر کہا اور پھر وہ افسردگی سے بولی۔

”لیکن مہاراج شکر دیال نے تو پھر میری طرف رخ ہی نہیں کیا

مہاراج.....!“

”شکر دیال.....!“

یدھ راج مہاراج نے پریشان لہجے میں کہا۔

”شکر دیال ایک بہت بری مکڑی کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ اور

اب یہ مکڑی اپنے پاؤں پھیلا رہی ہے۔“

”میں نہیں سمجھی مہاراج.....!“

درجنہ نے کہا۔

”درجنہ.....! تو جانتی ہے کہ میں تیرے پتا کا دوست ہوں اور مجھے

تجھ سے بھی محبت ہے۔ درجنہ.....! میں تیرے لئے جو جاپ کر رہا ہوں، اس

کے بیروں ہی نے مجھے یہ بتایا ہے کہ تیرے پیٹ میں بالک آچکا ہے۔ مگر

انہوں نے ایک ایسی بات بتائی ہے جس نے میرے ہوش اڑا دیئے ہیں۔“

”وہ کیا مہاراج.....؟“

درجنہ نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

”کیا خیال ہے تیرا درجنہ.....؟ کیا چندر مکھ اس بات سے خوش ہوگی

کہ پھوس نواس کا ولی عہد تیرے پیٹ سے پیدا ہو.....؟“

”میں جانتی ہوں مہاراج.....! کہ یہ چند رکھ کو پہلی چوٹ ہے۔“  
 ”ہاں.....! وہ اس چوٹ سے تمللا رہی ہے۔ وہ زکھنی تیرے خلاف

سازش کر رہی ہے۔“

مہاراج نے وار کر دیا۔

”سازش.....؟ کیسی سازش مہاراج.....؟“

درجنہا پریشان ہو کر بولی۔

”سننے کی ہمت رکھتی ہے درجنہا.....؟“

”مجھے بتاؤ مہاراج.....!“

درجنہا نے منت کرتے ہوئے کہا۔

”تو سن درجنہا.....! تیری اولاد کی سب سے بڑی دشمن چند رکھ ہے۔ وہ تیرے بالک کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دے گی۔ اس نے تیاریاں کر لی ہیں۔ اور درجنہا.....! اگر وہ زندہ رہے گی تو تجھے بھی مہان نہ ہونے دی گی۔“

درجنہا کے پورے جسم نے پسینہ چھوڑ دیا۔ وہ کانپتے ہوئے شریہ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے یدھراج کو دیکھتی رہی۔ کافی دیر تک وہ سکتے کے عالم میں رہی۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”پھر..... پھر مہاراج.....! میں کیا کروں.....؟ مجھے کوئی پاپے

بتائیے.....!“

درجنہا نے مہاراج کے پاؤں پکڑ لئے۔

”صرف ایک درجنہا.....!“

مہاراج نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

”تجھے چند رکھ کا خون کرنا ہوگا۔ ہاں.....! تجھے اپنے سہاگ اور اپنی

مامتا کے لئے چند رکھ کا خون کرنا پڑے گا، اپنے ہاتھوں سے..... اپنے ہاتھوں

سے.....!“

اور درجنا ان کی صورت دیکھتی رہ گئی۔ درجنا کے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یدھ راج مہاراج کو دیکھ رہی تھی اور یدھ راج مہاراج نے آنکھوں کو بند کر لیا تھا۔ ان کے کان بے چینی سے درجنا کے الفاظ سننے کے لئے بے قرار تھے۔ اب بات صرف چند رکھ کی نہیں تھی بلکہ خود ان کی زندگی خطرے میں تھی۔

درجنا ان کے لئے زہریلی ناگن بن گئی تھی اور چوٹ کھائی ہوئی ناگن جب وار کرتی ہے تو اس کا کانٹے کا منتر نہیں ہوتا۔ یدھ راج مہاراج اس بات سے بخوبی واقف تھے۔

انہیں وہ وقت یاد آ گیا جب درجنا نے کہا تھا کہ وہ ان کا کچا چٹھا کھول دے گی۔ یدھ راج سچ گچ گھبرا گئے تھے۔ اگر درجنا یہ راز طشت از بام کر دیتی تو پھر ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں تھا۔ اگر ”گرو مہاراج“ یعنی چند رکھ ان کی مدد نہ کرتی تو مہاراج شاید اب تک محل چھوڑ کر بھاگ نکلتے اور محل وہ کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔

دنیا بھر کے آرام مہیا تھے، نہ سہی رانیاں، داسیاں ہی کون سکی کم حسین تھیں۔ یہ ٹھیک تھا کہ کہیں ابھی دال نہیں گلی تھی لیکن اگر چند رکھ خوش ہوگئی تو یہ کام کون سا مشکل ہے۔ بہر حال انہیں چالاکی سے چند رکھ کی چال کو کامیاب بنانا تھا اور اب وہ درجنا کا جواب سننے کے لئے بے چین تھا۔

”کیا سوچ رہی ہے مورکھ.....؟ تو کیسی ماں ہے.....؟ اپنے بالک کا جیون نہیں بچا سکتی.....؟ کیسی پتی ہے.....؟ اپنے سہاگ کو نہیں حاصل کرنا چاہتی.....؟“

”میں اس کلکنی کو کیسے ٹھکانے لگاؤں گی مہاراج.....؟“

درجنا نے گہری سانس لے کر پوچھا۔  
 ”اس کے لئے تجھے محنت کرنا ہوگی درجنا.....!“  
 مہاراج نے کہا۔

”مجھے بتاؤ یہ راج مہاراج.....! میں کیا کروں.....؟“  
 درجنا نے پریشان لہجے میں کہا۔

”تو شکر دیال کے بجائے چندر مکھ سے دوستی کر.....! اس سے پریم کا  
 برتاؤ کر.....! اس کی گہری سہیلی بن جا.....! اپنے محل میں اس کی دعوت  
 کر.....! اس کے محل جایا کر اور جب وہ تیری گہری سہیلی بن جائے تو پھر ایک  
 شام اسے گنگا کنارے لے جا اور اپنے ہاتھوں سے اسے گنگا میں دھکیل دے۔  
 اس کام میں سے ضرور لگے گا مگر اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں ہے۔ مہاراج  
 کو شبہ بھی نہیں ہوگا۔ تو خوب رونا پیٹنا، تب انہیں تیری بات کا یقین آئے  
 گا۔“

درجنا گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس  
 لی اور بولی۔

”میں ایسا ہی کروں گی مہاراج.....! میں ایسا ہی کروں گی.....!“

”تب میں تجھے کامیابی کی خوش خبری دیتا ہوں۔ تیری ساری  
 منو کا منائیں پوری ہو جائیں.....! بس اب تو جا.....!“

اور درجنا دماغ میں سینکڑوں اُلجھنیں لئے واپس چلی آئی۔ ہولی کا  
 تہوار قریب تھا۔ پورے پھول نواس میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ گلال اُچھل  
 رہے تھے۔ خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ محل میں رنگ بھرے ہوئے تھے۔  
 درجنا نے ہولی کے دن چندر مکھ سے راہ و رسم بڑھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ پھر  
 ہولی کا دن آگیا۔ رنگ و روشنی کے طوفان اُٹھ پڑے اور درجنا نے پیغام بھجوایا

وہ چندر مکھ سے ہولی کھیلنے آرہی ہے۔

یہ پیغام شکر دیال کے سامنے ہی پہنچا تھا۔ شکر دیال نے حیرانی سے مکھ کی طرف دیکھا تھا لیکن چندر مکھ نے فراخ دلی سے پیغام لانے والے کہا۔

”رانی درجنا سے کہہ دو.....! ہم اس کے سواگت کے لئے تیار“

پیغام لانے والا واپس چلا گیا تو شکر دیال بولے۔  
”یہ انوکھی بات ہے.....! درجنا کے من میں یہ کہاں سے“

”وہ بھی ہماری اپنی ہے مہاراج.....! میرا تو دل دُکھتا ہے راج.....! میں نے اس کا حق مار رکھا۔ اگر وہ آتی ہے تو آئے.....! ہم کا سواگت کریں گے مہاراج.....!“

”تم بڑے دل گردے کی مالک ہو چندر مکھ.....! بھگوان نے تمہیں مونی صورت دی ہے، اتنا ہی سندر دل بھی دیا ہے۔ تم اپنی سوکن کے بھی اتنا اچھا سلوک کرتی ہو.....!“

”میں مہاراج کی داسی ہوں۔ مہاراج نے مجھے جو جگہ دی ہے، اس را رواں رواں نچھاور ہے اور درجنا بھی تو میرے پریمی کے ساتھ ہے۔ اس سے پریم کیوں نہ کروں.....؟“

چندر مکھ نے شراب برساتی آنکھوں سے شکر دیال کو دیکھتے ہوئے کہا  
”از سے ان کے منہ پر سندور مل دیا۔ مہاراج نے آگے بڑھ کر اسے اپنی س میں بھر لیا اور انہوں نے بھی ہاتھوں میں سندور بھر کر چندر مکھ کا دھکتا چہرہ اس سے رنگ دیا۔ چندر مکھ کھٹکے ہوئے قہقہے لگا رہی تھی اور شکر دیال

بھی ہنس رہے تھے۔

”تم نے مجھے نیا جیون دیا ہے، بھاگ جلی بھان شری نے اس دن مجھے نرکھ میں جھونک دیا تھا۔ اس نے مجھے ابو الہوس بوڑھا کہا تھا اور میں سوچنے لگا تھا کہ کیا میں واقعی بوڑھا ہو گیا ہوں.....؟ اگر مجھے یہ احساس ہو جاتا چندر مکھ.....! کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو میں پاگل ہو جاتا۔ میں آتما ہتھیا کر لیتا۔“

”بھگوان نہ کرے.....! ایسی خوشی کے سے اناپ شاپ باتیں منہ سے مت نکالئے.....!“

چندر مکھ نے شکر دیال کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تم موجود ہو چندر مکھ.....! اب مجھے کوئی چننا نہیں.....!“

انہوں نے پیار سے اس کے رُخسار چھیڑتے ہوئے کہا۔ اتنی دیر میں در جنا آگئی۔ اس کے پیچھے باندیاں ہولی کھیلنے کا سامان اُٹھائے آرہی تھیں۔ در جنا کے من میں جو کچھ تھا لیکن ہونٹوں پر مسکان تھی۔ اس نے آتے ہی شکر دیال کے چرن چھوئے اور چندر مکھ کے رُخسار پر بوسہ دیا۔

پھر اس نے ایک باندی کے سر پر رکھے ہوئے تھال سے ایک خوب صورت سی اوڑھنی نکالی اور چندر مکھ کے سر پر ڈالتی ہوئی بولی۔

”چندر مکھ.....! اپنی بڑی بہن کی طرف سے یہ حقیر سی اوڑھنی سویکار

کرو.....! آج سے میں تمہاری بڑی سمان ہوں۔“

شکر دیال نے تو معنی خیز انداز میں آنکھیں نچائی تھیں۔ لیکن چندر

مکھ کے چہرے پر خلوص ہی خلوص تھا۔

”تم نے مجھے بہن کا درجہ دے کر سب کچھ دے دیا ہے دیدی.....!

میں چھوٹی بہن کی طرح تمہاری عزت کروں گی۔“



اور درجنا نے اسے گلے لگا لیا۔ شکر دیال مسکرائے۔ انہیں ان دونوں کے گھ جوت سے خوشی ہوئی تھی۔ دونوں کے دل میں کیا تھا.....؟ اس سے یہ کاٹھ کا الو بے خبر تھا۔

چندر مکھ نے درجنا کی خوب خاطر مدارات کیں اور دونوں نے مل کر شکر دیال کے ساتھ ہولی کھیلی۔ دونوں بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ اسی رات کے لئے درجنا نے چندر مکھ کو دعوت دے ڈالی۔ اس نے مہاراج سے بھی درخواست کی تھی کہ وہ بھی تشریف لائیں۔ پھر جب درجنا چلی گئی شکر دیال بولے۔

”تو ہماری سندھ چندر مکھ نے درجنا کا دل بھی جیت لیا آخر.....؟“  
 ”اب وہ صرف میری سوکن نہیں ہے مہاراج.....! بہن بن گی ہے.....!“

چندر مکھ نے آنکھیں میٹکاتے ہوئے کہا اور شکر دیال سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔  
 ”لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ درجنا کی کیا کیسے پلٹ گئی.....؟“

”میں نہیں سمجھی مہاراج.....!“

چندر مکھ نے حیرانی سے بڑی بڑی آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا اور شکر دیال محبت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

”تو جتنی سندھ ہے چندر مکھ.....! اتنی ہی بھولی اور معصوم ہے۔ تو اپنے دشمنوں سے بھی پریم کرتی ہے۔ کتنی سادہ دل ہے تو..... میں نہیں مانتا کہ درجنا کے دل میں بلاوجہ تیرا پریم جاگا ہوگا.....؟ یہ سب لوگ تجھ سے جلتے ہیں۔ تو انہیں کب پسند ہوگی.....؟“

”نہیں مہاراج.....! مجھ سے کوئی کیوں جلنے لگا.....؟ وہ جیسی بھی ہے، اب میری دیدی ہے۔ میں اس کا پریم نہیں ٹھکراؤں گی۔ ہم شام کو محل چلیں گے۔“

چندر مکھ نے کہا اور مہاراج مسکرانے لگے۔

”جیسی تیری مرضی بھاگوان.....!“

انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

اور پھر رات کو وہ دونوں درجنا کے محل میں گئے۔ درجنا نے بگ بگ دیپ جلانے۔ اس نے چندر مکھ کا ایسا سواگت کیا کہ خود شکر دیال بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے سوچا کہ شاید درجنا کو عقل آگئی ہے۔ اس نے سوچ لیا کہ مہاراج کی محبت بھی اسی طرح حاصل کی جا سکتی ہے کہ چندر مکھ سے پریم کرو۔

بہر حال انہیں اس بات سے خوشی ہوئی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ درجنا اس دوران کئی بار چندر مکھ سے ملنے آئی تھی۔ کئی بار اس نے چندر مکھ کو بلایا۔ وہ پوری ہوشیاری سے یدھ راج مہاراج کی بنائی ہوئی اسکیم پر عمل کر رہی تھی۔ مہاراج شکر دیال اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ درجنا کے رویے سے متاثر ہو کر وہ کبھی کبھی درجنا کے ہاں بھی رات گزار لیا کرتے تھے۔

چندر مکھ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ خود شکر دیال کو درجنا کے پاس بھیجتی تھی۔ درجنا بھی خوش تھی کہ یدھ راج کی بتائی ہوئی اسکیم مؤثر ثابت ہو رہی ہے۔ وہ وقت کی منتظر تھی اور اب وہ کام کر گزرنا چاہتی تھی۔ اسے دیر ہونے کا شدید احساس ہو رہا تھا۔

پھر ایک شام وہ چندر مکھ سے ملاقات کرنے کے لئے پہنچی۔ چندر مکھ

نے حسب معمول مسکراتے ہوئے اس کا سواگت کیا۔ دونوں گلے ملیں اور ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئیں۔ درجنا کے چہرے پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔

”کیا بات ہے درجنا دیدی.....! اُداس ہو.....؟“

”نہیں چندر مکھ.....! کوئی بات نہیں ہے.....!“

درجنا نے گہری سانس لے کر کہا۔

”کچھ تو ہے دیدی.....! مجھ سے چھپاؤ گی.....؟“

چندر مکھ نے کرید کی۔

”بس.....! من بھاری بھاری ہے۔ طبیعت اُچاٹ اُچاٹ سی

ہے.....!“

”راج کمار کی حرکتیں ہیں سب.....!“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور درجنا شرما گئی۔ پھر بولی۔

”گنگا کی سیر کو من چاہ رہا ہے۔ سوچا تم سے بات کروں گی۔ اگر تم

چلو تو کل ہی دونوں کشتی منگوا کر گنگا کی سیر کو چلیں.....!“

”ضرور دیدی.....! تمہارا من خوش کرنے کے لئے تو میں سب کچھ

کروں گی۔“

چندر مکھ نے سادگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تب پھر طے.....! گل شام ہی دونوں سیر کو چلیں گے.....! ساتھ

میں ہم باندیوں کو نہیں لے چلیں گے۔ صرف ایک ماجھی ہوگا، باندیوں کے

ساتھ سیر کا مزہ نہیں آئے گا۔“

”ہم دونوں ہی چلیں گے دیدی.....! کسی اور کو لینے کی کیا ضرورت

ہے.....؟“

چندر مکھ نے کہا اور یہ بات طے ہو گئی۔ درجنا اپنی اسکیم میں کدور  
کی دُعائیں کرتی ہوئی واپس آ گئی۔

☆☆☆

”گرو جی.....!“

یدھ راج نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ہوئے کہا اور چند  
اثر اڑا۔

”آپ ہمیں شرمندہ کرتے ہیں مہاراج.....! ہم کس  
ہیں.....؟“

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”رانی جی.....! میری پوری زندگی گزر گئی۔ میں نے بڑے بڑے  
گیانی دیکھے۔ بڑی بڑی مہان استریاں دیکھیں۔ لیکن جو بات آپ کی  
کہیں نہیں پائی۔ اگر رانی جی شاکر ہیں تو صاف کہہ دوں کہ آپ جیسی چاکر  
عورت پورے سنسار میں نہیں ہوگی۔ آپ وہ سوچتی ہیں جو دوسروں کے  
میں آہی نہیں سکتا۔ میری تمام شکتی آپ کے سامنے دھری رہ گئی۔“

یدھ راج مہاراج نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”بس بس.....! مہاراج.....! زیادہ نہ بتائیں.....! خاموش  
جائیں.....!“

”داس خاموش ہے راج رانی جی.....! لیکن جب بھی کبھی تنہائی

آپ کے بارے میں غور کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ بھگوان نے کیا سوچ  
آپ کو بنایا تھا.....؟ درجنا کی دھمکی سے تو میری جان نکلی جا رہی تھی کہ  
میں مجھے گرو جی یاد آئے اور میں نے سوچا کہ گرو جی کے پاس اس کا اپنا

”وگا۔“

چندر مکھ ہنستی رہی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔

”وقت آگیا ہے.....؟“

”اوہ.....! کب رانی جی.....؟“

”آج شام چار بجے سے پانچ بجے تک.....!“

چندر مکھ نے بتایا اور یدھ راج مہاراج کے چہرے پر عجیب سے  
ت اُبھر آئے۔

”بات ہوگئی.....!“

”ہاں.....! کل رات طے ہوگئی تھی.....!“

”تب آپ چتا نہ کریں راج رانی جی.....! داس اپنا کام انجام

گا۔“

”کام ٹھیک ہی ہونا چاہئے مہاراج.....! آپ نے ایک تیر سے دو

رے کا فیصلہ تو نہیں کیا ہے.....؟“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں سمجھا راج رانی جی.....!“

یدھ راج نے حیرت سے کہا۔

”آپ ایک تیر سے دو شکار کر سکتے ہیں، مہاراج.....! میں آپ کی

رتی تو یہی کرتی۔“

”وہ کیسے.....؟“

مہاراج اب بھی کچھ نہیں سمجھے تھے۔

”ہم دونوں گنگا کی سیر کو جائیں گے۔ درجنا مجھے دھکا دے دے گی،

مہاراج عین وقت پر نہیں پہنچیں گے۔ کسی کو اس کے بارے میں معلوم

نہیں ہوگا۔ پھر جب میں ڈوب جاؤں گی تب مہاراج کو اصل بات کا پتہ چلے گا اور درجنہ بھی ماری جائے گی۔ اس طرح آپ دونوں کے دشمن ختم ہو جائیں گے۔ اور اس کے بعد آپ کا راز جاننے والا کوئی نہیں ہوگا۔“

”رام.....! رام.....! رام.....!“

یدھ راج مہاراج کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولے۔

”مجھے تو خوشی ہے کہ آپ یدھ راج نہ ہوئیں ورنہ میں تو مارا گیا تھا۔“

یہ آپ کو میرے اوپر ابھی تک دشواش نہیں ہے راج رانی جی.....؟ میرے بھاگ کی کھوٹ ہے ورنہ میں تو آپ کو دل سے گرد مان چکا ہوں اور چیلے کے لئے گرد بھگوان سان ہوتا ہے۔“

”خیر.....! میں نے تو ایسے ہی مذاق میں بات کہی تھی۔ آپ اپنے

کام کے لئے تیار ہیں.....؟“

”میں تیار ہوں رانی جی.....! آپ بالکل چتنا نہ کریں.....!“

یدھ راج نے کہا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

”پرنتو راج رانی.....! ایک بات میرے من میں کھٹک رہی ہے۔“

”وہ کیا.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا۔

”فرض کریں.....! درجنہ نے آپ کو گنگا میں دھکا دیا، مہاراج نے

دیکھ لیا، سب کام ہو گیا۔ مہاراج نے جب درجنہ سے پوچھ گچھ کی تو کیا درجنہ موت کے خوف سے سب کچھ بتا نہ دے گی.....؟ میں تو پھر بھی نہ بچ سکوں گا۔“

”آپ چتنا نہ کریں مہاراج.....! تسلی رکھ کر اپنا کام کریں۔ باقی

سب میرا کام ہے۔“

چندر مکھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”گرو دیو.....! گرو دیو.....!“

مہاراج گردن جھکاتے ہوئے بولے اور پھر کھڑے ہو گئے۔

”آگیا دیں گرو جی.....!“

اور چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔

مہاراج کے جاتے ہی چندر اندر آ گئی۔ اس نے آتے ہی شرارت سے دونوں ہاتھ جوڑے اور جھکتے ہوئے بولی۔

”گرو جی.....! گرو جی.....!“

”بس.....! شرارت نہ کر چندر.....! ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔ جا

کر دیال شرما کو بلال.....!“

”جو آگیا گرو جی.....! جب اتنا مہبان سادھو آپ کو گرو مانتا ہے تو

میں بیچاری کس گنتی میں.....؟“

چندا نے کہا اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ چندر مکھ کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ اس کا شیطانی ذہن زبردست منصوبہ بندیاں کر رہا تھا۔ دیال شرما کو اس نے پوری اسکیم سمجھا دی تھی۔ آج آخری بار وہ اسے اس کا کام یاد دل رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد چندا، دیال شرما کو لے کر اندر آ گئی۔ دیال شرما نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ چندا اسے چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

”کیا آگیا ہے راج رانی جی.....؟“

دیال شرما نے پوچھا۔

”سے آگیا ہے دیال.....!“

چندر مکھ نے پراسرار آواز میں کہا۔

”کب راج رانی جی.....؟“

”آج چار بجے.....!“

”داس اپنا کام ٹھیک ٹھاک انجام دے گا راج رانی جی.....! آپ

چتنا نہ کریں.....!“

دیال شرما نے کہا۔

”پھول نواس کی وزارت تمہاری منتظر ہے دیال شرما.....! میں اور تم

مل کر پھول نواس کی تقدیر بدل دیں گے.....!“

”ایسا ہی ہوگا راج رانی جی.....! ایسا ہی ہوگا.....!“

دیال شرما نے خوشی سے بھرپور آواز میں کہا۔

”بس.....! اب تم جاؤ.....! اور ہوشیار سے کام کرو.....! ایک ایک

گھڑی کا خیال رکھنا۔ اگر ذرا دیر ہوگئی تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔“

”دیال شرما کھیل بناتا ہے راج رانی جی.....! بگاڑتا نہیں.....!“

دیال شرما نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ چندر مکھ کو پرنام کر کے

چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد چندا اندر آگئی۔ چندر مکھ کسی سوچ میں گم

تھی۔ اس لئے وہ اس کے چرنوں میں بیٹھ گئی اور چندر مکھ کی شکل دیکھنے لگی۔

چند منٹ کے بعد چندر مکھ چونکی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس لی

اور کہا۔

”کیا سوچ رہی ہے چندا.....؟“

”رانی جی.....! آپ کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ میرا تو من

ڈر رہا ہے رانی جی.....!“

چندا نے کہا۔



”کیوں.....؟“

”بس.....! جو خطرناک کھیل ہونے والا ہے، اس کا نتیجہ اچھا ہی ہو.....! بھگوان نہ کرے آپ کو کوئی بلا آئے.....! آپ کی بلا میرے سر آجائے.....!“

”چتنا نہ کر چندا.....! وہی ہوگا جو چندر مکھ چاہے گی.....!“

چندر مکھ نے بڑے اعتماد سے کہا اور چندر اس عفریت کو خوف و دہشت سے دیکھنے لگی۔

سوا چار بج رہے تھے جب درجن تیار ہو کر چندر مکھ کے محل میں پہنچ گئی۔ چندر مکھ بھی تیار ہی بیٹھی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے گئیں۔ پھر درجن نے کہا۔

”کیا تم تیار ہو چندر مکھ.....؟“

”ہاں دیدی.....!“

چندر مکھ نے معصوم آنکھیں ہولے سے پٹپٹائیں۔

”مہاراج سے آگیا لے لی.....؟“

”رات کو ہی بات کر لی تھی.....!“

”کیا جواب دیا.....؟“

”انہیں کیا اعتراض ہوتا؟ میں اپنی دیہی کے ساتھ جا رہی ہوں۔“

چندر مکھ نے محبت سے درجن کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور درجن نے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔

”اب تو چندر مکھ کا آخری وقت ہے۔ جس قدر چاہو اس سے محبت کا

برتاؤ کر لو۔“

وہ سوچ رہی تھی۔ چند منٹ کے بعد دونوں رانیاں محل کے ایک حصے

میں کھڑے رتھ میں آ بیٹھیں اور رتھ بان نے بیلوں کو ہٹانا شروع کر دیا اور رتھ محل سے نکل کر گنگا کی سمت چل پڑا۔

راستے میں درجنا اور چندر مکھ باتیں کرتی رہی تھیں، دُنیا جہان کی اور درجنا چندر مکھ کی باتیں سن کر سوچ رہی تھی کہ کیا یہ کم عمر لڑکی اتنی ہی معصوم ہے؟ کہ اس کی ان معصوم اداؤں نے مہاراج شکر دیال کو دیوانہ بنا دیا ہے۔

بہر حال کچھ بھی ہو۔ وہ ناگن ہے اور ناگن کتنی ہی خوب صورت کیوں نہ ہو.....؟ زہریلی ہوتی ہے۔ اسے کل ڈالنے کے بعد ہی شانتی ملتی ہے۔ چندر مکھ ڈوب کر مر جائے گی۔ درجنا چند روز اداکاری کرے گی۔ مہاراج کا دل بہلانے کے لئے وہ سب کچھ کرے گی اور جب پھول نواس کا راج کمار پیدا ہو جائے گا تو مہاراج چندر مکھ کو بالکل بھول جائیں گے۔ پھر درجنا کے علاوہ کون ہوگا.....؟

چنانچہ وہ بھی چندر مکھ سے اُلفت کا اظہار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد رتھ گنگا کے کنارے پہنچ گیا۔ گنگا کے ایک سنسان گھاٹ کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جہاں ایک خوب صورت کشتی موجود تھی۔ سبھی سجائی کشتی میں ایک ماحمی موجود تھا۔ قوی ہیکل، تندرست، توانا جس کا انتخاب درجنا نے کیا تھا۔ اس نے اس شخص کو اس کے وزن کے برابر اشرفیاں دینے کا وعدہ کیا تھا اور اس سے راز داری کی قسم بھی لے لی تھی۔

بہر حال درجنا نے بھی اپنے طور پر کام مکمل نہ کیا تھا۔

رتھ سے اتر کر وہ کشتی میں سوار ہو گئیں اور ماحمی نے پتوار کھینچنے شروع کر دیئے۔ کشتی گنگا کی لہروں پر بہنے لگی۔ شاہی کشتی تھی جس کی ایک سمت کور تھی۔ اس میں بیٹھنے کے لئے نرم اور آرام دہ گدیاں لگی ہوئی تھیں۔ چندر مکھ دلچسپی سے گنگنائی لہروں کو دیکھ رہی تھی۔ بڑی جی دار عورت تھی۔

ایک خوفناک حادثہ ہونے والا تھا۔ ایک بھیانک ڈرامہ کھیلا جانے والا تھا اور وہ اس کے لئے پوری طرح تیار تھی۔ لیکن کیا مجال کہ نقش بدلے ہوں جبکہ درجنا کا برا حال تھا۔ کشتی میں قدم رکھتے ہی اس کے بدن میں ایٹھن ہونے لگی تھی۔ دل ہولنے لگا تھا۔ طبیعت متلانے لگی تھی اور اگر اس کے چہرے پر نظر ڈالی جاتی تو خوف و دہشت کی علامت صاف نظر آ سکتی تھی۔

کشتی آگے بڑھتی رہی اور پھر وہ کنارے سے بہت دور نکل آئے۔ ماجھی نے اسے لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اور اب وہ پتوار بھی نہیں چلا رہا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو دیدی.....؟“

چندر مکھ نے درجنا کو مخاطب کیا اور درجنا اُچھل پڑی۔

”کچھ نہیں.....! کچھ بھی نہیں.....!“

اس نے خشک حلق کو تر کرتے ہوئے کہا۔ خونخوار شکل والے ماجھی نے پلٹ کر ان دونوں کو دیکھا اور درجنا کا چہرہ فق ہو گیا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے دیدی.....! چلو واپس چلیں.....!“

ماجھی.....! کشتی موڑ لو.....!“

چندر مکھ نے کہا۔

”نہیں نہیں.....! میری طبیعت ٹھیک ہے.....! ٹھیک ہے میری

طبیعت.....! ماجھی.....! جلدی کرو.....! جلدی کرو.....!“

درجنا چڑھنے ہوئے سانسوں پر قابو پانے ہوئے بولی اور ماجھی اُٹھ

کھڑا ہوا۔ اس کا مضبوط بدن صاف جھلک رہا تھا۔ چندر مکھ اسے دیکھنے لگی۔

اچانک درجنا بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے کا رنل بدل گیا

تھا۔ آنکھوں میں دیوانگی نظر آنے لگی تھی۔

”تو نے..... تو نے میرا سہاگ لوٹ لیا ہے چندال.....! تو میرے بالک کو بھی ختم کر دینا چاہتی ہے.....؟ مگر..... مگر اب تیرا آخری سے ہے.....! میں..... میں..... تجھے.....“

اس نے چندرکھ کے بال پکڑ لئے۔

”دیدى.....!“

چندرکھ زور سے چیخی۔

”دیدى.....! تمہیں کیا ہو گیا.....؟“

وہ اپنے بال درجنا سے چھڑاتے ہوئے بولی۔

”میں نہیں چھوڑوں گی تجھے.....! ہتھیاری.....! مار ڈالوں گی

تجھے.....! مار ڈالوں گی.....!“

درجنا نے پوری قوت سے اس کے بالوں کو جھنجھڑتے ہوئے کہا۔

چندرکھ خود کو اس سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اسی وقت

طاقتور ماجھی نے پیچھے سے اسے پکڑ لیا اور دوسرے لمحے چندرکھ پانی میں جا پڑی۔ اس نے ایک دہشت ناک چیخ ماری تھی۔ لیکن اپنی کامیاب چیخ پر وہ مسکرا رہی تھی۔

اور اس چیخ کے ساتھ ہی ایک اور چیخ کافی فاصلے سے سنائی دی جو

چندرکھ کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے اطمینان سے پانی میں غوطہ لگایا

اور نیچے ہی نیچے تیرنے لگی۔

اپنے گاؤں میں اس نے تالاب میں تیرنے میں خاصی مشق کی تھی

اور وہ ایک اچھی تیراک تھی۔

شکر دیال دربار میں موجود تھے۔ آج دربار خاص تھا۔ ریاست کے ضروری امور پر بحث ہو رہی تھی اور شکر دیال اس بحث میں مصروف تھے۔ اس دربار میں غیر متعلق لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن یدھ راج کی بات دوسری تھی۔ انہیں محل کے کسی بھی حصے میں کسی بھی وقت آنے کی اجازت تھی۔

چنانچہ وہ آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے تھے۔ شکر دیال اور دوسرے لوگ چونک پڑے۔ یدھ راج مہاراج کا چہرہ بھبھوکا ہو رہا تھا۔ وہ تقریباً دوڑتے ہوئے شکر دیال کے پاس پہنچے اور انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”دربار بند کر دے شکر دیال.....! تیری دنیا ختم ہو رہی ہے۔ جلدی

کر.....! اُٹھ یہاں سے جلدی.....! اُٹھ جا شکر دیال.....!“

انہوں نے بازو پکڑ کر سامنے کھڑا کر دیا۔ مہاراج شکر دیال بری

طرح اُچھل پڑے۔ دوسروں کے چہرے بھی خوف سے پھیل گئے تھے۔

”کیا بات ہے مہاراج.....! کیا ہو گیا.....؟“

شکر دیال بدحواسی سے بولے۔

”تو جیتا نہ رہے گا شکر دیال.....! میری بات سن اکیلے میں، میری

بات سن.....!“

یدھ راج اداکاری کی انتہا پر پہنچے ہوئے تھے۔ شکر دیال انہیں لئے ہوئے دربار ہی کے ایک کونے میں پہنچ گئے۔

”جلدی بتاؤ مہاراج.....! کیا بات ہے.....؟“

”بہت ہی کٹھن گھڑی ہے شکر دیال.....! بہت بڑا حادثہ ہونے والا

ہے۔ چندر مکھ کہاں ہے.....؟“

”محل میں ہوگی.....! نہیں.....! وہ گنگا کی سیر کو گئی ہے۔“

شکر دیال کو یاد آیا۔

”جلدی جا مورکھ.....! جل کنڈ ڈمگرا رہا ہے۔ میرے بھر مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ میری بات مان لے شکر دیال.....! چندر مکھ پر بہت برا سے ہے۔ اس کا جیون خطرے میں ہے۔ جا.....! اسے بچالے.....! ورنہ سادھو کی موجودگی بیکار ہو جائے گی۔ جلدی جا.....! دیر نہ کر۔“

اور شکر دیال کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ سخت سراسیمگی کی حالت میں دربار سے نکل بھاگے۔ یدھ راج مہاراج کا کام ختم ہو گیا تھا۔ شکر دیال کو دوڑتے دیکھ کر درباری بھی ان کے پیچھے بھاگے۔ شکر دیال چندر مکھ کے محل میں پہنچ گئے تھے، سب سے پہلے اسے چندا ملی اور انہوں نے چندا کو شانوں سے پکڑ لیا۔

”چندا.....! چندا.....! چندر مکھ کہاں ہے.....؟“

”رانی درجنہ کے ساتھ گنگا کی سیر کو گئی ہیں۔“  
وہ حقیقت حال سے واقف تھی۔

”اور کون ہے ان کے ساتھ.....؟“

”دونوں تنہا ہیں، رتھ بان انہیں لے گیا ہے۔“

چندا نے کہا لیکن مہاراج نے پوری بات بھی نہیں سنی تھی۔ انہوں نے درباریوں میں سے تین آدمیوں کو ساتھ لیا اور بدحواسی کے عالم میں باہر نکل آئے۔ وہ راج پاٹ بھول گئے تھے۔ افراتفری کے عالم میں گھوڑے لائے گئے۔ ان پر زینیں بھی نہیں ڈالی گئی تھیں اور پھر سب گنگا کی طرف دوڑ پڑے۔

شکر دیال کا گھوڑا انتہائی تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ انہیں اس گھاٹ کے بارے میں بھی نہیں معلوم تھا جہاں چند رکھ اور درجنہ گئی تھیں۔ تاہم وہ ایک گھاٹ پر پہنچ گئے۔ یہاں کشتیاں کھڑی تھیں۔ کیسی شان اور کیسا اہتمام، ایک بالکل عام سی کشتی میں مہاراج کود گئے۔ ان کے ساتھی بھی کشتی میں کود گئے تھے۔ دو تین کشتی کو کھینچنے والے بھی پکڑ لئے گئے۔

مہاراج شکر دیال کی بری حالت تھی۔ ان کا شریر کانپ رہا تھا۔ ہونٹ خشک تھے۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ کشتی چلانے والوں میں درباری بھی شامل ہو گئے۔ جاں نثاری کا اس سے بہتر موقع کون سا تھا۔ کشتی تیز رفتاری سے گنگا کے بہاؤ پر چل پڑی۔

مہاراج کی آنکھیں دُور تک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ تاحد نگاہ گنگا کا چوڑا پاٹ پھیلا ہوا تھا۔ دُور تک کوئی کشتی نظر نہیں آرہی تھی۔ شام کی کلاہٹیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ کشتی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر دُور ایک رنگین شے نظر آئی اور مہاراج چونک پڑے۔

انہوں نے غور سے دیکھا کشتی ہی تھی۔ اس کی جج دھج سے اندازہ ہوتا تھا کہ شاہی کشتی ہے۔ کشتی کی رفتار اور بڑھ گئی۔ ماجھی انعام کے لالچ میں فن دکھا رہے تھے اور کشتی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ اب دوسری کشتی صاف نظر آرہی تھی۔ لیکن اس پر ایک ہوشربا منظر دیکھ کر شکر دیال اپنی چیخ نہ روک سکے۔

شکر دیال نے دُور ہی سے درجنا اور چندر مکھ کو پہچان لیا۔ لیکن صورت حال یہ تھی کہ درجنا نے چندر مکھ کے بال پکڑے ہوئے تھے اور وہ اسے کشتی سے دھکیل رہی تھی۔ چندر مکھ مدافعت کر رہی تھی۔

”چندر مکھ.....!“

شکر دیال پوری قوت سے چیخے۔

”میں آ رہا ہوں چندر مکھ.....!“

لیکن ان کی آواز کشتی تک نہیں پہنچی تھی۔ پھر شکر دیال اور ان کے ساتھیوں نے قوی ہیکل ماجھی کو چندر مکھ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ ماجھی نے چندر مکھ کو اٹھایا اور دریا میں اچھال دیا۔ چندر مکھ سے ننھی سی چیخ سنائی دی تھی اور ساتھ ہی شکر دیال بھی پوری قوت سے چیخے۔

انہوں نے گڑگا میں چھلانگ لگانے آرہے تھے۔ سب اسے خشونت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مہاراج نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ رہ رہ کر اس کے دل میں یدھ راج کا خیال آ رہا تھا۔ کاش وہ کسی طور یدھ راج مہاراج سے مل سکے۔ وہی اس کٹھنا کا اپائے بتائیں گے۔ لیکن اس خواہش کا اظہار حماقت تھا۔

کون اس وقت اس کی بات مانتا.....؟ سب لوگ اسے درمیان میں لئے ہوئے چل رہے تھے اور پھر اسے اس کے محل میں لے آیا گیا، اس کے



کمرے میں لایا گیا اور تمام باندیوں کو بھگا دیا گیا، تب ایک کمرے میں اسے بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی گئی۔ کچھ پہرے دار اس پر متعین کر دیئے گئے۔

درجنا اپنے ہی کمرے میں بند تھی۔ وہ اپنے چھپرکھٹ پر بیٹھی اپنے ذہن کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دماغ تھا کہ پھٹا جا رہا تھا۔  
 ”یہ سب کیا ہوا.....؟ مہاراج وہاں کیسے پہنچ گئے.....؟ چندرکھ کیسے بچ گئی.....؟“

یہ تمام باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔ سب سے زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ وہ خود اپنے جرم کا اقرار بھی کر چکی ہے۔ اب کون اسے مہاراج شکر دیال کے عتاب سے بچا سکتا ہے۔ چندرکھ بھی زندہ بچ گئی تھی۔ وہ خود سب کچھ بتا دے گی۔ پھر..... پھر ایسا کون ہے جو اسے نجات دلا سکے.....؟ کون اس سے اس کی مدد کرے گا.....؟  
 ”یدھ راج.....؟ لیکن وہ کیا کر سکے گا.....؟ وہ تو خود ہی پھنس جائے گا۔“

اس سادھو نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا۔ بالکل بیکار نکلا۔ اس نے اپنا سب کچھ اسے دے دیا لیکن یدھ راج مہاراج اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکا۔

”لیکن اگر میں خود مردوں کی تو اسے بھی نہیں چھوڑوں گی۔“

کئی منٹ تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ باہر پہرے داروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر اچانک دروازے پر تین بار دستک سنائی دی اور وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن دستک اس کے لئے نہیں تھی۔ جس کے لئے تھی وہ چھپرکھٹ کے پیچھے سے

نکل رہا تھا۔ یہ دیال شرما تھا جس کے منہ پر کپڑا لپٹا ہوا تھا۔

اس کے ہاتھ میں درجنا کا ہی خنجر تھا۔ تیز اور چمکدار۔ درجنا کو اپنے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ دیال شرما اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ درجنا نے اسے دیکھا اور وہ دہشت سے چیخ پڑی۔ لیکن اس کی چیخ دیال شرما کے چوڑے ہاتھ میں دب گئی تھی۔ دیال شرما کا دوسرا ہاتھ آگے بڑھا جس میں خنجر تھا اور دوسرے لمحے خنجر درجنا کے دل میں پیوست ہو گیا تھا۔ درجنا کے کمزور ہاتھ پاؤں دیال شرما کی گرفت میں کانپنے لگے۔ اس کے پہلو سے خون کا فوارہ چھوٹا لیکن اس کی چیخیں دیال شرما کے ہاتھ کے نیچے دبی ہوئی تھیں۔ اس کے تڑپتے ہوئے جسم کو دیال شرما تھامے ہوئے تھا اور وہ درجنا کو اس وقت تک تھامے رہا جب تک کہ اس میں جان رہی۔

پھر جب اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا تو دیال شرما نے اسے احتیاط سے زمین پر لٹا دیا۔ درجنا کا خنجر کھینچ کر اس کے مردہ ہاتھ کی بھیجی ہوئی مٹھی میں دے دیا اور پھر کمرے میں اپنی موجودگی کے نشان مٹانے لگا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ دروازے پر پہنچا۔ اس نے اسی انداز میں دروازے پر تین بار دستک دی جسے باہر سے سنائی دی تھی اور وہ دروازہ جلدی سے کھل گیا۔ دیال شرما تیزی سے باہر نکل آیا اور دروازہ بند ہو گیا۔ باہر کھڑے ہوئے دونوں پہرے داروں نے آگے پیچھے سے اس کا جائزہ لیا اور بولے۔

”ٹھیک ہے.....! کوئی نشان نہیں ہے.....!“

دیال شرما نے پڑسکون انداز میں گردن ہلائی اور پھر ایک طرف چل

پڑا۔

ریاست پھول نواس ہل کر رہ گئی تھی۔ شکر دیال کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ پے در پے حادثے ہو رہے تھے۔ بھان شری کی غداری ہی سے وہ اتنے دلبرداشتہ ہوئے تھے لیکن چندر مکھ نے انہیں سنبھال لیا تھا۔ بھان شری کی ریاست سے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔ بھان شری کا باپ تورو پیٹ کر بیٹھ گیا لیکن اس کا نوجوان بھائی شیر کی طرح بھرا پھر رہا تھا۔ اس نے سوگندھ اٹھائی تھی کہ شکر دیال سے اپنی بہن کا بدلہ ضرور لے گا۔ اگر زیرک باپ اپنے بیٹے کو نہ روک لیتا تو شاید وہ اپنی فوجیں لے کر پھول نواس پر چڑھ دوڑتا۔

بہر حال شکر دیال کو ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی۔ چندر مکھ نے قدم قدم پر انہیں سہارا دیا تھا۔ لیکن اب درجنا کے اس اقدام نے ان کے حواب خراب کر دیئے تھے۔ درجنا نے ان کی چہیتی چندر مکھ کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔

اگر یدھ راج مہاراج وقت پر شکر دیال کو ہوشیار نہ کر دیتے تو شکر دیال کی دنیا ہی لٹ گئی تھی۔ چندر مکھ گنگا کی آغوش میں سو گئی تھی۔ شکر دیال کا رواں رواں یدھ راج کا احسان مند تھا۔

پوری سازش منظر عام پر آ گئی تھی۔ بچہ بچہ جانتا تھا کہ درجنا نے چندر مکھ کو ٹھکانے لگانے کے لئے ہولی کے دن سے چندر مکھ کو بہن بنایا تھا اور پھر وہ اس طرح گھل مل گئی کہ شکر دیال سوچنے لگے کہ درجنا نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ وہ سمجھوتے سے خوش بھی تھے۔

لیکن درجنا گہری چال چل رہی تھی۔ بالآخر وہ چندر مکھ کو ٹھکانے لگانے لے گئی۔ اگر مہاراج وقت پر نہ پہنچتے تو چندر مکھ مر گئی تھی۔ درجنا نے اپنی اسکیم کی ناکامی پر خودکشی کر لی تھی۔ نہ کرتی تو مہاراج اسے کتے کی موت

مار دیتے۔ چندرکھ رو بصحت تھی۔ دہشت کے علاوہ اسے اور کوئی بیماری نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہر وقت خوف سایا رہتا اور شکر دیال اس کی دلجوئی میں لگے رہتے۔ وہ اسے ہر طرح سے تسلیاں دیتے کہ اگر وہ مر جاتی تو شکر دیال بھی خود کو گرگا کے حوالے کر دیتے۔

اس وقت بھی وہ چندرکھ کے حسین چہرے کو اپنی آغوش میں لئے بیٹھے تھے۔ چندرکھ معصوم آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”چندرکھ.....! کیا سوچ رہی ہو.....؟“

”کچھ نہیں مہاراج.....!“

”مہاراج نہیں.....! مجھے اپنا داس کہو چندرکھ.....!“

شکر دیال نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھراتے ہوئے کہا۔

”آپ..... آپ میرے بھگوان ہیں مہاراج.....! درجن میری دیدی

بنی تھی۔“

”اس مورکھ کا نام نہ لو.....! نرکھ میں جل رہی ہوگی۔ نہ لو اس کا نام

میرے سامنے.....! تم معصوم ہو.....! بے حد معصوم.....!“

”مگر اسے مجھ سے دشمنی کیا تھی.....؟ میں نے اسے دیدی مان لیا

تھا۔ میں تو اس سے بہت پریم کرتی تھی۔“

چندرکھ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

”تو مہان ہے چندرکھ.....! تو پوتر من کی مالک ہے۔ وہ تیرے

لئے من میں کھوٹ رکھتی تھی۔ مورکھ سے بھگوان نے تیری کیسے سہایا کی۔ وہ

خود اپنی موت مرگئی نہ رکھنی کہیں کی.....!“

”اب تو مجھے سب سے ڈر لگنے لگا ہے مہاراج.....! نہ جانے کون

کون میرا دشمن ہو.....؟ رانی جی بھی تو ہے۔ وہ نہ مجھے مار ڈالے.....!“

چندر مکھ نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔  
 ”میں تیرے دشمنوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہوں چندر مکھ.....! کس  
 کی مجال ہے کہ تیری طرف ٹیڑھی آنکھوں سے دیکھ جائے.....؟ آنکھیں نکال  
 لوں گا ایک ایک کی.....! وہ بیچاری سیدھی سادی عورت ہے۔ مگر میں اسے  
 اس کے میکے بھجوا دوں گا۔ کل ہی یہ کام کر لوں گا۔ پھول نواس کی راج کماری  
 تیرے سوا کوئی نہیں ہوگی۔ تو میرا جیون ہے چندر مکھ.....! تیرے لئے میں  
 پھول نواس کو ٹھکرا سکتا ہوں۔“

”یدھ راج.....! تو ہمارے لئے اوتار ثابت ہوئے۔“

چندر مکھ نے کہا۔

”میں ان کا بڑا احسان مند ہوں۔ ایسے گیانی کسے ملتے ہیں.....؟  
 انہوں نے ہماری جتنی سہائتا کی ہے، ہم اس کا بدلہ نہیں دے سکتے۔ پھر بھی  
 میں نے سوچا ہے کہ ان کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دوں۔ جو مانگیں  
 گے انہیں دے دوں گا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ.....! تو ہم پوجا کے لئے چلیں گے اور  
 ان کے چرن چھوئیں گے۔“

شکر دیال نے عقیدت سے کہا اور چندر مکھ دل ہی دل میں مسکرانے  
 لگی۔ اس کے خیال میں یدھ راج کی وفاداری کا یہ مناسب انعام تھا۔

چنانچہ جب وہ صحت یاب ہو گئی تو ایک دن شکر دیال اسے لے کر  
 مندر پہنچے۔ یدھ راج مہاراج بدستور پوجا پاٹ میں مصروف تھے۔ شکر دیال  
 عقیدت سے ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ کسی داسی وغیرہ کو نہیں لایا گیا تھا۔  
 پھر جب مہاراج پوجا پاٹ سے فارغ ہوئے تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔  
 ”آؤ شکر دیال.....! کیسی ہو چندر مکھ.....؟“

”مہاراج کی کرپا ہے۔ آج اپنے قدموں سے چل کر مہاراج کے

رشن کرنے آئی ہوں۔“

”بھگوان تمہیں سکھی رکھے.....!“

”چندر مکھ کو آپ نے جیون دان دیا ہے مہاراج.....! میں آپ کا یہ احسان سات جنم بھی نہیں اتار سکتا۔ پر میں آپ کی کچھ سیوا کرنا چاہتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا مہاراج.....! میں آپ کی کیا سیوا کروں.....؟“

”سادھو کو کسی چیز کی اچھا نہیں ہے شکر دیال.....! بس مندر کا یہ کونا کافی ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہوگی میں تجھ سے مانگ لوں گا۔“

یدھ راج نے کہا اور شکر دیال کا دل عقیدت سے بھر گیا۔

کافی دیر تک شکر دیال اور چندر مکھ یدھ راج مہاراج کے چرنوں میں بیٹھے رہے۔ پھر ان سے اجازت لے کر واپس چلے آئے۔ چندر مکھ اب بالکل صحت یاب ہو گئی تھی اور شکر دیال کا دماغ بھی اب اعتدال پر آ گیا تھا۔

چنانچہ انہوں نے بہت عرصے بعد اپنا کام پھر سے شروع کر دیا تھا۔ وہی روزمرہ کے معمولات، خود چندر مکھ کے دماغ سے تمام بوجھ اتر گئے تھے۔ مطلع صاف ہو چکا تھا اور اب اس کا ذہن آئندہ اقدامات پر غور سے دیکھ کر مسکرا اٹھی۔

سچ مچ اب چندا سے دل سے پسند تھی۔ بڑی وفادار لڑکی تھی۔ صرف دو آدمی اس کے بھروسے کے تھے۔ ان میں سرفہرست چندا تھی۔ دوسرے نمبر پر یدھ راج مہاراج آتے تھے۔ یدھ راج مہاراج کو اس نے اپنے داؤ سچ سے قابو میں کیا تھا۔ اس لئے وہ ان پر مکمل بھروسہ نہیں کرتی تھی۔ لیکن چندا فطرتاً وفادار تھی۔ ہر موقع پر اس نے ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا اس لئے چندر مکھ اس کی طرف سے مطمئن ہو گئی تھی۔

رہ گیا دیال شرماتا تو وہ ایک جرائم پیشہ شخص تھا اور دیوانے بننے کے

لاج میں یہ سب کچھ کر رہا تھا۔

”آؤ چندا.....!“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”راج رانی کی مسکراہٹ پر قربان ہو جاؤں.....!“

چندا نے اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا حال ہے.....؟“

”ٹھیک ہوں راج رانی.....!“

”سب ٹھیک ہو گیا چندا.....؟“

”ہاں.....! بھگوان کی کرپا سے اب محل پر صرف چندر مکھ راج کر

رہی ہے۔“

”تم لوگوں کی مدد سے.....!“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مگر راج رانی جی.....! آپ نے بھی تو جان جوکھوں کا کام کیا تھا۔

اگر مہاراج وقت پر نہ پہنچتے۔“

”تو تیرا کیا خیال ہے میں ڈوب جاتی.....؟“

چندر مکھ ہنس کر بولی۔

”پھر راج رانی جی.....؟“

چندا نے حیرت سے پوچھا۔

”پگلی کہیں کی.....! میں اطمینان سے گنگا پار کر کے باہر نکل آتی۔

اپنے گاؤں میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ اگر میں تیرنا نہ جانتی تو کوئی اور

پروگرام بناتی۔“

چندر مکھ نے کہا اور چندا اس کی شکل دیکھنے لگی۔

”یہ نازک کلاسیاں اتنی مضبوط ہیں.....؟“

چندا نے چند رکھ کے خوب صورت ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ابھی تو نے ان کا دم کہاں دیکھا ہے چندا.....؟“

اور چندا خاموش ہو گئی۔ چند رکھ کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ چندا اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔ جب کئی منٹ تک چند رکھ کچھ نہ بولی تو چندا نے کہا۔

”کس سوچ میں گم ہو گئیں راج رانی.....؟“

”کچھ نہیں چندا.....!“

چندر رکھ نے گہری سانس لے کر کہا۔

”تو سنا دھرمیندر کیسا ہے.....؟“

”مزے میں ہے راج رانی.....! پر ایک چتا ہے۔“

”کیا.....؟“

”دھرمیندر کچھ اُداس رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ چھپ چھپ کر ملنا اسے پسند نہیں۔ کب تک یہ گاڑی چلے گی اور پھر جب بھی میرا گھر والا آجاتا ہے تو دھرمیندر ہفتوں مجھ سے بات نہیں کرتا۔ مجھے گھر والے کے ساتھ جو رہنا پڑتا ہے۔“

”اور..... یہ بات ہے.....!“

”ہاں راج رانی.....! میں خود بھی اب دھرمیندر کے بچوں کی ماں بننا

چاہتی ہوں۔ مجھے کوئی اپائے بتائیے.....!“

اور چند رکھ سر ہلانے لگی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”یہ کون سی بڑی بات ہے چندا.....؟ اب کے جس دن تیرا گھر والا

آئے، مجھے بتا دینا۔ یدھ راج مہاراج کس مرض کی دوا ہیں.....؟“



”مگر وہ کیا کریں گے.....؟“

چندا نے تعجب سے پوچھا۔

”اری بے وقوف.....! وہ کیا نہیں کر سکتے.....؟ تیرا گھر والا اگر یہ سنے کہ تیری پیشانی پر سانپ کا نشان بن گیا ہے اور یہ نحوست کی نشانی ہے۔ اگر وہ تیرا پتہ رہا تو بہت جلد جان گنوا بیٹھے گا۔ تو کیا وہ یدھ راج مہاراج جیسے مہمان سادھو کی بات جھوٹ مان سکتا ہے.....؟ تو پھر کیا وہ تجھے چھوڑنے کے لئے فوراً تیار نہ ہو جائے گا.....؟“

سن.....! اب جس روز تیرا اپنی راضی نہ ہوا تو نحوست کا یہ نشان اس کی جان لے لے گا۔ یہ کام دیال شرما بخوبی کر سکتا ہے.....!“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

چندا تعجب سے اس کی شکل دیکھتی رہی۔ پھر اس نے بے تحاشہ ہنسنا شروع کر دیا۔ وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہی تھی اور چندر مکھ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ جب ہنستے ہنستے چندا تھک گئی تو چندر مکھ نے کہا۔

”اب پاگلوں کی طرح ہنستی ہی جائے گی یا اس کی کوئی وجہ بھی بتائے گی.....؟“

”ویسے ہی مر جائے گا ہتھیارا کہیں کا۔ بڑا وہی ہے۔ بس یدھ راج مہاراج کی زبان سے یہ شبد نکلے اور اس کا دم نکلا۔ وہ تو پھول نواس ہی چھوڑ جائے گا راج رانی.....!“

چندا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تو ٹھیک ہے.....! تیرا کام بن جائے گا۔“

چندر مکھ نے کہا اور اس کے بعد چندا دیر تک ہنستی رہی۔ پھر اچانک وہ خاموش ہو کر چندر مکھ کی شکل دیکھنے لگی۔

”اب کیا بات ہے.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا لیکن چندا کچھ نہ بولی۔

”بولتی نہیں.....! اب کیا بات ہے.....؟“

”بس.....! ایسے ہی ایک خیال آگیا تھا مگر اظہار کر دوں تو جان

چلی جائے گی۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی۔“

”کیا بات ہے.....؟“

چندا نے تعجب سے پوچھا۔

”شما کر دیں راج رانی.....! ان میں ایک برا خیال آگیا تھا۔“

”چندا.....! اب تو میرے ہاتھ سے پٹے گی۔ بتا کیا خیال آگیا۔“

تھا.....؟“

چندر مکھ نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا۔

”راج رانی.....!“

چندا کے ہونٹ خشک ہو گئے۔

”شما کر دیں راج رانی.....! میرے من میں پاپ آگیا تھا۔ میں کبھی

ہمت نہیں کر سکتی۔“

”تیرا دماغ خراب ہے، میں تجھے بہن کہہ چکی ہوں چندا.....! بتا

دے کیا بات ہے.....؟ وچن دیتی ہوں۔ برا نہیں مانوں گی.....!“

”ایسے ہی ایک خیال آگیا تھا راج رانی.....! میں سوچ رہی تھی۔

میں پوچھنے والی تھی راج رانی.....! کہ کیا آپ مہاراج شکر دیال سے خوش

ہیں.....؟“

چندا نے کہا اور چندر مکھ چونک پڑی۔ وہ گہری نگاہوں سے چندا کی

شکل دیکھ رہی تھی۔ کئی بار دل میں آیا تھا کہ اپنے پریمی کی باتیں بھی کرے۔

لیکن وہ سمندر کی طرح گہری تھی۔ جانتی تھی کہ ابھی ماحول سازگار نہیں ہے۔ لیکن اب صورتِ حال دوسری تھی۔ اب صرف اس کا اقتدار تھا۔ کوئی مقابل نہیں تھا اور پھر چندا جیسی راز دار جو راز کو راز رکھنے کے لئے جان بھی دے سکتی ہے۔ اس سے کوئی بات کہی گویا اندھے کنوئیں میں ڈال دی۔

”راج رانی.....! وچن دے چکی ہو کہ ناراض نہیں ہوگی.....؟“

چندا نے سوکھے منہ سے کہا۔

”تو میں ناراض کہاں ہوں.....؟ مگر تو بات ذرا صاف صاف

کر.....!“

”بھگوان کے لئے راج رانی.....! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ

سکتی.....!“

چندا نے خوشامد کی۔

”ہماری طرف سے اجازت ہے۔ چندا جو دل چاہے بول.....! جو

من چاہے پوچھ.....! تو ہماری سب سے پیاری سہیلی ہے۔ ہم تجھ سے من کا بھید نہیں چھپائیں گے۔“

”رانی جی.....! ابھی آپ نوجوان ہیں۔ ابھی آپ کی عمر ہی کیا

ہے.....؟ اور مہاراج.....! زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ ان کی محبت مہان

ہے راج رانی.....! مگر نئی عمر کا جوان جو پریم دے سکتا ہے، کیا وہ مہاراج جے

سکتے ہیں.....؟ کیا راج رانی.....! کیا رانی جی نے کسی اور سے بھی پریم کیا

ہے.....؟“

چندا نے نہ جانے کس طرح دل کی بات کہی اور پھر سہمی ہوئی

لگا ہوں سے چند رکھ کو دیکھا۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ ایسی بات من میں ہی

کیوں آئی جو مصیبت بن گئی۔ لیکن راج رانی کا چہرہ نرم تھا۔ اس کی آنکھیں

خیالوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ چندا کی ڈھارس بندھی۔ کم از کم چند رکھ ناراض نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بعد وہ کچھ نہ بول سکے گی۔ اس نے مسکراتے ہوئے چندا کو دیکھا پھر بولی۔

”کیا تو نے ہمارے من کا چور کبھی پکڑا چندا.....؟“

”بھگوان کی سوگندہ.....! کبھی نہیں.....!“

چندا جلدی سے بولی۔

”تو مری کیوں جا رہی ہے دیوانی.....؟ میں کہہ چکی ہوں کہ برا نہیں مانوں گی۔“

چندرکھ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور چندا کی جان میں جان آ گئی۔

”رانی جی کی کرپا ہے۔“

مگر چند رکھ نے جواب نہیں دیا۔

”پریم سے کون سا دل خالی ہے چندا.....! مگر بعض لوگوں کی زندگی

میں پیاس ہی پیاس ہوتی ہے۔ انہیں پانی نہیں ملتا۔“

چندرکھ کا لہجہ اجنبی تھا۔ چندا حیران رہ گئی۔

”اپنی سکھی، اپنی داسی کو نہیں بتائیں گی رانی جی.....؟ میں جان دے

کر بھی یہ راز زبان پر نہیں لاؤں گی۔“

”تیرا خیال ٹھیک ہے چندا.....! ہمارا اپنا من بھی پریم سے خالی نہیں

ہے۔ مگر یہ پریم اپنے پردے کی تاریکیوں میں ڈبو دیا ہے ہم نے۔ ہم نے

کبھی اسے اپنی زبان پر نہیں آنے دیا۔“

”راج رانی.....!“

چندا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا یہ سچ ہے رانی جی.....؟“

”ہاں چندا.....! ہم بڑے ابھاگی ہیں۔ ہم نے برسوں سے اپنے پری کی شکل نہیں دیکھی۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہوگا.....؟“

”وہ کون ہے راج رانی.....؟ اپنی چندا کو بتاؤ.....! میں جیون کی بازی لگا کر اس سے ملوں گی۔ اسے دیکھوں گی۔ مگر آپ نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ کیا وہ آپ کے گاؤں کا تھا.....؟“

”یہ سب کچھ بتانے کا ابھی سے نہیں آیا ہے چندا.....! ہم سے آنے پر تجھے سب کچھ بتا دیں گے۔ ابھی اتنا ہی کافی ہے۔ مہاراج ہمیں بے پناہ چاہتے ہیں۔ ہم ان کی محبت کا اپمان نہیں کر سکتے۔ اگر تو ہماری راز دار رکھی نہ ہوئی تو ہم تجھے یہ بات مرتے سے تک نہ بتاتے.....!“

”چندا پر بھروسہ رکھو راج رانی.....! اگر کوئی اس کی آنکھیں بھی نکال دے گا تو بھی یہ راز اس کے ہونٹوں سے نہ پھوٹے گا۔ مگر میرا من راج رانی کے لئے تڑپے گا۔“

”نگلی ہے تو.....! ہم تڑپ نہیں رہے۔ تو بھی چتا نہ کر.....! ہم تدبیر سے تقدیر بنانے کے قائل ہیں۔ سے آئے گا جب سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”میں اسے دیکھنے کے لئے بے چین ہوں راج رانی.....!“

چندا نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔

”اوش دیکھ لے گی۔ بہت سے نہیں رہ گیا ہے۔“

چندرکھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور چندا اس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

”دیاں شرما آیا ہے راج رانی جی.....!“

چندا نے اطلاع دی اور چندرکھ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس

نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”بھیج دے چندا.....! اور خود دُور چلی جا.....! خیال رکھو کوئی اندر نہ

آنے پائے.....!“

چندا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر جلدی سے باہر نکل گئی۔ اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔

”کیا دیال شرما اس کا منظور نظر ہے.....؟ لیکن دیال شرما نہ تو بالکل جوان تھا اور نہ ہی خوب صورت۔ یہ کیسے ممکن ہے.....؟ اور اگر یہی بات ہے تو بہت عجیب بات ہے۔ چندر مکھ جیسی سندر رانی ہو تو ایک سے ایک حسین جوان جیون دان کر سکتا ہے۔ پھر یہ دیال شرما کیوں.....؟“

اس نے غور کیا تو اس کا یہ خیال مضبوط معلوم ہوا۔ دیال شرما نے چندر مکھ کے لئے بہت کچھ کیا تھا۔ لیکن چندر مکھ اسے اس کا معاوضہ بھی دیتی رہی تھی۔ خود چندا کے ہاتھوں اس نے دیال شرما کو بہت کچھ دیا ہے۔

”نہیں نہیں.....! وہ دیال شرما نہیں ہو سکتا۔“

بہر حال وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ اس نے باہر نکل کر دیال شرما کو اندر بھیج دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیال شرما چندر مکھ کے سامنے تھا۔ اس نے ادب سے چندر مکھ کو پرنام کیا اور چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”سناؤ دیال شرما.....! کیسے آئے.....؟ کسی چیز کی ضرورت

ہے.....؟“

”راج رانی کی کرپا سے سب کچھ موجود ہے۔ میں راج رانی کو ان

کا وچن یاد دلانے آیا ہوں۔ عمر بیتی جا رہی ہے راج رانی جی.....! اب آپ اپنا وچن پورا کر دیں۔“

”بیٹھ جاؤ دیال شرما.....!“

اور دیال شرما بیٹھ گیا۔

”بے شک تم نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے، اس کا صلہ تمہیں ملنا چاہئے.....! ہم اپنا وچن پورا کریں گے۔ لیکن اس کے لئے بھی تمہیں ہی کام کرنا ہوگا۔“

”میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں راج رانی جی.....!“

دیال شرما نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”تب تمہیں منتری کی گدی خالی کرانی ہوگی۔“

”جس طرح مہارانی آئنگیا دیں.....!“

”دیوان پورن سنگھ کس قسم کا آدمی ہے.....؟ تم جانتے ہو.....؟“

”جیسے منتری ہوتے ہیں راج رانی جی.....!“

”کیسا اس نے کوئی استری رکھی ہوئی ہے.....؟“

”اس کی اپنی استری ہے راج رانی جی.....! مگر اس نے ایک بیوی

سے بھی تعلقات رکھے ہوئے ہیں۔ نرملا اس کے محل ہی کے ایک حصے میں رہتی ہے۔“

”اوہ.....! نرملا بیوہ ہے.....؟“

”ہاں راج رانی جی.....!“

”مہاراج کو اس کے بارے میں معلوم ہے.....؟“

”معلوم ہے راج رانی جی.....!“

”تب دیال شرما، سیدھی سی بات ہے، نرملا بیوہ ہے۔ اس کے

دوسرے عاشق بھی ہوں گے۔ وہ چوری چھپے وہاں آتے ہوں گے۔ تم ایسا

گورکھ دھندا پھیلاؤ۔ دیوان جی کو نرملا پر شبہ ہو جائے کہ وہ دوسرے لوگوں

سے بھی ملتی ہے۔

اس سلسلے میں تم اپنے بھی دو ایک آدمی لگا دو اور پھر تم کسی دن خاموشی سے دیوانی جی اور نرملا کو قتل کر دو.....! جگہ خالی ہو جائے گی۔ تب میں مہاراج سے صاف کہہ دوں گی کہ تمہارے علاوہ ریاست کا دیوان کسی کو نہیں بنایا جائے گا۔“

”راج رانی کی جے ہو.....! بہت اچھا پروگرام ہے۔ مہاراج راج رانی کی بات کبھی نہیں ٹالیں گے۔ دیال شرما جیون بھر راج رانی کے چرن دھو دھو کر پیئے گا۔“ دیال شرما نے خوشی سے کانپتے ہوئے کہا۔

”تم منتری بننے کے لائق ہو دیال شرما.....! تم نے بھی تو ہمارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔“

”داس کو آپ نے بہت کچھ دیا ہے راج رانی جی.....! اب میں آگیا چاہتا ہوں۔ اپنا کام کر کے ہی آپ کی سیوا میں حاضر ہوں گا۔“

”تم ہمیں پہلے اطلاع دو گے.....!“

”ایسا ہی ہوگا راج رانی جی.....!“

دیال شرما نے کہا اور پھر وہ پرنام کر کے باہر نکل گیا۔ چند رکھ کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ پھر اس نے زیر لب کہا۔

”ٹھیک ہے.....! تم پر بھی زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا دیال شرما.....! میں تمہیں منتری ضرور بنوادوں گی۔“

اور پھر اس نے چندا کو بلانے کے لئے گانگ بجا دیا اور چند منٹ کے بعد چندا اندر آگئی۔



نرملہ درحقیقت طوائف تھی۔ ایک آتش نفس عورت۔ دیوان جی نے گو اسے مستقل رکھ لیا تھا، لیکن ذہنی طور پر وہ دیوان جی سے مطمئن نہیں تھی۔ دیوان بھی پھول نواس کے عیاش راجہ کی طرح عیاش فطرت تھا۔ نئی نئی عورتیں آتی رہی تھیں اور جب کوئی نہ ہوتا تو نرملہ تھا۔

تیس سال کی یہ طوائف بے حد حسین تھی۔ بہت سے جوان اس کے متوالے تھے۔ کبھی کبھی وہ کسی کونواز بھی دیا کرتی تھی۔ لیکن چوری چھپے اس نے مستقل طور پر بھی ایک جوان رکھا ہوا تھا۔ یہ منوہر تھا۔ ہٹاکٹا، سرخ و سفید پہلوان۔ جو بظاہر نرملہ کا نوکر تھا، لیکن درحقیقت اس کا لاڈلا تھا۔ اس کا کام اعلیٰ خوراک کھانا اور ڈنڈ نکالنا تھا۔ بس ضرورت کے وقت اس کی ڈیوٹی نرملہ کی خواب گاہ پر لگ جاتی تھی۔ نرملہ کے علاوہ اس نے کسی عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

لیکن جب ایک حسین ناری اس سے ملنے آئی اور اس نے منوہر سے لگاؤ کی باتیں کی تو منوہر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

”کیا نام ہے تیرا سندری.....؟“

”گوری.....! تو منوہر ہے ناں.....؟“

”ہاں.....! تو مجھے کیسے جانتی ہے.....؟“

”بہت دنوں سے تجھے جانوں ہوں رے.....! تو تو بس نرملہ کا ہو کر

رہ گیا۔“

”ایسی باتیں نہ کر سندری.....! میں نرملہ کا نوکر ہوں۔“

”شکل سے تو تو راجہ لگے ہے۔ کون مورکھ تجھے نوکر کہے ہے.....؟“

”کہاں راجہ.....؟ کہاں ہم.....؟“

منوہر نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

”پھر میرے من کے راجہ تو تم ہی ہو.....!“

گوری نے کہا اور مڑ کر چل دی۔ منوہر ہکا بکا رہ گیا۔ پھر وہ چونکا اور گوری کے پیچھے دوڑا۔

”سن سندری.....! سن تو.....! میری بات تو سن.....!“

”کل اسی جگہ.....!“

گوری نے کہا اور دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ منوہر دل تھام کر رہ گیا تھا۔ اس نے چوڑی روش طے کی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ چندر مکھ کے سامنے تھی۔ چندر مکھ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

”کیا رہا چندا.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا۔

”یہ مرد پنج ذات بڑے ہی ندیدے ہوتے ہیں۔ راج رانی.....! منوہر جی پھندے میں پھنس گئے ہیں۔ پھر کل ملنے جاؤں گی۔“

”احتیاط رکھنا چندا.....! بڑی ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔ دیال شرما چالاک انسان ہے۔ اس کی نگاہ تم پر نہ پڑنے پائے۔“

”چندا پر بھروسہ رکھیں راج رانی جی.....! جیسا چاہیں گی ویسا ہی

ہوگا۔“

چندا نے کہا اور چندر مکھ مسکرانے لگی۔

”بھروسہ نہ ہوتا تو اتنا بڑا کام تجھ سے نہ کرواتی۔ ویسے اس کے

بارے میں جیسا سنا ہے، ویسا ہی ہے وہ.....؟“

”اس سے بھی کچھ زیادہ راج رانی جی.....! اس کے موٹے موٹے

ہاتھ پاؤں دیکھ کر ڈر لگے ہے۔“

”ہوں.....!“

چندر مکھ کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔  
 ”ٹھیک ہے.....! آج کا کام ختم.....! مہاراج آتے ہی ہوں  
 گے۔“

اور چندا مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

دیال شرما نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ وہ مسلسل دیوان جی کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ ان کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھتا تھا۔ کئی بار وہ دیوان کے پیچھے نرملا کی خواب گاہ تک بھی گیا تھا۔ وہ صرف موقع کا منتظر تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی مناسب موقع پر دیوان کو نرملا کی خواب گاہ پر ہی قتل کر دے اور اس قتل کو ایسا رنگ دے دیے نرملا کے عاشقوں نے دیوان کو قتل کر دیا ہو۔

وہ جلد سے جلد یہ کام کر لینا چاہتا تھا اور وہ اس کے لئے صرف چویشن کا جائزہ لے رہا تھا۔ یوں تو وہ یہ کام کسی بھی وقت کر سکتا تھا۔ اس جیسے انسان کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی دیوانی جی کی معاملہ تھا۔ وہ کوئی ایسا کمزور پہلو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جس سے اس پر شبہ کیا جا سکے۔

بہر حال ایک ہفتے کی تگ و دو کے بعد اس نے پوزیشن سمجھ لی اور فیصلہ کر لیا کہ دوسری رات دیوان اور نرملا کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔ لیکن وعدے کے مطابق رانی چندر مکھ کو بھی بتانا تھا۔

چنانچہ دوسرے دن صبح وہ چندر مکھ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ چندر مکھ نے حسب معمول اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

”کیا حال ہے دیال شرما.....؟“

”کرپا ہے راج رانی جی.....! آج رات میں اپنا کام کر رہا ہوں۔“  
 دیال شرما نے کہا۔

”خوب.....! اس کا مطلب ہے کل کا دن ہنگامی ہوگا دیال شرما.....! تم اپنا کام کرو مگر رات کو کس وقت.....؟“  
 ”بارہ بجے کے سہ راج رانی.....!“

”ٹھیک ہے.....! میں تمہاری کامیابی کا انتظار کروں گی۔“  
 چندر مکھ نے کہا لیکن اس کی آنکھوں سے اُبلتا ہوا زہر کسی نے نہیں  
 دیکھا تھا۔

☆☆☆

”راج رانی.....!“  
 چندا نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔  
 ”باہر کوئی موجود تو نہیں ہے.....؟“  
 ”کوئی نہیں ہے راج رانی جی.....! مگر بات کیا ہے.....؟ راج رانی.....! کچھ.....“

لیکن جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی چندر مکھ نے اس کے ہونٹوں پر  
 ہاتھ رکھ دیا اور چندا نے اس کی اُٹھلیاں چوم لیں۔  
 ”منوہر کا کیا حال ہے چندا.....؟“  
 چندر مکھ نے پوچھا۔

”ٹھیک ہے راج رانی جی.....! رنگ پر آ گیا ہے۔ ہر وقت ایک ہی  
 رٹ لگائے رہے ہیں۔“  
 چندا نے شرما تے ہوئے کہا۔

”تو نے کیا جواب دیا.....؟“

چندر مکھ نے اسے سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا جواب دوں پاپی کو.....؟ بس چالاکی سے ٹال دیتی ہوں۔ پر

راج رانی جی.....! وہ زیادہ دنوں تک نہیں ٹلے گا اور میرے لئے مصیبت بن

جائے گا۔ کسی دن زبردستی پر نہ اتر آئے.....؟“

”سے آگیا ہے چندا.....! آج آخری رات ہے۔ آج کی رات تیرا

سخت امتحان ہے۔ چندا دیال شرما آج دیوان جی کے پاس جا رہا ہے۔ تو جانتی

ہے اس نالک میں تیرا کیا پارٹ ہے.....؟“

”اوہ.....!“

چندا بھی سنجیدہ ہو گئی۔

”میں جانتی ہوں راج رانی جی.....!“

اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ایک کام بھی غلط ہو جائے تو نالک کا رنگ بدل جائے گا۔“

”بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

چندا نے کہا اور چندر مکھ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ پھر اس نے

ایک گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ چندا کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

☆☆☆

”کیا بات ہے رے.....؟ آج کل تو کھویا کھویا سا رہتا ہے.....؟“

میرے کام میں بھی من نہیں لگاتا.....؟“

نرملہ نے منوہر کی چوڑی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور منوہر بے

اختیار چونک پڑا۔ وہ نرملہ کی پنڈلیاں دبا رہا تھا۔ سفید سفید سنگ مرمر سے

تراشی ہوئی پنڈلیاں، جنہیں دباتے ہوئے منوہر کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور آنکھیں لال انگارے کی مانند۔

اور نرملا اس کی اس کیفیت سے مسرور ہو جاتی تھی۔ اسے اپنی نسوانیت کی دلکشی پر غرور ہونے لگتا تھا اور فخر سے اس کا سینہ تن جاتا تھا۔ وہ منوہر کو زیادہ سے زیادہ تڑپاتی اور جب وہ بے قابو ہو جاتا تو خود کو اس کے حوالے کر دیتی۔

آج بھی منوہر کے ہاتھ نرملا کی چکنپنڈلیوں پر پھسل رہے تھے۔ لیکن اس کا دماغ کہیں اور تھا۔ آج اسے ان پنڈلیوں کی چکناہٹ کا احساس نہیں تھا۔ آج اس کے چہرے پر تپش تھی نہ سرخی۔ وہ کہیں اور کھویا ہوا تھا اور یہ کیفیت پچھلے کئی دنوں سے تھی۔ نرملا محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی اور اس نے منوہر سے سوال کر ہی ڈالا۔

منوہر عجیب انداز سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ ایک سیدھا سادہ نوجوان تھا، چھل کپٹ اسے نہیں آتے تھے۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

”ناراض تو نہیں ہوگی دیوی جی.....؟“

”نہیں.....! کیا بات ہے.....؟“

”مجھے پریم ہو گیا ہے دیوی جی.....! میں اب اس کے بناء نہیں رہ

سکتا۔ بھگوان کے لئے اس کے سنگ میرے پھیرے کرادو.....!“

منوہر نے نرملا کے پاؤں پکڑ لئے لیکن نرملا کے تن بدن میں آگے لگ گئی۔ اس نے منوہر کو گویا خرید لیا تھا، مریل سا لونڈا تھا۔ نرملا کی گہری نگاہوں نے جانچ لیا تھا کہ اگر اس کی کھلائی کی جائے تو کچھ سے کچھ بن جائے گا۔ چنانچہ ہوس پرست نرملا نے اسے خرید لیا اور پھر اس نے منوہر پر

بے دریغ خرچ کیا تھا۔ دیوان جی جیسے احمق نرملا کو کہاں خوش رکھ سکتے تھے.....؟ وہ تو بس دولت بنانے کا ایک ذریعہ تھے۔

چنانچہ نرملا اس نے سمیٹی تھی اور منوہر کو کھلاتی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ چیونٹی کے بھی پر نکل آئیں گے۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ منوہر سیدھا سادہ آدمی ہے۔ خود اس نے کسی ناری کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔ پھر وہ کون ہے جس نے نرملا کے مال کو صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔

چنانچہ منوہر پر برسنے کے بجائے اس نے بڑی چالاکی سے کام لیا اور اسی انداز میں بولی۔

”پر وہ ہے کون.....؟ کچھ اتہ پتہ تو بتا رہے.....!“  
 ”اس کا نام گوری ہے دیوی جی.....! بڑی سندر ہے.....! بالکل کنول کے پھول کی طرح۔“  
 منوہر نے کہا۔

”کہاں رہتی ہے.....؟ تجھ سے کیسے ملی.....؟“  
 ”یہ سب مجھے نہیں معلوم دیوی جی.....! بس یہاں آئی تھی۔ اکثر آتی رہتی ہے وہ، مجھ سے پریم کرتی ہے دیوی جی.....! آپ میرا یہ کام کرا دیں۔ جیون بھر دُعا آئیں دوں گا۔“  
 ”دُعا آئیں.....!“

نرملا نے کھولتے ہوئے دماغ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”کیا اس نے اپنا تن بدن تیرے حوالے کر دیا ہے منوہر.....؟“  
 ”نہیں دیوی جی.....! وہ بڑی پوتر ہے۔ مجھے پنڈے کو چھونے بھی نہیں دیتی۔ پر جب میرے اس کے ساتھ پھیرے ہو جائیں گے تو اس کا میرا

ادھیکار ہو جائے گا۔“

منوہر نے محبت میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا لیکن یہ لہجہ نرملا کے دل پر آرہے چلا رہا تھا۔ وہ حد سے زیادہ برداشت کر رہی تھی۔ منوہر اس کا محبوب تھا۔ وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ لیکن وہ اس لڑکی کو مزہ چکھانا چاہتی تھی۔ وہ اس کے جسم کے ٹکڑے کر دینا چاہتی تھی جس نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔

”عجیب پریکی ہے تو منوہر.....! تو نے اپنی پریمیکا کا پتہ بھی نہیں معلوم کیا۔ کچھ معلوم تو ہو وہ کون ہے.....؟ کہاں سے آئی ہے.....؟“

”دیوی جی.....! وہ تو آسمان سے کسی اپسرا کی طرح اُتری اور میرے من مندر میں بیٹھ گئی۔ اس کے سامنے سنسار کو بھول جاتا ہوں۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔“

”ٹھیک ہے منوہر.....! اب کی بار جب وہ آئے تو تو اسے میرے پاس لے آنا۔ اگر راضی نہ ہو تو زبردستی لے آنا۔ میں اس سے اس کے بارے میں معلوم کروں گی اور پھر تیرے پھرے کرا دوں گی۔“

نرملا نے پاؤں سیڑھتے ہوئے کہا۔

”بھگوان تمہیں سکھی رکھے دیوی جی.....!“

منوہر نے محبت سے نرملا کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن نرملا پیچھے ہٹ گئی۔ اس وقت اس کا خون پی جانے کو جی چاہ رہا تھا، لیکن اس کی برہمی منوہر کو ہوشیار کر سکتی تھی اور اس طرح وہ اس عورت سے انتقام نہیں لے سکتی تھی جس نے اس کی محبت پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی تھی، اس لئے اس نے خود کو سنبھالا اور منوہر کے ہاتھ کمر میں سے نکالتے ہوئے بولی۔

”بس.....! اب تو جا.....! مگر اسے میرے پاس لانا نہ بھولیو.....!“



”لے آؤں گا دیوی جی.....! پر.....“  
 ”نہیں.....! آج نہیں.....! دیوان جی آنے والے ہیں۔ بس تو

جا.....!“

نرملہ نے کہا اور منوہر خوش خوش گردن ہلاتا ہوا باہر نکل آیا۔ لیکن نرملہ کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔ اس کو اگر گوری کا پتہ معلوم ہو جاتا تو وہ خود جا کر اس کے جسم کی دھجیاں بکھیر دیتی۔ وہ ایک خوب صورت چھپر کھٹ پر بیٹھی کھولتی رہی۔ تب ایک داسی نے دیوان جی کے آنے کی اطلاع دی اور نرملہ سنبھل گئی۔

دیوان جی کو ان واقعات کی بھٹک بھی نہیں پڑی چاہئے تھی۔ ظاہر ہے وہ ایک زبردست آسامی تھے جس نے نرملہ کی عزت کئی گنا بڑھا دی تھی اور پھر دیوانی جی کی وجہ سے اس کی مالی حیثیت بھی بہترین ہو گئی تھی۔ صرف ایک ملازم سمجھتے ہیں اگر انہیں واقعات کا پتہ چل جائے تو وہ منوہر کو کبھی برداشت نہیں کریں گے۔

چنانچہ اس نے اپنا موڈ بدل لیا اور دیوان جی کا انتظار کرنے لگی۔  
 دیوان جی دھوتی کا پلو سنبھالتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور نرملہ ان کے سواگت کے لئے کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک ادا سے ہاتھ جوڑ کر انہیں پرنام کیا۔ دیوان جی مسکراتے ہوئے آگے بڑھے۔

”کیا کر رہی تھی ہماری رانی.....؟“

انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”مہاراج کا انتظار.....!“

نرملہ نے بالوں کی لٹ سنوارتے ہوئے کہا۔  
 ”بس کیا کریں.....! ریاست کے کاموں میں اُلجھے رہتے ہیں ورنہ

ہمارا من کہاں چاہتا ہے نرملا سے جدا رہنے کو.....؟“  
 دیوان جی نے نرملا کو چھپرکھٹ پر بٹھاتے ہوئے کہا اور پھر خود بھی  
 اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ نرملا نے اپنا سر ان کے سینے پر رکھ دیا۔  
 ”ہمارا من تو چاہتا ہے کہ بس اسی طرح نرملا کے پاس بیٹھے رہیں  
 اور دنیا آگے بڑھ جائے۔“

”بس.....! اسی طرح.....؟“

نرملا نے معصومیت سے پوچھا اور دیوان جی کا دل اس دعوت پر جھوم  
 اٹھا۔

”نہیں.....! جس طرح ہماری نرملا کہے.....!“

انہوں نے نرملا کو ٹھوڑی اٹھا کر کہا۔ اسی وقت کسی نے دروازے پر  
 دستک دی اور دونوں چونک پڑے۔ نرملا کی تیوریاں چڑھ گئیں اور اس نے  
 سخت لہجے میں کہا۔

”کون ہے.....؟ اندر آؤ.....!“

دیوان جی سن بھل گئے۔ لیکن اندر آنے والے آدمی کو دیکھ کر دونوں  
 بری طرح چونک پڑے تھے، وہ ایک تندرست و توانا آدمی تھا اور منہ پر کالا  
 کپڑا لپیٹے ہوئے تھا۔

”کون ہو تم.....؟“

دیوانی جی جلدی سے چھپرکھٹ سے اٹھ گئے۔

”ابھی بتاتا ہوں دیوان جی.....!“

آنے والے نے کہا اور دوسرے ہی لمحے ایک چمکدار خنجر نظر آیا۔  
 دیوان جی کی تو حالت خراب ہو گئی اور ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے  
 رہ گیا۔ ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔ لیکن نرملا دہشت سے چیخ یڑی۔ آنے والے کا

اُلٹا ہاتھ نرملا کے منہ پر پڑا اور وہ چھپر کھٹ پر اوندھی ہو گئی۔

تب نقاب پوش آگے بڑھا۔

”بہت ہو گئی دیوان جی.....! بس اب تم پر لوک سدھا رو۔ دوسروں

کے لئے جگہ خالی کرو.....!“

اس نے خنجر بلند کرتے ہوئے کہا۔

”ہے بھگوان.....! ہے بھگوان.....!“

دیوان جی نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا لیکن آنے والے نے

خنجر ان کے دل کے مقام پر بھونک دیا اور نرملا پھر سے کٹے ہوئے بکرے کی طرح چیخ پڑی۔

”خاموش رہ کتیا کی جی.....! نہیں تو.....“

نقاب پوش نے دبی دبی غراہٹ سے کہا اور دیوان جی کے جسم کے

خنجر کے کئی وار کئے۔ دیوان جی کی دلخراش جینیں اُبھری تھیں۔ اسی وقت نرملا

نے چھپر کھٹ سے اُچھل کر دروازے کی طرف چھلانگ لگائی لیکن نقاب پوش

نے اسے راستے ہی میں پکڑ لیا اور پھر اس کا خون آلود خنجر نرملا کی گردش پر چل

گیا۔ اس نے نرملا کا زرخرہ کاٹ دیا تھا۔

نرملا زمین پر گر کر ترپنے لگی۔ دیوان جی تو پہلے ہی ٹھنڈے ہو گئے

تھے۔ چہرے پر کپڑا باندھے ہوئے شخص نے مسکراتے ہوئے کپڑا کھول دیا اور

حقارت سے دیوان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”شما کرنا مہاراج.....! اقتدار حاصل کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرنا

ہوتا ہے۔ اب ریاست کا دیوان دیال شرما ہوگا۔“

اور پھر وہ مسکراتا ہوا دروازے کی طرف پلٹا اور اس نے اس وقت

ایک دیو قامت شخص کو اندر آتے ہوئے دیکھا اور وہ اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دیو قامت انسان کے ہاتھ میں ایک چمکدار گنڈا سہ تھا۔ دیال شرمانے اپنا خنجر سامنے کر لیا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔



نرملہ کے کمرے سے نکل کر منوہر باہر باغ میں آ گیا۔ جب سے گوری اسے ملی تھی، اس کا دل نرملہ کے پاس نہیں لگتا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک سادہ دل نوجوان تھا۔ فاقوں کا مارا ہوا، نرملہ کے پاس ملازمت کے لئے آیا تھا۔ نرملہ نے نہ صرف اسے ملازم رکھ لیا تھا بلکہ اس کی وہ خاطر مدارت کی کہ اس کا حلیہ ہی بدل گیا۔ وہ اپنی مالکہ کا احسان مند تھا اور اس سے محبت بھی کرتا تھا لیکن اس انداز کی نہیں جس طرح نرملہ چاہتی تھی۔

پھر جب پہلی بار اسے نرملہ نے اپنی خواب گاہ میں بلایا اور نرملہ کا مقصد اس کی نگاہوں میں نظر آیا تو وہ لرز گیا۔ اسے احساس ہوا کہ یہ پاپ ہے۔

مالکن..... مالکن ہوتی ہے لیکن نرملہ نے اسے شراب پلا کر اس کے دل سے گناہ کا احساس نکال دیا اور پھر بار بار گناہ ہونے لگا۔

منوہر کو اپنا مصروف معلوم ہو گیا اور اسے اس نے اپنا فرض سمجھ لیا۔ لیکن اس کا دل نرملہ کو اس حیثیت سے قبول نہیں کرتا تھا۔ اس کے باوجود وہ نرملہ کی دل سے عزت کرتا تھا اور اسے اپنی مالکن سمجھتا تھا۔ پھر گوری ایک چھلاوے کی طرح اس کی زندگی میں آئی اور وہ گوری سے دل ہار بیٹھا۔ اُٹھتے بیٹھتے اس کی نگاہوں میں گوری کی تصویر ہوتی۔

اس نے گوری کو بھی نرملہ بنانا چاہا لیکن شوخ و شریر گوری نے اسے اپنا جسم چھونے بھی نہیں دیا۔ تب سادہ دل منوہر کے دماغ نے یہی فیصلہ کیا کہ

گوری کو اپنی پتی بنا لے۔

اس کے بعد اسے گوری پر مکمل ادھیکار ہوگا اور اس نے اس سادہ دلی سے نرملا کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نرملا نے اس بات کا کیا اثر لیا ہے.....؟

بہر حال چونکہ نرملا نے اس سے وعدہ کر لیا تھا اس لئے بخوشی وہاں سے واپسی پر اس کے قدم اس طرف اٹھ گئے جہاں گوری اس سے ملاقات کرتی تھی اور پھر جب وہ پھولوں کے اس کنج میں پہنچا تو گوری اس کی منتظر تھی۔ خلاف توقع گوری کو موجود دیکھ کر اس کا دل خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ پاگلوں کی طرح آگے بڑھا اور اس نے گوری کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کر اسے سینے سے لگا لیا۔

”ارے ارے.....! کیا دارو پی لی ہے.....؟ چھوڑو مجھے.....! چھوڑو مجھے منوہر.....!“

گوری نے اس کے چوڑے چکلے سینے پر ہاتھوں سے گھونے مارتے ہوئے کہا۔

”بس.....! اب بہت کم سے رہ گیا ہے گوری جی.....! دیکھتا ہوں خود کو کب تک چھڑاؤ گی۔“

”کچھ باؤ لے ہوئے ہو کیا.....؟ کیا بات ہے.....؟“

”میں نے آج آشا دیوی سے من کی بات کہہ دی ہے گوری.....!“

منوہر نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

”کیا بات کہہ دی.....؟“

گوری چونک پڑی۔

”میں نے کہہ دیا کہ میں گوری سے پریم کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ

ہوں کنڈ میں اگنی کے گرد پھیرے لگانا چاہتا ہوں۔“

”پھر نرملا نے کیا کہا.....؟“

”نرملا دیوی تیار ہو گئیں۔ انہوں نے کہا کہ گوری کو میرے پاس لے

آنا.....! میں اس سے بات کروں گی اور تمہارے پھیرے کرا دوں گی۔“

”ہوں.....! یہ بات تم نے کب ان سے کہی تھی.....؟“

گوری نے پوچھا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے وہیں سے تو آ رہا ہوں۔“

”دیوان جی نہیں آئے ابھی.....؟“

گوری نے پوچھا۔

”آنے والے تھے جہی تو میں یہاں چلا آیا.....!“

”ہوں.....!“

گوری نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن منوہرنے اسے محسوس نہیں کیا۔ وہ گوری کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت سے بولا۔

”تم نے مجھے بتایا نہیں گوری.....! کہ تم کہاں رہتی ہو.....؟“

”آکاش پر.....!“

گوری نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن اس کے کان کہیں اور لگے ہوئے تھے اور چہرہ مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

”مجھے بھی تم اپرا معلوم ہوتی ہو..... پر مجھے سچ بتاؤ.....! مجھے

اپنی پریمیکا کا پتہ بھی نہیں معلوم.....!“

”ارے.....! پتہ معلوم کر کے کیا کرو گے.....؟ میں خود جو تمہارے

پاس آ جاتی ہوں۔“

گوری نے پیار سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔  
 ”چلو ٹھیک ہے.....! جب پھیرے ہوں گے تب تو بتاؤ گی.....؟“  
 منوہر احقانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا اور اسی وقت گوری کے  
 حساس کانوں نے ایک نسوانی چیخ سنی اور اس کا دل اُچھل پڑا۔  
 ”منوہر.....! تم نے سنا.....؟“  
 ”کیا.....؟“

منوہر نے تعجب سے پوچھا لیکن گوری کو کچھ بتانے کی ضرورت پیش  
 نہیں آئی تھی۔ دوسری چیخ منوہر نے بھی سنی تھی۔  
 ”یہ تو..... یہ تو..... نرملا دیوی کی چیخ ہے۔“  
 وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔  
 ”سنو تو منوہر.....!“  
 گوری نے اس کا بازو پکڑ لیا۔  
 ”ہاں.....! وہ نرملا دیوی ہی کی چیخ تھی۔ نہ جانے کیا پتا پڑی  
 ہے.....؟“

”تم کہاں جا رہے ہو.....؟“  
 ”دیکھو تو سہی.....!“  
 منوہر نے کہا۔  
 ”اور بھگوان نہ کرے تمہیں کچھ ہو گیا تو.....؟“  
 ”ازے.....! مجھے کچھ نہیں ہوگا.....! تم میرے بازوؤں کی طاقت  
 سے ابھی واقف نہیں ہو۔“  
 منوہر پھر آگے بڑھا۔  
 ”سنو تو سہی.....!“

گوری نے کہا اور منوہر رک گیا۔

گوری نے اپنے لباس سے ایک چمکدار گنڈا سہ نکالا اور اسے منوہر کے ہاتھ میں دے دیا اور بولی۔

”اسے لیتے جاؤ.....! کوئی دشمن نہ ہو..... یہ تمہارے کام آئے گا.....!“

منوہر نے گنڈا سہ لے لیا اور پھر وہ تیزی سے اندر کی طرف دوڑا۔ رات کے سسے دوسرے لوگوں کو نرملا دیوی کے محل میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوائے منوہر کے کیونکہ منوہر کی وقت بے وقت دیوی جی کو ضرورت پڑتی رہتی تھی۔

منوہر گنڈا سہ لئے اندر گھس گیا اور چند ساعت کے بعد وہ نرملا دیوی کی خواب گاہ پر تھا۔ اندر سے اسے کچھ غیر معمولی آوازیں سنائی دیں اور بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔

تب اس نے وہ روح فرما منظر دیکھا۔ دیوان جی کی انتڑیاں باہر پڑی ہوئی تھیں اور نرملا دیوی کے جسم سے بھی خون اُبل رہا تھا۔ وہ جانکنی کے عالم میں ہاتھ پاؤں بیچ رہی تھی اور ان دونوں کا قاتل ہاتھ میں خنجر لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ منوہر کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

”یہ..... یہ..... یہ تو نے کیا کیا پاپی.....؟“

منوہر نے غیظ آلود لہجے میں کہا۔

”تو کون ہے.....؟“

قاتل غرایا۔

”ابھی بتائے دیتا ہوں، میں کون ہوں.....؟“

منوہر نے منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے کہا۔ اپنی مالکن کا خون دیکھ



کر اس کی آنکھوں میں بھی خون اُتر آیا تھا۔ قاتل سنبھل گیا۔ اس نے خنجر حملہ کرنے کے انداز میں پکڑ لیا تھا۔ دوسری طرف منوہر بھی خالی ہاتھ نہیں تھا۔ گوری کا دیا ہوا گنڈا اس نے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

دفعۃً قاتل نے انتہائی صفائی سے اس پر وار کیا۔ لیکن منوہر نے پیچھے ہٹ کر اس کا وار خالی کر دیا اور دوسرے لمحے اس نے قاتل پر چھلانگ لگا دی۔ قاتل بڑی بھرتی سے پیچھے ہٹا لیکن وہ نرملا کی لاش میں اُلجھ گیا۔ پیچھے ہٹتے وقت اس نے سمت کا صحیح تعین نہیں کیا تھا۔

چنانچہ وہ چاروں شانے چت گرا اور منوہر کے لئے یہ مہلت کافی تھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ قاتل کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اس نے قاتل کا خنجر والا ہاتھ دبا لیا۔ قاتل بھی کمزور نہیں تھا۔ لیکن وہ اپنے سینے سے اس چٹان کو دھکیل نہیں سکا تھا۔ اس نے بھی منوہر کے گنڈا سے والا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اس کی گردن کی رگیں پھول گئی تھیں۔ چہرہ انگارے کی مانند سرخ ہو گیا لیکن اس کے بازو کی پوری قوت بھی منوہر جیسے بے فکر سائنڈ کے جھکتے ہوئے ہاتھ کو روکنے میں ناکام تھی۔

یہاں تک کہ گنڈا اس کی گردن کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے آخری بچاؤ کے لئے اپنے پورے جسم کی طاقت صرف کی۔ اس کوشش میں اس کے ہاتھ کی گرفت کمزور پڑ گئی اور دوسرے لمحے تیز اور چمکدار گنڈا اس نے اس کی گردن اڑا دی۔

قاتل کے منہ سے آخری چیخ بھی بلند نہ ہو سکی۔ اس کی گردن سے اُبلتے ہوئے خون نے منوہر کا منہ رنگ دیا تھا۔ منوہر نے دیال شرما سے اپنی مالکین کے خون کا بدلہ لے لیا تھا۔ اسے دیوان جی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ کمرے میں تین لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

چاروں طرف خون بہہ رہا تھا۔ منوہر نے یہ دہشت ناک منظر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہ چیختا ہوا باہر بھاگا۔ وہ سیدھا باغ میں گیا تھا۔ لیکن گوری پھولوں کے کنج کے پاس موجود نہ تھی۔  
 ”گوری.....!“

اس نے دھاڑ کر آواز دی اور ملازموں کے کمرؤں کے دروازے کھلنے لگے۔ گوری کا کہیں پتہ نہیں تھا۔



شکر دیال کے دربار جاتے ہی چندر مکھ نے چندا کو بلا بھیجا۔ چندا ایک موٹی چادر اوڑھ کر چندر مکھ کے پاس آئی تھی۔ اس کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

”کیا ہوا چندا.....؟ کیا بات ہے.....؟“

چندر مکھ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے ہلاتے ہوئے کہا اور وہ چونک پڑی۔

”ارے.....! تجھے تو بخار ہے.....!“

”ہاں.....! راج رانی جی.....! سب ٹھیک ہے.....! پر مجھے بخار ہو گیا ہے۔“

”ڈرگئی تھی کیا.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا۔

”ہاں.....! راج رانی جی.....! میں نے جیون بھرا تا خون نہیں

دیکھا۔ رام.....! رام.....!“

چندا لرزتے ہوئے بولی۔

”بیٹھ جا چندا.....! تو تو کانپ رہی ہے۔ میں سخت بے چین ہوں۔ میری سکھی.....! میں بھی رات بھر نہیں سو سکی ہوں۔ اگر مہاراج میرے پاس نہ ہوتے تو میں رات ہی کو تیرے پاس آتی یا تجھے بلا لیتی۔“

مجھے بتا کیا ہوا.....؟“

”سب ٹھیک ہو گیا راج رانی.....! ہر کام مرضی کے مطابق ہوا ہے۔ دیال شرما نے دیوان جی اور نرملا کو قتل کر دیا اور پھر منوہر نے دیال شرما کو۔ بڑا خونی ڈرامہ تھا۔

راج رانی جی.....! میں منوہر کو بھیج کر خود بھی چپکے چپکے وہاں پہنچ گئی۔ دونوں خونی درندوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ اور پھر منوہر نے دیال شرما کی گردن اُڑا دی اور خود بھی چیختا ہوا باہر بھاگ گیا۔ تب میں نے کمرے میں جھانکا۔ چاروں طرف خون ہی خون بکھرا ہوا تھا۔ ہر چیز گل رنگ ہو رہی تھی۔ میں نہ جانے کیسے بھاگ کر یہاں آئی راج رانی.....! میرا من ہی جانتا ہے۔“

”ارے.....! میری چندا.....! میں تیرا منہ موتیوں سے کیوں نہ بھر دوں.....؟ میری پیاری چندا.....!“

چندرکھ نے چندا کا منہ چوم لیا اور اچانک چندا نے چادر اتار پھینکی۔ چندرکھ حیران رہ گئی تھی۔

”میرے سارے روگ چلے گئے راج رانی.....! میرے بھاگ، آپ نے میرا منہ چوما.....! ایک بار اور میرا منہ چوم لیں تو پھر میں جیون بھر بیمار نہ ہوں گی۔“

”چندا.....! میری پیاری سکھی.....!“

چندر مکھ نے پیار بھرے لہجے میں کہا اور چندا کی خواہش پوری کر

دی۔



دیوان کے لرزہ خیز قتل کے چرچے ہفتوں ہوتے رہے تھے۔ شکر دیال پریشان رہے تھے۔ کہانی وہی منظر عام پر آئی جو چندر مکھ چاہتی تھی۔ یعنی دیوان جی، نرملا کے عاشق تھے اور دیال شرما بھی۔ چنانچہ رقابت میں یہ قتل و غارت گری کا ڈرامہ ہوا۔

منوہر نے صرف اپنا فرض ادا کیا تھا۔ تاہم وہ بھی جیل میں تھا۔ بات صاف تھی۔ اس لئے کسی نے گہرائی میں نہ سوچا۔ اصلیت صرف چندا اور چندر مکھ کو معلوم تھی۔

بہر حال اب چندر مکھ کے تمام راستے صاف تھے اور اب اس کے دل میں ہمیش کی یاد چٹکیاں لینے لگی تھی۔ وہ اب ہمیش کی قسمت کھولنا چاہتی تھی۔ اس کے لئے چندا سے اچھا مشیر اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن چندا پر لاکھ بھروسے کے باوجود اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ ایک شام باغ میں ٹہلتے ہوئے اس نے چندا سے پوچھا۔

”کیا حال ہے ری.....! تری دھر میندر کا.....؟“

”اچھا ہے.....! راج رانی جی.....! آپ کی دیا سے مگر.....“

چندا خاموش ہو گئی۔

”میں سمجھتی ہوں.....! اب کہہ آ رہا ہے تیرا پتی.....؟“

”پرسوں سوموار ہے۔ پرسوں آئے گا مورا.....!“

چندا نے دانت پیس کر کہا۔

”ہوں.....! ٹھیک ہے.....! کل ہم دونوں پوجا کرنے چلیں گے.....!“

”سچ راج رانی جی.....؟“

”ہاں ہاں.....! سچ سچ.....!“

چندا نے مسکرا کر اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔  
 ”بھگوان آپ کو خوش رکھے راج رانی جی.....! پر میرے من کی ایک  
 آرزو ابھی پوری نہیں ہوئی راج رانی جی.....! بھگوان جانے میں کب اس  
 قابل ہوں گی کہ راج رانی میرے اوپر وشواش کریں گی.....؟“

”ہم تیرے اوپر بھروسہ کرتے ہیں چندا.....!“

چندرکھ نے حوض کے کنارے پر بڑی ہوئی بیٹیج پر بیٹھتے ہوئے کہا۔  
 ”میرا من نہیں مانے ہے راج رانی.....!“

”کیوں.....؟“

چندرکھ نے پانی پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔  
 ”میں آج تک راج رانی کے من کے بھید سے ناواقف ہوں راج  
 رانی.....!“

”جان کر کیا کرے گی چندا.....؟“

”اس بھاگوان کو دیکھوں گی اور اگر راج رانی چاہیں گی تو اسے راج  
 رانی سے ملانے کے لئے جیون دان کر دوں گی۔“

”سچ کہہ رہی ہے چندا.....؟“

چندرکھ نے آہستہ سے پوچھا۔

”جھوٹ بولوں تو ابھی اندھی ہو جاؤں راج رانی جی.....!“

چندا نے اس کے گھٹنے پر ٹھوڑی رکھتے ہوئے کہا۔ چندرکھ اس کا چہرہ

دیکھنے لگی پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”پورے سنسار میں ہمارا تیرے سوا اور ہے ہی کون.....؟ چندا.....!  
ہم تجھے ہی من کا دکھ نہیں بتائیں گے تو کسے بتائیں گے.....؟ آج تجھے اپنے  
من کا بھید سوچ رہے ہیں چندا.....! ہماری لاج رکھنا.....!“

”راج رانی جی.....! چاہیں تو چندا کی زبان کاٹ لیں۔ اس کے  
ہاتھ کاٹ دیں۔ راج رانی.....! چندا اپنی سکھی کا بھید کسی سے کہنے سے پہلے  
اپنی زبان کاٹ دے گی۔“

چندا نے بڑے خلوص سے کہا۔

”نہ جانے کہاں ہوگا بیچارہ.....؟ نہ جانے کیا کر رہا ہوگا.....؟“

چندر مکھ نے کہا۔

”تجھے معلوم ہے چندا.....! کہ ہم مہاراج دیال شکر کے کہنے پر  
برہمن اور ودیا شکر کے یہاں رہے تھے۔ اس نے ہمیں اپنی بھتیجی کہہ کر اپنے  
ہاں رکھا تھا۔“

”ہاں.....! راج رانی جی.....! مجھے معلوم ہے۔“

”ودیا شکر کا ایک لڑکا تھا ہمیشہ..... بڑا سندر، بڑا ہی بانکا، وہ ہم سے  
پریم کرنے لگا تھا چندا.....! اور ہم بھی اس سے۔ مگر ہم اسے حاصل نہیں کر  
سکے تھے اور اب تو ہمیں اس مورکھ کی کوئی خبر بھی نہیں ملی۔“

چندر مکھ کی آنکھوں میں اُداسیاں اُٹ آئیں اور چندا منہ پھاڑے چندر  
مکھ کو دیکھتی رہ گئی۔ کئی منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

”راج رانی جی.....! آپ بھی اس سے پریم کرتی تھیں.....؟“

”ہاں.....! چندا.....! جی جان سے۔ وہ ہمارا پریمی ہے، ہم اسے

من کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں۔“

”اور راج رانی نے اسے یہاں آنے کے بعد کبھی بلایا بھی نہیں.....؟“

”ہم ڈرتے ہیں چندا.....!“

”چندا کے ہوتے ہوئے، اپنی سکھی کے ہوتے ہوئے.....!“

”بس ہمیں تیرا ہی بھروسہ ہے چندا.....!“

”چندا اس بھروسے پر اپنا جیوان وار دے گی راج رانی جی.....! مگر

کیا آپ دونوں میں بات چیت بھی ہوتی تھی.....؟“

”ہم اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکے چندا.....! نہ جانے اس کا کیا

حال ہو.....؟ اب تو وہ ہمارا خیال بھی نہ کرتا ہوگا۔“

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے راج رانی جی.....! اگر وہ سچا پریمی ہے تو وہ

دن رات آپ کے لئے تڑپتا ہوگا۔ میری پیاری سکھی.....! اب سب کچھ

میرے اوپر چھوڑ دو.....! میں کل ہی اس کی خبر کروں گی۔ کل دن میں میں یہ

کام کر لوں گی۔“

چندا نے کہا اور چندر مکھ اسے دیکھنے لگی۔ چندا کی آنکھوں میں

مسرتوں کے چراغ جل رہے تھے۔ وہ چندر مکھ کے پریمی کو دیکھنے کے لئے

بے چین تھی۔

وہ دل سے چندر مکھ اور اس کے پریمی کے ملاپ کی چاہت رکھتی

تھی۔ چندر مکھ اس کی مہربان تھی۔ اس کی دوست تھی۔ چندر مکھ کی وجہ سے

اسے حسین دھرمیندر مل گیا تھا۔ دھرمیندر جو اس کا دیوا تھا۔ اس کی زندگی تھا۔

چندر مکھ کی آنکھوں میں چند لمحے اُداسی تیرتی رہی۔ پھر جیسے وہ محبت

کے بھنور سے نکل آئی اور پھر اس نے چونک کر چندا کو دیکھا۔

”تو نے کیا کہا تھا چندا.....! میں تیرے اوپر سب چھوڑ دوں اور تو

کل ہی اس کی خبر کرے گی.....؟“

”ہاں.....! راج رانی.....! اپنی چندا پر وشواش رکھو.....!“

”نہیں.....! میری بھولی سہیلی.....! مجھے تیرے اوپر وشواش ہے۔

لیکن اس سلسلے میں بھول کر بھی میری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا۔

نہیں تو سب کام بگڑ جائے گا۔ اگر میں مہاراج کی نگاہوں میں گر گئی تو پوری

زندگی کی تپسناٹ ہو جائے گی۔ خبردار.....! ایسا بالکل مت کرنا۔“

”مگر راج رانی جی.....!“

چندا کی خوشی کا فور ہو گئی۔

”فکر مت کر چندا.....! میں نے من کا بھید تجھے بتا دیا ہے۔ لیکن

ابھی سے نہیں آیا۔ کچھ سے اور گزرنے دے۔ مجھے کوئی ترکیب سوچنے

دے.....!“

”جیسی آگیا راجی رانی جی.....!“

چندانے گردن جھکاتے ہوئے کہا اور چندر مکھ اس کے گال پر چپت

لگا کر مسکرانے لگی۔



یدھ راج مہاراج تو چندر مکھ کے پیروں کا بچھونا تھے۔ اسے دیکھ کر وہ

مجسم عجز بن گئے۔ وہ جانتے تھے کہ چندر مکھ کی خوشی میں زندگی ہے اور اس کو

ناراض کرنا گویا زندگی سے منہ موڑ لینا ہے۔ وہ دل سے اسے گرو مان چکے

تھے اور کیوں نہ مانتے.....؟ انہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

چاند کی طرح چمکتی ہوئی اس پیشانی کے پیچھے شیطان کا دماغ تھا۔

جھیل سی گہری اور کنول جیسی معصوم آنکھوں کے پیچھے دُنیا بھر کے سانپوں کا



زہر چھپا ہوا تھا۔ یا قوت سے تراشے ہوئے سرخ ہونٹوں پر رچی ہوئی حسین مسکراہٹ میں لاکھوں چڑیلوں کی مسکراہٹیں پوشیدہ تھیں۔ پھر یدھ راج مہاراج کس کھیت کی مولیٰ تھے.....؟ چنانچہ چندرکھ کے چرنوں میں ہی نجات تھی۔ یہ بات انہوں نے اچھی طرح سمجھ لی تھی۔

”راج رانی کی بے ہو.....! کیسے تکلیف کی.....؟“

انہوں نے کھڑے ہو کر چندرکھ کا سواگت کرتے ہوئے کہا۔

”ہمیں آپ سے بڑی عقیدت ہے مہاراج.....! بس جب من چاہتا

ہے درشن کرنے آجاتے ہیں۔“

چندرکھ نے مضحکہ خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”داس کو شرمندہ نہ کریں گرو جی.....!“

یدھ راج مہاراج نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

”ایک کام ہے مہاراج.....!“

”آگیا دیں راج رانی جی.....!“

”وہ چندا اور اس کا گھر والا آج پوجا پاٹ کے لئے آئیں گے، چندا

کو اپنے گھر والے سے نفرت ہے۔ مگر وہ پاپی اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا

ہے۔ آپ خود دیکھیں گے کہ چندا کا اور اس کا جوڑ بالکل نہیں ہے۔“

”چندا کنول کے پھول کی طرح سندر ہے۔“

یدھ راج نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”اور بول کے کانے کی طرح نوکیلی بھی ہے۔“

چندرکھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک کہتی ہو گرو جی.....!“

یدھ راج ایک دم سنبھل گئے۔

”ہاں تو پھر کیا اپائے ہے گرد مہاراج.....؟ چندا کو اس کے گھر والے سے کیسے بچایا جائے.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا اور یدھ راج اس کی شکل دیکھنے لگے اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔

”گرو جی.....! آپ سے بہتر اپائے اور کون بتا سکتا ہے.....؟“

”تو سنئے.....! یدھ راج مہاراج.....! دونوں آپ کے پاس آئیں گے۔ پوجا کے دوران آپ چونک کر چندا کے گھر والے کی شکل دیکھیں گے اور پھر اسے الگ بلا کر بتائیں گے کہ آپ کی آنکھوں نے اس کی مصیبت دیکھ لی ہے۔“

چنداوش کنیا ہے اور کسی بھی وقت وہ اسے قتل کر دے گی۔ اس کی پیشانی پر ناگ کا پھن لہرا رہا ہے۔ پھول نواس میں آپ کی ایسی دھاک بیٹھی ہوئی ہے مہاراج.....! کہ کوئی آپ کی بات کاٹنے کی مجال نہیں کر سکتا۔ پھر چندا کے گھر والے کی کیا حیثیت ہے جو آپ کی بات نہ مانے.....؟ آپ سمجھ گئے نا.....؟“

”اچھی طرح سمجھ گیا گرد جی.....! جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا اور کوئی حکم.....؟“

”نہیں مہاراج.....! بس اتنی ہی تکلیف دینا تھی آپ کو.....! اب آگیا دیں.....!“

”تکلیف کیسی راج رانی جی.....؟ داس تو آپ کے چرنوں کی دھول ہے۔ بہت دن سے آپ سے من کی بات کہنا چاہتا ہوں مگر ہمت نہیں پڑتی۔ اگر آگیا مل جائے تو.....“

یدھ راج مہاراج نے عاجزی سے کہا۔

”ہاں ہاں.....! کہئے.....! کیا بات ہے.....؟“  
چندر مکھ نے پوچھا۔

”آپ کو کون سی بات نہیں معلوم راج رانی جی.....! منش ہوں۔  
منش کی ضرورتیں رکھتا ہوں۔ اس سے پہلے رانیوں کو چالاکی سے اُلو بناتا تھا  
اور اپنی منوکا منا پوری کرتا تھا۔ لیکن جب سے گرو جی کا ساتھ ہوا، کان پکڑ لئے  
اور اب صرف گرو جی کی مہربانی کا انتظار ہے۔ میرے لئے کوئی بندوبست کر  
دیں راج رانی جی.....! چرن دھودھو کر پیوں گا۔“

چندر مکھ یدھ راج کی شکل دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ایک گہری  
سانس لے کر کہا۔

”کوئی داسی آپ کو پسند ہے مہاراج.....؟“

”بہت سی.....! مگر میں نے ہمت نہیں کی ہے۔“

”آپ ہمت کر لیں مہاراج.....! یہ آپ کے لئے مشکل کام نہ  
ہوگا۔ میں رسیئے کو اطلاع بھجوا دوں گی۔ کل سے داسیاں آپ کے لئے  
بھوجن لایا کریں گی۔ مگر ہوشیاری سے.....! پاگلوں کی طرح نہ ٹوٹ پڑیں کسی  
پر.....!“

”گرو جی کی جے.....! آپ چتا نہ کریں.....!“  
یدھ راج مہاراج نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور چندر مکھ مندر سے  
باہر نکل آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ محل میں تھی جہاں چندا اس کی منتظر تھی۔

”کہاں ہے تیرا گھر والا.....؟ کیا وہ آگیا.....؟“

”رات ہی کو آگیا تھا جنم جلا.....!“

چندا نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟ کیا بات ہے.....؟ رو کیوں رہی ہے.....؟“

چندر مکھ نے پوچھا۔

”میرامن اس سے نہیں لگے ہے راج رانی جی.....!“

”اری.....! تو رو کیوں رہی ہے.....؟ لگی.....! تیرا کام ہو گیا ہے۔“

آج شام پوجا کے لئے اپنے پتی کے ساتھ ضرور جانا.....!“

”سچ رانی جی.....!“

چندا خوش ہو کر بولی۔

”ہاں ہاں.....! اور کیا جھوٹ.....؟“

چندر مکھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور چندا خوش ہو کر اس سے لپٹ

گئی۔

اسی شام چندا سولہ سنگھار کئے اپنے پتی کے ساتھ مندر میں داخل

ہو گئی۔ چندا کے روپ کے سامنے اس کا پتی بھٹی معلوم ہو رہا تھا۔ یوں بھی اس کی عمر کافی زیادہ تھی۔ چندا اپنی قسمت کو روتی تھی۔ لیکن وہ اپنے بھاگ میں مگن تھا۔

یدھ راج نے ان دونوں کو غور سے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر حال انہوں نے ان دونوں سے پوجا کرائی اور پھر آشیر باد دی۔ لیکن چندا کے پتی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اچانک اچھل پڑے۔ انہوں نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگے۔

وہ بھی مہاراج کی طرف دیکھنے لگا اور ان کی خوفناک آنکھوں سے سے سہم گیا۔ اس نے بھی یدھ راج کے کارنامے سنے تھے اور اس کے دل میں ان کی عقیدت تھی۔

”کیا نام ہے تیرا بالک.....؟“

یدھ راج نے بھاری آواز میں پوچھا۔

”سریندر..... مہاراج.....!“

سریندر نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تیری کون ہے.....؟“

اس بار یدھ راج مہاراج نے چندا کی طرف اشارہ کیا۔

”استری.....!“

”استری.....؟“

مہاراج ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔

”کیا بات ہے مہاراج.....؟“

سریندر کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

”کوئی بات نہیں.....! کوئی بات نہیں.....! اپنی استری کو واپس بھیج

دے.....! میں تجھے ایک جاپ سکھاؤں گا۔“

”جا تو..... جا..... چندا.....! میں جاپ سیکھ کر آؤں گا.....!“

سریندر نے کہا اور چندا پلٹ کر چل دی اور پھر جب وہ باہر نکل گئی تو

مہاراج نے لپک کر دروازہ بند کر لیا۔

”سریندر.....!“

انہوں نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

”مہاراج.....!“

”یہ کب سے تیری استری ہے.....؟“

”آٹھ برس ہو گئے مہاراج.....!“

”آٹھ برس.....؟“

یدھ راج مہاراج نے ایک گہری سانس لی۔

”اور تو آج تک زندہ ہے.....؟ لیکن یہ تیری آخری رات ہے۔  
سریندر.....! کل کی صبح تو آنکھ نہ کھول سکے گا۔“

”کک..... کیا کہہ رہے ہیں مہاراج.....؟“

سریندر بدحواس ہو گیا۔

”ہاں.....! سریندر.....! اگر تو کل آنکھ کھول کر سنسار دیکھ لے تو ہم  
کل یہ مندر چھوڑ دیں گے۔“

یدھ راج مہاراج نے گرج دار آواز میں کہا۔

”مم..... مگر مہاراج.....! مم..... میں تو بھلا چنگا ہوں.....!“

سریندر نے کہا۔

”صرف آج کی رات.....! اوہ.....! اوہ.....! آج پورن ماشی بھی

ہے۔ ضرور..... ضرور وہ آج رات..... آج رات وہ تجھے ڈس لے گی۔ اس  
کے ماتھے پر لہراتا ہوا پھن کیسا خطرناک تھا۔ رام.....! رام.....!“

”مہاراج.....! کیا کہہ رہے ہیں.....؟ مہاراج.....! بھگوان کے

لئے میرا جیون بچالیں.....! میں کچھ نہیں سمجھا.....!“

سریندر یدھ راج کے قدموں میں گر پڑا۔ اس کا پورا بدن کانپ رہا

تھا۔

”ہمیں تو حیرت ہے کہ مورکھ.....! تو آٹھ سال میں اسے نہ پہچان

سکا.....؟ کیا ایک رات بھی وہ اپنی شکل میں نہیں آئی.....؟“

”کون.....؟ چندا.....؟“

سریندر تعجب سے بولا۔

”تیری پتی کا نام چندا ہے.....؟“

”ہاں مہاراج.....!“

”ٹھیک ہے.....! اس کا نام بھی ٹھیک ہے.....!“

یدھ راج نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”تت..... تو..... چندا..... مگر وہ کون ہے مہاراج.....؟“

سریندر تھوک نلگتے ہوئے بولا۔

”وش کنڈی کی رانی.....! ایک ہزار سال پرانی جوگن..... جونت

نئے روپ بدلتی ہے اور پھر آٹھ دس سال کے بعد ایک جیون بھیٹ لیتی ہے اور پھر سے جوان ہو جاتی ہے۔

ہمارا علم جھوٹا نہیں ہے۔ ہم نے اس کی سانسوں میں زہر دیکھا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ناگ لہراتے دیکھے ہیں اور اس وقت تو ہم نے اس کے ماتھے پر چاندی کا پھن لہراتے دیکھا ہے۔ یہ پھن اسی رات لہراتا ہے جس رات وہ انسانی جیون سو بیکار کرتی ہے۔ وہ ناگن ہے سریندر.....! آج رات وہ تجھے ضرور ڈس لے گی۔“

”بچا لو مہاراج.....! بھگوان کے لئے بچا لو.....! میرا جیون.....؟ ہائے مر گیو رام.....! کس جنجال میں پھنس گیو.....! اب کیا کروں مہاراج.....؟ بھگوان کے لئے کوئی اپائے بتائیے.....!“

سریندر پھر مہاراج کے چرنوں میں گر پڑا۔

”وہ بڑی طاقتور، بڑی خطرناک ناگن ہے۔ پھول نواس کی سرحد

میں وہ تیرا جیون نہیں بخشے گی۔ اس نے پورے آٹھ سال تجھے دیئے ہیں۔ اگر تو اس کے چنگل سے نکل گیا تو سر پٹخ کر مر جائے گی۔

وہ پورے پھول نواس میں تیرا پیچھا کرے گی۔ تو پھول نواس سے

نکل جا.....! اور پھر کبھی ادھر کا رخ مت کرنا.....! نہ نکل سکا تو یہ تیرے جیون کی آخری رات ہے۔“

”میں جا رہا ہوں مہاراج.....! مجھے آگیا دیں.....! میرے لئے  
پراتھنا کریں.....!“

سریندر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”اپنا سامان تو لے لے مورکھ.....!“

”بھاڑ میں گیا سامان.....! میں پھول نواس چھوڑ دوں گا۔ اگر اسے

پتہ چل گیا تو.....؟ ہائے رام.....! میں جا رہا ہوں مہاراج.....!“

سریندر جلدی سے مندر کے دروازے سے نکل گیا۔

”ہرے رام.....! ہرے کرشنا.....!“

مہاراج نے ایک ہاتھ بلند کیا اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل

گئی۔

☆☆☆

چندا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ ہنس کر بے حال  
ہوئی جا رہی تھی۔ چندر مکھ بھی ہنس رہی تھی۔ دونوں کے چہرے سرخ ہو رہے  
تھے۔ پھر چندر مکھ سنبھل کر بولی۔

”بس کر.....! اب ہنس کر مر جائے گی.....!“

”ہائے میرے پتی دیو.....!“

چندا نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔ چندر مکھ نے اس کی پیٹھ پر دھپ لگا  
دی۔ لیکن چندا کی ہنسی نہ رُکی۔

”ہائے.....! نہ جانے تم کہاں بھٹک رہے ہو گے.....؟“

وہ ہنستے ہنستے پھر بولی اور چندر مکھ بھی ہنس پڑی۔

”اری.....! اور چڑیل.....! بس اب یہ ہنسا بند کر.....! نہیں تو میں



”تجھے کان سے پکڑ کر نکال دوں گی۔“

چندر مکھ جھلا کر بولی۔

”ہائے.....! رانی جی.....! کچھ تو افسوس کر لینے دیں اس بے

چارے کا.....؟ ارے.....! وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔“

”اب تو تیرے من کی مراد پوری ہوگئی.....! اب تو تو دھرمیندر کو

اپنے گھر میں رکھ سکتی ہے۔“

”بھگوان تمہارے من کی مراد پوری کرے راج رانی جی.....! میری

مراد تو اس دن پوری ہوگی۔“

”ہمارے من کی مراد.....؟ ہاں.....! وہ بھی اب پوری ہونی

چاہئے.....! اب سے آگیا ہے۔ اب سے آگیا ہے۔“

چندر مکھ پر خیال انداز میں بولی اور پھر اس نے رازدارانہ انداز میں

چندا سے کہا۔

”تجھے ودیا شکر جی کا پتہ معلوم ہے.....؟“

”معلوم ہے راج رانی جی.....! ودیا شکر اونچی جات کے برہمن

ہیں۔ انہیں کون نہیں جانے ہے.....؟“

”تب تو آج دوپہر میں ودیا شکر جی کے گھر ہو آ.....! انہیں پرنام

کرنا اور ان سے کہنا کہ مجھے ایک دن کے لئے اپنے ہاں بلا لیں.....! انہیں

دیکھنے کو اور ماتا جی سے ملنے کو من ترپ رہا ہے۔

ان سے کہنا کہ وہ مہاراج سے مل کر کہیں کہ ماتا جی کی طبیعت خراب

ہے اور وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔“

”میں آج ہی جاؤں گی راج رانی جی.....! اور اگر آگیا ہو تو انہیں

بھی دیکھ لوں.....؟ بھگوان کی سوگندہ.....! نظر نہ لگاؤں گی۔“

چندا نے شرارت سے کہا اور چند رکھ نے پیار سے اس کے منہ پر تھپڑ لگا دیا۔ چندا خوش خوش اُٹھ کر چلی گئی تھی۔

پھر اس دوپہر وہ ودیا شکر جی کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ ودیا شکر کی دھرم پتی مدھومتی نے دروازہ کھولا تو چندا کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”آؤ بیٹی.....! کون ہو تم.....؟“

”راج محل سے آئی ہوں ماتا جی.....! چاچا ودیا شکر سے ملنا چاہتی

ہوں۔“

”مہاراج کا سندیہ ہے کوئی.....؟“

مدھومتی اسے اندر لے جاتے ہوئے بولی۔

”ہاں ماتا جی.....!“

”آؤ.....! وہ اندر موجود ہیں۔“

مدھومتی نے محبت سے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد چندا ودیا شکر کے سامنے تھی۔ اس نے ودیا شکر کو پرنام کیا اور ودیا شکر جی اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

”مہاراج نے بھیجا ہے چاچا جی.....! ایک سندیہ ہے جو اکیلے میں

آپ کو دینا ہے۔“

”اوہ.....! تم جاؤ مدھومتی! ہماری بیٹا کے لئے کچھ جل مٹھائی لاؤ!“

پنڈل ودیا شکر نے کہا۔ ان کے چہرے سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ جب مدھومتی چلی گئیں تو انہوں نے بے چینی سے پوچھا۔

”اب بتاؤ بیٹی.....! جلدی سے بتاؤ.....! کیا بات ہے.....؟“

”میں مہاراج شکر دیال کا نہیں بلکہ راج رانی چند رکھ کا سندیہ لائی

ہوں چاچا جی.....!“

”تم کون ہو.....؟“

ودیا شکر چونک کر بولے۔

”چندر مکھ کی سکھی.....! اس کی رازدار.....!“

”کیا سندیہ ہے.....؟“

ودیا شکر سنبھل کر بولے اور چندا نے چندر مکھ کا پیغام انہیں دے

دیا۔ ودیا شکر سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر کافی دیر خاموشی کے بعد بولے۔

”مگر بات کیا ہے.....؟ چندر مکھ ٹھیک تو ہے.....؟“

”بالکل ٹھیک ہے.....! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے چا چا جی.....!“

انہوں نے یہاں کی خیریت بھی منگائی ہے۔“

”ہوں.....!“

ودیا شکر ایک گہری سانس لے کر بولے۔

”سب ٹھیک ہے.....! بس مہیش بیمار ہے۔ وہ میرا لڑکا ہے۔“

”اوہ.....! کیا بھیا بیمار ہیں.....؟ کیا میں انہیں دیکھ سکتی ہوں۔ راج

رانی جی نے کہا تھا کہ ایک ایک کی خبر لاؤں.....!“

”دیکھ لینا.....! وہ اپنے کمرے میں ہے۔ جل مٹھائی کھا لو.....!“

”رانی جی کے سندیس کا کیا جواب ہے.....؟“

”ٹھیک ہے.....! میں آج ہی مہاراج کے پاس جاؤں گا۔ مگر

مدھومتی کو بیمار بنانا پڑے گا۔“

”جیسا آپ بہتر سمجھیں، کریں چا چا جی.....! بس آپ مہاراج کے

پاس جا کر یہ بات کہہ دیں.....! باقی کام رانی جی خود کر لیں گی۔“

چندا نے کہا۔

تھوڑی دیر کے مہومتی آگئیں۔ انہوں نے ایک تھال چندا کے سامنے رکھ دیا جس میں پھل اور مٹھائیاں وغیرہ رکھے تھے اور پھر وہ اصرار کر کے چندا کو کھلانے لگیں۔ جب خوب خاطر مدارت ہو گئی تو چندا نے ست پرکاش کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور مہومتی اسے ست پرکاش کے کمرے میں لے گئی۔

ست پرکاش کی شکل ہی بدل گئی تھی۔ چند رکھ کے عشق نے اسے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ کوئی بیماری بھی نہیں تھی اور ہزار ہا بیماریاں تھیں۔ ہر وقت اپنے کمرے میں پڑا کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔ چندا اسے دیکھتی رہ گئی۔

”تو یہ ہے چند رکھ کا محبوب.....؟“

اس نے دل میں سوچا سچ مچ ہے بھی اس کے قابل۔ اس نے ست پرکاش کو چند رکھ کا پرنام کیا لیکن ست پرکاش صرف ایک آہ بھر کر رہ گیا۔ چندا تھوڑی دیر وہاں رُکی رہی اور پھر واپس آ گئی۔

چندرکھ نے کرید کرید کر پنڈت جی کے گھر کے حالات پوچھے تھے۔ ست پرکاش کی حالت پر وہ تھوڑی سی کبیدہ خاطر بھی ہوئی تھی لیکن پھر ٹھیک ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔ رات کو اس نے حسب معمول سنگھار کیا اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر شکر دیال کا انتظار کرنے لگی۔

حسب معمول شکر دیال دیر سے آئے اور چندرکھ نے ایک حسین مسکراہٹ سے ان کا استقبال کیا۔ شکر دیال جی اسے اپنے ہمراہ لے کر خواب گاہ میں پہنچ گئے۔

”کیا بات ہے مہاراج.....؟ آج کل آپ کچھ پریشان نظر آتے ہیں.....؟“

چندرکھ نے پوچھا۔

”نہیں چندرکھ.....! ایسی کوئی بات نہیں ہے.....! بس آج کل کام زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ دیوان جی کی موت کے بعد اس کا کام بھی ہم نے سنبھال لیا ہے۔ کام کی زیادتی ہمیں تھکا دیتی ہے۔“

”وہ اچھا آدمی ثابت نہیں ہوا۔ اس کے بری عورتوں سے تعلقات تھے۔“

”ہاں.....! ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خرابی ہوتی ہے۔“

”پر آپ کسی اور کو دیوان کیوں نہیں بنا دیتے.....؟“

”بہت سے امیدوار ہیں، ہم فیصلہ نہیں کر پارہے تھے۔ بہر حال جلد ہی یہ کام کریں گے۔ ہمیں کسی تجربے کار آدمی کی ضرورت ہے تاکہ پھول نواس کا کام سنبھال لے اور ہم تم سے جی بھر کر محبت کر سکیں۔“

”تو پھر جلدی سے کسی کو دیوان بنا دیں مہاراج.....! اس بار دیوان

کے چناؤ میں میں آپ کی مدد کروں گی۔“  
”تم.....؟“

شکر دیال مسکرائے۔

”ہاں.....! کیا میں دودھ پیتی پکی ہوں.....؟“  
چندرکھ نے ناز سے کہا۔

”ارے نہیں نہیں.....! ہماری چندرکھ بڑی سمجھدار ہے۔“  
شکر دیال نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”تب پھر وچن دیں، جسے میں کہوں گی دیوان بنائیں گے.....!“  
چندرکھ نے ٹھکتے ہوئے کہا۔

”ہم سے وچن لینے کی کیا ضرورت ہے راج رانی.....! چندرکھ کے  
حکم کو کون ٹھکرا سکتا ہے.....؟ رانی جسے چاہیں دیوان بنا دیں، ہم تو سیوک  
ہیں۔“

مہاراج نے کہا اور چندرکھ خوش نظر آنے لگی۔

”ارے ہاں.....! چندرکھ.....! پنڈت ودیا شکر جی آئے تھے

آج.....!“

”ودیا شکر چاچا.....؟ اور..... تب خیریت سے ہیں نا.....؟“

”ہاں.....! مدھوتی کچھ بیمار ہے۔“

چندرکھ نے تشویش سے کہا۔

”بس.....! بوڑھی عورت ہیں۔“

شکر دیال جی بولے۔

”پھر آپ نے کیا جواب دیا مہاراج.....؟“

”ارے.....! میں کیا جواب دیتا.....؟ میں نے ان سے کہہ دیا کہ

اگر میری چند رکھ تیار ہو جائے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے.....؟ مگر صرف دن دن کی بات ہوگی، شام ہوتے ہی وہ واپس آجائے گی۔“

”میں ان لوگوں کی کوئی نہیں ہوں۔ مگر انہوں نے مجھے بیٹا مان جانا ہے۔“

چندر رکھ نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں تو دیا شکر کا گھر بھرنے کو تیار ہوں مگر وہ بڑا سچا انسان ہے۔ کچھ لینے پر راضی نہیں ہے۔ کہتا ہے میں تو شکر دیال کا داس ہوں۔ سب کچھ انہیں دیا ہوا ہے۔“

”ہاں.....! وہ کھری ذات کے آدمی ہیں۔ پھر کیا آگیا ہے مہاراج کی.....؟“

”ہو آؤ چند رکھ.....! کسی کا احسان نہیں بھولنا چاہئے۔ جب سے تم آئی ہو ایک بار بھی ان کے پاس نہیں گئیں۔ میں تو چاہتا ہوں، تم چند گھنٹوں کے لئے ضرور ہو آؤ.....!“

شکر دیال نے کہا۔

”ٹھیک ہے.....! میں کل چلی جاؤں گی۔“

چندر رکھ نے کہا اور اس کی آنکھوں میں بہت سے دیئے روشن ہو گئے۔ لیکن بوڑھا شکر دیال ان دیوں کی جوت کو کیا سمجھ سکتا تھا.....؟

داسیوں کی پوری فوج چند رکھ کے ساتھ گئی تھی۔ یہ سب تحائف سے لدی پھندی تھیں۔ شاہی رتھ دیا شکر کے گھر کے سامنے رُکے تو پورا محلہ اُٹھ آیا۔ ہر شخص مہارانی کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ خود مدھومتی نے چند رکھ کا سواگت کیا۔ دیا شکر پھولے نہیں سارے تھے۔

لیکن چند رکھ کی نگاہیں ست یرکاش کو تلاش کر رہی تھیں اور ان کی

نگاہوں کو مایوسی ہوئی تھی۔ ست پرکاش سواگت کرنے والوں میں موجود نہیں تھا۔ چندرکھ نے داسیوں کو واپس بھیج دیا۔ وہ چندا کو بھی ساتھ نہیں لائی تھی۔ حالانکہ چندا ساتھ آنے کے لئے بہت مچلی تھی لیکن ودیا شکر اور ست پرکاش سے یہ ملاقات معمولی نوعیت کی نہیں تھی۔ اس میں اسے اہم فیصلے کرنے تھے۔ مدھوتی ست پرکاش کی وجہ سے چندرکھ سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھی۔ بہر حال یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ ریاست پھول نواس کی مہارانی ان کے ہاں آئی تھی۔ اوپری دل سے ہی سہی.....! وہ چندرکھ سے بہت اچھی طرح پیش آرہی تھی۔

ودیا شکر اور اس کے دوسرے گھر والے بہت خوش تھے اور پھر جو تحفے چندرکھ لائی تھی، وہ اتنے قیمتی تھے کہ آنکھیں چندھیائی جا رہی تھیں۔ کافی دیر گزرنے کے بعد چندرکھ نے بالآخر ست پرکاش کے بارے میں پوچھ لیا۔

”ست پرکاش کہاں ہے ماما جی.....؟“

اور سب چونک پڑے۔ ایک لمحے کے لئے خاموشی رہی پھر ودیا شکر جی بولے۔

”وہ بیمار ہے بیٹی.....! بس اپنے کمرے میں گھسا رہتا ہے مگر پگلا تیرے سواگت کے لئے بھی نہیں آیا۔ میں ابھی اسے ڈانتا ہوں۔“

ودیا شکر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”نہیں.....! چاچا جی.....! میں اس سے اس کے کمرے میں بات کروں گی۔ یوں سمجھ لیں کہ میں ایک ضروری کام سے اس کے پاس آئی ہوں۔“

چندرکھ نے بلا جھک کہا اور سب خاموش رہ گئے۔ تب چندرکھ کھڑی ہوئی۔



”مجھے اس سے اکیلے بات کرنے دیں چا چا جی.....! کوئی ہمارے پاس نہ آئے۔“

اور وہ ست پرکاش کے کمرے کی طرف چل دی۔  
 سب کے قدم جم گئے تھے۔ تب مدھوتی بولی۔  
 ”نرکھ میں تو پہنچا دیا جہنم جلے کو اب کیا شمشان پہنچانے آئی ہے.....؟“

”آہستہ بول مدھوتی.....! کیا گھر لٹوانے کا ارادہ ہے.....؟“  
 ودیا شکر نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بڑی پراسرار سی فضاء پیدا ہو گئی۔ لیکن چندرکھ نے اس فضاء سے بے خبر ست پرکاش کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بڑی پراسرار سی اس فضاء سے بے خبر ست پرکاش کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ دل دھڑک رہا تھا۔ اس سے پہلے اس کی یہ حالت کبھی نہیں ہوئی۔

اس نے ست پرکاش کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔  
 ست پرکاش ایک کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ چندرکھ کے اندر داخل ہونے پر بھی اس نے آنکھیں نہیں کھولیں تب چندرکھ اس کے نزدیک پہنچ گئی۔ آگے بڑھنے سے پہلے وہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولی تھی۔

آج اس کی محبت پھٹ پڑی تھی۔ بڑے عرصے بعد اس نے ست پرکاش کی صورت دیکھی تھی۔ پھول جیسا چہرہ کیسا کملا گیا تھا۔ آج اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ ست پرکاش کو بے پناہ چاہتی ہے۔ اس کی محبت اُمڈی آرہی تھی۔  
 کتنا جیون نے آہستہ آہستہ سلگتے ہوئے گزارا تھا۔ وہ ست پرکاش کے بالکل سامنے پہنچ گئی اور پھر اس نے اپنا کانٹا ہوا ہاتھ ست پرکاش کے

کندھے پر رکھتے ہوئے آہستہ سے اسے نکارا۔

”ست پرکاش.....!“

اور ست پرکاش اُچھل پڑا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

”آپ..... آپ..... آپ.....؟“

اس نے بدحواسی کے عالم میں کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

”مجھ سے ملنے بھی نہ آئے ست پرکاش.....؟ تمہیں معلوم تھا کہ میں

آ رہی ہوں۔“

چندر مکھ نے ملائم لہجے میں کہا۔

”مم..... مگر آپ..... چندر مکھ.....! آپ.....“

”تم کھنور ہو ست پرکاش.....! مگر تمہاری چندر مکھ تمہیں نہیں بھولی۔“

چندر مکھ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ست پرکاش ابھی تک حیرت زدہ

نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی آگئی اور وہ آنسوؤں

میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔

”مگر اب کیوں آئی ہو چندر مکھ.....؟ اب میرے پاس کیا رہ گیا

ہے.....؟ جسے آپ لوٹنا چاہتی ہیں۔“

آنسوؤں کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

”مرد ہو کر رہ رہے ہو پگلے.....! مجھے دیکھو..... میں عورت ہوں مگر

میں نے ایک آنسو بھی نہیں بہایا.....!“

چندر مکھ کرسی سے اُٹھ کر اس کے نزدیک پہنچ گئی۔ پھر اس نے اپنی

اوڑھنی سے ست پرکاش کے آنسو خشک کئے۔

”اب میرے پاس کیا رکھا ہے چندر مکھ.....؟ میرا جیون تو ایک سلگتی

لکڑی بن گیا ہے۔ میں تو جل رہا ہوں چندر مکھ.....! میں تو بس موت کا

انتظار کر رہا ہوں۔ اب مجھے کیا دینے آئی ہو.....؟ بولو.....! میرے جیون کو  
اب کون سا روگ لگانے آئی ہو.....؟“  
وہ چندر مکھ کو نکتے ہوئے بولا۔

”میں تمہارے سارے روگ دُور کرنے آئی ہوں ست پرکاش.....!  
مگر تم بڑے کمزور دل نکلے.....! یا پھر تم نے میری بات کا اعتبار نہیں کیا تھا۔  
میں نے تم سے کہا تھا کہ سسے کا انتظار کرو ست پرکاش.....! میں ایک دن  
ضرور تمہاری ہو جاؤں گی۔ مگر تم سب کچھ بھول گئے۔“  
”میں کچھ نہیں بھولا چندر مکھ.....! مگر..... میرے سامنے کوئی راستہ  
نہیں تھا۔ میں جلنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا.....؟“

”یہ مرد کی شان کے خلاف ہے۔ بس اب رونا دھونا چھوڑو.....!  
دیکھو میں آگئی ہوں۔“

”مگر میرا سن ابھی تک تاریک ہے چندر مکھ.....! تم مہارانی ہو اور  
میں تمہارے در کا بھکاری.....!“

”تاریکیاں دُور کر دو.....! ست پرکاش.....! اپنا حلیہ درست  
کرو.....! ہمیں بہت کام کرنا ہے۔“

”پر تم چلی کیوں گئی تھیں.....؟ اگر تمہیں مجھ سے پریم تھا تو تم نے  
رانی بننے سے انکار کیوں نہ کر دیا.....؟“

”یہ انکار میرا اور تمہارا جیون نشٹ کر دیتا۔ تمہارے گھر کے دوسرے  
لوگ بھی مارے جاتے اور تم میں بھی۔ ایک مجبوری تھی ست پرکاش.....!  
جس کے بارے میں سسے آنے پر بتا دوں گی۔“

”کیا وہ مجبوری اب دُور ہوگئی.....؟“  
”ابھی نہیں.....! مگر کچھ راستے نکل آئے ہیں۔ سنو.....! غور سے

سنو.....! میں تم سے ایک خاص بات کرنے آئی ہوں۔“  
 ”تمہیں معلوم ہے دیوان شرمندہ مر گیا ہے.....؟“  
 ”ہاں.....! مجھے معلوم ہے.....!“  
 ”ریاست کو نئے دیوان کی ضرورت ہے.....؟“  
 ”ہاں.....!“

”تو پھر نئے دیوان تم بنو گے ست پرکاش.....! میں نے من میں  
 تمہارا نام چن لیا ہے۔“  
 ”میں.....؟“

ست پرکاش اُچھل پڑا۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اسے اپنے  
 کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے خواب میں بھی اتنا بڑا منصب نہیں سوچا  
 تھا۔

وہ اور ریاست کا دیوان.....؟  
 ”یہ کیسے ممکن ہے.....؟“

وہ پاگلوں کی طرح چندر مکھ کی شکل دیکھنے لگا۔ کئی منٹ تک وہ کچھ نہ  
 بول سکا۔ پھر جب اس کے خواب کسی قدر درست ہوئے تو اس نے پاگلوں  
 کے سے انداز میں کہا۔

”یہ کیا کہہ رہی ہو چندر مکھ.....؟ یہ کیسے ممکن ہے.....؟“  
 ”یہ میں نے چاہا ہے۔ اس لئے ممکن ہے۔ تم مجھے بتاؤ.....! کیا اس  
 کے لئے تیار ہو.....؟“

”میں چندر مکھ.....؟ میں نے تو کبھی اس کے بارے میں سوچا ہی  
 نہیں تھا۔“

ست پرکاش کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔

”تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔ کون سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی.....؟ تھوڑی سی کوشش سے تم راج پاٹ کے کاموں کو بخوبی سمجھ لو گے۔ رانی چندر مکھ تمہارے ساتھ ہوگی۔ پھر کون سی طاقت تمہیں شکست دے سکتی ہے.....؟“

چندر مکھ نے فخر سے کہا۔  
”مگر کیا مہاراج شکر دیال.....؟“

”وہ کاٹھ کا اُلو میرے سامنے کیا بول سکتا ہے.....؟ سنو.....! ست پرکاش.....! میں نے تمہارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ بڑی سخت محنت کی ہے میں نے تمہارے لئے.....! جب میں شکر دیال کے پہلو میں ہوتی تھی۔ میں صرف تمہارے تصور میں اسے برداشت کر لیتی تھی۔ تمہیں آہستہ آہستہ سب معلوم ہو جائے گا۔

میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی تھی کہ خود کو سنبھالو.....! بہت جلد مہاراج شکر دیال تمہیں طلب کریں گے۔ بڑی شان سے ان کے سامنے جانا۔ اور بڑی محنت سے خود کو راج منتری کے لئے سب سے بہتر آدمی ثابت کرنا۔ میرا کام اب تمہارا کام شروع ہوگا۔“

”تم نے مجھے نیا جیون دیا ہے چندر مکھ.....! میں تو ٹوٹ چکا تھا۔ میں بکھر گیا تھا۔ مگر تمہارے پریم نے مجھے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ تم چٹانہ کرو.....! میں تمہارے خیالوں سے بڑھ کر ثابت ہوں گا کیونکہ مجھے تمہارے پریم کا سہارا ہوگا۔“

”یہ بات یہیں تک نہیں رہے گی ست پرکاش.....! میں تمہیں یہ نواس کا راجہ بنا دوں گی۔ اپنی چندر مکھ پر بھروسہ رکھو ست پرکاش.....! مجھے تو اپنی چندر مکھ چاہئے.....! مجھے ریاست نہیں چاہئے.....! میں

تو صرف چند رکھ کو چاہتا ہوں۔“

اس نے شدت جذبات سے کہا۔

پھر جب وہ دونوں کافی دیر کے بعد کمرے سے نکلے تو دونوں کے چہرے کنول کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ست پرکاش کا حلیہ بھی بدل گیا تھا۔ گھر والوں نے انہیں دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ مدھمتی کی آنکھوں ٹھنڈک دوڑ گئی۔ آج ست پرکاش کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

”تو منالائیں اپنے روٹھے ہوئے ست پرکاش کو تم.....؟“

ودیا شکر تیواری جی مسکراتے ہوئے بولے۔ سب ست پرکاش کے دل کا درد جانتے تھے۔ چند رکھ کی آنکھیں بے خوی سے مخمور ہو رہی تھیں اور ست پرکاش کی بھی یہی کیفیت تھی۔ سب نے مل کر کھانا کھایا اور پھر چند رکھ وودیا شکر اور ست پرکاش کو لے ایک خالی کمرے میں پہنچ گئی۔ یہاں اس نے یہ مسئلہ وودیا شکر کے سامنے رکھ دیا۔

”کیا کہہ رہی ہو راج رانی.....؟“

ودیا شکر منہ پھاڑ کر رہ گئے۔

”وہی جو آپ نے سنا چا چا جی.....! میری بات پر حیرت نہ کریں۔

صرف وہ کریں جو میں کہہ رہی ہوں۔“

”ہمارے ایسے بھاگ بیٹی.....! ہم تو سوچ بھی نہ سکتے تھے.....؟“

ودیا شکر جی کانپتے ہوئے بولے۔

”آپ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا چا چا جی.....! میں اسے

جیون بھر نہیں بھول سکتی۔“

”مگر مہاراج شکر دیال جی.....! کیا ان کے کانوں میں ست پرکاش

کا نام آگیا ہے.....؟“

”ابھی نہیں.....! لیکن بہت جلد ان کے ہرکارے ست پرکاش کے پاس آئیں گے۔ آپ اطمینان رکھیں.....!“

”تم ہمیں بہت بڑی عزت دے رہی ہو چندرکھ.....! بھگوان ہمیں اس قابل بنا دے.....!“

پنڈت جی مسرت سے پھولے نہیں سمارہے تھے۔  
 کافی دیر تک چندرکھ ان سے گفتگو کرتی رہی۔ پھر شام ہو گئی اور شاہی رتھ بان اسے لینے کے لئے آگئے۔ چندرکھ نے سب کو پرنام کیا۔ ست پرکاش کا ہاتھ دایا اور ان سے رخصت ہو کر رتھ میں آ بیٹھی۔ رتھ محل کی طرف چل پڑے۔

چندرکھ کے قدم لڑکھڑاہے تھے۔ وہ نشے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے دل میں ہلچل مچ رہی تھی۔ رتھ محل کی طرف جا رہا تھا اور اس کے دل میں ست پرکاش کی محبت بسی ہوئی تھی۔ لیکن اسے احساس تھا کہ اس کے حسن کی قیمت کیا ہے.....؟

دل کی بات اور ہے۔ یہ پاپی تو نہ جانے کیا کیا مانگتا ہے.....؟ اگر اس کی ہر مانگ پوری کر دی جائے تو پھر اپنی وقعت کیا رہ جائے.....؟

چنانچہ اس نے اپنا دل پھیل کر رکھ دیا تھا۔ یہ دل تو صرف دھوکے کھانا جانتا تھا۔ وہ احمق نہیں تھی کہ دھوکہ کھا جائے۔ چنانچہ اس نے دل سے ست پرکاش کو پسند کیا تھا۔ ست پرکاش کی جوان مرگی من میں بسا کر وہ بوڑھے شکر دیال کی آغوش میں آ گئی تھی۔ اگر وہ چاہتی تو وہ اپنے پسندیدہ مرد کی آغوش کی لذت لے کر شکر دیال کے محل میں جاتی لیکن وہ جانتی تھی کہ شکر دیال ایک زیرک آدمی ہے۔

خاص طور سے عورتوں کے معاملے میں اسے کافی تجربہ ہے۔ وہ اس

پر اپنی پاکیزگی کا سکہ جمانا چاہتی تھی اس لئے اس نے اپنے دل کی چاہت نظر انداز کر دی۔ اس تھوڑی سی کوشش سے اسے شکر دیال کا مکمل اعتماد حاصل ہو گیا۔

کون پاپی اس کی پاکیزگی پر شک کر سکتا تھا.....؟ شکر دیال اس پر پورا بھروسہ کرتے تھے۔ اس نے اپنی بھرپور جوانی شکر دیال کے سپرد کر دی تھی۔ یہ جسم اسے زہر لگتا تھا۔ جب وہ ست پرکاش کا تصور کرتی تو شکر دیال سے اسے وحشت ہونے لگتی تھی۔ لیکن اس نے اپنی جوانی کا مہنگا سودا کیا تھا اور آج پھول نو اس کی قسمت کی مالک تھی۔

اس نے اپنے جذبات کو دفن نہیں کیا تھا بلکہ دل کے نہاں خانوں میں پوشیدہ کر دیا تھا اور انہیں کسی مناسب وقت پر نکالنا چاہتی تھی۔ سو آج وہ وقت آ گیا تھا۔ نامساعد حالات کا دور گزر چکا تھا۔ کوئی اس کا مقابل نہیں تھا۔ اب وہ آزاد تھی۔ چنانچہ آج اس نے اپنی آرزوئیں اپنے پریمی کو سونپ دی تھیں۔

ست پرکاش نے اس کی خواہش کی تھی اور ایک طویل عرصے کے بعد اس نے بڑی دلیری سے، بڑے بے دھڑک انداز میں ست پرکاش کی خواہش پوری کر دی تھی۔ وہ تو چند رکھ کی خود اپنی خواہش تھی۔ وہ آج اپنی جوانی اپنے من پسند مرد کو سونپ آئی تھی۔ آج اسے ایک اور تجربہ ہوا تھا کہ بوڑھا شکر دیال تو مرد کی توہین ہے۔

اب ست پرکاش سے دُوری اس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا شکر دیال کے ساتھ اب وہ اداکاری برقرار رکھ سکے گی.....؟ بڑا مشکل، بڑا صبر آزما کام تھا۔

یہی کیفیت تھی جیسے جنگل کے کسی شیر کو پوری زندگی گھاس پھوس اور



دال کھلایا گیا ہو اور پھر اچانک اسے گوشت مل جائے۔ اس کے بعد بھوک اسے پسند تھی مگر گھاس پھوس نہیں۔

شاہی رتھ محل کے قریب پہنچا رہا۔ محل میں داخل ہونے سے پہلے اسے خود کو سنبالنا تھا اور وہ خود کو سنبالنا جانتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ابھی گھاس پھوس ہی کھانا ہوگا تاکہ گوشت کھانے کا موقع مل سکے۔

شکر دیال کے محل میں آنے سے کافی پہلے وہ محل میں پہنچ گئی تھی جہاں اس کی سکھی چندا اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ داسیوں نے اسے رتھ سے اتارا اور اندر لے چلیں۔ پھر تھکن اُتارنے کے لئے ایک غسل کا انتظام کیا گیا اور چند رکھ غسل خانے میں چلی گئی۔ داسیوں کو اس کے غسل خانے میں آنے کی اجازت نہیں تھی سوائے چندا کے۔ اور چندا کو بھی یہ اجازت شاذ و نادر ہی ملتی تھی۔ بہر حال اس وقت وہ بے چین ہو کر اندر پہنچ گئی۔

چندرکھ نے اسے دیکھ کر برہمی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہم جانتے ہیں چندا چنڈال.....! تجھے صبر کہاں آئے گا.....؟“

اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پانی کے دھوئیں میں چھپ گئی۔

”ہائے رانی جی.....! مہاراج شکر دیال کو آپ کی اتنی چٹنا نہ ہوگی

جتنی مجھے تھی.....! میں آپ کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔“

”کیوں.....؟“

چندرکھ نے پانی میں لہریں لیتے ہوئے کہا۔

”بس.....! پیامن کی باتیں جاننے کے لئے بے چین تھی۔“

چندا نے کہا۔

”پگلی ہے تو.....! بس وہ باتیں سوچ لے جو تجھے اپنے دھرمیندر سے پیش آئی تھیں۔“

چندر مکھ نے کہا اور پانی میں منہ چھپا لیا۔ چندا نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

”کیسے انوکھے بھاگ لایا ہے یہ ست پرکاش بھی.....!“

اس نے لرزتے ہونٹوں سے کہا۔

”بس.....! زیادہ باتیں مت بنا.....! چل باہر نکل.....! میں کپڑے

پہن لے گا۔“

”میں پہنا دوں راج رانی.....!“

چندا نے بڑے پیار سے کہا۔

”تو جاتی ہے یہاں سے یا.....“

چندر مکھ نے چلو بھر پانی چندا پر اُچھال دیا لیکن چندا نے اس سے بچنے کی کوشش نہیں کی۔ چندر مکھ نے کئی بار اس پر پانی اُچھالا اور وہ کھڑی بھینکتی رہی۔

”بڑی ڈھیٹ ہے تو.....!“

چندر مکھ بڑی بڑی آنکھیں نکال کر مسکرائی۔

”تم اس بات سے مجھے ڈرا رہی ہو راج رانی.....! اس پانی میں تو

ڈوب کر مر جانے کو دل کرے ہے جس میں تمہارے بدن کی خوشبو رچی

ہو.....!“

”بعض سے تو میں تیرے بارے میں کچھ سوچنے لگتی ہوں۔“

چندر مکھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”کیا راج رانی جی.....؟“

”یہی کہ تو عورت کے بھیس میں مرد نہ ہو۔“  
 ”عورت ہوں.....! اسی لئے زندہ ہوں۔ مرد ہوتی تو تمہیں پانے کی  
 آس میں اب تک جیون دے چکی ہوتی۔“  
 ”مرد کی بچی.....! اب تو نکل یہاں سے ورنہ..... چل جلدی  
 جا.....!“

چندرکھ چلائی اور چندا ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔  
 داسیاں اسے لئے ہوئے ایک خوب صورت سنگھار میز پر پہنچ گئیں  
 اور وہاں اس کے حسن کا سنگھار کیا جانے لگا۔ چندرکھ من ہی من میں مسکرا رہی  
 تھی۔ اس کے چہرے پر پھول کی سی شگفتگی پھیلی ہوئی تھی۔ مانو جیسے یہی اس  
 کی سہاگ رات کا دوسرا دن ہے اور یہ سچ بھی تھا۔  
 یہی تو اس کی سہاگ رات کا پہلا دن یا دوسرا دن تھا۔ شکر دیال کی  
 آغوش تو ایک کاروبار تھی۔ خوشی کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے۔ لوگ بدبودار  
 کھالوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کی سڑاند سے ان کے دماغ سڑتے ہیں۔  
 لیکن انہیں پیسے سے بھی محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ان کے لئے منافع بخش  
 ہوتا ہے۔

چنانچہ جب وہ سنگھار سے فارغ ہوئی تو اپنے آپ کو دیکھ کر دنگ رہ  
 گئی۔

”عورت ایسی ہوتی ہے.....؟“

اس نے سوچا۔ مرد کی آغوش عورت کے حسن کو جلا بخشتی ہے۔ محبت  
 بھرے بازوؤں سے گزرنے کے بعد ہی حسن اپنا اصلی رنگ پکڑتا ہے۔ پھر وہ  
 حسن و عشق کی رنگینیوں سے نکل کر کاروبار کی دُنیا میں پہنچ گئی۔ ست پرکاش  
 کی بخش ہوئی مستی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی اور وہ اپنی مستی سے

ایک خاص کام لینا چاہتی تھی۔

”آج جب شکر دیال اس کی خلوت میں پہنچے تو چندر مکھ نے ان کا انتظار نہیں کیا۔ وہ آگے بڑھی اور شکر دیال کے چوڑے سینے کو اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا اور شکر دیال جی حیران رہ گئے۔

چندر مکھ کی اس محبت اور اس کے پیار بھرے انداز نے ان کے ذہن و روح کو انتہائی منزلوں تک پہنچا دیا۔ انہوں نے سوچا۔

”ایسا کوئل حسن، ایسی نازک لڑکی انہیں اس قدر پسند کرتی ہے۔ وہ اپنی خوشی بخشی پر جس قدر بھی ناز کرے، کم ہے۔“

انہوں نے چندر مکھ کو بازوؤں میں بھرا اور چھپر کھٹ پر پہنچ گئے۔

”آج تو ہمارے بھاگ آسمان پر ہیں۔“

انہوں نے چندر مکھ کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔ راج دربار کے سارے خیالات، ساری الجھنیں ان کے دماغ سے نکل گئی تھیں۔

”صرف آج مہاراج.....؟“

چندر مکھ نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”ہاں.....! آج ہماری راج رانی نے خود ہم سے اظہارِ محبت کیا

ہے۔“

شکر دیال بولے۔

”میں استری ہوں مہاراج.....! مجھے لاج آتی ہے ورنہ میرا من تو

چاہتا ہے کہ آپ کو آنکھوں میں بٹھالوں۔“

چندر مکھ نے آنکھیں بند کر کے کہا اور شکر دیال آسمان پر اڑنے

لگے۔

”چندر مکھ.....! میری اپنی چندر مکھ.....! میں تیرا داس ہوں۔ مجھے

معلوم نہ تھا کہ تو مجھے اتنا چاہتی ہے.....؟ میں بھی تجھے سارے سنار سے زیادہ چاہتا ہوں۔ میں تیرے لئے سنار چھوڑنے کو تیار ہوں۔“

شکر دیال نے اسے اپنی آغوش میں بھینچ لیا اور تھوڑی دیر کے بعد چندرکھ شکر دیال کی آغوش میں کسمسا رہی تھی۔ لیکن چندرکھ بھی بلا کی استاد تھی۔ کیا مجال جو ایک بار بھی شکر دیال کو اس کی سرد مہری کا احساس ہوا ہو۔

پھر جب شکر دیال کو یقین ہو گیا کہ چندرکھ واقعی ان سے اتنی محبت کرتی ہے۔ ان کی آنکھوں میں رحم کی التجا تھی کہ چندرکھ ان کے بڑھاپے کو نظر انداز کر کے ان سے اسی طرح پریم کئے جائے اور چندرکھ ایسی نادان بن گئی تھی جیسے اسے دنیا میں کچھ نہ معلوم ہو، ایک محدود دنیا ہی اس کی آرزوؤں کا مرکز ہو۔

”چندرکھ.....!“

شکر دیال نے آنکھیں بند کر کے اسے پکارا۔

”مہاراج.....!“

چندرکھ کے لہجے میں پیار کی مٹھاس تھی جس سے شکر دیال کو ایک سکون کا احساس ہوا۔

”ودیا شکر چاچا کے یہاں گئی تھیں.....؟ چاچا کا کیا حال ہے.....؟“

”ٹھیک ہیں.....!“

چندرکھ نے کہا۔

”چاچا جی نے کوئی خاص بات نہیں کی.....؟“

”نہیں مہاراج.....! ان سے میرا کوئی ناٹھ نہیں ہے۔ لیکن میں نے

جیون میں ایسے محبت کرنے والے لوگ نہیں دیکھے۔ سچ مچ لگتا ہے کہ میں ان کی اپنی ہوں۔“

”کھری ذات کے لوگ ہیں، نیکی اور شرافت تو ان کے ہاں کی

لوٹدی ہے۔“

شکر دیال بولے۔

”مہاراج.....!“

چندر مکھ نے شکر دیال کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”ہوں.....!“

مہاراج اس ہاتھ کو اٹھا کر اپنے ہونٹوں پر رکھتے ہوئے بولے۔

”ودیا شکر چاچا نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے۔ کیا آج

تک کسی کو یہ شبہ ہوا کہ میں ان کی بھتیجی نہیں ہوں.....؟“

”میں کہہ چکا ہوں چندر مکھ.....! کہ وہ کھرے برہمن ہیں۔ جن کی

زبان ایک ہوتی ہے۔“

”ہم بھی تو کھوٹی ذات کے نہیں ہیں مہاراج.....! کیا ہم ودیا شکر

چاچا کے احسان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے.....؟“

”کیوں نہیں.....؟ ہم نے ودیا شکر جی کا منہ موتیوں سے بھرنا چاہتا

لیکن انہوں نے کچھ لینے سے انکار کر دیا، کہنے لگے کہ بھگوان کا دیا سب کچھ

ہے ان کے پاس.....!“

”کیا ہمارے پاس انہیں کچھ دینے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے.....؟“

”جو چاہو انہیں دے دو.....! چندر مکھ.....! تمہارا ہاتھ روکنے والا

کون ہے.....؟ دس بیس گاؤں انہیں دے دو.....! وہاں کاراجہ بنا دو انہیں

تمہارے ہاتھ کی بات ہے۔“

”وہ اسے بھی احسان سمجھیں گے مہاراج.....!“

چندر مکھ چالاکی سے ایک ایک قدم آگے بڑھ رہی تھی۔

”ہاں شاید.....! پھر کیا کرنا چاہئے.....؟“

”میرے من میں ایک ترکیب ہے.....!“

”بتاؤ.....!“

”ان کا بیٹا ست پرکاش پڑھا لکھا آدمی ہے۔ نیک اور شریف بھی ہے۔ ہم انہیں ایسا انعام دیں کہ انہیں خیال بھی نہ ہو کہ انہیں انعام دیا گیا ہے اور ہماری خواہش بھی پوری ہو جائے.....!“

”بتاؤ.....! کیا کریں.....؟“

شکر دیال نے پوچھا۔

”ست پرکاش کو ریاست پھول نواس کا دیوان بنا دیں.....! میرے خیال میں یہی کافی ہوگا چندر مکھ نے کہا اور شکر دیال چونک پڑے۔ ان کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئیں اور پھر وہ گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

”ہاں.....! ٹھیک کہتی ہو چندر مکھ.....! ہمیں دیوان کی ضرورت ہے۔ ودیا شکر جی اونچی ذات کے ہیں۔ ست پرکاش جوان ہے۔ ہماری ذمہ داریاں خوب سنبھال سکے گا اور پھر اپنا ہی بچہ ہے۔ کیا بات سوچی ہے تم نے چندر مکھ.....؟ ہم پریشان بھی تھے کہ کسے دیوان بنائیں.....؟

بہت سے لوگ ہماری نگاہوں میں تھے۔ لیکن ہر کسی میں کوئی نہ کوئی خرابی تھی۔ ست پرکاش جوان ہے۔ پھول نواس کو ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے اور پھر کھری ذات کا آدمی ہے۔ ہمیں شرمناک کی طرح بدنام بھی نہیں کرے گا۔ ویسے بھی نے ہمیشہ تمہاری عقل کی داد دی ہے چندر مکھ.....! ایک وار میں دو شکار ہو رہے ہیں۔

ودیا شکر کا احسان بھی اُتر جائے گا اور پھول نواس کو دیوان بھی مل جائے گا۔ ہم اس کی مدد کریں گے اور راج پاٹ کا زیادہ کام اسے سونپ دیں

گے۔ پھر مجھے اپنی چندرکھ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رہنے کا موقع مل جائے گا۔“

”مجھے بھی خوشی ہوگی مہاراج.....! میں بھی کسی کا احسان نہیں رکھنا چاہتی۔ مگر کیا آپ اپنے مشیروں سے بات کریں گے۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا.....“

”تو میں ان کی گردن اُترادوں گا۔ میری چندرکھ کی تجویز سے کون انکار کر سکتا ہے.....؟ تم چتنا نہ کرو رانی.....! میں کل ہی ودیا شکر جی کے ہاں اپنے آدمی بھیج کر اس کے لڑکے کو بلوا لوں گا۔“

شکر دیال نے کہا اور چندرکھ نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ دل ہی دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔ ست پرکاش، اس کا محبوب اب اس کی آغوش میں ہوگا۔ ساتھ ہی اسے کچھ اور کام بھی کرنے تھے جن سے اسے اپنے محبوب سے ملنے میں آسانی ہو جائے۔



یدھ راج مہاراج دل سے چندرکھ کے سیوک بن گئے تھے۔ انہوں نے چندرکھ کی طاقتوں کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی انہیں موت کی وادیوں میں دھکیل دے گا۔

ٹھیک ہے درجننا سے انہوں نے بہت سے وعدے کئے تھے۔ درجننا ہی انہیں یہاں لائی تھی لیکن وہ خود ایک کمزور عورت تھی اور یدھ راج کے خیال میں کمزوروں کا ساتھ دینا خودکشی کرنے کے مترادف تھا جبکہ مقابلے بے حد چالاک اور طاقتور ہو۔

انہوں نے دیکھا کہ درجننا اور بھان شری کا سورج غروب ہو چکا



ہے اور پھر اس کی زندگی کا سورج بھی غروب ہو گیا۔ یہ چندر مکھ کا کارنامہ تھا۔ گو اس میں بھی انہوں نے چندر مکھ کی مدد کی تھی۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ چندر مکھ یہ مدد گندی نالی میں ریٹلنے والے کیڑے سے بھی لے سکتی ہے۔

اس نے ہی یدھ راج کو مہا پجاری بنایا تھا۔ اسے ان کی حقیقت معلوم تھی۔ اگر یدھ راج اس سے تعاون نہ کرتے تو آج نہ جانے کہاں ہوتے.....؟ بہر حال وہ جو کچھ چاہتے تھے انہیں مل گیا تھا۔ راج محل میں ایک خوب صورت مندر جس میں رکھے ہوئے مجسموں سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔

وہ تو صرف ان کا بھرم قائم رکھنے کے کام آتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی حیثیت بھی کیا تھی۔ پوجنے کے لائق تو چندر مکھی تھی جس نے انہیں سب کچھ مہیا کر دیا تھا۔ عیش و عشرت، عزت و وقار، مہاراج شکر دیال جس کی دل سے عزت کرتے تھے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ چندر مکھ نے انہیں داسیوں کے حصول کی اجازت دے دی تھی۔

اور داسیاں انہیں دیکھ کر یدھ راج کے منہ میں پانی بھر بھرتا تھا۔  
 ”کیا ضرورت تھی چندر مکھ.....؟ کیا ضروری تھی درجن.....؟ کیا ضروری تھی بھان شری.....؟ کیا ضروری تھی چند.....؟ ایک سے ایک سندر.....! ایک سے ایک حسین.....!“

سب عورتیں اور سب اپنی الگ دنیا رکھتی تھیں۔

لیکن یدھ راج چالاک تھے۔ خوراک کے ڈھیر پر اس طرح نہیں گرنا چاہتے تھے کہ پول کھل جائے۔ بھرم رکھنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ بڑی احتیاط کے بعد بڑے غور و خوض کے بعد انہوں نے رکنی کا انتخاب کیا۔ پھولوں کی طرح نازک و شگفتہ موم کی بنی ہوئی رکنی۔ جس پر نہ جانے کیوں ابھی تک

مہاراج شکر دیال کی نظر نہیں پڑی تھی۔ ورنہ وہ محفوظ نہ رہ سکتی۔

مہاراج کو آزادی ضرور مل گئی تھی لیکن چند رکھ نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ خود ان کے لئے شکار بھیجے گی۔ شکار انہیں خود ہی کرنا تھا۔

چنانچہ پچھلے پانچ روز سے وہ رکنی کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔ نہایت چالاکی سے بڑی ہوشیاری سے ..... اور اب انہیں رکنی کو اپنے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ چنانچہ اب شکار کا وقت آگیا تھا۔ عام پوجا کے دن رکنی بھی آئی تھی۔ ہفتے میں ایک دن راج مندر میں عام پوجا ہوتی تھی اور تمام داسیاں اور عام لوگوں کو اس مندر میں آنے کی اجازت ہوتی تھی۔

چنانچہ مہاراج کو اس دن کا انتظار تھا۔ وقت مشکل سے گزرا لیکن بہر حال گزر گیا۔ عام پوجا کا دن آگیا۔ دوسری داسیوں کے ساتھ رکنی بھی آئی۔ پھولوں سے سجا ہوئی خود بھی ایک پھول معلوم ہو رہی تھی۔ مہاراج نے اسے دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔ داسیاں پوجا کر رہی تھیں اور رکنی بھی ہاتھ میں روپوں کا تھال لئے آتی اُتار رہی تھی۔ مہاراج نے پرشاد کا انتظام کر رکھا تھا اور وہ ایک دُور دراز حصے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس پرشاد کا پورا تھال رکھا ہوا تھا۔ حکم تھا کہ ایک ایک آدمی آئے اور پرشاد لے کر اُلٹے قدموں واپس چلا جائے۔

کافی دیر کے بعد رکنی کی باری آئی اور رکنی چھن چھن کرتی ہوئی ان کے پاس پہنچ گئی۔ مہاراج آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔ رکنی نے انہیں پرنام کیا اور مہاراج نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر انہوں نے پرشاد والا ہاتھ اٹھایا لیکن پھر رکنی کو پرشاد دیتے ہوئے وہ چونک اُٹھے۔

رکنی عقیدت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ مہاراج کو اپنی طرف دیکھتے پا کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

”کیا تیرا نام رکنی ہے.....؟“

مہاراج نے پوچھا۔

”بی مہاراج.....!“

کیا تیرے باپ کا نام لکشمی داس ہے.....؟“

”جی ہے مہاراج.....!“

”اوہ ! بھگوان کی لیلیا بھی نرالی ہے۔ کیا تیری کوکھ میں سفید تل

ہے رکنی.....؟“

”تل میں نہیں سمجھتی مہاراج.....!“

”اگر تو... ہی رکنی ہے تو..... تو ہم تیرے جیون کی کہانی بدل سکتے

ہیں۔ سندری.....! ہمیں سپنے میں تیرے لئے ایک آگیا ملی ہے۔ ہم تجھے

تیری امانت مجھے دینا چاہتے ہیں۔“

”کیسی آگیا مہاراج.....؟ کیسی امانت.....؟“

رکنی حیران ہو کر بولی۔

”تیرے ماتھے پر چاند کی بندیا جگمگا رہی ہے رکنی.....! اس سے چلی

جا.....! دوسروں کو پرشاد لینے دے۔ اگر چاند نکل آئے تو ہمارے پاس تین

دیئے روشن کر کے آجانا۔ چاند نہ نکلے تو تیرے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم

سمجھ لیں گے کہ ابھی تیرا چاند روشن نہیں ہوا۔“

مہاراج نے اس کی پیشانی پر چندن کلک لگایا اور اسے پرشاد دیا اور

رکنی حیران و پریشان واپس لوٹ آئی۔ مہاراج کی گھنی مونچھوں کے نیچے

پڑا سرا ر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ عورت کی فطرت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ

رکنی پر وار کر چکے تھے۔ کیا مجال جو نشانہ چوک جائے.....؟ رکنی کو اب اس

وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک وہ مہاراج نہ مل سکے۔

لوگ آتے رہے اور پرشاد لیتے رہے اور پھر ان کی تعداد ختم ہوگئی تو مہاراج اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ انہوں نے مندر کے دروازے بند کر دیئے اور پھر اپنے کمرے میں آگئے۔ غسل خانے میں جا کر انہوں نے اشہنان کیا۔ بدن پر خوب خوشبوئیں ملیں۔ نئی دھوتی باندھی اور پھر سوم رس تیار کرنے لگے۔ پھلوں کے رس سے تیار شراب جس کا ذائقہ خوش گوار اور دیرپا ہوتا تھا، اسے انہوں نے مٹی کے ایک پیالے میں بھر کر دیوتا کے چرنوں میں رکھ دیا اور پھر وہاں سے ہٹ کر مندر کے دروازے پر پہنچ گئے۔

دروازہ کھول کر وہ واپس آئے اور آرام کرنے لیٹ گئے۔ اب انہیں چاند نکلنے کا انتظار کرنا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ پھر جب روشنی کی کرنیں ان کے روشن دان سے کمرے کے اندر آئیں تو وہ اٹھ گئے اور سیدھے مندر کے ہال میں بھگوان کی مورتی کے چرنوں میں جا بیٹھے۔ لیکن ان کے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے۔

چاند چڑھتا رہا اور پھر انہیں دروازے پر چھن چھن کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز جس کا انتظار ان کے کان بے چینی سے کر رہے تھے، وہ اسی جگہ گردن جھکائے بھگوان کے چرنوں میں بیٹھے رہے۔

دیوں کی تھر تھرائی روشنی ان کے نزدیک آتی جا رہی تھی۔ پھر دیوں کا تھال بھگوان کے چرنوں میں رکھ دیا اور رکنی کی لرزتی آواز ابھری۔

”میں آگئی ہوں مہاراج.....!“

اور مہاراج نے آنکھیں کھول دیں۔ انہوں نے گردن گھا کر رکنی کی طرف دیکھا اور ایک سان بے نیازی سے بولے۔

”کون.....؟ تو کون ہے سندری.....؟“

”رکنی ہوں مہاراج.....! داسی ہوں آپ کی.....! آپ کی آگیا پر

آئی ہوں۔“

رکنی نے کہا۔

”رکنی.....؟“

مہاراج زیر لب بڑبڑائے۔

”وہ رکنی جس کی کوکھ پر سفید تل ہے.....؟“

”مجھے وہ تل نظر نہیں آیا مہاراج.....! میری آنکھیں اسے دیکھ نہیں

سکیں۔“

”ابھی تیری آنکھوں میں وہ شکتی کہاں پیدا ہوئی ہے.....؟ بگلی.....!

ابھی تو تو بھگوان کے چرنوں کا سوم رس بھی نہیں پاسکی۔“

یدھ مہاراج اٹھ کھڑے ہوئے۔

”ارے.....! تو نے دیے یہاں کیوں رکھ دیئے.....؟ اٹھا اس تھال

کو..... آمیرے ساتھ.....!“

اور رکنی نے جھک کر تھال اٹھا لیا۔ وہ مہاراج کے پیچھے پیچھے اندر

چلی گئی۔

”رُک جا.....! کیا تو نے مندر کے دوار بند کر دیئے.....؟“

”نہیں مہاراج.....!“

”تو انہیں بند کر آ بگلی.....! کوئی اور آ گیا تو تیری منوکا منا پوری نہ ہو

سکے گی۔ جا.....! جلدی جا.....! مندر کے دوار بند کر آ.....!“

اور رکنی اُلٹے پیر چلی گئی۔ مہاراج اس کا انتظار کرنے لگے۔ چند

ساعت کے بعد وہ واپس آ گئی۔ دیوں کا تھال اس کے ہاتھ میں تھا۔ مہاراج

اسے لئے ہوئے اندرونی ہال میں پہنچ گئے۔ جہاں سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ

نصب تھا۔

”تھال رکھ دے.....! کیا تجھے رقص آتا ہے.....؟“

”آتا ہے مہاراج.....!“

”تو برمتی کو خوش کر دے.....! اگر وہ تیرے اوپر مہربان ہو گیا تو

تیری نیا پار ہو جائے گی۔“

رکمنی نے تھال برمتی کے چرنوں میں رکھ دیا اور پھر رقص کا پوز بنا کر کھڑی ہو گئی۔ مہاراج ایک سنگھاس پر بیٹھے اور رکمنی نے رقص شروع کر دیا۔ یدھ راج ہوس ناک نگاہوں سے اس کے جسم کا ایک ایک نقش دیکھ رہے تھے اور رکمنی پر مستی کی سی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی اور وہ خود سے بے گانی ہوتی جا رہی تھی۔

رقص عروج پر پہنچ گیا۔ رکمنی کا لباس بے ترتیب ہو گیا اور پھر وہ تھک کر مجسمے کے چرنوں میں گر پڑی۔ اس کا سانس بے قابو تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ تب مہاراج اٹھے اور اس کے نزدیک آئے۔

”رکمنی.....!“

انہوں نے آواز دی اور رکمنی نے آنکھیں کھول دیں۔

”مہاراج.....!“

اس نے خشک گلے سے کہا۔

”برمتی کے چرنوں میں سوم رس تلاش کر.....! دیکھ برمتی نے تیرے رقص سے خوش ہو کر مجھے کچھ دیا یا نہیں.....؟“

اور بھولی رکمنی نے بت کے قدموں میں دیکھا۔ اس سے پہلے اس کی نگاہ اس سیاہ رنگ کے پیالے پر نہیں پڑی تھی۔ اب جو اس نے پیالہ دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ اس کے دل میں یدھ راج کی عقیدت اور بڑھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر پیالہ اٹھالیا۔

میری طرف سے بدھائی قبول کر رکنی.....! پی جا.....! اس سوم رس کو جو بھگوان نے آکاش سے تیرے لئے بھیجا ہے۔“

اور رکنی نے پیالہ منہ سے لگا لیا۔ خوش ذائقہ سوم رس اس کے حلق سے نیچے اتر گیا تو اس نے پیالہ رکھ کر یدھ مہاراج کی طرف دیکھا۔

”آ رکنی.....! میں تجھے بتاؤں کہ تیرے بھاگ میں کیا لکھا ہے.....؟ آ میں تجھے بتاؤں کہ بھگوان تجھے کیا دینا چاہتا ہے.....؟“

رکنی سحر زدہ اُٹھ گئی۔ یدھ راج کے افسانے وہ سن چکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کتنے بڑے رشی ہیں۔ انہوں نے مہاراج کی جان بچائی تھی۔ نہ جانے انہوں نے کیا کیا کیا تھا.....؟ پورے محل میں ان کی دھاک تھی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

یدھ راج الے کر اپنی خواب گاہ میں آ گئے۔ خواب گاہ کا منظر بڑا رومانی تھا۔ چاروں طرف مرد اور عورت کے مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ جن میں بہت سے مناظر دکھائے گئے تھے۔ ان مجسموں کو دیکھ کر ہی دل میں اینٹھن ہونے لگتی تھی۔ رکنی نے انہیں دیکھا اور گردن جھکالی۔ سوم رس اثر کر رہا تھا۔ اس کے بدن میں بھی انگڑائیاں ٹوٹ رہی تھیں۔

”میں نے سنے میں دیکھا رکنی.....! کہ آکاش سویرا پھیلا ہوا تھا۔ چند مالدار ستارے آنکھ مجولی کھیل رہے تھے۔ میں ان کے دربار کا ایک داس، میں خاموش کھڑا تھا۔ ساز خاموش تھے۔ راج اندر کا من اُداس تھا۔“

تب میں نے ان سے پوچھا۔

”اُداس کیوں ہیں مہاراج.....؟ کس کا انتظار ہے آپ کو.....؟“

”رکنی نہیں آئی ابھی تک یدھ.....؟ نہ جانے وہ کہاں ہے.....؟“

ہمیں اس کا انتظار ہے۔ وہ آجائے تو یہ محل خود سے جج اُٹھے گا۔ ساز بج

اُنھیں گے۔“

”رکمنی کون ہے راج.....؟“

میں نے پوچھا۔

”وہ جس کی کوکھ پر سفید تل ہے۔ وہ جس کی پیشانی پر چاند کی بندیا

چمکتی ہے۔ اسے تلاش کرو.....! وہ ایک دن زمین اسپر کہلائے گی۔ ہم اس

کے بھاگ بڑے دیکھ رہے ہیں۔“

تب میری آنکھ کھل گئی۔

”رکمنی.....! میں سادھو، جو ایک مندر میں پڑا ہوا ہوں، بے چین

ہو گیا۔ اگر تو یہاں نہ ملتی تو نہ جانے کہاں کہاں تلاش کر پڑتا۔“

”اس سنے کا مطلب کیا ہے مہاراج.....؟“

رکمنی نے مسرور لہجے میں پوچھا۔

”تیرے بھاگ آکاش کی بلند یوں تک پہنچ جائیں گے۔ راج،

مہاراج تجھے اپنی رانی بنانے کے لئے بے چین ہو جائیں گے۔ تو بہت بڑی

سلطنت کی رانی ہوگی۔ پوری دھرتی پر تیرا نام ہوگا۔ کیا تو یہ نہیں چاہتی.....؟“

”چاہتی ہوں.....! مگر یہ سب کیسے ہوگا.....؟“

”میں اندر کا داس یہ سب کچھ کروں گا۔ تجھے تیس دن تک میرے

پاس آنا ہوگا۔ خاموشی سے..... تو کسی سے اس کا ذکر مت کرنا.....! بہت سے

گرہن تیری نگاہ میں آئیں گے۔ پھر تیرا چلہ پورا ہو جائے گا تو تو خاموشی

سے اس دن کا انتظار کرے گی۔ جب کسی سلطنت کا شہزادہ تیری تلاش میں

پھول نواس آئے گا اور تجھے بیاہ کر لے جائے گا۔ ایسا دس ہوگا رکمنی.....! ایسا

دس ہوگا.....“

”مہاراج.....!“



رکنی خوشی سے بولی۔ اور مہاراج اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگے۔  
 ”میں نے تجھے تیری پیشانی پر چمکتی ہوئی بندیا سے پہچانا ہے۔ مگر  
 تیری کوکھ کا سفید تل میں نے نہیں دیکھا۔ مجھے وہ دکھا دے تاکہ مجھے اطمینان  
 ہو جائے.....!“

”دیکھ لو مہاراج.....! تم نے مجھے نیا جیون دیا ہے۔ میری برسوں کی  
 خواہش تھی کہ میں ایک اپسرا بن جاؤں.....! کیا میں بد صورت ہوں  
 مہاراج.....؟“

سوم رس اپنا کام کر رہا تھا۔

”تو تو ستاروں سے زیادہ سندھ ہے رکنی.....! تو وہ ہے جس کے  
 لئے اندر اُداس تھا۔ اپنے بدن سے یہ لباس اُتار دے.....! میں آخری نشانی  
 بھی دیکھ لوں۔ جلدی کر.....!“

اور رکنی نے جلدی سے اپنا لباس اُتار دیا۔ مہاراج اس کی مدد کر  
 رہے تھے۔ رکنی کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں اور مہاراج کے ہاتھوں کا  
 لمس اسے نہ جانے کون سی دُنیا کی سیر کر رہا تھا اور پھر مہاراج اس کے جسم کا  
 تل تلاش کرنے لگے لیکن ان کی اس تلاش سے رکنی کی ساری جان آنکھوں  
 میں سمٹ آئی تھی۔

اور پھر اس نے ایک سسکی لی اور مہاراج سے لپٹ گئی۔ اسے راجہ  
 اندر یاد نہیں رہا تھا۔ اسے کوئی شہزادہ بھی یاد نہیں رہا تھا۔



چندر رکھ اس کے من کی رانی اور پھول نواس کی رانی ست پرکاش کو  
 جسے دُنیا کی ساری خوشیاں مل گئی تھیں، وہ ایک سنجیدہ نوجوان تھا۔ کئی لڑکیوں کو

اس نے قریب سے دیکھا تھا۔ کئی سے اس کا دل متاثر ہوا تھا لیکن مدھمتی کو دیکھ کر اس کی زندگی ہی بدل گئی تھی۔ ودیا شنکر تیواری جی کی اچانک نمودار ہونے والی بھتیجی کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا اور پھر وہ دل کی انتہائی گہرائیوں سے اسے چاہنے لگا تھا۔ اسے یقین تھا کہ مدھمتی اسے آسانی سے حاصل ہو جائے گی۔

لیکن بعد کے حالات سے اسے سخت مایوسی ہوئی اور اس کا دل غم سے بھر گیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ مدھمتی کالا فانی حسن اس کے لئے نہیں، وہ تو کوئی اور ہی ہے۔ حالات بڑے پراسرار تھے۔ اسے کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ ودیا شنکر تیواری کیا کر رہے ہیں.....؟ اسے اپنے پتا کی تمام کارروائیاں عجیب معلوم ہوئی تھیں۔

یہ عقدہ آج تک حل نہیں ہو سکا تھا کہ مدھمتی کون ہے.....؟ اور یہاں کیوں آئی ہے.....؟ پھر وہ اچانک رانی کیسے بن گئی.....؟ اور پھر وہ مدھمتی کے اظہارِ اُلفت نے تو جلی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے نازک لمس نے تو نست پر کاش کے دل کی دُنیا اٹھل پٹھل کر دی تھی۔ اس کا جینا حرام ہو گیا تھا وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ جب مدھمتی اسے چاہتی ہے تو اس نے رانی بنا قبول کیا تھا۔ لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

وہ سلگتا رہا، جلتا رہا اور مدھمتی کی یاد کو دل سے نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور ایک طویل عرصے کے بعد اچانک اس کے دل کے کنول پھر کھل اُٹھے۔ مدھمتی واپس آ گئی۔ رانی بن کر اس نے بہت پرکاش کی تمام حسرتیں پور کر دی تھیں۔ گو وہ ایک کنواری لڑکی نہیں تھی لیکن اس کی محبت، اس کی چاہت، اس کے حسن پر سینکڑوں کنواریاں قربان کی جاسکتی تھیں۔

ست پرکاش اس لڑکی کو دل سے چاہتا تھا۔ وہ صرف اس کے حسن کا

طالب نہیں تھا۔ وہ تو اسے مجسم دل کی گہرائیوں میں چھپا چکا تھا۔ وہ اس کا دائمی قرب چاہتا تھا۔ نہ جانے یہ طلب وقتی تھی یا حقیقی.....؟ اس کا فیصلہ تو اس وقت ہو سکتا تھا جب اس کی آرزو پوری ہو جاتی۔

مدھوتی ایک سراب ثابت ہوئی تھی۔ جب وہ اسے عارضی طور پر بھی نہ مل سکی تو اس کی آرزو حسرت بن گئی اور یہ حسرت سلگتی رہی۔ اس کے بس میں نہیں تھا کہ مدھوتی کو حاصل کر سکے۔ زندگی نے اس کے مقدر میں ناکامیاں لکھ دی تھیں۔

اور ایک طویل عرصے ناکامیوں کے بعد جب مدھوتی دوبارہ اس کے پاس آئی۔ پہلے سے زیادہ بانکا حسن لئے، پہلے سے زیادہ چھب لئے تو اس کا دل تڑپ اٹھا لیکن مقدر یکسر بدل گیا تھا۔ مدھوتی نے کھل کر اس سے اظہارِ اُلفت کیا۔ اس نے ست پرکاش کو اس کی محبت کا خراج پیش کیا۔ جسے ست پرکاش نے مالی غنیمت کی طرح حاصل کیا۔

”نہ جانے یہ حسین دھوکہ کب تک برقرار رہے.....؟ نہ جانے پھر یہ وقت آئے یا نہ آئے.....؟“

لیکن مدھوتی کے جانے کے بعد وہ سوچنے لگا۔  
 ”کیا یہ قسمت کا عارضی انعام تھا.....؟ کیا یہ خواب دوبارہ بھی دہرایا جائے گا.....؟ یا صرف وقت کی کروٹ تھی.....؟“  
 پھر اس نے تجزیہ کیا۔

”اس کروٹ سے اس نے کیا پایا.....؟ مدھوتی کا لمس.....؟“  
 ہاں.....! اس کی آرزو پوری ہو گئی تھی۔ لیکن کیا اس کی محبت اسی حد تک تھی.....؟ صرف اسی حد تک.....؟

اس نے خود کو ٹٹولا۔ مدھوتی کے ظاہری حسن کی آنچ اسے پگھلا رہی

تھی اور اب اپنائیت کا وہ احساس اس کی جان لے لے گا جو مدھوتی اسے دے گئی تھی۔

”کیا مدھوتی پھر آئے گی.....؟ کیا وہ آتی رہے گی.....؟ یا پھر ایک طویل انتظار بے کلی رہے گی.....؟“

لیکن قسمت کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔ اس کا ستارہ زمین کی پستیوں سے آکاش کی بلندیوں پر پرواز کر گیا تھا۔ اب صرف محرمیاں نہیں تھیں۔ جس کا احساس اسے دوسرے دن ہی ہو گیا۔ پنڈت ودیا شنکر رامائن کے پائی سے فارغ ہوئے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ایک نوکر باہر نکل گیا۔ اس نے فوراً آکر بتایا کہ مہاراج کے ایلچی آئے ہیں۔

”ارے.....! تو بلا لے بھاگو ان.....! بٹھا بیٹھک میں۔ کیا بات ہے.....؟“

ودیا شنکر جی بیٹھک میں پہنچ گئے اور پرکاروں نے کھڑے ہو کر انہیں پرنام کیا۔

”مہاراج کا سندیس ہے۔ انہوں نے آپ کو اور آپ کے بیٹے ست پرکاش کو راج دربار میں بلایا ہے۔“

”اچھا.....! خیر تو ہے.....؟“

”ہاں.....! ہمیں معلوم کیوں بلایا ہے.....؟“

”ٹھیک ہے.....! میں پہنچ جاؤں گا۔“

ودیا شنکر جی نے کہا اور پھر ملازم سے بولے۔

”ان لوگوں کے لئے جل پانی لاؤ.....! اور تو کوئی بات نہیں

متر و.....؟“

”نہیں مہاراج.....!“

پرکاروں نے جواب دیا۔ اور پھر ودیا شکر جی کی بیٹھک سے چلے گئے۔ ان کا دل اندر ہی اندر کانپ رہا تھا۔ اندھیری نگری چوہٹ راج سے وہ پہلے ہی واقف تھے۔ گوکانوں میں چندرکھ کے الفاظ گونج رہے تھے۔

اس نے کہا تھا کہ مہاراج شکر دیال کے آدمی خود ان کے پاس آئیں گے۔ تو کیا پرکارے اس لئے آئے ہیں.....؟ ست پرکاش رانی چندرکھ سے پریم کرتا ہے اور..... اور شکر دیال جی کا دم گھٹنے لگا۔

انہوں نے چشم تصور سے اپنی ٹانگیں نیل کے جو کے سے بندھی دیکھیں جو سڑک پر گھسیٹ رہے تھے۔ ان کے پیچھے ست پرکاش دوسرے نیل سے بندھا ہوا تھا اور ڈھولکیا ڈھول بجا بجا کر ان کے نائیک ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔

”ہے رام.....!“

ودیا شکر جی نے کانپتے ہوئے کہا۔ ان کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ لیکن ان کے سامنے تصویر کا دوسرا رخ تھا۔ ممکن ہے یہ نہ ہو۔ ممکن ہے وہ ہی بات ہو جو چندرکھ نے کہی تھی۔

بہر حال کچھ نہ کچھ تو ضرور تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے ست پرکاش کو بلایا اور صرف اتنا کہا کہ مہاراج نے بلایا ہے۔

ست پرکاش کی حالت بھی باپ سے مختلف نہیں تھی لیکن وہ دل کا پکا تھا۔ سوچا جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اگر چندرکھ کے لئے یہی قربانی دینی ہے تو وہ قربانی دینے کو تیار تھا۔ دونوں باپ بیٹے تیار ہو کر راج محل کو چل پڑے۔ راستے بھر دونوں خاموش رہے تھے۔

بڑی دلچسپ پجوشن تھی۔

”تخت یا تختہ.....؟“

لیکن راج دربار میں جس طرح شکر دیال نے ان دونوں کا استقبال کیا۔ اس سے ان دونوں کی ڈھارس بندھی۔ شکر دیال نے مسکراتے ہوئے پنڈت ودیا شکر جی کو چاچا کہہ کر بلایا۔ راج سنگھاسن کے نزدیک معزز آدمیوں کی کرسی پر بٹھایا۔

دوسری کرسی ست پرکاش کو دی گئی۔ پھر مہاراج راج کے دوسرے کاموں کو پنپانے لگے۔ جب کام ختم ہو گئے تو شکر دیال نے اپنے خاص لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”مترو.....! تم جانتے ہو پنڈت ودیا شکر جی ذات کے برہمن ہیں۔ ہمیشہ پھول نواس حکومت کے وفادار رہے ہیں۔ گوان کے پاس سرکاری عہدہ نہیں رہا ہے۔ لیکن جب بھی کوئی ضرورت پڑی ہے انہوں نے خود کو حکومت کے لئے پیش کر دیا ہے۔ پنڈت جی بزرگ آدمی ہیں۔ اگر یہ جوان ہوتے اور راج کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہوتے تو میں نیا دیوان انہیں ہی مقرر کرتا۔ پھول نواس ایک نیک نام حکومت ہے۔ ہمیں ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے جو ایمانداری سے حکومت کے کام کریں۔

پنڈت جی اس قابل نہیں ہیں لیکن ان کا سپوت نو جوان ہے۔ ست پرکاش ان کا خون ہے اور کھرا خون کبھی خراب نہیں ہوتا۔ وہ بھی پنڈت جی کے نقش قدم پر ہے۔ ہے کوئی جو ست پرکاش کے بارے میں ایسی بات بتا سکے جس سے اس پر اثر پڑتا ہے.....؟“

شکر دیال نے رُک کر ایک ایک کی شکل دیکھی۔ سب خاموش تھے۔ ودیا شکر جی کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ شکر دیال کیا کہنا چاہتے ہیں اور ان کا دل چند رکھ زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔

”کوئی نہیں ہے.....!“

شکر دیال نے کہا۔

”اور ہو بھی نہیں سکتا۔ اگر کوئی ست پرکاش پر الزام لگاتا تو میں سوچتا کہ وہ ودیا شکر جی کا بیری ہے۔ کیونکہ ودیا شکر جی اور ان کے خاندان کو میں خوب جانتا ہوں۔

ہاں تو مترو.....! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ نیا منتری ست پرکاش کو بنائیں۔ اس لئے میں نے چاچا ودیا شکر جی اور ست پرکاش کو دعوت دی ہے۔ کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے.....؟“

”ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے.....!“

درباریوں نے جواب دیا۔

”ست پرکاش نوجوان آدمی ہے۔ ہم سب اس سے تعاون کریں گے۔ وہ پھول نواس کا وفا دار ثابت ہوگا۔“

”شکریہ بھائیو.....! تو تمہارے مشورے سے اور چچا ودیا شکر جی کی آگیا سے میں ست پرکاش کو نیا منتری مقرر کرتا ہوں۔ کل سے ہمارا نیا منتری ست پرکاش ہے۔ وہ اپنا عہدہ سنبھال لے گا۔“

”ست پرکاش کی جے.....!“

درباریوں نے نعرہ لگایا اور پھر مہاراج نے ودیا شکر کو مبارک باد

دی۔

”بدھائی ہو چاچا جی.....!“

”مہاراج کی کرپا.....!“

ودیا شکر جی نے جھک کر شکر دیال کے چرن چھو لئے۔

ست پرکاش ہکا بکا کھڑا ہو گیا۔ ودیا شکر جی نے اسے اشارہ کیا اور اس نے بھی جھک کر مہاراج کے چرن چھو لئے۔ لیکن چرن تو وہ کسی اور کے

چھونا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ سب اسی کا دیا ہوا تھا۔ خیر اب تو موقع ملتا رہے گا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ست پرکاش منتری بن کر محل میں آ گیا۔ چندر مکھ کی ایک اور خواہش پوری ہو گئی۔ لیکن وہ بڑی زیرک عورت تھی۔ شکر دیال نے جب اسے یہ خبر سنائی تو اس نے کسی خاص جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ سوائے شکر دیال کی محبت کے اعتراف کے کہ وہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی کتنا خیال رکھتے ہیں۔ خود ست پرکاش بھی چندر مکھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ لیکن آدمی وہ بھی بے ذوق نہیں تھا۔ وزارت سنبھالنے کے پہلے منگل کو ان دونوں کی ملاقات مندر میں ہوئی۔ شکر دیال بھی چندر مکھ کے ساتھ تھے۔ ست پرکاش نے دونوں ہاتھ جوڑ کر شکر دیال اور پھر رانی چندر مکھ کو پرنام کیا۔

”چندر مکھ ہی کی خواہش تھی ست پرکاش.....! کہ تمہیں منتری بنایا جائے اور سب مہارانی کی خواہش ہو تو ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں.....؟ سچ مچ تو پھول نو اس کا مہاراجہ اب یہی ہیں۔ ہم تو ان کے داس ہیں۔“

”شرمندہ نہ کریں مہاراج.....! میں تو آپ کے جرنوں کی دھول ہوں۔“

چندر مکھ نے پیار بھری نگاہوں سے شکر دیال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں.....! وہ دھول جسے ہم آنکھوں سے لگاتے ہیں اور ہماری آنکھوں کی جوت قائم رہتی ہے۔ اگر یہ دھول ہماری آنکھوں سے دور ہو جائے تو ہم اندھے ہو جائیں.....!“

”مہاراج مسکراتے ہوئے بولے۔ ست پرکاش بھی مسکرا رہا تھا۔ پھر وہ سب یدھ راج مہاراج کے پاس پہنچ گئے اور یدھ راج انہیں پوجا کرانے لگے۔



شکر دیال، ست پرکاش کو لے کر دوسرے مجسموں کی زیارت کے لئے چلے گئے۔ چند رکھ کرشن بھگوان کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی اور یدھ راج مہاراج اسے پاٹھ کر رہے تھے۔ تب چند رکھ مسکراتے ہوئے بولی۔

”کہئے مہاراج.....! کیسے ہیں؟“

”گرو دیو کی کرپا ہے.....! مزے کر رہا ہوں۔“

”آپ کا کام ہو رہا ہے.....؟“

”بس.....! گرو دیو کی کرپا ہے.....!“

یدھ راج مہاراج نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

”عیش کریں.....! اگر مجھے تھوڑی سی آزادی مل جائے تو آپ کا کام اور اچھی طرح بن جائے گا۔ ابھی ذرا احتیاط کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے میں آپ سے کچھ اور کام لوں۔ اس کے باوجود مہاراج.....! میں آپ سے ڈرتی ہوں۔ اگر آپ میرے ہی خلاف سازش کرنے بیٹھ گئے تو بڑا سخت مقابلہ کرنا پڑے گا۔“

”یہ بھگوان کا گھر ہے مہارانی.....! اور یہ داس بھگوان کی سوگندھ کھا کر کہتا ہے کہ آپ کو دل سے گرو مان چکا ہوں۔ اگر داس پر شبہ ہو تو داس کی گردن کٹوا دیں.....! یہ کام آپ کے لئے مشکل نہ ہوگا۔ پر بھگوان کے لئے.....! داس پر بھروسہ رکھیں۔ میں کبھی آپ سے غداری نہیں کروں گا۔“

یدھ راج مہاراج نے کہا اور چند رکھ انہیں پرکھنے والی نگاہوں نے دیکھنے لگی۔

”ہاں مہاراج.....! آج تک آپ نے شکایت کا موقع نہیں دیا۔“

بہر حال ضرورت پڑنے پر آپ کو تکلیف ضرور دوں گی۔“

”داس کو ہمیشہ حاضر پائیں گی۔“

یدم راج مہاراج نے کہا اور چندر مکھ گردن ہلاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ پوجا بیٹھ واپسی پر چندر مکھ نے شکر دیال کی موجودگی میں ست پرکاش سے کہا۔

”منتری جی.....! آپ کا کام صرف راج پاٹ چلانا نہیں ہے۔ کچھ محل کی بھی خبر رکھا کریں۔ کل دن میں آپ کو کس وقت فرصت ہوگی.....؟ میں محل کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”فرصت کی کیا بات ہے.....؟ چندر مکھ.....! جب کہو منتری جی آجائیں گے۔“

”تب آپ منتری جی.....! کل گیارہ بجے میرے پاس آئیں.....! میں محل میں کچھ تبدیلیوں کے بارے میں آپ سے مشورہ کروں گا۔“

”داس حاضر ہو جائے گا راج رانی جی.....!“

ست پرکاش نے ادب سے کہا۔

”ہاں.....! ست پرکاش.....! تمہیں راج رانی کا خاص خیال رکھنا ہے۔ ان کی ہر آرزو پوری ہونی چاہئے.....! ان کے معاملے میں ہم سے مشورے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔“

”جو آگیا مہاراج.....!“

ست پرکاش نے گردن جھکا کر کہا اس کا چہرہ لال ہو گیا تھا اور دل ہی دل میں وہ کہہ رہا تھا۔

”آپ چتنا نہ کریں مہاراج.....! میں راج رانی کی ہر آرزو بخوبی پوری کر دوں گا۔“

چندا ہنس پڑی اور چندر مکھ اسے گھورنے لگی۔

”کیا بات ہے ری.....؟ کیوں بار بار دانت نکال رہی ہے.....؟“

اس نے برا سا منہ بنا کر کہا اور چندا ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔

”میں مار بیٹھوں گی تجھے.....! بتا کیوں نہیں رہی ہے.....؟“

چندر مکھ نے اس کی چوٹی پکڑتے ہوئے کہا۔

”راج رانی جی.....! ناراض ہوں گی۔“

چندا نے کہا۔

”کس بات پر.....؟“

”جو میں سوچ رہی ہوں.....!“

”بتا.....! کیا سوچ رہی ہے.....؟“

چندر مکھ نے اس کی چوٹی کو جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔

”پہلے راج رانی جی.....! وعدہ کریں ناراض نہ ہوں گی۔“

”اگر تو ایسی ویسی بات سوچ رہی ہے تو میں تیری کھال اُدھیر دوں

گی۔“

چندر مکھ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

”بات تو ایسی ویسی ہی ہے چندر مکھ جی.....!“

”جا.....! میں تجھ سے نہیں بولتی.....!“

”ہائے رانی جی.....! مر جاؤں.....! بھگوان کی سوگندھ.....! اب

میری قدر ہی کیا رہ گئی ہے.....؟ کاش بھگوان مجھے وہ بنا دیتا جو راج رانی کو

پسند ہے۔“

”ٹھہ تو سہی.....! چندا کی بیچی.....!“

چندر مکھ اسے مارنے کے لئے اٹھی اور چندا نے گردن جھکا لی۔

”تجھے ہماری سوگندھ.....! بتا کیا سوچ رہی ہے.....؟“

چندر مکھ نے زچ ہو کر کہا۔

”میں سوچ رہی ہوں راج رانی جی.....! کہ رانی جی نے یدھ راج مہاراج کی مدد سے میرے گھر والے کو بھگا دیا۔ ایسا کہ اب وہ کبھی پلٹ کر نہیں آئے گا۔ اب میں رانی جی کے لئے کیا کروں.....؟“

لیکن چندرکھ اس کی بات پر سنجیدہ ہو گئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے چندا کو دیکھ رہی تھی اور چندا کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کی آنکھوں سے خوف سمٹ آیا اور وہ چندرکھ کے قدموں میں بیٹھ کر بولی۔

”رانی جی.....! معاف کر دو داسی کو..... میری بات بری لگ گئی ہے.....؟“

”نہیں چندا.....! ہم سوچ رہے ہیں، تو نے ٹھیک ہی کہا ہے.....! وہ ہمارے اتنا قریب ہے مگر ہم اس سے ملنے کو بے کل رہتے ہیں۔ یہ پابندیاں نہ جانے کب تک چلیں گی۔ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر مہاراج کے من میں ذرا بھی ہال آ گیا تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔“

چندرکھ نے کہا اور چندا سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے پاس بھی اس الجھن کا کوئی حل نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے.....! ہم ہی من کو ماریں گے۔ جیسے بھی بن پڑے گا اس سے ملیں گے۔ وہ بھی پاپی ہمارے لئے تڑپ رہا ہے۔ ہم نے اس کے چہرے سے اندازہ لگایا ہے۔ چل جانے دے.....! آج وہ گیارہ بجے آ رہا ہے۔ تجھے اپنا کام یاد ہے نا.....؟“

”بھول سکتی ہوں رانی جی.....؟ آپ بالکل چٹنا نہ کریں.....!“

چندا نے کہا اور چندرکھ گردن ہلانے لگی۔

ست پرکاش دھڑکتے دل سے چندرکھ کے محل میں داخل ہوا۔ کافی دن کے بعد اس کی چندرکھ سے تنہائی میں ملاقات ہونے والی تھی۔

”لیکن کیا وہ تنہا ہوگی.....؟ کیا اس سے دل کی باتیں کرنے کا موقع

ملے گا.....؟“

وہ سوچ رہا تھا۔

چندا نے اس کا استقبال کیا۔ اس کی آنکھوں کی مسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔ محل میں دوسری باندیاں نظر نہ آئیں۔ ست پرکاش کو کیا معلوم تھا کہ چندا نے پہلے ہی سب کو کام سے لگا دیا ہے.....؟ پھر چندا نے اسے چندرکھ کے دوار چھوڑ دیا۔

”آپ اندر آجائیں منتری مہاراج.....!“

اس نے کہا اور خود رُک گئی۔ تب ست پرکاش دھڑکتے دل سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ ایک خوب صورت چھپرکھٹ پر چندرکھ دراز تھی۔ اس نے بال بال موتی پروئے ہوئے تھے۔ ست پرکاش دل پکڑ کر رہ گیا۔

”آؤ ست پرکاش.....!“

چندرکھ مخمور لہجے میں بولی اور ست پرکاش آگے بڑھ آیا۔

”رانی جی کو پرنام کروں یا اپنی چندرکھ کو سینے سے لگا لوں.....؟“

اس نے گھمبیر آواز میں کہا اور چندرکھ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ برق پاش نگاہوں سے ست پرکاش کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

”تمہاری چندرکھ تمہارے سامنے ہے ست پرکاش.....!“

اور ست پرکاش دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

”بڑا کٹھن امتحان ہے چندرکھ.....! بڑا صبر آزما وقت گزرتا ہے مجھ

پر.....! بڑا بے کل رہتا ہوں میں.....!“

وہ اس کے رخسار چومتا ہوا بولا۔

”میری حالت تم سے مختلف نہیں ہے ست پرکاش.....! میں تم سے

زیادہ بے کل رہتی ہوں۔ مگر احتیاط ضروری ہے۔ ہمیں وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔“

چندر مکھ نے اس کی گردن میں بائیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”وقت کب آئے گا.....؟ وہ وقت کب آئے گا.....؟“

ست پرکاش نے کہا۔

”آئے گا اسی طرح..... جیسے تم میرے سامنے ہو.....! کیا تمہیں اس

بات کا یقین تھا.....؟“

چندر مکھ نے اس کے چوڑے سینے سے سر نکاتے ہوئے کہا۔

”ہمیں چندر مکھ.....! میں تو اپنے مقدر کا ماتم کر چکا تھا۔“

”تم مرد ہو ست پرکاش.....! اس کے باوجود تم ہمت ہار کر بیٹھ

گئے.....؟ مگر میں عورت ہو کر کوشش کرتی رہی۔ میں نے بھی بڑی کٹھن

منزائیں طے کیں اور اتنا راستہ بنا لیا کہ تم میرے پاس ہو۔ ابھی اتنا ہی کافی

ہے۔ ست پرکاش.....! ہم موقع موقع سے ملتے رہیں گے۔ تمہیں بھی دُنیا

والوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکتی ہے اور مجھے بھی۔ اس پورے محل میں میری

راز دار صرف چندا ہے۔ ہم جہاں بھی جیسے بھی مل سکیں گے، ملیں گے۔ اور

میں کوشش جاری رکھوں گی اور ممکن ہے میرے اور تمہارے درمیان کوئی دیوار

نہ رہے.....!“

”میری چندر مکھ.....!“

ست پرکاش نے محبت سے اسے پھینکتے ہوئے کہا۔

”میرے ست پرکاش.....!“

چندر مکھ نے بھی اسے محبت سے خود میں جذب کر لیا اور دروازے کی جھری سے لگی چندا کا چہرہ گلزار ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے مستی چھلکنے لگی۔ اس طرح اندر جھانکنا پاپ تھا لیکن وہ خود کو روک بھی نہ سکتی تھی۔ پورے محل میں اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ چندر مکھ نے دروازے کی حفاظت کی ذمہ داری اس کو سونپی تھی۔

مگر اس حفاظت کے ساتھ، ایک بار پھر اس کی آنکھیں جھری سے جا لگیں اور اس نے اپنے بازو اپنے جسم کے گرد لپیٹ لئے۔

☆☆☆

شکر دیال نے راج کھٹ پر سر رکھا اور پھر چندر مکھ کی طرف دیکھا۔ چندر مکھ پیار بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ دوڑی اور شکر دیال سے لپٹ گئی۔ شکر دیال بھی پیار سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

”کیا بات ہے چندر مکھ.....؟ آج ہم پر بہت پیار آ رہا ہے.....؟“

انہوں نے اس کی ٹھوڑی اونچی کرتے ہوئے کہا۔

”آج دربار نہ جائیں مہاراج.....!“

چندر مکھ ان کے سینے میں سر چھپاتی ہوئی بولی۔

”ارے کیوں.....؟“

”بس.....! آج میرا من چاہتا ہے کہ آج دن بھر آپ کے گھٹنے پر

سر رکھے لیٹی رہوں.....!“

”ہم دوپہر کو دربار ختم کر دیں گے رانی.....! اور پھر تمہارے ساتھ

رہیں گے.....!“

”نہیں مہاراج.....! آپ اتنا کام کیوں کرتے ہیں.....؟ دن بھر میں آپ کا انتظار کرتی ہوں۔ آپ کو کیا معلوم میرا دن کیسے گزرتا ہے.....؟“

”ہم جانتے ہیں چندر مکھ.....! ہماری چندر مکھ ہم سے کتنا پیار کرتی ہے۔ مگر میری رانی.....! راج پاٹ کے کام بھی بہت ضروری ہوتے ہیں۔“

مہاراج پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے بولے۔

”آخر یہ ست پرکاش کس مرض کی دوا ہے.....؟ کیا وہ آپ کے نہ ہونے پر راج کا کام بھی نہیں سنبھال سکتا.....؟“

”نہیں نہیں.....! وہ تو بڑا محنتی ہے۔ بڑی لگن سے کام کر رہا ہے۔ بہت سے مسئلے اس نے ہوشیاری سے حل کر دیئے ہیں جو لمبے عرصے سے کھٹائی میں پڑے ہوئے تھے۔“

”نہیں.....! میں نہیں مانتی۔ بس آپ نہ جائیں.....! دیکھئے تو کتنے کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔“

چندر مکھ نے ٹھنکتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں.....! تمہارا وہم ہے راج رانی.....! تمہارے ہوتے ہوئے ہمیں کس بات کی چنتا ہے.....؟“

”مگر میں اکیلی رہتی ہوں۔“

”باندیاں ہیں تمہارے پاس.....!“

مہاراج بولے۔

”مجھے آپ کے بنا کچھ نہیں بھاتا۔ اچھا.....! ایک کام کریں.....! آج سے میں بھی دربار میں آپ کے ساتھ بیٹھا کروں گی۔ میں دیکھوں گی کہ آپ دربار کے کام کیسے کرتے ہیں.....؟ اس طرح میں آپ کے پاس بھی رہوں گی اور میرا من بھی اُداس نہیں ہوگا۔“



مہاراج سوچ میں ڈوب گئے اور پھر انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں.....! اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اچھا.....! تم ایسا کرنا.....!  
تھوڑی دیر کے بعد تیار ہو کر آ جانا.....! ہم تمہارے لئے بھی انتظام کرا دیں  
گے۔“

”صرف آج نہیں.....! روز.....؟“

چندر مکھ نے کہا۔

”ہاں ہاں.....! اس طرح تو ہمیں اور آسانی ہو جائے گی۔ دن بھر  
ہماری چندر مکھ ہمارے سامنے رہے گی۔“

شکر دیال نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر یہ بات طے ہوگئی کہ چندر  
مکھ آج سے مہاراج شکر دیال کے ساتھ دربار میں بیٹھا کرے گی۔

راج دربار میں خصوصی انتظامات کئے گئے تھے۔ رانی چندر مکھ کے  
لئے ایک نفیس سنگھاسن لگوا دیا گیا جو عام درباریوں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔  
لیکن چندر مکھ، مہاراج کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔

مہاراج کی بانیں سمت منتری جی کی سمت تھیں لیکن مہاراج ایک بار  
بھی اندازہ نہ لگا سکے کہ چندر مکھ کی میٹھی نگاہیں ان کے لئے ہوتی ہیں یا منتری  
جی کے لئے.....؟

ست پرکاش بھی خوش تھا۔ اب مدھوتی اس کے سامنے رہتی تھی۔  
چندر مکھ مہاراج کے کاموں میں پوری دلچسپی لیتی تھی اور یوں ہی طویل عرصہ  
بیت گیا۔ اس دوران ست پرکاش کی ملاقات یوں تو ہر روز ہی مدھوتی سے ہوا  
کرتی تھی۔ اس نے دُوری دُور کر دی تھی۔ لیکن چار بار ان کی ملاقات خلوت  
میں بھی ہو چکی تھی۔

پہلی بار تو خود چندر مکھ نے اسے بلایا تھا۔ دوسری بار اس وقت جب ست پرکاش چندر مکھ کی خلوت میں رہا تھا۔ جب مہاراج کسی دوسری ریاست گئے ہوئے تھے۔ وہاں انہیں ضروری کام تھا۔ آج چندر مکھ کی طبیعت اچانک خراب نہ ہو جاتی تو مہاراج اسے بھی ساتھ لے جانے کا پروگرام بنا چکے تھے۔

لیکن چندر مکھ کی طبیعت خراب ہو گئی اور وہ نہ جاسکی۔ مہاراج نے چندر مکھ کی دُوری میں رات کیسے بھی گزاری ہو.....؟ لیکن ست پرکاش کی وہ رات خوب گزری تھی۔ پوری رات وہ چندر مکھ کی خواب گاہ میں رہا تھا اور اس نے دل کی ساری حسرتیں نکال لی تھیں۔

اس رات اس نے ایسے ہی محسوس کیا تھا، مانو چندر مکھ اس کی دُہن ہو۔ چندر مکھ بھی اس رات دُہن بن گئی تھی۔ سرخ جوڑے میں ملبوس، بیر بہوٹی گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ بالکل نئی نویلی دُہن کی طرح۔ ست پرکاش اس دُہن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ تب وہ سب کچھ ہوا جو دلوں کا ارمان ہوتا ہے۔ اس رات کا نشہ ہفتوں ست پرکاش اور چندر مکھ پر چھایا رہا۔

چندر مکھ کا کام البتہ مشکل تھا۔ اسے وہ رات بھلا کر ہر رات مہاراج سے جھوٹی محبت جتانی پڑی تھی۔ اس کے بعد کی دو ملاقاتیں۔ ایک چندا کے مکان پر ہوئی تھی اور دوسری خود و دیا شکر جی کے گھر جہاں چندر مکھ پہلے پہنچ گئی تھی اور ست پرکاش بعد میں۔

بہر حال پھول نواس کے محل میں نئے نائک ہو رہے تھے۔ چندر مکھ کے وفادار عیش کر رہے تھے۔ شطرنج بساط کا ہر مہرہ چندر مکھ کے اشارے پر چل رہا تھا اور بدھو مہاراج اپنی سدھ بھول چکے تھے۔ چندر مکھ نے اس کا پیٹ بھر دیا تھا اور اب کس کی مجال تھی کہ چندر مکھ کو نیچا دکھا سکے۔ سندز ناری

مہاراج کی آنکھوں میں جچتی تھی۔

چندا اپنے مہندر کی دیوانی تھی۔ سیدھے سادھے مالی کو یہ لڑکی کیا ملی تھی، وہ دُنیا ہی بھول گیا تھا۔ گھر پر پڑا موٹا ہو رہا تھا اور عیش کر رہا تھا۔ دوسری طرف چندا مہاراج تھے کہ رکنی کا تیس دن کا چلہ پورا ہو چکا تھا اور اب وہ شہزادے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے بعد جوتی شرتی رنگ کی ایک گداز لڑکی جس کی مرمریں چندا مہاراج سے کلیاں حاصل کر چکی تھی اور اب جوتی کے بعد سلونی تھی جو آج کل یدھ راج سے گیان حاصل کر رہی تھی۔

یدھ راج کا جال کبھی کمزور نہیں ہوتا تھا اور پھر گرو مہاراج کی آگیا تھی۔ بھلا وہ کسی سے کیوں ڈرتے.....؟ چنانچہ خوب گل چھڑے اڑا رہے تھے۔ لیکن خود چندر مکھ بہت محتاط تھی۔ اس کا دل کب چاہتا تھا کہ ست پرکاش ایک لمحے کے لئے اس سے جدا ہو.....؟ لیکن اس نے مکمل طور پر خود کو کنٹرول کیا ہوا تھا۔

راج پاٹ کے کاموں میں اب وہ اتنی ذخیل ہو چکی تھی۔ خود مہاراج انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ وہ چنگی بجاتے اسے ایسے مسائل حل کر دیتی جنہیں شکر دیال اور ست پرکاش سلجھا نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ اب وہ راج دربار کی ایک اہم ضرورت بن گئی تھی۔ حسب معمول روزانہ دربار جاتی۔ تھوڑا سا پردہ تھا وہ بھی ہٹ چکا تھا۔ اور اب مہاراج شکر دیال کے ساتھ رانی چندر مکھ کا نام بھی لیا جاتا تھا۔

تب ایک رات راج رانی چندر مکھ، شکر دیال کے پہلو میں تھی۔ شکر دیال نے کہا۔

”تم تو دُنیا کی ایک انوکھی ناری نکلیں چندر مکھ.....! ایسا لگتا ہے کہ تم راج کے لئے ہی پیدا ہوئی ہو۔ میں اور خود منتری جی تمہاری ذہانت پر حیران

ہوں۔“

”نہیں مہاراج.....! کہاں میں اور کہاں راج.....؟ مجھے اپنی حیثیت معلوم ہے۔ آپ اٹھا کر سینے سے نہ لگا لیتے تو کسی گندی نالی میں پڑی ہوتی۔“

چندر مکھ نے اُداسی سے کہا اور مہاراج چونک پڑے۔  
 ”کیسی باتیں کرتی ہو چندر مکھ.....؟ کیا تم ابھی تک اپنا ماضی نہیں بھول سکیں.....؟“

”ماضی کون بھول سکتا ہے مہاراج.....؟ کیا میں نے غلط کہا ہے.....؟ اگر میرے بھاگ نہ جاگتے، آپ مجھے نہ دیکھ سکتے تو کیا آج یہ عزت ملتی مجھے.....؟“

”ٹھیک ہے چندر مکھ.....! لیکن اب تو یہ سب کچھ تمہارا ہے۔ کون ہے جو تمہاری برابری کا دعویٰ کر سکے.....؟“

”کبھی کبھی من ڈرتا ہے مہاراج.....!“

چندر مکھ نے ایک سسکی لے کر کہا۔

”کیوں ڈرتا ہے چندر مکھ.....؟ بتاؤ تو سہی.....! تمہارا من کیوں ڈرتا ہے.....؟“

مہاراج پریشان ہو گئے۔

”جہاں زیادہ پریم ہوتا ہے مہاراج.....! وہاں اندیشے بھی ہوتے ہیں۔“

”مگر تمہیں کیا اندیشہ ہے.....؟“

”کیسی باتیں کرتی ہو راج رانی.....؟ میں تم سے آنکھیں پھیر لوں گا،

اندھا نہ ہو جاؤں گا.....؟“

شکر دیال نے شدت جذبات سے کہا۔

”بس.....! کبھی کبھی میرے من میں خیال آ جاتا ہے مہاراج.....!“

اور میں کوشش کے باوجود اسے دل سے نہیں نکال سکتی۔“

چندر مکھ سمے ہوئے انداز میں بولی اور پھر اس نے ڈرتے ڈرتے

مہاراج کے سینے میں سر چھپا لیا۔ اسے بڑے زور کا لرزہ چڑھا تھا۔

”چندر مکھ.....! میری چندر مکھ.....! ہوش میں آؤ.....! یہ تمہیں کیا

ہو گیا.....؟“

شکر دیال نے سخت پریشان ہو گئے۔ چندر مکھ کی حالت درست نہیں

ہوئی تھی۔ اس کے دانت بھینچ گئے تھے۔ آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور وہ بری

طرح کانپ رہی تھی۔ مہاراج اسے آوازیں دے رہے تھے لیکن وہ گہری

گہری سانسیں لے رہی تھی۔

ذرا سی دیر میں راج وید اور دوسرے حکیم آ گئے تھے۔ اپنی اپنی

ترکیبیں ہونے لگیں۔ سب بھاگے دوڑے پھر رہے تھے۔ لیکن چندر مکھ کی

ایسی ہی حالت تھی۔

دوسرے دن دربار بھی نہ لگا۔ یدھ راج بھی آئے تھے۔ شکر دیال

کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ پھر یدھ راج نے پانی پڑھ کر چندر مکھ پر چھڑکا

اور تھوڑی دیر کے بعد چندر مکھ نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ ست پرکاش بھی سخت پریشان تھا۔ چندر مکھ

کی اچانک بیماری اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہر حال یدھ راج کی

کوششوں سے وہ ہو گیا تھا جو بڑے بڑے حکیم بھی نہ کر سکے تھے۔

مہاراج شکر دیال نے عقیدت سے یدھ راج کے پاؤں پکڑ لئے۔

”یہ کیا ہو گیا مہاراج.....؟ چندر مکھ کی حالت ایسی کیوں بگڑ

گئی.....؟“

اس نے پوچھا۔

”میں دیکھوں گا شکر دیال.....! تم رات کو میرے پاس آنا۔ میں

ابھی سے ایک جاپ کر کے پتہ لگا لوں گا کہ یہ سب کیا ہے.....؟“

”مہاراج کی بڑی کرپا ہوگی۔ چندر مکھ میرا جیون ہے مہاراج.....!

اسے کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔“

”چنتا نہ کرو شکر دیال.....! سادھو سے جو کچھ ہو سکے گا، وہ ضرور

کرے گا۔“

”چندر مکھ کی حالت سدھرتی گئی اور شام تک کافی بہتر ہو گئی۔ دوسری

طرف یدھ راج اپنا جاپ کر رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ چندر مکھ کی حالت

کیوں بگڑی.....؟ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اب وہ کیسے ٹھیک ہوگی.....؟

راج رانی تنہائی میں پہلے ہی ان سے پروگرام طے کر چکی تھی۔

شام کو جب شکر دیال ان کے پاس پہنچے تو یدھ راج اپنا جاپ پورا

کر چکے تھے۔ ان کے چہرے پر غور و خوض کے آثار تھے۔ شکر دیال نے اپنے

ساتھیوں کو مندر کے دوار سے ہی رخصت کر دیا تھا۔

”کیسی ہے چندر مکھ.....؟ شکر دیال.....!“

”اچھی ہے مہاراج.....! لیکن ابھی بالکل ٹھیک نہیں ہے۔“

شکر دیال نے پریشان لہجے میں کہا۔

”ایک بات بتاؤ گے شکر دیال.....؟“

”ضرور مہاراج.....!“

شکر دیال نے کہا۔

”جس وقت راج رانی چندر مکھ کی یہ حالت ہوئی، اس وقت وہ آپ

سے کیا گفتگو کر رہی تھیں.....؟“

شکر دیال یہ سوال سن کر اُلجھن میں پڑ گئے۔ پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

”وہ مجھے سے کہہ رہی تھی کہ میں نے اس سے آنکھیں پھیر لیں تو وہ کہیں کی نہ رہے گی۔“

”ہوں.....!“

یدھ راج کا چہرہ چمک اُٹھا۔

”اس کا مطلب ہے کہ میرا جاپ کامیاب رہا.....!“

اور مہاراج سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے رہے۔

”آپ خاموش کیوں ہو گئے مہاراج.....؟ بتائیے نا.....! کیا بات

ہے.....؟“

یدھ راج نے جو جاپ کیا تھا اس نے انہیں کہانی ہی دوسری سنائی تھی۔ آخر کار تھوڑے بہت گیانی دھیانی تھے۔ وہ جاپ انہیں بتاتا تھا کہ چندر مکھ کی جیون کہانی سمپت ہو چکی ہے۔

اور یہ بات غلط نہیں تھی۔ رات کا نہ جانے کون سا سہ تھا کہ چندر مکھ مٹی بن گئی۔ پھول نواس میں کھلبلی مچ گئی اور ہری رام کے کانوں میں چندر بدن کی چیخیں ابھریں۔

”مر گئی پتا جی.....! مر گئی میں.....! ہائے رام.....! دھانت ہو گیا میرا.....! میں مر گئی ماما جی.....! ہائے میری میا.....! جنم جنم کے کھیل میں جیون ہی ہار گئی میں.....!“

ہری رام اور کوشلیا دوڑ کر چندر بدن کے کمرے میں پہنچ گئے۔ چندر بدن چھپر کھٹ پر سیدھی سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ کوشلیا نے اسے چھو کر

دیکھا۔

”ارے.....! ای کا ہو گیو.....؟ ارے.....! ای ماں.....! تو جیون ہی نہیں رہے۔ ارے.....! کیا ہو گوا ہمار بٹیا کو.....؟ ارے ہریا.....! دیکھ تو سہی.....! ای ماں.....! تو جیون جوت ہی نہ رہے.....!“

ہری رام نے چند رکھ کو چھو کر دیکھا۔ تبھی اس کے کانوں میں ایک آواز ابھری۔

”یہ اس کا ساتواں جنم تھا۔ اس کے ساتوں وچن پورے ہو گئے۔ اب یہ مائی ہے، صرف مائی.....! چند بدن نے اپنے ساتوں جنم پورے کر لئے ہیں۔“

(کالی داس)

سن گنگا رام پنچمرو پرانو تیرو پڑی گیو  
جب تک ہنس ریو چولا میں ، چولا جب تک بنوریو  
اڑ گیو ہنس رہ گئی مائی ، بولن پارو کدھر گیو  
سن گنگا رام  
جب تک تیل ریو دیولا میں ، دیولا جب تک برو ریو  
تیل مہر گیو باقی جر گئی ، جوڑن ہارو کدھر گیو  
سن گنگا رام

ختم شد